فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعه قاسمیه

مدرسه شاهی مرادآباد، الهند

(جلد ۲۰)

المجلد العشرون

الشركة، المضاربة، الربٰوا

بتمام انوعها

۸۸۵۷ ——— ۸۸۵۶

ناشر

مکتبه اشرفیه، دیوبند، الهند

01336-223082

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

❖❖　❍❖❍

فہرست مضامین

٢٦/ كتاب الشركة والمضاربة

١/ باب شرائط الشركة

۲/ باب شرکة العنان

٣/ باب شركة الوجوه

۴/ باب الشركة الفاسدة

۵/ باب المضاربة

۲۷/ کتاب الربوا

۱/ باب ما یتعلق بنفس الربوا

۲ / باب البنوک

۳/ مسلم فنڈ

۴/ باب کاروبار میں سودی شکلیں

۵/ باب پرائیویڈنٹ فنڈ

۶/ بیمہ کے احکام

۷/ باب القمار

۸/ باب الرشوۃ

۹/ باب سودی رقم کا مصرف

۱۰/ باب سرکاری ٹیکس

۲۶/ کتاب الشرکۃ والمضاربۃ

(۱) باب شرائط الشرکۃ

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

تجارت میں فیصد طے کر کے شرکت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر کی ایک تجارت ہے، مستقل چل رہی ہے، زید کچھ رقم داخل کر کے بکر کے ساتھ شریک ہونا چاہتا ہے، فریقین کے مابین ہر ماہ کی بکری میں سے فیصد طے ہوجاتا ہے۔ مزید یہ کہ زید وہ روپیہ کچھ عرصہ کے بعد واپس لے گا، تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور نفع ونقصان میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: نازش متین، پنجابیان، املی جھولے والی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا بکر کی تجارت میں فیصد کے لحاظ سے نفع ونقصان طے کر کے شرکت کرنا جائز ہے؛ اس کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں۔

(۱) یہ کہ مثال کے طور پر جس کا کاروبار پہلے سے چل رہا ہے اور اس کا کل سرمایہ چار لاکھ ہے اور بعد والے کا ایک لاکھ ہے، تو یہ کل سرمایہ پانچ لاکھ ہوگیا، تو نفع میں ۲۰ر فیصد ایک لاکھ والے کو ملے گا اور ۸۰ر فیصد چار لاکھ والے کو ملے گا۔

(۲) اگر نفع نہیں ہوتا ہے، تو کسی کو بھی کچھ نہ ملے گا۔

(۳) اگر بجائے نفع کے رأس المال میں نقصان آجاتا ہے، تو ایک لاکھ والا رأس المال میں سے ۲۰ ؍فیصد نقصان کا ذمہ دار ہوگا اور چار لاکھ والے کو ۸۰ ؍فیصد نقصان کا بھگتان برداشت کرنا پڑے گا۔

(۴) اور زید کو ہر وقت علیحدہ ہوجانے کا اختیار رہے گا، ان چار شرطوں کے ساتھ یہ شرکت جائز ہوسکتی ہے اور آج کل کے زمانے میں ایک شکل یہ چل رہی ہے کہ کوئی بھی پیسے والا آدمی کاروبار کرنے والے کو اپنا پیسہ اس شرط پر دیتا ہے، کہ ماہانہ اتنی فیصد یا ماہانہ اتنا روپیہ ہمیں نفع کے طور پر دینا ہوگا۔ اب کاروبار کرنے والے کو نفع میں کچھ ملتا ہو یا نہ ملتا ہو؛ لیکن پیسے والے کو اپنی شرط کے مطابق بہر حال ملنا ہے اور اگر نقصان ہوجائے تو پیسے دینے والا اس نقصان میں شریک نہ ہوگا وہ صرف نفع میں ہی شریک ہوتا ہے؛ اس لئے یہ ناجائز وحرام ہے۔

إن شرطا الربح بينهما بقدر رأس مالهما جاز — والوضيعة بينهما على قدر رأس مالهما أبداً. (شامي، كتاب الشركة، مطلب في شركة العنان، زكريا ٦/٤٨٤، كراچي ٤/٣١٢، بدائع الصنائع، زكريا ٥/٨٣، كراچي ٦/٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/٦١، هندية، زكريا قديم ٢/٣٢٠، زكريا ٢/٣٢٦)

وأحدهما يملك فسخها، وإن كان المال عروضاً. (شامي، مطلب في شركة العنان، زكريا ٦/٥٠٥، كراچي ٤/٣٢٧، البحر الرائق، زكريا ٥/٣٠٩، كوئٹه ٥/١٨٥)

ولاتصح إلا بالمال الذي تصح به الشركة. (هداية، كتاب المضاربة، اشرفيه ٣/٢٥٧، مختصر القدوري ١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۲۳۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۷؍۱۴۲۰ھ

شرکت میں نفع ونقصان کا تناسب

سوال [۸۸۵۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری خالہ نے اب سے چندسال قبل تقریباً ایک لاکھ پچاس ہزار کی رقم بطور کاروبار میری فرم (کمپنی) میں لگائی تھی جو کہ نفع اور نقصان کی شرائط پر دی تھی، چندسال قبل میری فرم جو کہ ملک سے باہر مال سپلائی کرتی تھی، اس میں نقصان ہوگیا، اس طرح کہ ۱۲؍لاکھ روپیہ کی رقم باہر کے کاروباری نے روک لی اور رقم دینے سے منع کردیا اور میرا کاروبار بند ہوگیا۔ اور تنگ دستی بھی ہے اور رقم وصول کرنے کے لئے قانونی کارروائی بھی جاری ہے، جو کہ آج بھی چل رہی ہے، میں نے اپنی خالہ محترمہ سے رقم لینے کے بعد سے اب تک لگ بھگ وقتاً فوقتاً ۳۵ سے ۴۰ ہزار تک دے بھی دیا ہے۔

اب میری خالہ محترمہ کل رقم کا مطالبہ کررہی ہیں؛ جبکہ ابھی تک باہر سے کوئی رقم نہیں آئی ہے، تو اب شرعی طور پر میرے اور میری خالہ محترمہ پر کیا شرعی قانون لاگو ہوگا؟ تو کیا ان کو اس طرح رقم مانگنا صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں تاکہ میں گناہ سے بچ سکوں۔ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: ظہیراحمد ولد شاندار حسین مرحوم، مفتی ٹولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے، تو جب نفع اور نقصان دونوں میں اپنی لاگت کے تناسب کے حساب سے شرکت کے ساتھ معاملہ کیا گیا ہے، تو دونوں جس طرح نفع میں شریک ہوں گے، اسی طرح نقصان میں بھی شریک ہوں گے؛ لہٰذا جو پیسہ بائر نے روک لیا ہے، اس کے اندر تناسب کے اعتبار سے دونوں کا پیسہ رکا ہوا سمجھا جائے گا اور جو پیسہ وہاں سے آتا رہے گا، تناسب کے حساب سے دونوں اس پیسہ میں حقدار ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۴/۱۸۲)

عن جابر بن زیدؒ، قال: الربح علی ما اصطلحوا علیه، والوضیعة علی المال هذا في الشریکین، فإن هذا بمأة، وهذا بمأتین. (مصنف عبد الرزاق، البیوع، باب نفقة المضارب، ووضیعته، المجلس العلمي ۸/۲٤۸، رقم: ۱۵۰۸۹)

إذا شرطا الربح علی قدر المالین متساویاً، أومتفاضلاً ، فلا شک أنه یجوز ویکون الربح بینهما علی الشرط......والوضیعة علی قدر المالین متساویاً، ومتفاضلاً؛ لأن الوضیعة اسم لجزء هالک من المال فیتقدر بقدر المال. (بدائع الصنائع، کتاب الشرکة، زکریا ۵/۸۳، کراچي ٦/٦۲، هندیة، زکریا قدیم ۲/۳۲۰، جدید ۲/۳۲٦)

ویجوز مع ذلک أن یتساویا في الربح، أویختلفا فیوزع الربح بینهما حسب الشرط الذي اتفقا علیه، أما الخسارة فتکون بنسبة رأس المال، فحسب عملاً بقاعدة الربح علی ما شرطا والوضیعة علی قدر المالین.

(الفقه الإسلامي وأدلته ٤/۵۹۲-٦۰۹-٦۱۰)

وإن شرطا أن یکون الربح والوضیعة بینهما نصفین، فشرط الوضیعة بصفة فاسدة؛ ولکن بهذا لا تبطل الشرکة؛ لأن الشرکة لا تبطل بالشروط الفاسدة، وإن وضعا فالوضیعة علی قدر رأس مالهما. (تاتارخانیة، زکریا۷/۴۹۱، رقم: ۱۰۹٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۱۶۱۲)	۲۱/۷/۱۴۳۵ھ

پانچ فیصد کے نفع پر شرکت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جگہ حاجی اشرف نے دو غیر آدمیوں کے ساتھ لی، یعنی پارٹنرشپ میں لی،

میں نے یعنی حاجی اسلام نے کہا کہ اس زمین میں میرا بھی شیئر ڈال دو، حاجی اشرف نے کہا کہ آپ کا اس میں کوئی پیسہ لگا ہوا نہیں ہے، پھر بھی میں آپ کو پانچ پرسنٹ پر پارٹنر بناتا ہوں، میں ان کے ساتھ لگا رہا اور ہم دونوں آتے جاتے رہے، جہاں پر بھی ضرورت پڑی وہ زمین ساری فروخت ہوگئی، حاجی اشرف نے کہا کہ تمہاری کوئی رقم لگی ہوئی تو تھی نہیں، میں نے کہا کہ بغیر پیسہ کے بھی پارٹنر ہوتے ہیں اور میں آپ کے ساتھ بھاگ دوڑ بھی کرتا رہا اور آپ نے یہ خود ہی کہا تھا اور طے کیا تھا کہ آپ کو پانچ پرسنٹ کا پارٹنر بناتا ہوں۔ اب وہ میرا حصہ دینے کو راضی نہیں ہیں تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: حاجی محمد اسلام، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب پانچ فیصد کے ساتھ معاملہ طے ہوا اور اسی شرط پر حاجی اسلام نے بھاگ دوڑ اور محنت میں پورا پورا حصہ لیا ہے، تو نفع میں سے پانچ فیصد وعدہ کے مطابق دینا لازم ہے۔

قال اللہ تعالی: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ . [المائدہ: ۱]

وإن فسدت فأجير فله أجر مثله ربح، أو لم يربح ولا يزاد على ماشرط له عند أبي يوسف ملتقي الأبحر، وهو المختار،الدر المنتقي. (مجمع الأنهر، كتاب المضاربة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/۴۴۴، مصري قديم ۲/۳۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۲۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

منافع کا فیصدی لازم ہے

سوال [۸۸۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ ایک صاحب کاٹنے والے جانوروں کا کاروبار کرتے ہیں، مالی حیثیت سے کمزور ہیں، میں جن صاحب سے روپیہ لیتا ہوں وہ صاحب فی جانور پر اصل کے علاوہ سو روپیہ منافع لیتے ہیں، وقت کی کوئی قید نہیں ہے، جب جانور ذبح ہوکر فروخت ہوگا، تب حساب دینا ہوگا، کیا اس طرح روپیہ لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ شوکت علی راوتپور، قصبہ کانٹ، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج کردہ صورت جس میں رقم دینے والے کو فی جانور سو روپیہ دینے کی بات طے ہوتی ہے جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ اپنے پیسے پر سود اور بیاج ہے جو کہ قطعی حرام ہے، ہاں البتہ یہ صورت جائز ہوسکتی ہے کہ فی جانور جو کچھ نفع ہوسکتا ہو اس کی تقسیم کی بات طے ہوجائے، مثلاً نصف نصف کہ اگر دو سو روپیہ نفع ہوتا ہے، تو سو سو روپیہ یا ایک ثلث اور دو ثلث کہ ڈیڑھ سو نفع ہوتا ہے، تو ایک کو سو روپیہ اور دوسرے کو پچاس روپیہ اس طرح جائز ہوسکتا ہے۔

وکون الربح بینهما شائعاً فلو عین قدراً فسدت وکون نصیب کل منهما معلوما عند العقد. (در مختار مع الشامي، کتاب المضاربة، زکریا ۸/۴۳۳، کراچي ۵/۶۴۸)

ومن شرطها أن یکون الربح بینهما مشاعاً لا یستحق أحدهما منه دراهم مسماة. (مختصرالقدوري، کتاب المضاربة ۱۸۸، هدایة، اشرفي ۳/۲۵۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۵۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۵ھ

منافع کی تقسیم طے شدہ فیصد کے مطابق کرنے کا حکم

سوال [۸۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے ایک جگہ خریدی، اس جگہ میں حاجی اسلام اور حاجی اشرف کا بھی شیئر تھا، حاجی اشرف کی -/535000 پانچ لاکھ پینتیس ہزار کی رقم لگی ہوئی تھی، اور حاجی اسلام کی -/400000 چار لاکھ روپیہ کی رقم لگی ہوئی تھی، مگر یہ طے ہوا تھا کہ حاجی اشرف اور حاجی اسلام دونوں نفع اور نقصان کے برابر کے ذمہ دار ہیں، اگر حاجی اشرف کی رقم زیادہ تھی، تو حاجی اسلام کی محنت زیادہ تھی۔

عرض یہ ہے کہ ہم دونوں آدھے آدھے کے پارٹنر بن گئے، جب یہ کام ختم ہوگیا، تو کچھ رقم دوسرے کام میں لگادی، پھر کچھ رقم تیسرے کام میں لگادی اور پھر ساری رقم چھوتھے کام میں لگادی۔ زمین کی خریداری میں اب حاجی اشرف کا کہنا ہے کہ منافع پرسنٹیز کے حساب سے بٹے گا، حاجی اسلام کا کہنا ہے کہ اگر تمہاری رقم زیادہ تھی، تو میری محنت زیادہ تھی اور آپ میرے اوپر حکم بھی زیادہ چلاتے تھے، کیا کہتے ہیں علماءِ دین یہ منافع پرسنٹیز کے حساب سے بٹے گا یا آدھا آدھا بٹے گا؟ جب یہ طے تھا کہ نفع نقصان میں دونوں آدھے آدھے کے ذمہ دار ہیں، اس شخص سے حاجی اشرف نے ایک دوکان کا سودا، پندرہ لاکھ روپیہ کا کیا اور اپنے پاس سے دو لاکھ روپیہ ایڈوانس دے دیئے، میری بغیر اجازت کے اور باقی جو تیرہ لاکھ روپیہ کی رقم تھی پارٹنر شپ کی، وہ پارٹنر شپ کی رقم میں سے کاٹنے کے لئے کہہ دیا، جو حاجی اشرف اور حاجی اسلام کی زمین کے منافع کے تھے، حاجی اسلام حاجی اشرف سے کہتے ہیں کہ اس میں میرا بھی آدھا حصہ ہے، دوکان کی خریداری میں؛ چونکہ میری بھی رقم لگی ہوئی ہے اور آپ کی جو زائد رقم لگی ہوئی ہے، مجھ سے یعنی حاجی اسلام سے لیں۔ اس بات پر تیار ہیں حاجی اشرف اور کہتے ہیں کہ حاجی اسلام سے کیا واسطہ میں اکیلا اپنے نام رجسٹری کراؤں گا،

جب کہ حاجی اسلام کی بھی دوکان میں رقم لگی ہوئی ہے۔ اب اس دوکان کی قیمت کافی بڑھ چکی ہے۔ کیا کہتے ہیں علماء دین مفتیان کرام کیا اس دوکان میں حاجی اسلام کا شیئر ہے یانہیں؟ یا کوئی اور راستہ ہے؟ جواب عنایت فرما دیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: حاجی محمد اسلام، شیخ علاؤالدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شروع میں جب دونوں شریکوں میں آپسی رضا مندی سے نصف نصف منافع متعین ہو چکا تھا اور اسی معاہدہ پر خرید وفروخت جاری رہی؛ لہٰذا جب سامانوں کی خرید وفروخت مکمل ہو چکی اب حاجی اسلام کا یہ کہنا کہ منافع پرسینٹیز کے اعتبار سے تقسیم ہوں گے درست نہیں ہے؛ بلکہ دونوں کے درمیان جو پہلے طے ہو چکا تھا، اسی کے تناسب سے منافع کی تقسیم ہوگی اور شرکت کی رقم سے جو دوکان خریدی گئی ہے، اس میں دونوں شریک برابر کے حصہ دار ہیں؛ اس لئے دونوں شریک میں سے کسی ایک شریک کا جائیداد کو تن تنہا اپنے نام رجسٹری کرانا درست نہیں ہے۔

عن جابر بن زيدؓ، قال: الربح على ما اصطلحوا عليه، والوضيعة على المال هذا في الشريكين، فإن هذا بمأة، وهذا بمأتين. (مصنف عبد الرزاق، البيوع، باب نفقة المضارب، ووضيعته، المجلس العلمي ۸/ ۲٤۸، رقم: ۱۵۰۸۹)

إن شركة العنان لا يشترط فيها المساواة لا في المال، ولا في التصرف، فيجوز أن يكون مال أحد الشريكين أكثر من الآخر –إلى– فيوزع الربح بينهما حسب الشرط الذي اتفقا عليه. (الفقه الإسلامي وأدلته الهدیٰ انٹرنیشنل دیوبند ٤/ ۵۹۲)

أما شركة العنان فهي أن يشترك اثنان فأكثر بمالين على أن يعملا معاً في تنميتها، والربح بينهما على ما اشترطا. (الفقه على المذاهب الأربعة، دار الفكر ۳/ ۷۵)

شركة عنان: تصح مع تساوي المال واختلاف الربح، ومع اختلاف المال وتساوي الربح، ومع اختلاف مال كل من الشريكين. (معجم لغة الفقهاء، كراچي ٢٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۸۷/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۴ھ

بغیر پیسے دیئے کاروبار میں شرکت کا حکم

سوال [۸۸۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے تین آدمیوں کی موجودگی میں وعدہ کیا کہ بے پیسہ کے ساجھی حکیم الدین کو ہرگز اپنے ساجھے سے الگ نہیں کروں گا، اس کے بعد کام ہوتا رہا، پھر کام فیل ہونے لگا، تو اس نے حکم دیا کہ ایسے مال لینے والے اور دینے والے فراہم کرو، جس سے کام میں فائدہ ہو، میں نے کافی محنت کر کے ایسے لوگ فراہم کئے، جن کو ۲۰/۱۵؍ لاکھ روپیہ کا مال سپلائی کیا گیا، کیا میں اپنا فائدہ وصول کرنے کا حق رکھتا ہوں؟ مہربانی فرما کر جواب لکھ دیں۔ **۳۰؍** فیصد طے ہوا تھا منافع میں سے۔

المستفتی: حکیم الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دونوں میں پہلے سے یہ بات طے ہو چکی تھی کہ جو کچھ بھی اس کاروبار میں نفع ہوگا، اس میں سے **۳۰؍** فیصد مال ادھر سے ادھر دینے اور لیجانے والے کے لئے متعین ہوگا اور **۷۰؍** فیصد کارخانہ دار کو ملا کرے گا، تو شرط کے مطابق شرعاً **۷۰؍** فیصد کارخانہ دار کا ہوگا اور **۳۰؍** فیصد مذکورہ کام کرنے والے کا حق ہوگا۔

عن أبي حصين، وعن هاشم بن أبي كليب، وعن إبراهيم، وإسماعيل

الأسدي عن الشعبي، وعاصم الأحول عن جابر بن زيد قالوا: الربح على ما اصطلحوا عليه، والوضيعة على المال، هذا في الشريكين، فإن هذا بمأة، وهذا بمأتين. (مصنف عبد الرزاق، البيوع، باب نفقة المضارب، ووضيعته، المجلس العلمي ٨/٢٤٨، رقم: ١٥٠٨٩)

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: المسلمون عند شروطهم. (صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة تعليقا، النسخة الهندية ١/٣٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۳۲۵)

نقصان کی صورت میں شریکوں کو کس حساب سے پیسے لوٹائے جائیں؟

سوال [۸۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

۱	تنظیم برکت نے روپئے دیئے	۹۱۸۰۰	91800
۲	سلیم برکت نے روپئے دیئے	۷۵۶۰۰	75600
۳	نسیم برکت نے روپئے دیئے	۶۶۴۰۰	66400
۴	ظہیر حنیف نے روپئے دیئے	۴۵۴۵۰	45450
۵	ظہیر ماموں نے روپئے دیئے	۴۱۰۵۰	41050
۶	پپو برکت نے روپئے دیئے	۳۳۲۰۰	33200
	کل رقم دی گئی	۳۵۳۵۰۰	353500

۳۵۳۵۰۰ کا مال ان سب حضرات نے مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق حنیف ولد لئیق کو دیا ہے، مگر حنیف ولد لئیق کے کاروبار میں نقصان ہونے کی وجہ سے اس نے یہ سارا پیسہ

نہیں دیا، بعد میں فیصلہ ہوا کہ دو لاکھ اسی ہزار روپئے حنیف ولد لئیق مذکورہ بالا حضرات کو دے سکتے ہیں اور جانبین میں مشترکہ صلح ہوگئی اور جب رقم نقصان کے ساتھ لوٹ رہی ہے، تو مذکورہ بالا شرکاء میں سے ان کی رقم کے تناسب کے اعتبار سے کس کو کتنا نقصان پہونچے گا اور کس کو کتنا کتنا ملے گا؟ مزید اس میں ایک تفصیل یہ بھی ہے کہ حنیف نے فوری ڈھائی لاکھ روپیہ ادا کردیا ہے اور تیس ہزار روپیہ چھ مہینہ کے بعد دے گا، تو مفتی صاحب ہم کو یہ بتائیے کہ ڈھائی لاکھ میں سے کسکو کتنا کتنا ملے گا؟ اور چھ مہینہ کے بعد تیس ہزار روپیہ جو ملے گا وہ ہمارے درمیان کس طرح تقسیم ہوگا،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

707	توافق	500
353500	500	250000

مسـ‍ـــت

تنظیم برکت	سلیم برکت	نسیم برکت	ظہیر حنیف	ظہیر ماموں	پپو برکت
918000	75600	45450	41050	41050	33200

ڈھائی لاکھ روپیہ میں سے تنظیم برکت کو سلیم برکت کو

نسیم برکت کو ، ظہیر حنیف ، ظہیر ماموں کو

پپو برکت کو دے کر کے پھر صرف تین روپیہ بچے گا، جس کو ہم نے بٹوں اور ریزگاری میں لکھ دیا ہے، سب مل کر تین روپیہ کی مونگ پھلی یا چنا منگا کر کھالیں۔

60	توافق	707
30000	500	353500

مـــت

تنظیم برکت	سلیم برکت	نسیم برکت	ظہیر حنیف	ظہیر ماموں	پپو برکت
918000	75600	66400	45450	41050	33200

چھ مہینہ کے بعد ملنے والی رقم تیس ہزار روپیہ میں سے تنظیم برکت کو

سلیم برکت کو نسیم برکت کو ظہیر حنیف کو

ظہیر ماموں کو پپو برکت کو دے کر کے پھر صرف تین روپیہ بچے گا، جس کو ہم نے بٹوں اور ریز گاری میں لکھ دیا ہے، سب مل کر کے تین روپیہ کی مونگ پھلی یا چنا منگا کر کھالیں۔

80	توافق	101
280000	3500	353500

مـــت

تنظیم برکت	سلیم برکت	نسیم برکت	ظہیر حنیف	ظہیر ماموں	پپو برکت
918000	75600	66400	45450	41050	33200

دو لاکھ اسی ہزار روپیوں میں سے تنظیم برکت کو ،سلیم برکت کو

نسیم برکت کو ظہیر حنیف کو ظہیر ماموں کو

پپو برکت کو دے کر کے پھر صرف دو روپیہ بچے گا،

جس کو ہم نے بٹوں اور ریز گاری میں لکھ دیا ہے، سب مل کر کے دو روپئے کی مونگ پھلی یا چنا منگا کر کھالیں۔

نقصان کی تفصیل حسب ذیل ہے

353500

میـــت

تنظیم برکت سلیم برکت نسیم برکت ظہیر حنیف ظہیر ماموں پپو برکت

دو لاکھ اسی ہزار اوپر کی تفصیل کے مطابق دو مرتبہ میں ملیں گے، اور دو لاکھ اسی ہزار ملنے کے بعد ہر ایک کو کتنا کتنا نقصان ہوا ہے، تو نقصان کی تفصیل مذکورہ چوتھے کالم میں لکھدی گئی ہے، دیکھ لیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶ ؍ ۷۵۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۱۱ھ

ساجھے داری ختم کرتے وقت کونسی قیمت کا اعتبار رہوگا؟

سوال [۸۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور عمر نے ایک دیوار ساجھے داری میں تعمیر کرائی، چند سالوں کے

بعداس دیوار پر دونوں میں اختلاف ہوا، زید یہ چاہتا ہے کہ دیوار کی اینٹوں کی نصف قیمت عمر کو دے کر دیوار اپنے حصہ میں لگالے۔

امر مطلوب یہ ہے کہ پیسے اور نصف قیمت تعمیر والے دن کے بھاؤ سے دیئے جائیں یا موجودہ نرخ کے حساب سے؟ اور تعمیر کے وقت معمار وغیرہ کی جو مزدوری میں پیسے لگے تھے، ان کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالقادر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دیوار ساجھے داری میں تعمیر کی گئی، تولازمی طور پر وہ دیوار جس زمین پر کھڑی ہے، وہ زمین بھی ساجھے میں ہوگی۔ سوال نامہ میں اس کو ظاہر کیوں نہیں کیا گیا، زید اگر یہ چاہتا ہے تو نصف دیوار اور نصف زمین کی موجودہ قیمت جو بھی طے ہوجائے یعنی جس دن ساجھے داری ختم کی جائے گی، اسی دن کی قیمت ادا کر کے پوری دیوار اور زمین آپس کی رضامندی سے زید اپنی ملکیت میں منتقل کرسکتا ہے۔

إذا اشتریٰ أحد الشریکین جمیع الدار المشترکة من شریکه، قلت: علم من هذا ما یقع کثیراً، وهو أن أحد الشریکین في دار ونحوها یشتري من شریکه جمیع الدار بثمن معلوم، فإنه یصح علی الأصح بحصة شریکه من الثمن، وهي حادثة الفتویٰ. (شامي، کتاب البیوع، باب المبیع الفاسد، مطلب فیما إذا اشتریٰ أحد الشریکین جمیع الدار المشترکة من شریکه، زکریا ۷/ ۲۴۳، کراچي ۵/ ۵۷) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۲ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۶۲۹)

شریک سے متعین نفع سے زیادہ رقم وصول کرنے کا حکم

سوال[۸۸۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر مقبول احمد ایک تاجر ہے، کچھ سال پہلے میرا ایک مسلمان بھائی کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا تھا کہ دونوں مل کر تجارت کریں گے، نفع ونقصان میں دونوں برابر شریک رہیں گے، اللہ نے تجارت میں خوب برکت دی، نفع میں دونوں کے حصے میں خطیر رقم آئی، میرے شریک نے میرا حصہ روک لیا، ڈیڑھ سال تک کچھ بھی نہیں دیا، اس کے بعد ہر ماہ قسطوار دے رہے ہیں، میرا سوال یہ ہے کہ کیا میں نے ان سے اپنے متعین نفع سے زیادہ کا مطالبہ کرسکتا ہوں؛ کیونکہ وقت پر میرا حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے مجھ کو کافی نقصان ہوا۔

(۱) اپنا حق لینے کے لئے کئی بار سفر کیا، ہر سفر پر ایک خطیر رقم خرچ ہوئی۔

(۲) بار بار فون پر مطالبہ کیا، جس پر بھی کافی رقم خرچ ہوئی۔

(۳) اپنے کچھ ایسے کام نکل آئے کہ مجبوراً سودی قرض لینا پڑا۔

(۴) ڈیڑھ سال قبل کرنسی کی (Value) قدر وقیمت زیادہ تھی اب کم ہے، اگر وقت مقررہ پر یہ رقم مل جاتی، تو اللہ کے فضل وکرم سے دوگنا کما لیتا۔

(۵) اب بھی یک مشت نہیں قسطوار دے رہے ہیں۔

(۶) ذہنی کوفت اور پریشانی ان سب پر مستزاد ہے۔

برائے کرم مجھے یہ بتلائیے کہ شریعت محمدیہ ﷺ کے قانون کے مطابق اپنے حصہ سے زیادہ کا مطالبہ کرسکتا ہوں؟ اگر کرسکتا ہوں، تو اس کی حد کیا ہے؟ اگر نہیں تو اس کے مطالبہ میں جو خرچ ہوا ہے، اس کے متعلق شریعت مطہرہ کیا کہتی ہے؟

المستفتی: احقر مقبول احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے شریک پر وقت مقررہ ہی میں آپ کا حق دینا ضروری تھا؛ لیکن جب وہ وقت مقررہ میں نہ دے کر ابھی قسطوار آپ کو دے رہا ہے، تو تاخیر کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا، مگر آپ کو اپنے وقت پر نہ ملنے کی وجہ سے متعین نفع سے

زیادہ کا مطالبہ کرنا درست نہیں؛ البتہ اس مطالبہ میں جو خرچ ہوا ہے، وہ اس وقت لے سکتے ہیں؛ جبکہ وہ دینے پر راضی ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/۲۱۸، امداد الفتاوی ۴/۱۴۱)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امريء مسلم إلا بطيب نفس منه. (مسند أحمد أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۹۱، رقم: ۱۵۰۶۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ / صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۲ھ

مشترکہ کمائی کا مالک کون؟

سوال [۸۸۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبد الغفار وعبد القیوم ونواسہ عبد الماجد تینوں نے مل کر پیسہ کمایا، عبد الغفار کا انتقال ہوگیا، پندرہ سال کے بعد جو دولت تھی، وہ عبد القیوم اور عبد الماجد نے تقسیم کرلی، عبد الغفار کے دو لڑکے الگ تھے، اس مال میں دونوں لڑکے عبد الغفور اور محمد ایوب کا حصہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد الغفور، ساکن نجو پورہ، ٹانڈہ بادلی، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سب شرکاء نے ساتھ کمایا ہے اور بوقت شرکت آپس میں حصہ داری کی کوئی شرط لگائی تھی، تو اس شرط کے اعتبار سے ہر شریک کو حصہ ملے گا اور اگر کوئی شرط نہیں تھی اور ساتھ مل کر کمایا ہے، تو تینوں شریکوں کے درمیان حاصل شدہ کمائی برابر تقسیم ہوگی؛ اس لئے عبد الغفار اور اس کے ورثاء عبد الغفور اور محمد ایوب کو محروم کردینا ہرگز جائز نہیں؛ بلکہ اس میں سے عبد الغفار کے انتقال کے بعد اس کے شرعی ورثاء کو اس کا حق ملے گا۔

كما يستفاد من الشامية: يؤخذ من هذا ما أفتى به في الخيرية في

زوج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة، وأخذ كل منهما يكتسب على حدة ويجمعان كسبهما ولا يعلم التفاوت، ولا التساوي، ولا التمييز، فأجاب بأنه بينهما سوية. وكذا لو اجتمع إخوة يعلمون في تركة أبيهم ونما المال، فهو بينهم سوية ولو اختلفوا في العمل والرأي. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولايعلم التفاوت، فهو بينهما بالسوية، زكريا٦/٥٠٢، كراچي٤/٣٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۱۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
۱۹؍۵؍۱۴۱۱ھ	(فتویٰ نمبر: الف ۲۶؍۲۲۱۷)

ذاتی اور مشترک رقم سے خریدی گئی زمین کا مالک کون؟

سوال [۸۸۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام صابر حسین ہے، ۱۹۲۷ء میں میری پیدائش ہوئی، اس اعتبار سے میری عمر ۶۲؍سال کی ہے، میرا ایک چھوٹا بھائی جو مجھ سے دس سال چھوٹا ہے، میں گیارہ سال کا تھا کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا، دادا، دادی نے میری پرورش کی ماموں نے ہمارے رہنے کے لئے ایک مکان کی زمین خریدی تھی، جس پر ہم نے ایک کچا مکان بنالیا، کچھ دن بعد میں نے یہاں اور نیپال میں کپڑے کا کام شروع کردیا، خدا نے وسعت دی، تو میں نے رہنے کے لئے زمین خریدی، اس وقت میرا چھوٹا بھائی پڑھ رہا تھا؛ جبکہ اس کی عمر ۲۸؍سال کی تھی، پڑھنے کے زمانہ ہی میں اس کی شادی بھی کردی اور میں کماتا رہا، ابھی تک وہ کسی کام میں شریک نہیں تھا، میں زمین موقع بموقع خریدتا رہا، جس کے کل کاغذات میرے اور میری بیوی کے نام ہیں۔

اب میرے بھائی کے دو بچے ہوگئے، تب انہوں نے نیپال میں میرے ساتھ کپڑے کے کام میں ہاتھ بٹانا شروع کردیا، اس تفصیل کے بعد مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ زمین وجائداد

جومیں نے بذات خودخریدی ہے،جس کے کل کاغذات میرے اورمیری بیوی کے نام ہیں، اس زمین میں میرے چھوٹے بھائی کا شرعاً کیا حصہ نکلتا ہے؟ تحریرفرما کرممنون فرمائیں۔

المستفتی: صابرحسین صدیقی،محلّہ چوک بازار، کانٹھ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چھوٹے بھائی کے کمائی میں لگنے سے پہلے پہلے جوجائداد آپ نے اپنی خاص کمائی سے خریدی ہے،اس میں آپ کے بھائی کا شرعاً حصہ نہیں ہوگا اورجس وقت سے بھائی نے بھی کمانا شروع کیا ہے،اس کے بعدشرکت میں رہتے ہوئے، جوجائداد خریدی گئی ہے،اس میں چھوٹے بھائی کا بھی برابر حصہ ہے۔

نیز ماموں نے جومکان دیاہے،اس میں دونوں برابر کے حقدار ہوں گے۔

إن كان في يده مال الشركة، فهو على الشركة، فإن لم يكن فاشترىٰ بدراهم و دنانير فالشراء له خاصة دون شريكه. (فتاوى بزازيه على هامش الهندية، كتاب الشركة الثاني فيما للشريك و مالاله قديم زكريا، جديد زكريا۳/ ۱۱۸)

فإن قالوا هم أو امرأته بعد موته إن هذا استفدناه بعد موته، فالقول لهم.
(شامي، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، كراچي ٤/ ۳۲٥، زكريا٦/ ٥٠٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۶/ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۱۷۸۱/۲۵)

مشترکہ روپئے سے بحالت شرکت خریدے ہوئے مکان کا حکم

سوال[۸۸٦۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے دولڑکے تھے، حافظ بشیر وحافظ نذیر، دونوں بھائیوں کے کاروبارایک میں تھے، حافظ بشیر جوکہ بڑے بھائی ہیں،انہوں نے اسی حالت میں ایک قطعہ

مکان خریدا؛ جبکہ دونوں کا رہنا سہنا ایک میں تھا، خریداری مکان کا کاغذ منسلک استفتاء ہے۔

مسئلہ دریافت یہ ہے کہ حافظ بشیر کا خریدا ہوا مکان خود ان کی ذاتی ملکیت ہوئی یا دونوں بھائیوں کا اس میں اشتراک ہوگا؟ مسئلہ واضح فرمائیں۔

المستفتی: عبید اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حافظ بشیر نے مذکورہ مکان دونوں بھائیوں کی شرکت کے زمانہ میں خریدا ہے، حافظ بشیر کے پاس حافظ نذیر کی شرکت کے علاوہ کوئی الگ کاروبار بھی نہیں تھا اور دونوں بھائیوں کی کمائی کا پیسہ بھی ملا جلا رہتا تھا، تو شرعاً مذکورہ مکان میں حافظ بشیر اور حافظ نذیر دونوں شریک ہوں گے۔

لو اجتمع إخوة یعملون في ترکة أبیهم، ونما المال، فهو بینهم بالسویة، ولو اختلفوا في العمل والرأي. (شامي، کتاب الشرکة، مطلب اجتمعا في دار واحدة، واکتسبا ولا یعلم التفاوت، فهو بینهما بالسویة، زکریا ۶/۵۰۲، کراچي ۴/۳۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۰۵۳)

گاڑی کی خرابی کا خرچہ مشترکہ رقم سے لینے کا حکم

سوال [۸۸۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی محمد اسلام، نجمی بھائی واشرف صاحب، ان تینوں حضرات کا مشترکہ کاروبار ہے، جس کے لئے ایک گاڑی بھی ہے اور اس گاڑی کے لئے یہ طے شدہ معاملہ ہے کہ اگر یہ گاڑی مشترکہ کاروبار میں کچھ خراب ہو جائے، تو مشترکہ رقم سے ہی گاڑی کی مرمت کی جائیگی اور اگر کوئی ایک ساتھی گاڑی اپنے ذاتی کام میں استعمال کر رہا ہے، اور اسی وقت

اس میں کچھ خرابی آگئی، تو اس کا نقصان اس ساتھی کو برداشت کرنا پڑے گا، ایک دن گاڑی حاجی محمد اسلام صاحب کے ذاتی کام میں تھی، ان کا کام شام ۵/ بجے ختم ہوگیا، اس کے بعد گاڑی تینوں مشترکہ ساتھیوں کے مشترکہ کام میں استعمال ہونا شروع ہوئی کہ اچانک اس میں رات دس بجے خرابی آگئی اور اسی خرابی کو دور کرنے میں ۶۴۰۰/ چھ ہزار چار سو روپئے کا خرچہ آیا۔ اب مذکورہ صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس خرچہ کو تینوں ساتھی برداشت کریں گے یا تنہا حاجی محمد اسلام صاحب برداشت کریں گے؟ شریعت کی روشنی میں شرعی فیصلہ فرمادیں تاکہ اسی پر عمل کیا جائے۔

المستفتی: محمد وسیم بن حاجی احمد جان خان، کٹار شہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سوال نامہ میں درج ہے، تو گاڑی کی خرابی کا خرچ مشترکہ رقم میں سے لازم ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۶/ ۳۹۷)

عن عمرو بن العوف المزني، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المسلمون على شروطهم. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة تعليقا، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۳، سنن أبي داؤد، القضاء، باب في الصلح، النسخة الهندية ۲/ ۵۰۶، دار السلام، رقم: ۳۵۹۴، سنن الترمذي، الأحكام، باب ماذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دار السلام رقم: ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۱۸)

شرکت کے معاملہ میں نفع کا مجہول ہونا

سوال[۸۸۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے تیس ہزار روپئے عبداللہ کو کاروبار میں لگانے کے لئے دیا، اورزید نے یہ بات بھی کہہ دیا کہ جو بھی نفع میں سے آپ دیں گے، میں رکھلوں گا بخوشی،تو کیا یہ نفع زید کے لئے لینا اور عبداللہ کو کاروبار میں تیس ہزارروپئے لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نوراحمد،گلشہید ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: یہ معاملہ شرعی طور پر جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ کہنا کہ نفع میں سے آپ جو بھی دیں گے میں قبول کرلوں گا، اس میں نفع کی مقدار کی تعیین نہیں ہے؛ بلکہ اس طرح معاملہ کرنا ضروری ہے کہ نفع میں سے نصف تہائی یا چوتھائی میں لوں گا، اس کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔

قال القدوري في كتابه: كل شرط يوجب جهالة الربح، أو قطع الشركة في الربح يوجب فساد المضاربة ......ولو دفع إليه مضاربة على أن يعطي المضارب رب المال ماشاء من الربح، فهذه مضاربة فاسدة، كذا في المبسوط. (عالمگيري، كتاب المضاربة، الباب الأول، والثاني، زكريا جديد٤ /٢٩٦، ٢٩٧، قديم ٤ /٢٨٨، المبسوط للسرخي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٢ /٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۱۳/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۵ھ

نفع زیادہ ہوتو آٹھ ہزار اور کم ہوتو سات ہزار پر شرکت کا حکم

سوال [۸۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ میں نے اپنے ایک عزیز کو جو موٹر سائیکل کی خرید وفروخت کی تجارت کرتے ہیں دو لاکھ روپئے بطور شراکت کے دیدیا اور دیگر لوگوں نے بھی اسی طرح کم وبیش اپنی اپنی رقمیں ان کے پاس جمع کردیں، جس کا منافع وہ ہمیں اس طرح دیتے ہیں کہ نفع زیادہ ہوا تو نو یا آٹھ ہزار روپئے اگر نفع کم ہوا تو ساتھ ہزار روپئے یا چھ ہزار ماہانہ کے حساب سے دیتے ہیں، فیصد کے حساب سے نہیں، تو کیا اس طرح فیصد متعین کئے بغیر کاروبار میں شرکت کرنا اور نفع لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ظہیر اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موٹر سائیکل کی خرید وفروخت کی تجارت کرنے والے شخص کے پاس بطور شرکت اس طرح پیسے جمع کرنا کہ اگر زیادہ نفع ہوا، تو ماہانہ نو یا آٹھ ہزار اور کم ہوا تو چھ یا سات ہزار روپئے دیں گے، تو یہ دونوں صورتیں ناجائز اور صریح سود ہے۔

يشترط أن يعلم كيف يقسم الربح بين الشركاء فإذا بقي مبهمًا ومجهولاً كانت الشركة فاسدةً؛ لأن الربح هو المعقود عليه في الشركة وجهالة المعقود عليه تفسد العقد. (شرح المجله، رستم، مكتبه اتحاد ديو بند ۲/۳/۷۱، رقم:۱۳۳۶)

وأن يكون الربح معلوم القدر، فإن كان مجهولاً تفسد الشركة، وأن يكون الربح جزءً شائعاً في الجملة لا معيناً، فإن عين عشرة، أومأةً، أو نحو ذلک كانت الشركة فاسدة. (هندية، كتاب الشركة، الباب الاول، الفصل الأول، زكرياجديد ۲/۱/۳۱۱، قديم۲/۲/۳۰۲، بدائع الصنائع، كراچي۶/۵۹، زكريا۵/۷۷)

كل شرط يوجب جهالة في الربح، أ ويقطع الشركة فيه يفسدها. (شامي، كتاب المضاربة، زكريا ۸/۴۳۳-۴۳۴، كراچي ۵/۶۴۸، هندية، زكريا قديم ۴/۲۸۸، جديد ۴/۲۹۶، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية

بیروت ۳/۵۴۴، مصري قدیم ۲/۳۲۳، تبیین الحقائق، زکریا ٤/۳٤۸، امدادیہ ملتان ۵/۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۴۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۱۷ھ

مشترکہ کاروبار میں کسی شریک کے لئے الگ سے اجرت متعین کرنے کا حکم

سوال [۸۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور زبیر دوست ہیں، دونوں ایک ساتھ مل کر کاروبار کرنا چاہتے ہیں؛ چنانچہ ہر ایک نے پچاس پچاس ہزار روپیہ جمع کئے اور چونکہ زید مشغول آدمی ہے؛ اس لئے اس کو کاروبار چلانے کی فرصت نہیں ہے اور زبیر کو فرصت ہے۔ اب ان دونوں کے مشترکہ طور پر کاروبار کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) نفع ونقصان دونوں کو برابر ملے گا اور چونکہ زبیر کاروبار چلا رہے ہیں؛ اس لئے اس کے لئے اجرت متعین کی گئی۔

(۲) کاروبار چلانے کی وجہ سے زبیر نفع کا دو ثلث لے گا اور زید کو ایک ثلث دے گا اور اس دوسری صورت میں کیا نقصان کو بھی تین ثلث کیا جائے گا یا برابر آپس میں جو طے ہو؟

اب آپ فرمائیے کہ کیا مشترکہ طور پر کاروبار کی یہ دونوں صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو جواز کی متبادل شکل کیا ہے؟

المستفتی: محمد شاکر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اور زبیر کے مشترکہ کاروبار کی دونوں صورتیں جائز ہیں؛ البتہ پہلی صورت میں کاروبار چلانے کی وجہ سے زید کے لئے اجرت متعین

کرنا جائز نہیں اور دوسری صورت میں کاروبار چلانے کی وجہ سے زبیر کے لئے نفع کا دوثلث اور زید کے لئے ایک ثلث متعین کرنا جائز ہے اور چونکہ رأس المال دونوں کا برابر ہے؛ اس لئے جب نقصان ہوگا، تو رأس المال میں کمی آئے گی؛ اس لئے نقصان میں دونوں برابر کے شریک ہوجائیں گے، اگرچہ نفع میں برابری نہ ہوں، کسی کا ایک ثلث کسی کا دوثلث نفع میں تفاوت ہونے کی وجہ سے نقصان میں تفاوت نہ ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۶/۳۹۵)

إذا شرطا الربح على قدر المالين متساوياً، أو متفاضلاً، فلا شک أنه يجوز ويكون الربح بينهما على الشرط سواء شرطا العمل عليهما، أو على أحدهما، والوضيعة على قدر المالين متساوياً، ومتفاضلاً؛ لأن الوضيعة اسم لجزء هالک من المال فيتقدر بقدر المال. (بدائع الصنائع، كتاب الشركة، زكريا ۵/ ۸۳، كراچي ۶/ ۶۲، هندية، زكريا قديم ۲/ ۳۲۰، جديد ۲/ ۳۲۶، شامي، زكريا ۶/ ۴۸۴، كراچي ۴/ ۳۱۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶/ ۶۱)

ولا أجر لأحدهما على صاحبه عندنا...... إلا أنه استحق الربح بعمله فلا يستحق الأجر. (بدائع الصنائع، زكريا ۵/ ۱۰۴، كراچي ۶/ ۷۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۷۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۷/۲۳ھ

شریک کے لئے نفع کے علاوہ عمل کی اجرت کا حکم

سوال [۸۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم چار بھائی ہیں اب تک شرکت میں تھے؛ لیکن اب ہمارا بٹوارہ ہو چکا ہے،

ہماری ایک دوکان ممبئی میں ہے، اس دوکان کی آمدنی چاروں بھائیوں میں مشترک ہے، تین بھائی گھر رہتے ہیں، ایک بھائی دوکان پر رہتا ہے، جو بھائی دوکان پر رہتا ہے، وہ نفع میں تو برابر شریک رہے گا ہی مگر اس کو تنخواہ بھی دیتے ہیں، ہمارے یہاں ایک عالم اس تنخواہ دینے کو جائز نہیں کہتے ؛ جبکہ تینوں بھائی وطن میں کام بھی کرتے ہیں اور دوکان کے نفع میں بھی برابر کے شریک ہیں، اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں، کیا کسی شریک کے لئے مشترک عمل کی اجرت لینے کا جواز نہیں ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں عالم صاحب نے مسئلہ صحیح بتایا ہے کہ دوکان کے منافع میں بھی سب لوگ برابر شریک ہوں اور دوکان میں بیٹھنے والے کے لئے نفع میں شریک ہونے کے ساتھ اجرت مقرر کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ اس کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ جو بھائی دوکان میں بیٹھ کر دوکان چلا رہا ہے، اس کے لئے نفع کی مقدار میں زیادتی کی جائے، عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ تنخواہ دینا ازقبیل اجارہ ہے اور شریکوں کا نفع میں شریک ہونا ازقبیل شرکت ہے اور شرکت اور اجارہ کو ایک عقد اور ایک کام میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔
(مستفاد: فتاوی رحیمیہ، جدید زکریا ۱۸۳/۷)

وعلى هذا يخرج ما إذا استاجر رجلاً على العمل في شيئ هو فيه شريكه نحو ما إذا كان بين اثنين طعام فاستاجر أحدهما صاحبه على أن يحمل نصيبه إلى مكان معلوم والطعام غير مقسوم، فحمل الطعام كله –إلى قوله– لا تجوز هذه الإجارة عند أصحابنا وإذا حمل لاأجرله. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، باب الإستئجار على الطاعات، زكريا ٤/٤٣، كراچي ٤/١٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۴۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۳ھ

ایک شریک کا دوسرے کو اجارہ پر رکھنا

سوال [۸۸۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو آدمی کسی کاروبار میں شریک ہوں اور دونوں کے سرمایہ کا تناسب بھی برابر ہو اور دونوں میں سے ایک کام بھی جانتا ہو، تو کیا کام کرنے والے شریک کے لئے اپنے نفع کے علاوہ کام کی الگ اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

خلاصہ یہ ہے کہ ایک شریک اپنے دوسرے شریک کو اجارہ پر لے سکتا ہے یا نہیں؟ احسن الفتاوی ۷/ ۳۲۸ میں کتاب الاجارۃ میں یہ مسئلہ حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ شریک کو اجارہ پر لینا جائز ہے، باقی حضرات مفتیان کرام نے اس کو منع لکھا ہے، ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات عوام کے سامنے لانی چاہئے؟

المستفتی: عبداللہ، گودھرا، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ میں دو معاملے الگ الگ ہیں ایک معاملہ یہ ہے کہ دونوں کا برابر پیسے دے کر کے کاروبار میں برابر کا شریک ہوجانا یہ معاملہ شرکت کا ہے دوسرا معاملہ دونوں میں سے ایک کو اجرت دے کر کے اجیر بنانا، تو شریعت میں ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ میں داخل کر کے ایک ساتھ معاملہ کرنے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، جن حضرات نے اس معاملہ کو ناجائز کہا ہے، وہ اسی وجہ سے ہے کہ اس کے اندر صفقہ در صفقہ لازم آتا ہے، جیسا کہ امداد الفتاوی ۳/ ۵۱ میں ہے اور اگر اس طریقہ سے کیا جائے کہ اولاً دونوں کاروبار میں برابر پیسے دے کر کے شریک ہوجائیں اور دونوں نفع ونقصان میں برابر

کے شریک ہوجائیں، اس کے بعد دوسرا معاملہ الگ سے کیا جاوے کہ جو کام جانتا ہے، وہ الگ سے اجرت لے کر کام کرتا رہے گا، ایسی صورت میں دو معاملے الگ الگ ہوجائیں گے، کام کرنے کی وجہ سے اس کو اجرت ملا کرے گی اور اجرت کا تعلق نفع ونقصان سے نہیں ہے اور اس طرح کے معاملہ کو حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی میں اسی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، مگر صاحب احسن الفتاوی نے احسن الفتاوی ۳۲۸/۷ میں تعامل ناس کی وجہ سے دونوں صورتوں کو جائز قرار دیا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۵۱۸/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۹۵۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۱ھ

مسلم کا کافر ومشرک کے ساتھ مشترکہ تجارت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی کافر ومشرک سے تجارت کرنا یا اس کی شرکت میں تجارت کرنا جائز ہے؟ جبکہ وہ سود کا لین دین کرتا ہے اور بیع وشراء کے اصول شرعیہ کو ملحوظ رکھتا ہے۔ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: خورشید انور القاسمی، فیض آبادی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: کافر ومشرک اگر معاملۂ مضاربت میں رب المال ہے اور مسلمان مضارب تو بلاشبہ جائز ہے۔

ونحن أمرنا بأن نتركهم وما يعتقدون دل عليه قول عمرؓ ولُّوهم بيعهما وخذوا العشر من أثمانهما. (هداية، كتاب البيوع، مسائل منثورة، اشرفي ديو بند۳/۱۰۲، البنايه، اشرفيه ۳۸۳/۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰۲/٤۰)

اور اگر مسلمان رب المال ہے یا عقد شرکت ہے، تو جائز نہیں ہے۔

ولا بين المسلم والكافر وتحته في الفتح؛ لأن الذمي لايهتدي إلى

الجائز من العقود ولا یحترز من الرباء فیکون سبباً لوقوع المسلم في أکل الحرام. (فتح القدیر، کتاب الشرکة، زکریا ۶/ ۱۵۰، کوئٹہ ۵/ ۳۸۳، دارالفکر ۶/ ۱۵۹، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲/ ۳۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍ ۱۰۹۴)

مال حرام کے ساتھ شرکت کرنا

سوال [۸۸۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کاروبار میں ہم دو شریک ہیں، شریک اول عبد الستار۔ شریک دوم عبدالخالق دونوں نے شرکت میں ایک گاڑی جیپ خریدی، عبدالستار اس گاڑی پر سود لینا چاہتا ہے، عبدالخالق سودی قرض لینے سے سختی سے منع کرتا ہے؛ لیکن پھر بھی وہ لے لیتے ہیں اور اسی سودی قرض سے کاروبار ہوتا ہے؛ لیکن میں عبدالخالق اس کا نفع نہیں لیتا ہوں، پھر وہ گاڑی فروخت کی گئی، تو اس میں نقصان ہوا، انہوں نے سودی روپیہ گاڑی میں بھی لگایا تھا، تو آپ بتائیں کہ میں قرض لینے سے منع کرتا رہا اور اس سے جو کاروبار ہوا، اس کا نفع بھی نہیں لیا۔

المستفتی: عبدالخالق ولد عبدالغفار، سرائے ترین سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مال حرام کے ساتھ شرکت درست نہیں ہے اور جب عبدالخالق نے حرام مال کے ساتھ شرکتسے انکار کیا ہے اور پھر اس تجارت میں شریک ہوکر اس کا نفع نہیں لیا ہے؛ بلکہ سارا نفع عبدالستار نے لے لیا ہے، تو نقصان میں بھی عبدالخالق شریک نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳؍ ۵۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ / ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸ / ۲۸۷۲)

چند آدمیوں کا حلال وحرام مال سے تجارت میں شرکت کرنا

سوال [۸۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید، بکر، شریف، نعیم، ان چار اشخاص نے مشترکہ تجارت شروع کی کام کرنے کے لئے ملازمین رکھے اور چاروں شرکاء نے منافع مساوی تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا، زید کے پاس حلال کی کمائی کا روپیہ تھا، جو اس نے اسی تجارت میں لگایا؛ لیکن بقیہ جن شرکاء کی کمائی مشکوک یا ناجائز تھی روپیہ سب شرکاء نے تجارت میں لگایا، تحریر فرمائیے کہ زید کے لئے اس تجارت کا نفع جائز ہے یا حرام؟

المستفتی: محمد احمد خاں، فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دوسرے شرکاء کی کمائی اکثر حلال یا صرف مشکوک ہے، تو معاملہ شرکت سے حاصل شدہ نفع زید کے لئے حلال ہے اور اگر دوسرے شرکاء کی تمام کمائی ناجائز وحرام ہے، تو زید کے لئے ان کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر شرکت کا معاملہ کرلیا ہے اور نفع بھی حاصل کیا جارہا ہے، تو حاصل شدہ زید کے لئے حلال ہوگا۔ اور دوسرے شرکاء پر واجب ہے کہ حرام راس المال کی مقدار رقم، حرام مال کی نیت سے نکال کر صدقہ کردیں، ورنہ زید کے لئے مناسب یہی ہے کہ ان کے ساتھ معاملہ کو ختم کردے۔

ویخرج قدر الحرام بالمیزان فیدفعه إلی صاحبه وقدر الحلال له وإن لم یعرفه وتعذرت معرفته تصدق به عنه. (فتاوی ابن تیمیه ۳/ ۳۰۸)

وإذا کان في ماله حلال وحرام واختلط لم یحرم الحلال؛ بل له

أن يأخذ قدر الحلال كما لو كان المال لشريكين فاختلط مال أحدهما بمال آخر، فإنه يقسم بين الشريكين، وكذلك من اختلط من مال الحلال والحرام أخرج قدر الحرام والباقي حلال له. (فتاوى ابن تيميه ٢٩/٢٧٣)

إذا كان أكثر مال الرجل حرام، هل تحرم معاملته أو تكره على وجهين: وإن كان الغالب على ماله الحرام لم تحرم معاملته؛ ولكن قد قيل إنه من المشتبه الذي يستحب تركه. (فتاوى ابن تيمية ٢٩/ ٢٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨/ ربیع الثانی ١٤٠٩ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٤/ ١١٨٧)

کسی ایک شریک کا دوران شرکت انتقال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [٨٨٧٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو آدمی ایک دوکان کی ملکیت اور کاروبار میں تقریباً چالیس سال سے شریک ہیں، کچھ عرصہ کے بعد ایک شریک کا انتقال ہوگیا، اب اس کے وارثین حیات ہیں اور شریک کے انتقال کے بعد اس کے وارثین سے تجدید شرکت ابھی تک نہیں کی گئی ہے۔

اب زندہ شریک یہ چاہتا ہے کہ شرکت ختم کر کے دوسرے شریک کے وارثین کو دوکان کی ملکیت وکاروبار کا حصہ دیدیا جائے؛ لیکن دوسرے شریک کے وارثین کسی بات پر تیار نہیں ہیں، نہ آج تک کا حساب لینے کے لئے تیار ہیں اور نہ اپنا حصہ بیچنے کے لئے تیار ہیں اور نہ زندہ شریک کا حصہ خریدنے کے لئے تیار ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ شریک کے وارثین کو زندہ شریک پر کامل ومکمل اعتماد ہے، وہ ہمارا ایک بھی پیسہ نہیں کھائے گا؛ لہٰذا شریعت مطہرہ میں مذکورہ شرکت بالکلیہ ختم کرنے کے لئے کیا صورت ہے؟ کیا قاضی یا شرعی پنچایت مذکورہ دوکان کی بازاری قیمت کر کے شریک کے وارثین کو ان کا مکمل حصہ دے

کرشرکت ختم کرسکتی ہے؟

المستفتی: مولانا نظام الدین، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں شریک کے انتقال سے شرکت باطل ہوچکی؛ لہٰذا اب مرحوم کے ورثاء اس کے قائم مقام ہیں، اگران کی جانب سے مورث کے انتقال کے بعد تجدید شرکت نہیں ہوئی ،تو آگے شرکت کا معاملہ شرعاً باقی نہیں رہا؛ اس لئے مرحوم کے وارثین اور دوسرے شریک پر ہروقت شرعی حکم یہ جاری ہے کہ حساب وکتاب کرکے معاملہ ختم کرلیں ۔آئندہ اگردوبارہ شرکت کا ارادہ ہو،تو اپنا اپنا حصہ دینے کا مطالبہ کرنا شرعاًدرست ہے اورآپ کو یہ کام کرنے کا حق ہے اور مرحوم کے وارثین کوشرعاًمان لینا چاہئے۔

ولو مات أحد الشريكين انفسخت الشركة علم الشريك بموته أولم يعلم. (الفتاوی التاتارخانية، كتاب الشركة، الفصل الثالث، کوئٹه ٥/٦٣٨، زكريا ٧/٤٧٦، رقم:١٠٩٢٣، بدائع الصنائع، كراچي ٦/٧٨، زكريا ٥/١٠٥، الفقه الإسلامي وأدلته، هدیٰ انٹر نیشنل٤/٦٢١، دارالفكر ٥/٣٩١٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/٣٦٥، رقم: ١٠٤٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۴۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

شرکت ختم کرنے کے بعد مطالبہ کئے گئے کا حکم

سوال [۸۸۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ثاقب رضا ولد جناب علی رضا مرحوم ساکن کوچہ لالہ میاں رام پور

نے ایک زمین ۶ ۳ ۳ / لاکھ روپیہ کا سودا کیا، جس میں مبلغ پانچ لاکھ روپئے بیع نامہ دیدیا گیا، ثاقب رضا نے اپنے ساتھ دو پارٹنر فرحان اور عمر کو شامل کیا، زمین پلاٹنگ کرنے کی غرض سے خریدی گئی تھی، جس شخص سے زمین خریدی گئی اسے باقی رقم ۱۳۱/ لاکھ روپئے دینے کا ایک سال کا وعدہ کرلیا گیا ہے، جس میں ثاقب رضا نے اپنے بھائی حاجی بابو کو گواہ بنالیا اور تحریر لکھ لی گئی، تقریباً دو ماہ کے بعد ثاقب رضا اور دونوں ساتھیوں نے زمین کا نقشہ بنوا کر پلاٹ بک کرنا شروع کیئے، ایک دن ثاقب رضا نے دور اندیشی کے طور پر کہ زمین کے مالک کو ۱۳۱/ لاکھ روپئے دینا ہے، اگر ہمارے پاس رقم اکٹھا نہیں ہوئی۔ یہ سوچ کر اپنے بڑے بھائی حاجی بابو کو 10% کا شریک یہ کہہ کر بنالیا کہ اگر ہمیں رجسٹری کے وقت کچھ رقم کی ضرورت پڑی تو آپ ہی ہمیں اپنے پاس سے دیں گے، اس وقت وہ رضا مند ہوگئے، تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد ثاقب رضا کے پاس رقم اکٹھا نہیں ہو پائی؛ اس لئے وہ حاجی بابو کے پاس پہونچے جو 10% کے پارٹنر تھے اور انہوں نے ان سے رقم کا مطالبہ کیا، جسے دینے سے حاجی بابو نے انکار کردیا اور کہا کہ میرے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے، ثاقب رضا نے کہا میں نے بوقت ضرورت رقم لینے ہی کے لئے پارٹنر بنایا تھا؛ لہٰذا آج سے ہماری پارٹنرشپ (شراکت) ختم ہوگئی، اس پر دونوں بھائیوں میں تھوڑا سا غصہ بھی ہوا تھا، تقریباً آٹھ دس دن تک کوئی بات چیت بھی نہیں ہوئی تھی، وقت گذرتا گیا اور حالات دونوں بھائیوں میں پہلے سے بہتر ہوتے ہوگئے، ایک نجی معاملے کی وجہ سے دونوں بھائی اتنے قریب آگئے کہ ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے لگے، جو پلاٹنگ ثاقب رضا اور دونوں ساتھیوں نے کی تھی، اس کی میعاد اگست ۲۰۰۳ء کو ختم ہوگئی، اچانک ایک دن حاجی بابو ثاقب رضا کے پاس آئے اور انہوں نے اپنے 10% کا حساب مانگا، تو ثاقب رضا نے جواب دیا کہ حساب بن رہا ہے لمبا حساب ہے، دو تین دن کا وقت لگ سکتا ہے، دو دن کے بعد حاجی بابو کے سامنے حساب پیش کیا گیا، تب حاجی بابو نے 10% حساب سے اپنا حصہ مانگا، تو رضا نے کہا کہ لوگوں کی طرف پلاٹ کے

پیسے باقی ہیں، میں کچھ دنوں میں انتظام کردوں گا، یہ سن کر حاجی بابو بگڑ گئے اور اپنے بھائی ثاقب رضا کو برا بھلا کہنے لگے اور شر پسند عناصر کے ذریعہ قبضہ کرنے کی بات کہی، تو گھر آکر غصہ میں بیٹھے ثاقب رضا کو یاد آیا کہ میں نے تقریباً ڈھائی سال پہلے ہی حاجی بابو کا 10% کا حصہ ختم کردیا تھا، اب میں کس چیز کا حساب دے رہا ہوں یہ میری بہت بڑی بھول تھی پھر ثاقب رضا نے اپنے چھوٹے بھائی سالم رضا کو بھیجا اور یہ کہلوایا کہ میں نے آپ کو غلطی سے حساب دیدیا تھا، میری اور آپ کی پارٹنر شپ ڈھائی سال پہلے ہی ختم ہوگئی تھی، جو مجھے بالکل یاد نہیں تھی اس پر حاجی بابو نے صاف انکار کردیا کہ ثاقب رضا سے پارٹنر شپ ختم کرنے کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی تھی، ثاقب رضا جھوٹ بول رہا ہے ثاقب رضا نے ان سے حلف اٹھانے کی اور اٹھوانے کی بات کی تو حاجی بابو نے یہ کہا کہ ثاقب رضا نے ختم کرنے کو کہا ہوگا پر میں نے ہاں نہیں کہا تھا، حاجی بابو حلف اٹھانے اور اٹھوانے کو تیار نہیں ہوئے۔ آنجناب سے گذارش ہے کہ اس متعلق حاجی بابو سے ثاقب رضا کی پارٹنر شپ (شراکت داری) باقی رہی یا نہیں؟ ان کا دس فیصد کا حصہ بنتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ثاقب رضا، ساکن کوچہ لالہ میاں، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس روز حاجی بابو نے رقم ادا کرنے سے انکار کردیا اور ثاقب رضا نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ آج سے ہماری پارٹنر شپ شراکت ختم ہوگئی، اسی روز سے شرعی طور پر حاجی بابو کی شراکت ختم ہوچکی۔

لأنه لما تعذر استيفاء الثمن من المشتري فات رضا البائع فيفسد بفسخه لفوات شرط البيع وهو التراضي. (فتح القدير، كتاب أدب القاضي، مسائل شتى من كتاب القضاء، زكريا ٧/٣٠٩، كوئٹه ٦/٤١٨، دارالفكر ٧/٣٣٠)

مستفتی نے دوسوالات ایک ہی وقت سے متعلق روانہ کئے دونوں کے جوابات لکھے

گئے اوپر نیچے دونوں درج ہیں کہ جب حاجی بابو نے متعینہ موقع پر رقم ادا کرنے سے انکار کردیا، تو حاجی بابو کو پارٹنری سے خارج کرنے کا ثاقب رضا کو پورا پورا حق ہے؛ لہٰذا جب موقع پر حاجی بابو نے رقم ادا کرنے سے انکار کردیا اور اس کے بعد ثاقب رضا نے صاف لفظوں میں یہ کہدیا کہ آج سے ہم آپ کو پارٹنری سے خارج کردیتے ہیں تو آپ کی شراکت کا دعویٰ کرنا حاجی بابو کے لئے درست نہیں ہے اور نہ ہی ثاقب رضا پر یہ لازم ہے کہ حاجی بابو کو اپنا شریک باقی رکھے۔

وإذا فسخ أحد الشريكين الشركة، ومال الشركة أمتعة صح الفسخ-إلى- قال الصدر الشهيد: والفتوى على الأول وهذا إذا فسخ بحضرة صاحبه. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٧/٤٧٦، رقم: ١٠٩٢٣، كوئٹه ٥/٦٣٧)

فإذا فسخه أحدهما عند وجود شرط الفسخ ينفسخ. (بدائع الصنائع، زكريا ٥/١٠٥، كراچي٦/٧٨)

ولأنه لما تعذر استيفاء الثمن من المشتري فات رضا البائع فيفسد بفسخه لفوات شرط البيع وهو التراضي. (فتح القدير،دارالفكر ٧/٣٣٠، زكريا ٧/٣٠٩، كوئٹه ٦/٤١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۲۴۰/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۹ھ

شرکت میں رقم کی چوری کا ضمان کس پر؟

سوال [۸۸۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور عمر دونوں مل کر آدھے منافع پر کاروبار کرتے ہیں، آدھی رقم زید کی اور

آدھی رقم عمر کی، منافع میں دونوں شریک ہوتے ہیں، زید نے عمر کو آدھی رقم دے کر کاروبار کرنے کے لئے بھیجا، عمر پیسے لے کر سودا خرید نے جا رہا تھا، اتفاق ایسا ہوا کہ منافع کا سودا نہ مل سکا اور واپسی میں عمر کی جیب کٹ گئی؛ جبکہ یہ پیسے دونوں کے تھے۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ نقصان صرف عمر کا ہوگا یا اس نقصان میں دونوں شریک ہوں گے؛ جبکہ اگر سودا ملتا تو منافع میں دونوں شریک ہوتے؟

المستفتی: عبدالناصر، امام مدینہ مسجد، خان پور بلند شہر،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت میں عمر کے ہاتھ میں وہ مال امانت تھا، اس لئے ضائع ہونے کی وجہ سے اس پر کسی قسم کا ضمان لازم نہیں ہوگا اور اس نقصان کو دونوں شریک مل کر برداشت کریں گے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رض**، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس على المستعير غير المغل ضمان ولا على المستودع غير المغل ضمان.** (سنن الدار قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/۳۶، رقم:۲۹۳۹)

وهي أمانة فلا تضمن بالهلاك. (شامي، كتاب الإيداع، زكريا ۸/۴۵۵، كراچي ۵/۶۶۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۴۲) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۴۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۱۱/۴ھ

شریک کا مال مشترک کو خریدنا

سوال [۸۸۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی دوکان پر اپنے پیسہ سے کاروبار کرتا ہے، اور اس میں پچاس قسم کے

سامان کی خرید وفروخت کرتا ہے، زید کی برادری کی ایک تنظیم ہے، تنظیم کے ذمہ دار شخص نے زید سے کہا ایک دو سامان میں تنظیم کا روپیہ لگالو جو منافع ہوگا وہ آدھا آدھا ہوگا اسی طرح نقصان میں، زید نے منظور کرلیا اور معاہدہ ہوگیا اور زید نے معاہدہ کے مطابق عمل شروع کردیا، کچھ عرصہ میں منافع ہوتے ہوتے روپیہ کافی مقدار میں بڑھ گیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید نے تنظیم کے ذمہ دار کی نالج میں لاکر معاہدہ کے سامان کے علاوہ کچھ سامان خریدا اور گودام میں اسٹاک کردیا، زید جس طرح ضرورت کے مطابق اپنا سامان فروخت کرنے کے لئے بازار میں سے خرید کر لاتا ہے، اور فروخت کرتا ہے، اسی طرح تنظیم کا وہ مال جو اسٹاک میں ہے، کچھ نفع کے ساتھ اپنی ضرورت کے مطابق خرید سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) خرید دستاویز پر کیا اور معاہدہ کے سامان کے علاوہ کچھ سامان موقع کا ملا، جس کو تنظیم کی رقم سے یہ سمجھ کر خرید لیا کہ تنظیم کا بڑھا ہوا فاضل پیسہ رکھا ہے اور یہ نیت کی کہ گھر جاکر معقول منافع دے کر ضرورت کے مطابق ہم خرید لیں گے، جس سے تنظیم کا فائدہ بھی ہوگا، تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد خالد اویسی، اعظم نگر، بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منافع دے کر اس طرح مالی شرکت کو خرید لینا جائز ہے؛ لیکن اگر نیت خراب ہونے کا مسئلہ ہے، تو ایسا نہ کیا جائے۔

وبقي شيئ آخر يقع كثيراً، وهو مالو اشترى أحدهما من شريكه لنفسه هل يصح أم لا لكونه اشترىٰ ما يملك بعضه، والذي يظهر لي أنه يصح؛ لأنه في الحقيقة اشترىٰ نصيب شريكه بالحصة من الثمن المسمىٰ، وان أوقع الشراء في الصورة على الكل. (شامي، كتاب الشركة، مطلب ادعي الشراء لنفسه، زكريا٦/٤٨٧، كراچي ٤/٣١٤)

جب تنظیم ہی کے پیسہ سے خریدا ہے، تو وہ سامان تنظیم کی شرکت کا ہوگیا ہے۔

فإن نقد الثمن من مال الشركة، فهو للشركة. (شامي، كتاب الشركة، مطلب ادعىٰ الشراء لنفسه، زكريا ٦/٤٨٧، كراچي ٤/٣١٤)

ہاں البتہ بعد میں اس کو نفع دے کر خرید لینا آپ کے لئے جائز ہے، جیسا کہ سوال نمبر ۱؍ کے جواب سے واضح ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۱۲۷)

شریکین کے مال کی مقدار معلوم نہ ہو تو حصہ کا تناسب کیسے ہوگا؟

سوال [۸۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی آج سے ۱۳؍ سال قبل ہوئی، زید دبئی میں رہتا تھا؛ جبکہ اس کی اہلیہ سرکاری اسکول میں ٹیچر تھی، میاں بیوی دونوں نے مل کر ایک زمین خریدی اور اس نیت سے اپنی بیوی کے نام رجسٹری کرادی کہ میاں کو بینک سے قرض لینے میں سہولت رہے؛ چنانچہ بینک سے قرض لے کر مکان کی تعمیر ہوگئی اور میاں بیوی مل کر قرض کی ادائے گی کرتے رہے، یہاں تک کہ مئی ۲۰۰۹ء میں بیوی کا انتقال ہوگیا اور قرض کی کافی مقدار تقریباً ۵؍ لاکھ کی ادائے گی باقی ہے، جس کو شوہر ہی ادا کر رہا ہے۔

واضح رہے کہ یہ بھی متعین نہیں ہے کہ مکان میں میاں بیوی میں سے کس کا کتنا پیسہ لگا ہے؟ آپ سے سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا مکان میں از روئے شرع زید کتنے کا حقدار ہے؟ جبکہ زید کی اہلیہ کے انتقال کے وقت ان کے والد شوہر ایک لڑکی اور دو لڑکے موجود تھے۔

المستفتی: نیاز علی، سندیلہ، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ بیوی کے نام سے مذکورہ زمین کیوں خریدی گئی، اس طرح مخصوص مصلحت کی بناء پر کسی ایک کے نام سے خریدنے سے شرعی طور پر اس کی ملکیت نہیں ہوتی ہے، جس کے نام سے خریدی گئی ہے اور ایسے عقد کو بیع تلجۂ کہا جاتا ہے۔

بيع التلجئة هي ما ألجئ إليه الإنسان بغير اختياره، وذلك أن يخاف الرجل السلطان، فيقول آخر أني بعت داري منك، وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هو تلجئة. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة، زكريا ٧/٥٤٢، كراچي ٥/٢٧٣، هندية، زكريا قديم٣/٢٠٩، جديد ٣/١٩٦، معجم لغة الفقهاء، كراچي ١١٣، قواعد الفقه أشرفي ٢١٣، معجم المصطلحات والألفاظ الفقهيه، دارالفضيلة١/٤٠٥)

دونوں نے مشترک پیسے سے وہ زمین خریدی ہے اور اس پر تعمیر بھی دونوں کے مشترکہ پیسے سے کی گئی ہے اور کس کا کتنا پیسہ لگا ہے، اس کا کوئی حساب نہیں ہے، تو ایسی صورت میں دونوں کو برابر کا شریک سمجھا جائے گا اور دونوں نصف نصف کے مالک ہوں گے۔

وما حصلاه معا فلهما نصفين إن لم يعلم ما لكل، وقال الشامي تحته يعني ثم خلطاه وباعه، فيقسم الثمن على كيل أووزن ما لكل منهما، وإن لم يكن وزنيًا و لا كيلياً، قسم على قيمة ماكان لكل منهما، وإن لم يعرف مقدار ماكان لكل منهما، صدق كل واحد منهما إلى النصف (إلى قوله) لايصدق على الزيادة على النصف إلا ببينة؛ لأنه يدعى خلاف الظاهر.

(شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة، واكتسبا و لايعلم التفاوت، فهو بينهما بالسوية، زكريا٦/٥٠٢، كراچي ٤/٣٢٥)

زوج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة، وأخذ كل منهما يكتسب على حدة ويجمعان كسبهما و لا يعلم التفاوت ولا التساوي، ولا التمييز،

فأجاب بأنه بينهما سوية. (شامي، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچي ٤/ ٣٢٥)

برتقدیر صحت سوال وعدم موانع ارث اور بعد ادائے حقوق ما تقدم علی الارث پورے مکان میں سے شوہر کا آدھا حصہ چھوڑ کر بقیہ آدھا جس کی مالک بیوی ہے وہ بیوی کے شرعی ورثاء کے درمیان درج ذیل نقشہ کے اعتبار سے تقسیم ہوگا۔

شوہر	باپ	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۱۵/۳	۱۰/۲	۱۴	۱۴	۷

مرحومہ کا کل ترکہ ۶۰/ برابر سہام میں تقسیم ہوکر ہر وارث کو اتنا اتنا ملے گا، جو اس کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۸۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱/۲۵ھ

شرکت مفاوضہ میں تساوی کی شرط کی وضاحت

سوال [۸۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قدوری ۱۱۳/ میں ہے کہ شرکت مفاوضہ میں مال کی برابری شرط ہے، یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے؛ کیونکہ مال کی برابری سے مراد اگر جمیع مال ہے، تو یہ محال ہے؛ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کچھ مال چھپادے۔

نیز قدوری کی اگلی عبارت **إلا طعام أهله وكسوتهم** کا مطلب صحیح نہ ہوگا؛ کیونکہ طعام وکسوہ خریدنے سے کمی زیادتی ہوجائے گی۔ نیز جب وہ مال ہے، تو پھر صرف اپنے اہل کے لئے طعام کسوہ خریدنا کیسے صحیح ہوگا؟

اور اگر یہ مراد ہے کہ جتنا مال شرکت کے لئے نکالا ہے، وہ برابر ہونا چاہئے، تو پھر

قدوری کی اگلی عبارت **فإن ورث أحدهما (إلی قوله) بطلت المفاوضة** کا مطلب صحیح نہ ہوگا؛ کیونکہ مال شرکت اس سے جداگانہ ہے۔ نیز **إلا طعام أهله و کسوتهم** کا مطلب اس صورت میں بھی صحیح نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ مال دونوں کا ہے؛ لہٰذا صرف اپنے اہل کے لئے خریدنا صحیح نہ ہوگا، نیز اس صورت میں **إلا طعام أهله** کا یہ مطلب ہوجائے گا کہ طعام وکسوہ کے علاوہ جو بھی خریدے گا، اس میں شرکت ہوجائے گی، یہ بھی بعید ہے، امید ہے کہ شبہات دور کئے جائیں گے۔

المستفتی: نجیب الرحمٰن، خادم مدرسہ افضل العلوم، تاج گنج، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شرکت مفاوضہ میں ابتداءً وبقاءً مال، نفع، عمل اوردین میں برابری ضروری ہے، اگرکسی وقت بھی کسی چیز میں کمی وبیشی ہوجائے گی، توفوراً ہی شرکت مفاوضہ باطل ہوکرشرکت عنان بن جائے گی؛ لہٰذا کوئی شخص اپنے جمیع مال کونہیں نکالتا؛ بلکہ کچھ چھپا دیتا ہے، تو ابتداء ہی سے شرکت مفاوضہ کا انعقاد نہ ہوگا، اگر چہ نام کے اعتبار سے مفاوضہ ہواور صاحب قدوری کا یہ جزئیہ **إلا طعام أهله** ماقبل کی عبارت **ومايشتريه كل واحد منهما يكون على الشركة** سے مستثنیٰ ہےاور یہ حکم ضرورت کی وجہ سے استحساناً دیا گیا ہےاوراس میں سے ایک دوسرے کے اخراجات لینے کی وجہ سے شرکت مفاوضہ باطل نہیں ہوتی؛ البتہ اتنی مقداران کے نفع سے وضع کی جائے گی اور احدالشریکین کے وارث ہونے سے شرکت مفاوضہ باطل ہوکرشرکت عنان بن جائیگی۔

وما اشتراه أحدهما من طعام لأهله، أو كسوة، أومالا بدله منه، فذلك جائز وهو له خاصة دون صاحبه (إلى قوله) وإن وقع المشترى للذي اشتراه خاصة؛ لأن هذا مما يجوز فيه الاشتراك، وكل واحد منهما كفيل عن الآخر ببدل مايجوز فيه الاشتراك إلا

أنهم، قالوا: إن الشريک يرجع علی شريکه بنصف ثمن ذلک؛ لأنه قضیٰ دينا عليه من ماله لا علی وجه التبرع؛ لأنه التزم ذلک فيرجع عليه. (بدائع الصنائع، کتاب الشرکة، فصل وأما حکم الشرکة، کراچي ٦/ ٧٤، زکريا حکم شرکة المفاوضة ٥/ ١٠٠، شامي، کتاب الشرکة، مطلب فيما يقع کثيراً في الفلاحين فما صورته شرکة مفاوضة، کراچي ٤/ ٣٠٧، زکريا ٦/ ٤٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۷۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۹ھ

مشروط شرکت کا حکم

سوال [۸۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور بکر کے درمیان شرکت کا معاملہ ہوا؛ جبکہ زید پہلے ہی سے ایک صاحب کے ساتھ کاروبار میں شریک رہا ہے، ڈھائی لاکھ روپیہ زید کے اور دوسرے کے ایک لاکھ زید نے بکر کو مزید ایک لاکھ روپیہ کے ساتھ شریک کرنا چاہا، اور بکر کو درج ذیل شرائط پر شریک کیا۔

(۱) شرکت ایک سال کے لئے ہے درمیان سال اگر بکر شرکت سے علیحدہ ہونا چاہے، تو اس کو نفع کے تناسب کا حساب لگا کر اپنا رأس المال اور نفع لے کر الگ ہونے کا اختیار ہوگا۔

(۲) فرم میں مذکورہ تین شریک ہوں گے۔

(۳) چوتھے کسی اور فرد کو شریک نہیں کیا جائے گا، اثناء تجارت ادھار مال بھی فروخت کیا گیا اور زید کو ہر طرف سے رقم وصول نہیں ہوئی اور بکر کو چونکہ کسی بھی وقت شرط اول کے اعتبار سے علیحدگی کا اختیار ہے؛ اس لئے وقت علیحدگی بکر کو یکمشت رقم مع نفع ملنی چاہئے یا ادھار رقم کی وصولیابی تک انتظار کرنا ہوگا۔

زید نے ایک چوتھے آدمی کو۲۵ / ہزار روپیہ پر شریک کرلیا، کیا یہ شرط ثالث کی خلاف ورزی تصور کی جائے گی؛ جبکہ زید کا کہنا ہے کہ ہم نے چوتھے کوفروغ تجارت کے لئے شریک کیا ہے، امید ہے کہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد مجتبیٰ، خادم ادارہ محمودیہ، قصبہ محمدی لکھیم پور کھیری (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شرائط کے مطابق بکر کواپنا نفع ورأس المال لے کراپنی شرکت فسخ کرنے کا شرعی طور پراختیار رہوگا۔

وأما صفة عقد الشركة، فهي أنها عقد جائز غير لازم حتى ينفرد كل واحد منهما بالفسخ إلا أن من شرط جواز الفسخ أن يكون بحضرة صاحبه. (بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل في صفة عقد الشركة، زكريا ۱۰۵/۵، كراچي ۷۷/۶)

البتہ اگر زید نے بھی تجارت کا سلسلہ ختم کردیا ہے، تو بکر کو اپنی رقم کے تناسب سے ادھار رقم وصول ہونے تک انتظار کرنا ہوگا اور اگر تجارت کا سلسلہ باقی ہے اور زید کے پاس یکمشت ادا کرنے کے لئے نقد رقم تیار نہیں ہے، تو زید کے پاس رقم آنے تک کے لئے مہلت دینا بکر پر ضروری و لازم ہے اور اگر زید ٹال مٹول کررہا ہے، تو زید کو رعایت نہیں دی جائے گی، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

قال الله تعالىٰ: وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ. [البقرہ: ۲۸۰]

عن أبي هريرة رضـ، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مطل الغني ظلم. (صحيح البخاري، باب مطل الغني ظلم، النسخة الهندية، ۳۲۳/۱، رقم: ۲۳۳۸، ف: ۲۴۰۰)

سوال نامہ کا آخری ٹکڑا واضح نہیں ہے کہ ۲۵ / ہزار روپیہ پر چوتھے آدمی کو شریک کرنے کا فلسفہ کیا ہے، اس کی اصل حقیقت واضح الفاظ سے تحریر فرمائیں جب غور کیا

جا سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۰۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۳/ ۱۴۱۳ھ

مشترکہ کاروبار میں ہر شریک اپنے حصہ کے بقدر تصرف کا مختار ہے

سوال [۸۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری پارٹنرشپ ہے، ٹرک یونین کے اندر جس میں ۳۳؍ پرسنٹ کے ہم مالک ہیں اور ۶۷؍ پرسنٹ کے وہ مالک ہیں، اس صورت میں فنڈ سے وہ لوگ سب لوگوں کو چندہ دیتے ہیں، کیا ہم بھی اس میں سے اپنی مسجد کی ضروریات کے لئے پیسہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب باحوالہ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: سلیمان، منڈی دھنورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شرکت ۳۳؍ فیصد اور ۶۷؍ فیصد منافع کے حساب سے ہوتی ہے، تو ہر ایک پارٹنر کا ذاتی صرفہ اسی حساب سے منافع میں سے مجریٰ کرلیا جائے گا اور زکوۃ صدقہ اور چندہ وغیرہ بھی دینے والے کے ذاتی صرفہ میں ہی شمار ہوگا، جو شخص جتنا چندہ دیگا، اتنا اس کے منافع میں سے محسوب کر کے کم کرلیا جائے گا؛ لہٰذا اگر آپ کا پارٹنر آپ کے بغیر اجازت اپنی مرضی سے چندہ دیتا ہے، تو وہ اس کے منافع میں سے محسوب ہوگا اور اسی طرح اگر آپ بھی اپنے طور پر چندہ دیں گے، تو وہ بھی آپ کے منافع میں سے محسوب ہوگا۔

ولیس لأهل الشریکین أن یؤدي زکوة مال الآخر إلا بإذنه؛ لأنه لیس من جنس التجارة. (هدایة، کتاب الشرکة، فصل ما ینبغي للشریکین، اشرفی ۲/ ۶۳۵، مختصر القدروي ۱۱۷، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۶/ ۶۸، هندیة، زکریا

قدیم۲/۳۳۶، جدید ۲/۳۳۶)

وإذا حال الحول على مال الشريكين المفاوضين، فأدىٰ كل واحد منهما زكاة جميع المال، فإن أدىٰ كل واحد منهما بغير أمر صاحبه ضمن لصاحبه؛ لأن واحدًا منهما بسبب الشركة صار نائباً عن صاحبه في التجارات دون إقامة العبادات. (المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۲۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۶۰۱/۳۲)

مال مشترک میں سے کسی ایک شریک کا اپنے حصہ کو فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وارثین میں سے کسی ایک شخص نے مکمل جائیدا میں سے ۴۴؍گز اپنا حصہ مان کر رجسٹری کردی، تو کیا یہ درست ہوگا یا نہیں؟ مہربانی فرما کر اس کا جواب عنایت فرمائیں تاکہ یہ جھگڑا ختم ہو۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تقسیم میراث کے وقت جب اس شخص کا حصۂ وراثت ۲۰/۲-۴۴ گز بنتا ہے، تو اس کے لئے اپنا حصہ ۲۰/۲-۴۴ گز فروخت کر کے رجسٹری کردینا درست ہے۔

ويجوز بيع أحدهما نصيبه من شريكه في جميع الصور ومن غير شريكه بغير إذنه. (البحر الرائق، كتاب الشركة، زكريا۵/ ۲۸۰، كوئٹه ۵/۶۷، هداية، اشرفي ديوبند ۲/۶۲۴، البنايه اشرفيه ۷/۳۷۳، هندية، زكريا قديم ۲/۳۰۱، جديد ۲/۳۱۱، الدر مع الرد، كراچي ۴/۳۰۰، زكريا۶/۴۶۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۱۰۸)

شرکت میں طے شدہ شرائط کی شرعی حیثیت

سوال [۸۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور بکر دونوں حضرات گائے کو ذبح کر کے اس کا گوشت فروخت کرتے ہیں، جس میں بکر کا چالیس فیصدی حصہ ہے اور زید کا ساٹھ فیصدی اور اس بات پر دونوں رضا مند بھی ہیں؛ لیکن زید کا یہ کہنا ہے کہ ذبیحہ کی جو چربی ہے، وہ میں لوں گا اور زید چربی اس بناء پر لیتا ہے کہ اس کے گھر والے بھی اس میں لگے رہتے ہیں، بکر اس بات پر راضی بھی ہے کوئی اعتراض نہیں معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ شرکت اس طرح کی درست ہے یا نہیں؟

اسی مسئلہ میں یہ بھی ہوتا ہے کہ پولیس پکڑ لیتی ہے، اب تھانہ میں ضمانت پر جو پیسہ خرچ ہوگا اس میں یہ دونوں حضرات شریک ہوں گے یا جو پکڑا گیا؟ مثلاً زید کے گھر کے تین افراد پکڑے گئے، اب تین میں ایک کو جیل بھیج دیا، دو لوگوں کو رشوت لے کر چھوڑ دیا، اب زید کا یہ کہنا ہے کہ جو چالیس فیصدی میں شریک تھا، اس میں بھی شریک ہوا اور جو ضمانت میں روپیہ خرچ ہوا ہے، بکر بھی چالیس فیصد دے گا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ زید کا بکر سے چالیس فیصد لینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد رضوان قاسمی، راوت پور کانٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن افراد سے زید کام لیتا ہے، ان کو نامزد کر کے کام کرنے کے لئے زید اور بکر دونوں نے متفق ہو کر کمپنی میں ملازم کی حیثیت سے رکھ لیا تھا، تو ایسی صورت میں ضمانت میں بکر چالیس فیصدی اور زید ساٹھ فیصدی کی حیثیت سے شریک ہوں گے، اور اگر جن لوگوں کو پکڑا گیا ہے، ان کو کمپنی میں رکھنے میں زید نے بکر سے اتفاق

نہیں کیا ہے؛ بلکہ اپنے طور پر رکھا ہے، تو ایسی صورت میں بکر ضمانت میں شامل نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے **المسلمون علی شروطھم** کہ مسلمان آپس کی شرائط کے پابند ہوں گے اور آپس کی شرائط کے مطابق مذکورہ بالا شرکت کا معاملہ بھی اپنی جگہ درست ہے۔

عن كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالاً، أو أحل حراما والمسلمون علي شروطهم إلا شرطا حرم حلالا، أوأحل حراما. (ترمذي، كتاب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/٢٥١، دارالسلام رقم: ١٣٥٢، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١٧/٢٢، رقم: ٣٠، سنن الدار قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٢٣، رقم: ٢٨٦٩، المستدرك للحاكم، الأحكام، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز ٧/٢٥٢٣، قديد ٤/١٠١، رقم: ٧٠٥٩، صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة تعليقا، النسخة الهندية، ١/٣٠٣، سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في الصلح، النسخة الهندية ٢/٥٠٦، دارالسلام رقم: ٣٥٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ شوال المکرم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۶۷/۳۷)

دوسرے کی زمین میں مکان بنانا اور کرایہ وصول کرنا

سوال [۸۸۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد نے اپنے روپیہ سے عبداللہ کی زمین پر عمارت بنائی بعدہ خالد وعبداللہ میں یہ طے ہوا کہ جب تک عبداللہ تعمیر میں صرف کیا ہوا روپیہ واپس نہ کر دے، تب تک خالد

اس عمارت کا کرایہ لیتا رہے گا اور جس وقت عبداللہ روپیہ ادا کردے گا، اس کے بعد خالد بھی کرایہ لینا بند کردے گا، تو سوال یہ ہے کہ عبداللہ وخالد کا یہ عمل از روئے شریعت کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: محمد غفران، گونڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ اس وقت جائز ہوسکتا ہے؛ جبکہ خالد جو کرایہ وصول کررہا ہے، وہ تعمیر میں خرچ کئے ہوئے پیسوں میں سے مجریٰ ہوتا جائے اور اس درمیان میں جو کچھ پیسہ عمارت کی قیمت میں سے بطور کرایہ وصولیابی میں باقی ہے، وہ پیسہ عبد اللہ خالد کو ادا کردے اور خالد دستبردار ہوجائے تو جائز ہے؟ یا ایسا طے کرلیا جائے کہ جو کرایہ کا پیسہ آرہا ہے، اس کا کچھ حصہ عبد اللہ کو دیتا رہے، بقیہ حصہ خالد اپنے پاس رکھے؛ لیکن اس طرح طے کرلینا ضروری ہے کہ معاملہ نصف نصف کا ہے یا ایک کیلئے ایک تہائی اور دوسرے کے لئے دو تہائی یا ایک کے لئے ایک چوتھائی دوسرے کے لئے تین چوتھائی کرایہ ہوگا، تو ایسی صورت میں ایسا کرنا درست ہے؛ اس لئے کہ یہ دونوں کی مذکورہ عمارت میں مشترکہ شرکت ہے جو شرعاً جائز ہے اور سوال نامہ میں ایسا نہیں ہے؛ بلکہ اس عمارت کا منافع صرف خالد حاصل کررہا ہے، اور عبد اللہ اس سے محروم ہے۔

طاحونة مشتركة بين اثنين أنفق أحدهما في عمارتها لم يكن متطوعًا بخلاف ما إذا أنفق على عبد مشترك أو أدى خراج كرم مشترك حيث يكون متطوعًا كذا في السراجية، دار بين اثنين، غاب أحدهما، وآجرها الآخر وأخذ الأجرة، فللغالب أن يشاركه في الأجر، كذا في القنية. (فتاى عالمگيري، كتاب الشركة، الباب السادس في المتفرقات، زكريا جديد ٢/ ٣٤٠، ٣٤١، قديم ٢/ ٣٤٢، مجمع الأنهر مصري قديم١/ ٧٣٠، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۷۷۔۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۴ھ

مشترکہ راستہ میں تعمیر کرنے کا حکم

سوال [۸۸۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سردار حسین محمدی بیگم، صاحبزادی کے وارثان کا ایک مشترکہ راستہ ہے، جس کی چوڑائی تقریباً تین فٹ ہے، اس راستہ میں سردار حسین کے وارثان نے بیت الخلاء نل وغیرہ بائیس سال پہلے ہی بنالیا تھا، اب اس راستہ کے اوپر لینٹر ڈال کر تعمیر کرنا چاہتے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس مشترکہ راستہ پر بلا رضامندی دیگر شرکاء تعمیر کرنا لینٹر ڈالنا یا راستہ میں غسل خانہ، بیت الخلاء بنانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد حنیف، نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مشترکہ راستہ میں سب ہی شرکاء کا حق متعلق ہے، بائیس سال قبل جو بیت الخلاء اور غسل خانہ بنایا گیا ہے، اس پر اب تک اعتراض نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ دیگر شرکاء کی طرف سے اس کی اجازت تھی، ہاں البتہ اب جو اوپر لینٹر ڈال کر تعمیر کرنا چاہتے ہیں، اور اس پر دیگر شرکاء کو اشکال ہے، تو شرعاً اور قانوناً سردار حسین کے ورثاء کے لئے دیگر شرکاء کی اجازت کے بغیر اس پر لینٹر ڈالنا جائز نہیں۔

عن ابن عباسؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ضرر ولاضرار. (سنن ابن ماجه، كتاب الأحكام، باب من بني في حقه ما يضر بجاره۔ (النسخة الهندية ۱۶۹/۱۷، دارالسلام رقم:۲۳۴۱، مؤطا إمام مالك، كتاب القضاء، القضاء في المرفق، النسخة الهندية ۳۱۱)

وفي الطريق الخاص لا يسعه بلا إذن الشركاء، وإن لم يضر لأنه

مملوک لهم؛ ولهذا وجبت الشفعة لهم على كل حال، فلا يجوز التصرف أضربهم، أو لم يضر إلا بإذنهم بخلاف العام فإنه ليس لأحد فيه ملك. (مجمع الأنهر، كتاب الديات، باب ما يحدث في الطريق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٦٠، ٣٦١، مصري قديم ٢/ ٦٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۲/ ۱۴۲۴ھ

مشترک راستہ میں دروازہ لگانے کا حکم

سوال [۸۸۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو بھائیوں کے درمیان مشترکہ راستہ ہے، اس میں اپنے شریک کی اجازت کے بغیر آگے کو دروازہ لگانا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالقدیر، محلہ چھبو کا نالہ، نورانی، مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشترک راستہ میں اپنی متعین حد کے آگے دروازہ لگا کر قابض ہو جانا جائز نہیں ہے، جو بھائی ایسی حرکت کر رہا ہے۔ شرعی طور پر اسے ظالم شمار کیا جائے گا۔

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، اشرفي ۱۱۰، رقم: ۲۶۹، شرح المجلة رستم مكتبه اتحاد، ۱/ ۶۱، رقم المادة ۹۶)

عن ابن عباسؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ضرر ولاضرار. (سنن ابن ماجه، كتاب الأحكام، باب من بني في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية ۱۶۹/۱۷، دارالسلام رقم: ۲۳۴۱، المعجم الكبير للطبراني، دارإحياء التراث العربي ۲/ ۸۶، رقم: ۱۳۸۷)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال رجل مسلم لأخيه، إلا ما أعطاه بطيب نفسه. (السنن الكبري للبيهقي، باب أهل البغي إذا فائا......دار الفكر ۱۲/ ۳۵۲، رقم: ۱۷۲۲٤)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، اشرفي ۱۱۰، رقم: ۲۶۹، شرح المجلة رستم مكتبه اتحاد، ۱/ ۶۱، رقم المادة: ۹۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۸/ ۱۴۲۳ھ

ایک مکان میں کم وبیش حصہ داروں کا مشترکہ مکان فروخت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالغفار کے ۳/ لڑکے تھے، عبدالقیوم، محمد ایوب، عبدالغفور، عبدالغفار کے پاس دو مکان تھے، جن کی قیمت ۴۵/ ہزار روپیہ تھی ہر بھائی کے حصہ میں ۱۵/ ہزار روپیہ آتا تھا، محمد ایوب نے اپنا حصہ بیچ دیا، مشترک خریداری میں ۹/ ہزار روپیہ عبدالغفور نے دیا، ۶/ ہزار روپیہ عبدالقیوم نے دیا، اس صورت میں عبدالقیوم آدھی جائداد پر قابض ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ۱۵۰۰/ عبدالقیوم سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالغفور، نجو پورہ، ٹانڈہ بادلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں عبدالقیوم کے لئے آدھی جائداد پر قابض ہونا شرعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ آدھی میں سے ڈیڑھ ہزار روپیہ کی جائداد عبدالغفور کو دیدینا لازم ہوگا، عبدالغفور کی رضامندی سے عبدالغفور سے وہ مقدار خرید کر کے قابض

ہوجائے، تو جائز ہوسکتا ہے اس کے بغیر عبدالقیوم سخت ترین وعید کا مستحق ہوگا۔

وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. [البقرہ:۱۸۸]

عن أبي حميد الساعدي رضی اللہ عنہ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئٍ، أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلك لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۲۵، رقم: ۲۴۰۰۳)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله صلى عليه وسلم قال: لا يحل مال لامريء مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲، مسند أحمد أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۹۱، رقم: ۱۵۶۷، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۷۲، رقم: ۲۰۹۷۱، سنن الدار قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۲، رقم: ۲۸۶۲، ۲۸۶۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۱۸۹/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۴/۹ھ

شرکت بالاموال کی ایک صورت

سوال [۸۸۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص کسی تاجر یا کسی دوکاندار کو اپنی کچھ رقم اس شرط پر دیدے کہ اس سے جو آمدنی فائدہ ہوگا، اس کا نصف یا اس سے کم یا زیادہ رقم دینے والے کو دیتا رہے گا، رقم دینے والے کو اس کے سودے کا علم نہیں کہ کون سی چیز کتنے فائدہ یا نقصان سے بکتی ہے؟ صرف مہینہ میں جو کچھ دوکاندار رقم دیتا ہے، اس کو فائدہ سمجھ کر لے

لیتا ہے، تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یامین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ مذکورہ میں جوصورت بیان کی ہے، وہ شرکت بالاموال کی صورت ہے، اس قسم کی شرکت منافع سے نصف وربع وثلث کی تعیین کے ساتھ جائز ہے۔

عن الثوري في رجل رفع إليه ما لا مضاربة بالثلث، أو بالربع، أو ماتراضيا، قال: هو ماله يشترط فيه ماشاء. (مصنف عبد الرزاق، البيوع، باب اشتراط المقارض، المجلس العلمي ۸/۲۵۷، رقم: ۱۵۱۳۲)

والمضاربة عقد يقع على الشركة بمال من أحد الجانبين (إلى قوله) ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعاً لا يستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح. (هداية، كتاب المضاربة، اشرفي ۳/۲۵۷، ۲۵۸، بدائع الصنائع، زكريا ۵/۱۱۹، كراچي ۶/۸۶، مختصر القدروي ۱۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۸۶۰/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۱۹ھ

❁ ❁ ❁

(۲) باب شركة العنان

جدید تعمیر عمارت کے دوطریقوں کا حکم

سوال [۸۸۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں سے قریبی شہروں مثلاً بنگلوراور مدراس وغیرہ میں عمارتوں کی تعمیر کے کئی نئے طریقے چل پڑے ہیں، ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی کے پاس خالی جگہ ہو، وہ اس پر بلڈنگ تعمیر کرنے کی سہولت نہ رکھتا ہو، تواس کے پاس کوئی بلڈر آکر کہتا ہے کہ ''تم مجھے اپنی جگہ دیدو میں اس پر ایک بلڈنگ تعمیر کروں گا، مثلاً آٹھ منزلہ عمارت کھڑی کروں گا، پھر چار منزل تمہارے حوالہ کردوں گا، تم اس کے مالک ومختار ہوگے، چاہو تو انہیں فروخت کردو یا کرایہ پردو یا دوسروں کے حوالہ کردواور میں چار منزلوں کا مالک ومختار ہوں گا'' رہی زمین تو وہ مالک اور بلڈر دونوں کے درمیان ایک معین مدت مثلاً ننانوے یا سوسال تک کے لئے مشترک کرلی جاتی ہے، اس پر ایگریمنٹ بھی کردیا جاتا ہے۔

تعمیر عمارت کا ایک دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ بلڈر آکر جگہ کے مالک سے کہتا ہے کہ تم مجھے اپنی جگہ اور ایک یا دولا کھ روپئے اڈوانس دیدو، میں عمارت تعمیر کرکے تمہارے حوالہ کردوں گا، تم بعد میں مجھے اتنے لاکھ روپئے اتنی مدت تک ماہانہ ایک لاکھ یا پچاس ہزار روپئے کی قسطوں سے ادا کردو۔

اب سوال یہ ہے کہ اس طرح قسطوار ادائے گی سے وہ بلڈر اس تعمیر کردہ بلڈنگ کی مالیت سے بہت زیادہ وصول کرلیتا ہے، مثلاً دس لاکھ روپئے وہ خرچ کرتا ہے، تو چودہ پندرہ لاکھ روپیہ وصول کرلیتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

المستفتی: رشید احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اس میں دو معاملہ الگ الگ ہیں۔

(۱) زمین کے بارے میں۹۹/سال کا اجارہ ہے،اگر جانبین ۹۹/سال کے پٹے پر راضی ہیں اور اس کا سرکاری ایگریمنٹ بھی ہوجائے،تو آپس کی تراضی سے اس لمبی مدت معینہ تک اجارہ کی گنجائش ہے،اور جانبین میں سے کسی ایک کی موت کے بعد یا دونوں کی موت کے بعد ان کے ورثاء ایگریمنٹ اور معاہدہ پر راضی ہوجائیں،تو یہ مدت طویلہ کے لئے اجارہ داری جائز اور درست ہے جیسا کہ ہندیہ کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

رجل آجر أرض وقف مدة طويلة مائة سنة من رجل، وأقر أنهما باشرا لواحد من المسلمين، وأن حاكما حكم بصحة ذلك، فالإجارة صحيحة إذا حكم حاكم بصحتها مع طول المدة، ولا تنفسخ بموت أحدهما بعد إقرار هما، بأن العقد وقع لواحد غير معين، ويكون المال حلالا له، هكذا ذكر وهو الصحيح، وهذا مما لا خلاف فيه. (هندية، كتاب الأجارة، الباب الثلاثون في الإجارة الطويلة المرسومة بيخاري، زكريا جديد ٤/ ٥٦١، قديم ٤/ ٥١٥)

دوسرا معاملہ اس میں شرکت کا ہے کہ آٹھ منزلہ عمارت بنا کر چار منزل صاحبِ زمین کو زمین کے عوض دیدی گئی اور چار منزل بلڈر نے بنا کر دینے کے عوض میں اپنے لئے لے لیا، یہ شرکت عنان کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز اور درست ہے۔

عنان تصح مع التساوي في المال دون الربح وعكسه. وفي البحر تحته: وهو التفاضل في المال و التساوي في الربح، قوله: (وببعض المال) يعني يصح أن يعقدها كل واحد منهما ببعض ماله دون البعض؛ لأن المساواة في المال ليس بشرط إذ اللفظ لا يقتضيه (قوله: وبخلاف الجنس) بأن يكون من أحدهما دنانير و من الآخر دارهم لعدم اشتراط الخلط عندنا فجازت في متحد الجنس و مختلفه. (البحر الرائق، كتاب الشركة، زكريا ٥/ ٢٩١تا٢٩٣،

کوئٹہ ۵/۱۷۴تا۱۷۶، وهکذا في بدائع الصنائع، زکریا۵/۸۳، کراچي ۶/۶۲، هندية، زکریا قدیم ۲/۳۲۰، جدید ۲/۳۲۶، شامي، زکریا۶/۴۸۴، کراچي ۴/۳۱۲)

سوال میں عمارت تعمیر کرنے کا جو معاملہ بیان کیا گیا ہے، وہ بلاشبہ جائز ہے، یہ ٹھیکیداری کی ایک شکل ہے کہ یہاں بلڈر ٹھیکیدار بن چکا ہے، مالک زمین کو مکان بنا کر تیار کر کے پیش کردے گا، جس میں مثلاً بلڈر کے دس لاکھ روپئے خرچ ہوئے، مگر بلڈر مالک زمین کو مکان بنا کر پیش کرنے کے بعد اب جو پیشگی مختصر پیسہ لیا جا چکا ہے، اس کو بھی لے کر ۵/سال یا ۱۰/سال میں قسط وار ۱۵/لاکھ روپئے وصول کرے گا اور شروع ہی میں معاملہ صاف کرلیا گیا ہے ۱۵/لاکھ روپیہ میں تعمیر کر کے پیش کردیا جائے گا اور دو لاکھ روپئے پیشگی لے لیا جائے گا باقی تیرہ لاکھ روپئے ۵/سال میں قسطوار ادا کرتے رہیں گے، اس طرح بلڈر کا نفع بھی اپنی جگہ ہوتا ہے اور مالک زمین کو قسطوار پیسہ دے کر عمارت حاصل کرنے میں بھی آسانی ہوتی ہے، ایسا کرنا جائز اور درست ہے، یہ ادھار معاملہ کے مرادف ہے۔

البیع مع تأجیل الثمن، وتقسیطه صحیح، ویلزم أن تکون المدة معلومة في البیع بالتاجیل والتقسیط. (شرح المجله، رستم، مکتبه اتحاد ۱/۱۲۴-۱۲۵، رقم المادة ۲۴۵-۲۴۶، الفقه الإسلامي وأدلته، هدیٰ انٹر نیشنل دیو بند ۴/۲۴۲، دارالفکر ۵/۳۴۶۱)

لأن للأجل شبهاً بالمبیع ألا ترى أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل.

(هداية، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ۳/۷۴، شامي، زکریا ۷/۳۶۲، کراچي ۵/۱۴۲، البحرالرائق، کوئٹه ۶/۱۱۵، زکریا ۶/۱۹۱، المحیط البرهاني، المجلس العلمي ۱۰/۱۸۷، رقم:۱۲۷۳۸، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بیروت ۳/۱۱۲، مصري قدیم ۲/۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۴۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۵ھ

شرکت عنان میں نقصان کو سرمایہ سے کم یا زیادہ فیصدی متعین کرنے کا حکم

سوال [۸۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور عمر ایک کاربارو میں شرکت کرتے ہیں، بایں طور کہ زید ایک لاکھ روپیہ لگائے گا اور عمر پچاس ہزار، مگر زید کام نہیں کرے گا، کام صرف عمر کرے گا، نفع نقصان برابر برابر تقسیم ہوگا، تو نفع نقصان میں برابر کیا جائے گا یا ایک لاکھ والے کو نفع نقصان میں ڈبل اور پچاس ہزار والے کو نصف، کام عمر کرے گا جس کی رقم نصف ہے، زید نہیں کریگا، جس کی رقم ڈبل ہے، یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی اقبال احمد، سیکریٹری علی مسجد شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں شرکت کی جو شکل بیان کی گئی ہے، وہ شرکت فی العنان کے دائرہ میں آتی ہے؛ لیکن اس کی صحت کے لئے شرط یہ ہے کہ جس شریک نے جتنا مال لگایا ہوگا نقصان کی شکل میں اس کو اسی کے تناسب سے نقصان برداشت کرنا پڑے گا؛ لہٰذا یہ شرط لگانا کہ نفع ونقصان میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے، یہ شرط باطل ہے اور نقصان میں دونوں اپنی حصہ داری کے اعتبار سے شریک ہوں گے۔

اشتركا فجاء أحدهما بألف والآخر بألفين على أن الربح والوضيعة نصفان فالعقد جائز، والشرط في حق الوضيعة باطل، فإن عملا وربحا، فالربح على ما شرطا، وإن خسرا فالخسران على قدر رأس في مالهما.

(عالمگيري، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان، الفصل الثاني، زكريا جديد ۳۲۶/۲، قديم ۳۲۰/۲، بدائع الصنائع، زكريا ۵ ۸۳، كراچي ۶۲/۶، شامي، زكريا ۴۸۴/۶، كراچي ۳۱۲/۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۶۱/۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۷۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۲۱ھ

چندلوگوں کامل کرمشترکہ کاروبار کرنے کاحکم

سوال [۸۸۹۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زیداور بکر وغیرہ مشترکہ سرمایہ سے کاروبار کے لئے کمپنی قائم کرتے ہیں، جس میں بکر وغیرہ زید سے کہتے ہیں کہ سرمایہ ہم لوگ لگائیں گےاور کام پوری ذمہ داری کے ساتھ آپ کریں اور ہم لوگ بھی ساتھ لگے رہیں گے،اور منافع میں آپ کومثلاً پچیس فیصد دیں گے،جس وقت کمپنی کا آغاز ہوا تھا، اس وقت اس طرح کی کوئی بات سامنے نہیں آئی کہ سرمایہ سودی لون لے کرلگایا جائے گا،اور انٹریسٹ وضع کرنے کے بعد جو پرافٹ ہوگا،اس میں سے آپ یعنی زید کو پچیس پرسینٹ منافع کا شیئر دیا جائے گا،کام شروع کئے ہوئے کئی سال ہوگئے،اس دوران کبھی بھی اس کا تذکرہ نہیں آیا،تحریری صورت میں جو شرائط رکھی گئی تھیں، ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جونفع ہوگا،اس میں سے استعمال شدہ مشینوں کے عوض دس فیصد وضع کرنے کے بعد آپس میں منافع تقسیم ہوگا،زیدان مذکورہ بالاشرائط کی پابندی کرتے ہوئے کام کرتا رہا۔اب جبکہ حساب کرکے منافع کی تقسیم کی نوبت آئی تو بکر وغیرہ کا کہنا یہ ہے کہ سودی قرض کا انٹریسٹ نکالنے کے بعد جورقم بچے گی،اس میں سے مجوزہ پچیس فیصد جوآپ کے لئے طے ہوا تھا، وہ آپ کو دیا جائے گا اور یہ بات اگر چہ تحریر میں نہیں تھی،مگر ہمارے دل میں شروع ہی سے تھی۔واضح رہے کہ بکر وغیرہ نے کاروبار میں جورقم لگائی تھی، اس میں شیئر ہولڈروں کی بھی شرکت ہے،ان کے اپنے شیئرز (حصوں) کے اعتبار سے اب بکر وغیرہ مذکورہ بینک کے اعتبار سے انٹریسٹ لے رہا ہے؛ حالانکہ زید سوداور سودی کاروبار سے اجتناب ہی نہیں نفرت بھی کرتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا بکر وغیرہ کو زید سے (اسے لاعلم رکھتے ہوئے) اس کے منافع کی کل رقم میں سے انٹریسٹ کی رقم کاٹنے کا شرعاً حق حاصل ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نـوٹ :یہ مضاربت کی وہ شکل نہیں جس میں مال ایک کا ہوتا ہےاورمحنت دوسرے کی ؛ بلکہ اس مسئلہ میں محنت دونوں فریقوں کی برابر ہے، اگر چہ مال صرف ایک فریق کا ہے، مذکورہ بالا صورت مسئلہ کے بارے میں پہلے جوفتوی دیا جا چکا ہے،تو کیانوٹ والی عبارت کے بڑھانے کے باوجودفتوی وہی رہے گایابدل جائے گا،جس کی فوٹو کاپی لفافے میں موجود ہے۔

المستفتی: مولاناوکیل احمد، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں دومعاملہ کا ذکر ہے،ایک معاملہ رب المال کا بینک سے سود پرقرض لینا، دوسرا معاملہ رب المال کا زیدکونفع میں شریک کر کے مضارب بنانا، دونوں کاحکم اور دونوں کی ذمہ داری بھی بالکل الگ الگ ہوگی کہ بینک کے قرض کی ادائے گی اوراس پرسود کی ادائیگی کا ذمہ دارصرف رب المال ہوگا، زید کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور معاملہ مضاربت میں اگرنفع ہوا تواس میں دونوں طے شدہ شرائط کے مطابق شریک ہوں گے اور اگرنقصان ہوا تو نفع کے نقصان میں دونوں شریک ہوں گے اوررأس المال کےنقصان میں صرف رب المال ہی کا نقصان ہوگا،مضارب یعنی زید پر نہ ہوگا؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں تجارتی نفع میں سے دونوں کو طے شدہ شرائط کے مطابق اپنا اپنا حصہ ملے گا اور بینک کے سود ادا کرنے کی ذمہ داری صرف رب المال پر ہونی چاہئے، وہ اپنے نفع میں ادا کرلے یاکسی اورطریقے سے اسی کے ذمہ رہے گا۔نیزسوال نامہ میں اس کی صراحت بھی ہے کہ معاملہ طے ہوتے وقت بینک کے قرض اورلون کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا ہے؛اس لئےشرعاً زید کااس سےکوئی تعلق نہیں۔

عن عمرو بن عوف المزني: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا، أوأحل حراماً.

(المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي۱۷/ ۲۲، رقم: ۳۰، سنن الترمذي

كتاب الأحكام، باب ذكر عن رسول الله صلى الله عليه و سلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية، ١٧/١ ٢٥، دارالسلام رقم: ١٣٥٢، صحيح البخاري، النسخة الهندية ٣٠٣/١، سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في الصلح، النسخة الهندية ٥٠٦/٢، دارالسلام رقم: ٣٥٩٤)

نیز اگر یہ مضاربت نہیں ہے، تو شرکت عنان تو لازمی ہے، اور شرکت عنان کا بھی شرعاً یہی حکم ہے، جو اوپر لکھا گیا ہے، نیز نوٹ والی عبارت کو بڑھانے کے باوجود حکم ایک ہی رہے گا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف/)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۲۰ھ

فتوی ۳۴/۶۳۲۷ سے متعلق دوسرا فتوی

سوال [۸۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالکریم اپنے دو بھائیوں کے ساتھ اپنی کمپنی میں پراس کے اسکرپٹ کا کام کرتا تھا، اس کمپنی نے پبلک سے لیا گیا روپیہ لگایا ہے، عبدالکریم اور اس کے بھائی سودی قرض لےکر کام کرتے ہیں یہ بات سب کو معلوم ہے۔

عبدالکریم کے چھوٹے بھائی عبدالرحیم نے ۱۹۹۵ء میں یہ مشورہ دیا کہ براس کی کٹنگ کے ساتھ براس کے برتن بھی بنائیں جائیں، اس کام کے لئے اس نے اپنے دوست عبد الجبار کے بارے میں بتایا کہ اسے اس کام کا تجربہ ہے، اس کام میں ہم عبدالجبار کو شامل کرلیں، اس کام میں جو عبدالجبار کی پارٹنرشپ ہوگی یہ کاغذ پر نہ ہوکر زبانی ہوگی اور اس کا حصہ کیش کی شکل میں دے دیا جائے گا۔ پارٹنرشپ کی مندرجہ ذیل شرائط طے ہوئیں۔

(۱) عبدالجبار کوئی پیسہ نہیں لگائیں گے۔

(۲) عبدالجبار کا کمپنی کے asseis میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

(۳) ۲۵ ٪ رفیصد کی جگہ پر 10% Depention ہر سال نفع میں کٹے گا۔

(۴) خالص نفع (Net Profit) اور خالص نقصان (Net Loss) میں عبدالجبار کا ۳۰ ٪ رفیصد اور عبدالکریم اور ان کے بھائیوں کا ۷۰ ٪ رفیصد ہوگا۔ یہ کام ۱۹۹۵ء میں شروع ہوا، عبدالکریم نے پہلے ۲۵ ٪ رلاکھ پھر پچاس لاکھ اور پھر ایک کروڑ روپیہ اپنا لگایا، اس کے بعد جیسے جیسے ضرورت پڑی عبدالکریم بینک سے سودی قرض لے کر کام میں پیسہ لگاتا رہا، اس وقت کام میں بارہ کروڑ روپیہ لگے ہوئے ہیں۔ عبدالکریم اور عبدالجبار کے درمیان بہت ذمہ داری ہے اور پردوں میں رہ کر بہت مختصر بات چیت ہوئی ہے، دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے بہت عزت ہے۔

اس دوران کام کی ہر سال اکاؤنٹنگ (Accounting) کے طریقۂ کار کے حساب سے Baanse Sheeet نیز Profit-Loss بنتا رہا۔ یاد رہے کہ ابھی ساری دنیا میں Balanse Sheet بنانے کا جو طریقۂ کار لاگو ہے، اس کے حساب سے سارے خرچ کاٹ کر Net Profit یا Net Loss نکالا جاتا ہے، یہ خرچے مزدوری کی تنخواہ، مال کی قیمت، بجلی کا بل، حکومت کو دیئے گئے ٹیکس وغیرہ اور بینک کا سود وغیرہ وغیرہ ہیں۔

عبدالجبار Balanse Sheet اور Profit-Loss برابر دیکھتا رہا، عبدالجبار اپنی خواہش کے حساب سے عبدالرحیم سے روپیہ لیتا رہا؛ چونکہ عبدالکریم اور اس کے بھائی اور عبدالجبار میں زبردست Under Standing ہے؛ اس لئے اس بات کی ضرورت نہیں سمجھی کہ کہیں عبدالجبار کو کم یا زیادہ ادائیگی تو نہیں ہورہی ہے؟ عبدالکریم نے ہمیشہ یہ سوچا کہ اگر زیادہ Payment ہوجائے گا، تو آنے والے سالوں میں عبدالجبار کے نفع میں وضع ہوجائے گا، اگر کم Payment ہوجائے گا، تو آنے والے سالوں میں جب عبدالجبار کو ضرورت ہوگی تو اسے دے دیا جائے گا۔

۱۹۹۶ءیا۱۹۹۷ءمیں عبدالجبار نے کہا کہ حساب کرلیں کہ کہیں اس کی زکوۃ تو کم نہیں نکل رہی ہے؟ جب عبدالکریم نے عبدالجبار کو بتایا کہ ۳۰ رفیصد کے حساب سے اس کا اتنا بنتا ہے، اتنا وہ کاٹ رہے ہیں اور سود کی تو کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

عبدالکریم نے عبدالجبار کو سمجھایا کہ یہ بات عبدالجبار کو اچھی طرح معلوم ہے کہ عبدالکریم بینک سے سودی قرض لے کر کام کرتا ہے اور اس کام میں بینک کا سودی قرض لگا ہے اور یہ بھی بتایا کہ سود ایک خرچ اور ایسے Net Profit میں گھٹایا جاتا ہے، جس طرح سے دیگر خرچ گھٹائے جاتے ہیں، جیسے کہ کام کرنے والوں کی تنخواہ، اور ہیڈ (Over Head) بجلی کا بل مال خام کی قیمت اور حکومت کے دیئے گئے ٹیکس وغیرہ۔

عبدالجبار نے کہا کہ وہ اس بات کو نہیں مانتا، اس کا کہنا ہے کہ سود کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی اور وہ ہمیشہ یہ سمجھتا رہا کہ روپیہ عبدالکریم اور اس کے بھائی لگا رہے ہیں اور روپیہ کہاں سے آرہا ہے یہ اسے معلوم نہیں۔

عبدالکریم نے اسے سمجھایا کہ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ عبدالکریم اور اس کے بھائی بینک سے سودی قرض لے کر کام کرتے ہیں اور یہ بات عبدالجبار کو بھی معلوم ہے۔ بار بار یہ بات عبدالجبار کے سامنے ہوئی کہ بینک کا سودی قرض بڑھتا جارہا ہے اور ہم سب کو اسے اتارنے کی کوشش کرنی چاہئے اور یہ بات بھی عبدالجبار کو معلوم ہے کہ آج کی تاریخ میں جو بارہ کروڑ روپیہ اس کام میں لگا ہے، یہ روپیہ لگانے کا عبدالکریم اور اس کے بھائیوں کی ذاتی حیثیت نہیں ہے، یہ روپیہ بینک سے لے کر ہی لگایا گیا ہے۔ عبدالجبار یہ ساری باتیں ماننے سے انکار کرتا ہے، آپ بتائے کہ عبدالکریم صحیح ہے یا عبدالجبار؟

نوٹ : یہ مضاربت کی وہ شکل نہیں ہے، جس میں مال ایک کا ہوتا ہے اور محنت دوسرے کی؛ بلکہ اس مسئلہ میں محنت دونوں فریقوں کی برابر ہے، اگرچہ مال صرف ایک فریق کا ہے۔

المستفتی: محمد خالد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ اگر کلی طور پر مضاربت کا نہیں ہے، تو شرکت عنان کا معاملہ ضرور ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب معاملہ مضاربت میں رب المال بھی محنت میں شریک ہوجاتا ہے، تو معاملہ خود بخود شرکت عنان میں داخل ہوجاتا ہے، رب المال کے محنت میں شریک ہوجانے کی وجہ سے معاملہ کا نام تو شرکت عنان میں بدل جاتا ہے، مگر حکم بعینہ مضاربت کا باقی رہتا ہے اور شرکت عنان کو شرکت بالاعمال بھی کہا جاتا ہے، اور جس کا مال ہوتا ہے، وہ خود اپنے مال کا اس اعتبار سے ذمہ دار ہوتا ہے کہ اس نے کہیں سے قرض میں لایا ہو یا سودی قرض لایا ہو، یا اپنی جائداد فروخت کرکے لایا ہو، یا اپنی دوکان یا گھر فروخت کر کے لایا ہو، وہ اپنے شریک یا مضارب پر اس مال کی ذمہ داری عائد نہیں کرسکتا ہے، وہ از خود اس کا ذمہ دار ہوگا اور شریک اور مضارب کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

نیز اس معاملہ کو معاملۂ مضاربت پر باقی رکھنا بھی شرعاً درست ہے، ایسی صورت میں یہ مضاربت بشرط الاستعانت رب المال کہلائے گی۔ بہر حال اس معاملہ کو چاہے کسی بھی زاویہ سے دیکھا جائے، سودی قرض کی ادائے گی کا ذمہ دار رب المال ہی ہوگا۔ زید کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

وأما شركة العنان فلا يراعي لها شرائط المفاوضة (إلى قوله) والأصل أن الربح إنما يستحق عندنا، اما بالمال وإما بالعمل، وإما بالضمان، أما ثبوت الإستحقاق بالمال فظاهر؛ لأن الربح نماء رأس المال يكون لمالكه؛ ولهٰذا استحق رب المال الربح في المضاربة، وأما بالعمل فلأن المضارب يستحق الربح بالعمل. فكذا الشريك (إلى قوله) و سواء عملا جميعاً، أو عمل أحدهما دون الآخر، فالربح بينهما يكون على الشرط؛ لأن استحقاق الربح في الشركة بالأعمال بشرط العمل لا بوجود

العمل بدليل أن المضارب إذا استعان برب المال استحق الربح، وإن لم يوجد منه شرط العمل لوجود شرط العمل عليه. (بدائع الصنائع، كتاب الشركة، زكريا ٥/٨٢، كراچي ٦/٦٢-٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴ر ۶۳۲۷)

شرکت عنان میں کسی ایک شریک کے الگ سے تجارت کرنے کا حکم

سوال [۸۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص (زید) نے اسکریپ (پرانا لوہا، المونیم، پیتل وغیرہ) کا کام شروع کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے ایک دوست بکر سے تذکرہ کیا کہ چلو آدھی رقم تم دو اور آدھی میں دیتا ہوں، شرکت میں کام کریں گے، بکر نے زید کو صراحت سے کہا کہ میں کام تو کرلوں گا؛ لیکن آپ یہ جان لیں کہ اس طرح کاروبار کرنے میں یہ ضروری ہے کہ دونوں فریق نفع ونقصان میں حسب حصہ شریک ہونگے، زید نے کہا کہ مجھ کو معلوم ہے۔

اب کام زید کی نگرانی میں شروع ہوا اور زید کی جگہ پر زید کے عاملین نے کام کرنا شروع کیا، طے یہ پایا کہ اس جگہ اور عاملین کی تنخواہ اور مکمل خرچ کاروبار سے نکالنے کے بعد نفع ونقصان ہر مہینہ کے آخر میں تقسیم ہو جایا کریگا، بکر نے زید پر مکمل بھروسہ واعتماد کر کے زید کو رقم دیدی، کام شروع ہوگیا۔ اب کچھ عرصہ بعد ایک نئی صورت یہ پیش آئی کہ زید نے اپنا ایک اور نجی کام شروع کر دیا اور کچھ بڑی گاڑیاں خریدیں، جسے دیکھ کر بعض لوگوں نے بکر سے کہا کہ یہ کام زید نے تمہارے پیسوں سے شروع کیا ہے، مقصد لوگوں کا یہ تھا کہ بکر اپنی رقم زید سے واپس لے لے؛ لیکن بکر نے ایسا نہیں کیا، پھر کچھ دنوں کے بعد جب بکر نے اپنی رقم

واپس نہیں لی تو کہا گیا کہ یہ کاروبار سود ہے، یہ سن کر بکر زید کے پاس گیا اور اس کو لوگوں کی باتوں سے آگاہ کیا، اس نے کہا کہ ایسی بات نہیں ہے، میں نے اپنا کاروبار اپنے پیسہ سے شروع کیا ہے، اگر آپ کو شک ہے تو آپ آج ہی اپنی رقم =/50000 ریال واپس لے لیں، بکر نے کہا کہ مجھ کو آپ (زید) پر اعتماد ہے، اور مزید بکر نے یہ بھی کہا کہ آپ کو میں اختیار دیتا ہوں کہ میرا پیسہ نفع ونقصان دونوں میں شرکت کی شرط پر کسی بھی کام میں لگائیں، آپ کو اختیار ہے، بس شرط یہ ہے کہ ہم دونوں نفع ونقصان دونوں چیزوں میں برابر شریک ہوں گے ورنہ یہ سود ہوگا، یہ گفتگو کئی لوگوں کے بیچ میں ہوئی، زید نے بکر کو اطمینان دلایا کہ میں خود بھی ایسا کام کرنا نہیں پسند کرتا، جو سود کے زمرے میں آئے اور بکر کو مطمئن کر دیا اور بکر نے زید کے ساتھ زید کو کامل اختیار اپنی رقم کا دے کر کاروبار جاری رکھا۔

اب کرم فرماؤں کا کہنا ہے کہ یہ کاروبار مذکورہ شکل میں سودی ہے اور بکر کو نفع کی شکل میں جو روپیہ ملتا ہے، وہ سود ہے یا در ہے کہ زید بکر کو کسی ماہ ایک ہزار، کسی ماہ ۹/سو، کسی ماہ سات سو، کسی ماہ آٹھ سو ریال نفع دیتا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ اس سے بھی کم دیا؛ لیکن نفع ونقصان ابھی تک اس نے نہیں دکھایا۔

آپ وضاحت فرمائیں کہ کیا یہ سود ہے؟

(۲) نیز یہ بھی واضح فرمادیں کہ فریقین میں سے اگر ایک کا صرف پیسہ ہو اور دوسرے کا پیسہ اور محنت دونوں چیزیں ہوں، تو کاروبار کی جائز شکل کیا ہے؟

المستفتی: محمد عادل رشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کو بار بار پڑھ کر غور کیا گیا، یہ کاروبار شرکت عنان کے دائرے میں داخل ہے اور فریقین کے درمیان یہ جو طے ہوا ہے کہ جو کچھ نفع ونقصان ہوگا، اس میں دونوں فریق برابر کے شریک ہوں گے یہ جائز و درست ہے؛ لہٰذا جو

کچھ بھی نفع ہوگا، وہ نفع دونوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا اور زید اپنے الگ پیسے سے گاڑیاں خرید کر جو چلا رہا ہے، وہ اس کی الگ تجارت ہے، شرکت عنان میں شریکین میں سے کسی کے لئے الگ سے تجارت کرنا بھی جائز ہے اور زید جو رأس المال اور نفع کا حساب لگائے بغیر بکر کو کبھی ایک ہزار، کبھی پانچ سو، کبھی سات سو ریال دیتا رہتا ہے، یہ طریقہ شرعی طور پر غلط ہے؛ بلکہ حساب فہمی کے ساتھ جو کچھ نفع ہوا ہے، اس کا آدھا حصہ بکر کو دیا کرے، ہاں البتہ اب تک جو دیا گیا ہے اس کے صحیح ہونے کے لئے ایسا کرنا لازم ہے کہ رأس المال کے اوپر اب تک جتنا نفع ہوا ہے، اس کا حساب جوڑ کر اب تک جو بکر کو دیا گیا ہے اور جو زید نے خود لیا ہے، اس کو نفع کے حصے میں جوڑ کر اس کو مجریٰ کر لیا جائے اور لئے ہوئے پیسے کو علی الحساب شمار کیا جائے، تو اس طریقہ سے معاملہ درست ہو جائے گا اور آئندہ جب بھی جانبین اس کاروبار سے پیسہ لیں، تو اس کا حساب اہتمام سے رکھ لیا کریں اور زید کا یہ کہنا بھی درست نہیں تھا کہ اگر آپ کو اطمینان نہیں ہے، تو اپنا پیسہ پچاس ہزار ریال واپس لے لیجئے؛ بلکہ واپسی کے وقت رأس المال اور نفع دونوں کا حساب کرنا لازم اور ضروری ہے اور دونوں کا حساب کر کے جانبین کے پچاس، پچاس ہزار کل ایک لاکھ کے اوپر جو کچھ نفع ہوا ہے، اس نفع کا نصف حصہ بھی پچاس ہزار ریال کی واپسی کے ساتھ پیش کرنا لازمی ہوگا؛ لہٰذا یہ کاروبار اس طریقہ سے شرکت عنان کے دائرے میں داخل ہو کر جائز اور درست ہے۔

لو كان المال منهما في شركة العنان والعمل على أحدهما، إن شرطا الربح على قدر رؤوس أموالهما جاز، و يكون ربحه له ووضيعته عليه.

(هندية، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان، الفصل الثاني، زكريا جديد ٣٢٦/٢، قديم ٣٢٠/٢)

أن تكون حصة كل شريك من الربح محددة بجزء شائع منه معلوم النسبة إلي جملته. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/٢٦)

(۲) اگر فریقین میں سے ایک کا صرف پیسہ ہو اور دوسرے کا پیسہ اور محنت دونوں ہوں، تو یہ شرکت عنان بن جاتا ہے اور یہ شرعاً جائز ہے اور اس کی شکل یہ ہوگی کہ نفع جو بھی طے ہو، اس پر عمل ہوگا چاہے نصفا نصفی ہو، چاہے ثلثان اور ثلث ہو۔

لو كان المال منهما في شركة العنان والعمل علي أحدهما، إن شرطا الربح على قدر رؤوس أموالهما جاز، ويكون ربحه له ووضيعته عليه. (هندية، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان، الفصل الثاني، زكريا جديد ۳۲۶/۲، قديم ۳۲۰/۲)

إذا شرطا الربح على قدر المالين متساويا، أو متفاضلاً، فلا شك أنه يجوز ويكون الربح بينهما علي الشرط، سواء شرطا العمل عليهما، أو على أحدهما، والوضيعة على قدر المالين متساوياً، ومتفاضلاً. (بدائع الصنائع، كتاب الشركة، زكريا ۸۳/۵، كراچي ۶۲/۶، وهكذا في الشامي، زكريا ۴۸۴/۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۶۱/۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۸۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۷ھ

تجارتی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تجارتی کمپنیوں کے شیئرز (حصص) خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ کمپنیاں سرکاری بھی ہوتی ہیں اور غیر سرکاری بھی یہ نفع ونقصان کی بنیاد پر کام کرتی ہیں، اگر کمپنی کو نفع ہوتا ہے، تو وہ خریدار کو نفع دیتی ہے، اگر نقصان ہوتا ہے، تو وہ خریدار کی رقم میں سے نقصان کی رقم کاٹ لیتی ہے۔

المستفتی: محمد احمد خاں، فیض گنج مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی براہ راست کمپنی سے شیئرز کا فارم خرید کر شرکت کر لیتا ہے، اور حصوں کے تناسب سے نفع ونقصان اور رأس المال سب میں شریک رہتا ہے، تو شرعاً یہ معاملہ شرکت عنان کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز اور حلال ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۰۲)

لو كان المال منهما في شركة العنان والعمل على أحدهما، إن شرطا الربح على قدر رؤوس أموالهما جاز، ويكون ربحه له ووضيعته عليه.

(هندية، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان، الفصل الثاني، زكريا جديد ٢/ ٣٢٦، قديم ٢/ ٣٢٠، شامي، مطلب في شركة العنان، زكريا ٦/ ٤٨٤، كراچي ٤/ ٣١٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/ ٦١، بدائع الصنائع، زكريا ٥/ ٨٣، كراچي ٦/ ٦٢)

لیکن اس وقت شیئرز کی جتنی کمپنیاں ہندوستان میں ہیں، ان میں شرعی تجارت کے بارے میں تردد ہے؛ اس لئے تحقیق کر لینا بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۴۳۴)

باپ اور بیٹے کے مشترکہ کاروبار کا تحقیقی جائزہ

سوال نامہ میں دس سوالات کے ذریعہ سے مشترکہ کاروبار سے متعلق وضاحت طلب کی گئی ہے؛ اس لئے ہر ایک سوال کا جواب الگ الگ سرخیوں کے ذریعہ سے دیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

بڑے بیٹے کا باپ کے کاروبار کو آگے بڑھانے کی وجہ سے اپنی ملکیت کا دعویٰ کرنا

سوال [۱]: باپ اپنے سرمایہ سے کوئی کاروبار شروع کرتا ہے، پھر مثلاً: بڑا بیٹا اس کے کام میں شریک ہو جاتا ہے، بیٹے کا اپنا کوئی سرمایہ نہیں لگتا، اس کا کھانا پینا، رہنا سہنا باپ ہی کے ساتھ ہوتا ہے، بڑے بیٹے اور گھر کے دیگر افراد کے سارے اخراجات اسی کاروبار سے پورے کئے جاتے ہیں، بعد میں س بڑا بیٹا پورا کاروبار سنبھالتا ہے، باپ کمزوری اور بیماری کی وجہ سے عملی طور پر کاروبار میں وقت نہیں دے پاتا، اسی حالت میں باپ کا انتقال ہو جاتا ہے، اس کے انتقال کے بعد بڑا بیٹا کہتا ہے کہ باپ کی زندگی میں چوں کہ میں نے ہی پورا کاروبار سنبھالا ہے؛ اس لئے اس کاروبار اور اس سے حاصل شدہ آمدنی کا میں ہی تنہا مالک ہوں، دیگر بھائیوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، ایسی صورت حال میں شریعت کیا کہتی ہے؟ کیا بڑا بیٹا ہی کاروبار کا مالک ہوگا یا بڑے بیٹے کے کاروبار میں اپنا سرمایہ لگانے اور باپ کے عیال میں رہنے کی وجہ سے اس کو باپ کا معاون قرار دیا جائے گا اور باپ کے انتقال کے بعد سارا کاروبار اور اس سے حاصل شدہ آمدنی ورثاء کے مابین حسب حصص شرعیہ تقسیم کی جائے گی۔ واضح رہے کہ اس سلسلے میں علامہ شامیؒ کی یہ عبارت بہت اہمیت کی حامل ہے:

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة، ولم يكن لهما شيء فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له.

لیکن اس عبارت میں اس بات کی تنقیح کی ضرورت ہے کہ بیٹے کا باپ کے عیال میں رہنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا عیال کا مفہوم ہر علاقہ کے طرز معیشت کو سامنے رکھ کر متعین کیا جائے گا یا اس کا کوئی ایک ہی خاص مفہوم ہے، جس کی روشنی میں سارے علاقوں والے کے لئے ایک ہی حکم ہوگا؟

المستفتی: ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کے چلتے ہوئے کاروبار میں بیٹے کا شریک ہوکر محنت کرنے کی وجہ سے اور اس کی محنت سے کاروبار میں اضافہ ہوجانے کی وجہ سے اس کاروبار میں بیٹا الگ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا؛ بلکہ سب چیزوں کا مالک باپ ہی ہوگا اور بیٹا باپ کا صرف معاون ثابت ہوگا اور کاروبار کی حصہ داری میں باپ کا شریک نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ باپ کی زندگی میں اس کے کاروبار میں سے کوئی چیز بیٹے کو الگ سے نہیں ملتی ہے، اسی طرح باپ کی موت کے بعد بھی الگ سے کوئی خصوصی حصہ نہیں ملے گا؛ بلکہ باپ کے تمام وارثین اس کاروبار میں اپنے اپنے شرعی حصے کے حق دار بنیں گے۔ اور اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ میری محنت سے کاروبار بڑھا ہے؛ اس لئے میں ہی حق دار ہوں شرعاً قابل اعتبار نہیں ہے۔

اس کو "شرح المجلہ" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

إذا عمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله فجميع الكسب لذلك الرجل، وولده يعد معينا له، فيه قيدان احترازيان كما تشعر عبارة المتن، الأول: أن يكون الابن في عيال الأب، الثاني: أن يعملا معا في صنعة واحدة إذ لو كان لكل منهما صنعة يعمل فيها وحده فربحه له. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۲/ ۷٤۱، رقم المادة: ۱۳۹۸)

اوراس کو ”ہندیہ“ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما مال فالكسب كله للأب إذا كان الابن في عيال الأب لكونه معينا له. (الهندية زكريا، قديم ۲/ ۳۲۹، جديد مطول زكريا ۲/ ۳۳۲)

اورعلامہ شامیؒ نے مزید وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥)

سوال نامہ میں باپ کے عیال میں ہونے کا مطلب اور حقیقت بھی معلوم کی گئی ہے؛ اس لئے اس کو بھی واضح کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمایئے۔

عیال اور فیملی کی حقیقت

باپ بیٹے کے مشترکہ کاروبار سے متعلق بہت سارے گوشے اور شکلیں سامنے آتی ہیں، بعض شکلیں وہ ہوتی ہیں جن میں باپ کے عیال اور فیملی میں رہ کر کے بیٹا باپ کے ساتھ کام کرتا ہے اور بعض شکلیں وہ ہوتی ہیں جن میں باپ کے عیال میں اور فیملی میں رہ کر بیٹا اپنا کاروبار الگ سے کرتا ہے؛ اس لئے اس موضوع سے متعلق سوالات کے جوابات پیش کرنے سے پہلے عیال اور فیملی کا مطلب کیا ہے؟ اس کو واضح کردینا ضروری ہے۔

حضرات فقہاء نے ”فی عیالہ“ کے الفاظ کثرت سے استعمال کئے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ باپ کے زیرنگیں ایک ہی فیملی میں کھانا پینا، رہنا سہنا مشترکہ طور پر ایک ساتھ ہوتا ہے اور سب کے سرپرست اور ذمہ دار گھر کا بڑا آدمی ہوتا ہے، جس کو سب اپنا بڑا اور سرپرست تسلیم کرتے ہیں؛ لہٰذا آدمی کے بیٹے، بیٹیاں، بیوی اور خدام یہ سب کے سب

اسی کے عیال میں شمار ہوتے ہیں، سب کی ضروریات اور تقاضوں کی ذمہ داری اسی کو ادا کرنی پڑتی ہے اور اردو کی اصطلاح اور محاورہ میں ''عیال'' کا بہتر ترجمہ ''فیملی'' کے ہیں۔ اس کو ''لغۃ الفقہاء'' میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

عيال الرجل الذين يسكنون معه وينفق عليهم، كامرأته، وأولاده، وغلامه، وأمه، وأباه الشيخان الفانيان الفقيران. (لغة الفقهاء، ص: ٣٢٥)

اور ''**الموسوعة الفقهية**'' میں ''**الآل، الأهل، العيال**'' اور ''**الأسرة**'' ان سب الفاظ کو ایک ہی معنی میں ہونے کو ثابت کیا گیا ہے، یعنی آدمی کی فیملی کے لئے لفظ ''آل، اہل'' اور ''عیال'' سب استعمال ہوتے ہیں۔

موسوعہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

المتعارف عليه الآن إطلاق لفظ الأسرة على الرجل ومن يعولهم من زوجه وأصوله وفروعه، وهذا المعنى يعبر عنه الفقاء قديما بألفاظ منها: الآل، والأهل، والعيال. (الموسوعة الفقهية ٤/ ٢٢٣)

بیٹے کا اپنا سرمایہ لگا کر باپ کے ساتھ کاروبار کرنا

سوال [۲]: بسا اوقات باپ اور بیٹوں کے درمیان کاروبار کی یہ نوعیت ہوتی ہے کہ بیٹا محنت کرنے کے ساتھ ساتھ بلا کسی معاہدے کے کاروبار میں اپنا کچھ سرمایہ بھی لگا دیتا ہے اور باہم نفع کا کوئی فیصد متعین نہیں ہوتا، باپ اپنی زندگی میں بیٹے کو جو بھی دے دیتا ہے، بیٹا اس کو لے لیتا ہے؛ لیکن باپ کے انتقال کے بعد سرمایہ لگانے والا بیٹا کاروبار میں اپنی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے، دیگر ورثاء اس کی مخالفت کرتے ہیں، ایسی صورت میں کیا بیٹے کو سرمایہ لگانے کی وجہ سے کاروبار کی ملکیت میں شریک سمجھا جائے گا یا یہ اس کی طرف سے تبرع ہوگا؟ اگر بیٹے کو شریک قرار دیا جائے گا تو اس کا تناسب کیا ہوگا؟ فقہی کتابوں میں مذکورہ

شرکت کی تفصیلات کی روشنی میں اس کا حکم واضح فرمائیں، واضح رہے کہ اس صورت میں بیٹا باپ ہی کے عیال میں رہتا ہے۔

المستفتی: ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باب کے چلتے ہوئے کاروبار میں بیٹا محنت کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس محنت کے درمیان بیٹا الگ سے اپنا کچھ سرمایہ باپ کے کاروبار میں لگا دیتا ہے، یا کاروبار میں پیسوں کی کمی کی وجہ سے بیٹا کہیں سے قرض لے کر لگا دیتا ہے اور بیٹے کی طرف سے سرمایہ لگانے کی دو حیثیتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

(۱) بیٹے نے اپنی طرف سے سرمایہ لگاتے وقت باپ کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ نہیں کیا ہے؛ بلکہ باپ کے چلتے ہوئے کاروبار میں ترقی کے لئے بلا کسی معاہدہ کے بیٹے نے اپنی طرف سے پیسہ لگا دیا ہے، باپ اس سے اس کا تقاضہ نہیں کیا ہے اور کاروبار کی ساری آمدنی باپ کے قبضہ اور اس کے اختیار میں ہے، تو ایسی صورت میں بیٹے کی طرف سے لگایا ہوا سرمایہ باپ کے حق میں تبرع اور ہبہ ہے اور اس سرمایہ کے لگانے کی وجہ سے اس کاروبار میں اس بیٹے کو الگ سے کوئی پرافٹ نہیں ملے گا؛ لہٰذا باپ کی وفات کے بعد اس بیٹے کا کاروبار میں اپنی ملکیت کا دعویٰ کرنا باطل ہوگا اور دوسرے ورثاء کا اس کی مخالفت کرنا درست رہے گا اور حق میراث کے علاوہ اس بیٹے کو الگ سے کوئی چیز نہیں ملے گی، جیسا کہ ذیل کی جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

علامہ شامیؒ نے اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

والذي تحصل في هذا المحل أن الشريک إذا لم يضطر إلى العمارة مع شريكه بأن أمكنه القسمة فأنفق بلا إذنه فهو متبرع، وإن اضطر وكان الشريک يجبر على العمل معه فلابد من إذنه أو أمر القاضي فيرجع بما أنفق وإلا فهو متبرع، وإن اضطر وكان شريكه لا

يجبر، فإن أنفق بإذنه أو بأمر القاضي رجع بما أنفق وإلا فبالقيمة. (شامي، زكريا ٦/ ٥١٣-٥١٤، كراچی ٤/ ٣٣٤)

(۲) دوسری حیثیت یہ ہے کہ بیٹے نے اپنی طرف سے جو سرمایہ باپ کے کاروبار میں لگایا ہے اور اس سرمایہ کو لگاتے وقت باپ سے بات چیت کر کے ایک معاہدہ کے تحت معاملہ طے کرلیا ہے کہ پرانا کاروبار کا سرمایہ اور پونجی کل اتنی ہے اور میرا سرمایہ اتنا لگ رہا ہے؛ لہٰذا دونوں قسم کے سرمائے کے تناسب کے حساب سے آمدنی تقسیم ہوجایا کرے گی، مثلاً باپ کا جو سرمایہ چل رہا تھا اس میں بیٹے نے بیس فیصد کا سرمایہ الگ سے لگا دیا ہے، تو باپ کے اسی فیصد ہوگئے اور بیٹے کے بیس فیصد تو آئندہ کاروبار کے منافع پانچ حصوں میں تقسیم ہوکر اس بیٹے کے حق میں ایک حصہ اور باپ کے حق میں چار حصے جائیں گے اور دونوں کے سرمائے بدستور چلتے رہیں گے، اس طرح کا معاہدہ طے ہوجانے کے بعد بیٹا کاروبار میں باپ کا شریک کہلائے گا اور جتنی مقدار میں رأس المال لگایا ہے اتنی مقدار کا مالک بیٹا رہے گا اور بقیہ کا مالک باپ رہے گا اور منافع میں تناسب کے حساب سے دونوں مشترکہ طور پر مالک رہیں گے اور پھر باپ کی موت کے بعد باپ کا حصہ میراث میں شمار ہوگا اور بیٹے کا حصہ اس کی ملکیت ہوگی اور بیٹے کے لئے باپ کی میراث سے الگ اپنے حصے کی ملکیت کا دعویٰ کرنا درست ہوجائے گا اور باپ کے حصوں میں دوسری اولادوں کی طرح یہ بیٹا بھی میراث کا حصہ دار بنے گا۔

اس کو ''الفقہ الاسلامی'' میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

يجوز فی شركة العنان أن يشترط الشريكان العمل عليهما، أو على أحدهما دون الآخر كأن يشترط على أن يبيعا ويشتريا على أن ما رزق الله من التجارة فهو بينهما على شرط كذا، أو أن يبيع ويشترى أحدهما دون الآخر، وأما الربح فيكون في الأصل العام على قدر رأس المال متساويا أو متفاضلا. (الفقه الإسلامي وأدلته ٤/ ٦٠٩)

اس کو صاحب بدائع نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وأما الأول: وهو الشركة بالأموال، فهو أن يشترك اثنان في رأس المال فيقولان: اشتركنا فيه على أن نشتري ونبيع معا أو شتى أو أطلقا على أن ما رزق الله عز وجل من ربح فهو بيننا على شرط كذا. (بدائع الصنائع، زكريا ٥/ ٧٣)

اور صاحب بدائع نے دوسری جگہ ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

إذا شرطا الربح على قدر المالين متساويا أو متفاضلا فلا شك أنه يجوز، ويكون الربح بينهما على الشرط، سواء شرطا العمل عليهما أو على أحدهما، والوضيعة على قدر المالين متساويا ومتفاضلا؛ لأن الوضيعة اسم لجزء هالك من المال، فيتقدر بقدر المال. (بدائع الصنائع، زكريا ٥/ ٨٣)

اس کو صاحب تاتارخانیہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

ولو اشتركا ولأحدهما ألف درهم وللآخر مائة دينار قيمتها ألف وخمس مائة على أن الربح والوضيعة بقدر رأس المال صح. (الفتاوى التاتارخانية ٧/ ٤٩٢، رقم: ١٠٩٧١)

باپ کی فیملی میں رہ کر باپ کی پونجی اور سرمایہ سے بیٹے کا کاروبار شروع کرنا

سوال [٣]: کبھی کاروبار کی یہ نوعیت سامنے آتی ہے کہ باپ کے عیال میں رہتے ہوئے باپ کی پونجی اور سرمائے سے بیٹے کوئی کام شروع کرتے ہیں، باپ کاروبار کی ملکیت اور اس کے منافع میں اپنے کو اور سب بیٹوں کو برابر کا شریک قرار دیتا ہے؛ لیکن باپ عملی طور پر کاروبار میں شریک نہیں ہوتا اور بیٹوں میں بعض زیادہ محنت کرتے ہیں، بعض کم اور بعض بالکل نہیں، ایسی صورت میں اس کاروبار کا مالک کس کو قرار دیا جائے گا، باپ کو یا کاروبار کرنے والے بیٹوں کو یا سب کو؟ نیز باپ کے انتقال کے بعد اس طرح کے کاروبار میں بیٹوں

کی باہم کیا حیثیت ہوگی؟ کیا سارے بیٹے کاروبار کی ملکیت اوراس کے منافع میں برابر شریک ہوں گے یا بعض بیٹوں کے زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے ان کا زیادہ حصہ ہوگا؟

المستفتی: ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: باپ کی عیال اور فیملی میں رہتے ہوئے باپ کی پونجی اور سرمایہ سے بیٹا جو کاروبار شروع کرتا ہے اس کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں:

(۱) باپ بیٹے کو کاروبار کے لئے جو پونجی اور سرمایہ دیتا ہے وہ اس کو بطور ہبہ دیتا ہے، تو ایسی صورت میں رأس المال اور منافع کا مالک وہی بیٹا ہوگا، اس سے کسی دوسرے کا حق متعلق نہیں ہوگا۔

(۲) دوسری حیثیت یہ ہوتی ہے کہ باپ نے جو سرمایہ اور پونجی بیٹے کو کاروبار کے لئے دیا ہے وہ بطور ہبہ نہیں دیا ہے؛ بلکہ کاروبار کو بڑھانے اور محنت کرنے کے لئے دیا ہے اور باپ کا ارادہ یہی ہے کہ تنہا وہ بیٹا اس سرمایہ اور منافع کا مالک نہیں ہوگا اور باپ ہی اس کا مالک رہے گا اور باپ کے بعد سب بیٹے برابر کے شریک ہو جائیں گے، تو ایسی صورت میں سارے کاروبار کا مالک شرعی طور پر باپ ہی ہوگا، بیٹا کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا اور بیٹے کو باپ کا معین اور مددگار شمار کیا جائے گا اور باپ کے مرنے کے بعد رأس المال اور منافع سب میراث بن کر سارے ورثاء کے درمیان حق شرعی کے اعتبار سے تقسیم ہوں گے۔

اسی طریقے سے اگر باپ کی فیملی میں رہ کر کئی بیٹے الگ الگ محنت کرتے ہوں اور کوئی زیادہ کماتا ہو اور کوئی کم، تو سارے بیٹوں کی کمائی باپ ہی کی ملکیت شمار ہوگی اور باپ کے انتقال کے بعد سارا سرمایہ باپ کی میراث بن جائے گا اور حصہ شرعی کے اعتبار سے سارے وارثین کے درمیان تقسیم ہو جائے گا۔

اس کو علامہ علاؤ الدین الحصکفیؒ نے ''الدر المختار'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

دفع لابنه مالا ليتصرف فيه، ففعل و كثر ذلك، فمات الأب إن أعطاه هبة فالكل له وإلا فميراث. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، زكريا ۸/ ۵۲۰، كراچی ۵/ ۷۰۹)

اور علامہ شامیؒ نے ''کتاب الشرکۃ'' کے ذیل میں اور بھی زیادہ واضح الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

ولو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم ونما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا في العمل والرأي. (شامي، فصل في الشركة الفاسدة، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥)

باپ کے سرمایہ میں بیٹوں کی شرکت کی شکلیں

سوال [۴]: باپ اور بیٹوں کے درمیان کاروبار کی یہ شکل بھی سامنے آئی ہے کہ باپ اپنے بیٹوں کو ان کے سرمائے لگائے بغیر مثلاً اپنی کمپنی میں پرسنٹ کے حساب سے شریک بنالیتا ہے اور عموماً اس طرح کے معاملے کے وقت ملکیت اور منافع میں شرکت کی کوئی صراحت نہیں ہوتی، ایسی صورت میں کیا شریعت کی رو سے بیٹوں کو باپ کے ساتھ اصل کمپنی کی ملکیت میں شریک قرار دیا جائے گا یا صرف منافع میں شریک مانا جائے گا؟ پھر ملکیت میں شریک قرار دیا جائے یا محض منافع میں شریک سمجھا جائے؟ دونوں صورتوں میں فقہ کی رو سے اس کی کیا توجیہ کی جائے گی؟ کیا یہ سمجھا جائے گا کہ باپ نے گویا بیٹوں کے درمیان کمپنی کی ملکیت پرسنٹ کے حساب سے تقسیم کر کے ہر ایک کو اس کے حصے کا مالک بنادیا اور اگر معاملہ کے وقت ملکیت یا منافع میں شرکت کی صراحت ہو جائے تو اس وقت کیا حکم ہوگا؟ اس جزو

کے جواب میں اس بات کی ضرور وضاحت فرمائیں کہ غیر منقسم اشیاء کے ہبہ میں قبضہ کا تحقق ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو اس میں قبضہ کی صورت میں کیا ہے؟

المستفتی: ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ اور بیٹوں کے درمیان مشترکہ کاروبار کے لئے بنیادی اصول اور ضابطے پر غور کرنے کے لئے سب سے پہلے ان کے درمیان کاروبار کا بنیادی ڈھانچہ کیا ہے؟ اور زمینی سطح پر اس کی حقیقت کیا ہے؟ اسے سامنے لانا لازم اور ضروری ہے، اس کے بعد اس کے اوپر شرعی حکم لگایا جاسکتا ہے؛ اس لئے زمینی سطح پر اس کا جو ڈھانچہ ہے اس پر غور کر کے دیکھنا لازم ہے، اس کی پانچ شکلیں سامنے آتی ہیں اور ہر ایک شکل کا حکم ساتھ ساتھ ملاحظہ فرمائیے:

شکل ۱: باپ کا کاروبار پہلے ہی سے چل رہا ہے اور اس کی متعدد اولادیں ہیں، ان میں سے جو پڑھ لکھ کر کاروبار کے لائق ہو جاتے ہیں ان کو وہ اپنے چلتے ہوئے کاروبار میں پرسنٹ کے حساب سے شریک کر کے پارٹنر بنالیتا ہے اور جو بچے ابھی نابالغ ہیں یا حصول تعلیم میں مصروف ہیں، ان کو کاروبار میں ابھی شریک نہیں کرتا ہے اور باپ جن اولادوں کو شریک کرتا ہے ان کو صرف نفع میں شریک کرتا ہے، چلتے ہوئے سرمایہ میں شریک نہیں کرتا، ایسی صورت میں گویا کہ اگر باپ نے مثلاً بیس فیصدی نفع میں شریک کیا ہے تو اپنے سرمایہ میں سے ۲۰/ فیصد بیٹے کو بطور قرض دے رکھا ہے جو باپ کے پاس واپس آئے گا اور باپ نے بیٹے کو صرف منافع میں شریک کیا ہے، ایسی حالت میں اگر باپ کا انتقال ہو جاتا ہے، تو جس بیٹے کو ۲۰/بیس فیصد کے منافع میں شریک کیا ہے تو اصل سرمایہ اور رأس المال کو چھوڑ کر اور اسی فیصد منافع کو چھوڑ کر وہ بیٹا صرف ۲۰/ فیصد منافع کا مالک ہوگا، جس میں دوسرے ورثاء کا حق متعلق نہ ہوگا، باقی سارے سرمائے اور ۸۰/ فیصد منافع سب باپ کی میراث ثابت

ہوں گے اور تعلیم حاصل کرنے والی اولادیں اور نابالغ لڑکے اور لڑکیاں یہ سب پوری کمپنی میں حقِ وراثت کے مستحق ہو جائیں گے، جیسا کہ درج ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

اس بارے میں شامی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

إذا شرطا العمل عليهما الخ، فلا ينافي ما ذكره الزيلعي في كتاب المضاربة من أنه إذا أراد رب المال أن يجعل المال مضمونا على المضارب أقرضه كله إلا درهما منه وسلمه إليه، وعقد شركة العنان ثم يدفع إليه الدرهم ويعمل فيه المستقرض، فإن ربحا كان بينهما على ما شرطا، وإن هلك هلك عليه. (شامي زكريا ٦/ ٤٨٤، كراچی ٤/ ٣١٢)

شامی میں دوسری عبارت انتہائی مختصر ہے؛ لیکن بہت صاف ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بطور قرض کسی کو روپئے دے کر پھر اسے اپنے کاروبار میں شریک ٹھہرالیا جائے تو بالاجماع جائز ہے، عبارت ملاحظہ فرمایئے:

أقرضه نصفه يحتمل أن يكون الإقراض بعد إفرازه أو قبله، فإن قرض المشاع جائز بالإجماع كما في جامع الفصولين. (شامي، زكريا ٦/ ٥١٠، كراچی ٤/ ٣٣١)

نیز علامہ شامیؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

والظاهر أن الشركة المفاوضة لو دفع ألفا نصفها قرض على أن يعمل بالألف بالشركة بينهما والربح بقدر المالين مثلا وأنه لا كراهة في ذلك؛ لأنه ليس قرضا جر نفعا. (شامي زكريا ٦/ ٥١٠، كراچی ٤/ ٣٣١)

شکل ۲: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ باپ کاروبار کے لائق اولادوں کو اپنے چلتے ہوئے کاروبار میں شریک کر لیتا ہے، مثلاً باپ کی تین اولادیں ہیں، ان میں سے بعض کاروبار کے لائق ہو چکے ہیں، بعض تعلیم حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، کاروبار کے لائق نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں باپ ایسا کرتا ہے کہ ساری اولادوں کو فیصد کے حساب سے اپنے کاروبار

میں شریک کرلیتا ہے، مثلاً تین اولادوں میں ہرایک کو ۲۰ ؍ فیصد کے حساب سے اپنے کاروبار میں شریک کرلیتا ہے، اور جو اولادیں ابھی کاروبار کے لائق نہیں ہیں، ان کو بھی ۲۰ ؍ فیصد کے حساب سے شریک کرلیتا ہے، تاکہ باپ کے مرنے کے بعد بڑی اولادیں چھوٹی اولادوں کو دبا نہ سکیں اور ان کی طرف سے محنت کی ذمہ داری باپ خود لیتا ہے، مثلاً تین اولادوں میں سے ہرایک کو ۲۰-۲۰ ؍ فیصد میں شریک کرلیتا ہے اور اپنے لئے ۴۰ ؍ فیصد باقی رکھتا ہے اور اولادوں میں سے جو کاروبار کے لائق نہیں ہے اس کے حصہ کی محنت کی ذمہ داری خود لیتا ہے اور ۲۰-۲۰ ؍ فیصد کے حساب سے اپنے سرمایہ میں سے ہرایک بیٹے کے حق میں رأس المال کو قرض قرار دیتا ہے؛ لہٰذا ۶۰ ؍ فیصد سرمایہ بطور قرض بچوں کے نام سے اور ۴۰ ؍ فیصد سرمایہ اپنی ذات کے لئے متعین کرتا ہے، پھر اس کے بعد مشترکہ کاروبار چلتا ہے اور نفع نقصان میں سبھی تناسب کے حساب سے شریک ہوتے ہیں، تو یہ باپ اور بیٹوں کے درمیان شرکت عقد ہوتی ہے اور شرکت عقد کے اقسام میں باپ بیٹوں کے درمیان مشترکہ کاروبار کی یہ شکل شرکت عنان کے اصول کے دائرہ میں داخل ہوجاتی ہے جو جائز اور درست ہے، یہ مدعیٰ ذیل میں آنے والے جزئیات سے ثابت ہوتا ہے۔

بدائع کی عبارت سے اس معاملہ کا شرکت عنان میں داخل ہونا ثابت ہوتا ہے اور حصہ داری میں کمی زیادتی کا ہونا ثابت ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وأما شركة العنان منها فلا يشترط لها أهلية الكفالة ولا المساواة بينهما في ملك المشترى حتى لو اشتركا بوجوههما على أن يكون ما اشتريا أو أحدهما بينهما نصفين أو أثلاثا أو أرباعا، وكيف ما شرطا على التساوي والتفاضل كان جائزا. (بدائع الصنائع، زکریا ۵/ ۸۷)

نابالغ اور چھوٹی اولادوں کو ہبہ کرکے شریک کرنے کا مدعیٰ تکملہ شامی کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

لو عينه فقال: حانوتي الذي أملكه أو داري لابنى الصغير فهو هبة، ويتم بكونها في يد الأب، ولو قال: هذا الشيء لولدي الصغير فلان جاز، ويتم من غير قبول، فقولهم: القبول شرط لثبوت الملك في الموهوب يستثنى منه الهبة للصغير من أبيه. (تكملة، شامي زكريا ١٢/ ٥٧٤، كراچی ٨/ ٤٣٠)

اور ''الموسوعة الفقهية'' کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

إذا وجب الإقباض واتحدت يد القابض والمقبض وقع القبض بالنية، قال القرافي: ومن الإقباض أن يكون للمديون حق في يد رب الدين، فيأمره بقبضه من يده لنفسه، فهو إقباض بمجرد الإذن ويصير قبضه له بالنية كقبض الأب من نفسه لنفسه مال ولده إذا اشتراه منه. (الموسوعة الفقهية ٣٢/ ٢٦٣)

رأس المال کو اولاد کے حق میں قرض قرار دینے کے مدعیٰ کی تائید مبسوط کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

وأما القرض فلأنه تمليك بعوض والشيوع لا يمنع صحته كالبيع بخلاف الهبة، فإن الهبة تبرع محض، والتبرع ينفي وجوب الضمان على المتبرع، وبسبب الشيوع فيما يحتمل القسمة يجب ضمان المقاسمة على المتبرع، فأما القبض بجهة القرض لا ينفي وجوب الضمان. (المبسوط للسرخسي ٢٢/ ١٣٦)

''تاتارخانیہ'' اور ''تبیین'' کی اس عبارت سے بھی قرض والی بات ثابت ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وإذا أراد أن يجعله عليه مضمونا أقرضه رأس المال كله ويشهد عليه وسلمه إليه، ثم يأخذه منه مضاربة، ثم يدفعه إلى المستقرض يستعين به في العمل، فإذا عمل وربح كان الربح بينهما على الشرط، وأخذ رأس المال على أنه بدل القرض وإن لم يربح أخذ رأس المال بالقرض، وإن هلك

هلک علی المستقرض وهو العامل أو أقرضه کله إلا درهما منه وسلمه إلیه، وعقدا شرکة العنان، ثم یدفع إلیه الدرهم ویعمل فیه المستقرض، فإن ربح کان بینهما علی ما شرطا وإن هلک هلک علیه. (تبیین الحقائق، زکریا ٥/ ٥١٥، الفتاوی التاتارخانیة ١٥/ ٥٣٠، رقم: ٢٣٩٤٠)

شکل۳: کبھی باپ ایسا کرتا ہے کہ اپنی اولادوں کو چلتے ہوئے کاروبار میں پرسنٹ اور فیصد کے حساب سے شریک کرلیتا ہے اور کمپنی کے سرمایہ کا حساب لگا کر مثلاً ہر اولاد کو کمپنی کے ۲۰ ؍فیصد کا مالک قرار دیتا ہے اور قرض نہیں قرار دیتا ہے؛ بلکہ باپ کی طرف سے عطیہ اور ہبہ قرار دیتا ہے اور ہبہ میں ثبوت ملک کے لئے قبضہ شرط ہوتا ہے اور قبضہ کی دو قسمیں ہیں: قبضہ حقیقی اور قبضہ حکمی اور یہاں قبضہ حقیقی نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ کاغذات کی تکمیل سے قبضہ حکمی ثابت ہوجاتا ہے، تمام کاغذات قانونی اعتبار سے ۲۰ ؍فیصد کے لحاظ سے بیٹوں کے نام منتقل ہوجاتے ہیں، اسی حساب سے آمدنی بھی بیٹوں کے کھاتے میں جمع ہوتی ہے، پھر نفع ونقصان میں ہر ایک تناسب کے حساب سے شریک ہوتے ہیں، یہ بھی شریعت کے اصول کے مطابق شرکت عنان کے دائرہ میں داخل ہوجاتی ہے جو جائز اور درست ہے، بڑے بڑے شہروں میں ہزاروں کاروبار باپ اور اولاد کی شرکت میں اس طرح چلتے ہیں، جس کا جواز ذیل میں آنے والی جزئیات سے ثابت ہوتا ہے، چنانچہ ''تکملہ شامی'' اور ''تاتارخانیہ'' کی عبارت میں اس بات کو واضح کردیا ہے کہ ہبہ میں قبضہ حقیقی اور قبضہ حکمی معتبر ہے اور قبضہ حکمی قبضہ حقیقی کی طرح ہوتا ہے اور قبضہ حکمی کسی بھی معاملہ میں حالات اور تقاضے کی مناسبت سے ثابت ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

قبض کل شيء بما یناسبه، فقبض مفتاح الدار قبض لها، وقبض ما یحتمل القسمة یکون بها، وقبض مالا یحتملها یکون بقبض کله، قال في التاترخانیة: قد ذکرنا أن الهبة لا تتم إلا بالقبض، والقبض نوعان: حقیقي، وأنه ظاهر، وحکمي، وذلک بالتخلیة، وقد أشار في هذه المسألة أي مسألة

التمكن من القبض قبض إلى القبض الحكمي: وهو القبض بطريق التخلية.
(تكملة، شامي زكريا ١٢/ ٥٧٩، كراچى ٨/ ٤٣٤، تاتارخانية ١٤/ ٤٢١، رقم: ٢١٥٦٤)

اور ”الموسوعة الفقهیہ“ میں بہت صاف اور واضح الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

القبض الحكمي عند الفقهاء يقام مقام القبض الحقيقي وإن لم يكن متحققا حسا في الواقع، وذلك لضرورات ومسوغات تقتضي اعتباره تقديرا وحكما، وترتيب أحكام القبض الحقيقي عليه، وذلك في حالات ثلاث: الحالة الأولى: عند إقباض المنقولات بالتخلية مع التمكين في مذهب الحنفية ولو لم يقبضها الطرف الآخر حقيقة، حيث أنهم يعدون تناولها باليد قبضا حقيقيا، والقبض بالتخلية قبضا حكميا بمعنى أن الأحكام المترتبة عليه كأحكام القبض الحقيقي. (الموسوعة الفقهية ٣٢، ٢٦٢-٢٦٣)

شکل ۴: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ باپ کے پاس پہلے سے کوئی سرمایہ نہیں ہوتا ہے اور باپ اور اولادیں ایک ساتھ شرکت میں کوئی کام شروع کرتی ہیں اور شروع ہی میں معاہدہ طے ہو جاتا ہے کہ اولاد اتنے پرسنٹ کی مالک رہے گی اور باپ اتنے پرسنٹ کا مالک رہے گا اور اسی معاہدہ کے تحت کاروبار شروع ہو جائے، تو ایسی صورت میں جو معاہدہ طے ہوا ہے اسی معاہدہ کے مطابق باپ اور اولاد کاروبار میں شریک رہیں گے اور ہر ایک معاہدہ کے حساب سے اپنے اپنے حصوں کے مالک رہیں گے اور ایسا مشترکہ کاروبار کبھی شرکت مفاوضہ کے شرائط پائے جانے کی وجہ سے اس کے اصول کے تحت داخل ہو جاتا ہے اور کبھی شرکت مفاوضہ کے اصول وشرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے شرکت عنان کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے اور باپ اور اولاد کے درمیان مشترکہ کاروبار کی یہ شکل ایسی ہے جیسا کہ اجنبی لوگوں کے درمیان میں ہوا کرتا ہے، اس میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ اس وقت ہے جب

کہ بیٹے باپ کی فیملی اوراس کے عیال میں نہ ہوں۔ اوراگر باپ کی فیملی میں ہوں تو باپ ہی سب کا مالک ہوجائے گا اوراولاد اس کی معاون ثابت ہوگی، جیسا کہ ذیل کی فقہی جزئیات سے واضح ہوتا ہے، علامہ شامیؒ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

ثم هذا في غير الابن مع أبيه؛ لما في القنية الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥)

اس کو ''شرح المجلہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

إذا عمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله فجميع الكسب لذلك الرجل، وولده يعد معينا له، فيه قيدان احترازيان كما تشعر عبارة المتن، الأول: أن يكون الابن في عيال الأب، الثاني: أن يعملا معا في صنعة واحدة إذ لو كان لكل منهما صنعة يعمل فيها وحده فربحه له. (شرح المجلة لسليم رستم باز ٢/ ٧٤١، رقم المادة: ١٣٩٨)

اوراس کو ''ہندیہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

قال محمد رحمه الله تعالى: إذا اشتركا بغير مال على أن ما اشتريا اليوم فهو بينهما وخصا صنفا أو عملا أو لم يخصا فهو جائز، وكذلك إذا قالا: هذا الشهر، وكذلك إذا لم يذكرا للشركة وقتًا بأن اشتركا على أن ما اشتريا فهو بينهما. (الهندية قديم ٢/ ٣٠٢، جديد ٢/ ٣١٢)

شکل ۵ ؎: باپ اوراولاد کے درمیان مشترکہ کاروبار اس طرح چلتا ہے کہ اس میں کوئی معاہدہ طے نہیں ہوتا ہے، مل جل کر کاروبار چلاتے ہیں، پھراس میں کاروبار بڑھتا چلا جاتا ہے، ایسی صورت میں سارا کاروبار باپ کی ملکیت شمار ہوگا اوراولادیں باپ کی معاون ثابت ہوں گی اوراولادوں میں سے کسی کو بھی اس کاروبار میں کلی یا جزئی ملکیت حاصل نہیں ہوگی؛ بلکہ باپ کے مرنے کے بعد سارا سرمایہ باپ کی میراث ثابت ہوگا، مگراس میں شرط

ہے کہ اولاد باپ کی فیملی اور عیال میں رہتی ہو؛ اس لئے کہ اگر اولاد باپ کے عیال اور فیملی میں نہیں رہتی ہے؛ بلکہ دونوں الگ الگ رہتے ہیں، تو معاملات، تجارت اور کاروبار میں دونوں کی حیثیت اجنبیوں کی طرح ہو جاتی ہے۔

اس کو ''ہندیہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما مال فالكسب كله للأب إذا كان الابن في عيال لكونه معينا له. (الهندية زكريا، قديم ٢/ ٣٢٩، جديد مطول زكريا ٢/ ٣٣٢)

علامہ شامیؒ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥)

اس کو ''شرح المجلہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

إذا عمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله فجميع الكسب لذلك الرجل، وولده يعد معينا له، فيه قيدان احترازيان كما تشعر عبارة المتن، الأول: أن يكون الابن في عيال الأب، الثاني: أن يعملا معا في صنعة واحدة إذ لو كان لكل منهما صنعة يعمل فيها وحده فربحه له. (شرح المجلة لسليم رستم باز ٢/ ٧٤١، رقم المادة: ١٣٩٨)

بیٹے کا اپنے سرمایہ سے کمپنی قائم کر کے باپ کے نام کر دینا

سوال [۵]: کبھی مشترکہ کاروبار کی یہ شکل ہوتی ہے کہ بیٹے اپنے سرمائے سے ایک کمپنی قائم کرتے ہیں، اس میں والد کوئی سرمایہ نہیں لگا ہوتا؛ لیکن بیٹے احترام میں کمپنی والد

ہی کے نام سے قائم کرتے ہیں، کاغذات میں کمپنی کا مالک والد ہی قرار دیا جاتا ہے، اس طرح کی قائم کردہ کمپنی میں شرعاً باپ کی کیا حیثیت ہوگی؟ باپ کے انتقال کے بعد اس طرح کے معاملے میں بھائیوں اور بہنوں میں اختلافات کثرت سے پیش آتے ہیں، بہنوں کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ والد محترم یا تو کاروبار کے اصل مالک تھے یا کاروبار میں شریک تھے: لہٰذا کاروبار میں ان کے حصے میں سے ہم کو حق ملے گا، بھائیوں کا یہ کہنا ہوتا ہے کہ کاروبار کے اصل مالک ہم ہی تھے، ہم نے احتراماً کمپنی میں والد صاحب کا نام ڈلوادیا تھا، اس طرح کے نزاع کو شریعت کی روشنی میں کیسے حل کیا جائے گا؟

المستفتی: ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیٹے نے اپنے سرمائے کے ذریعہ سے یا کسی سے قرض لے کر کمپنی قائم کر کے کاروبار شروع کردیا ہے اور کمپنی باپ ہی کے نام سے قائم کیا ہے اور کاغذات میں بھی کمپنی کا مالک والد ہی کو قرار دیا ہے، اس کے بعد بیٹے نے اس کاروبار میں محنت کر کے کاروبار کو خوب بڑھا لیا اور جو قرضہ وغیرہ لے رکھا تھا وہ سب اسی کاروبار کے منافع سے ادا کردیا ہے، تو ایسی صورت میں مسئلے کے دو پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں:

(۱) بیٹا باپ کے نام سے کمپنی قائم کر کے اس کمپنی کا سارا سرمایہ اور ساری آمدنی باپ کے پاس جمع کردیتا ہے اور اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا، اور باپ اپنے اختیار سے سارے سرمائے اور ساری آمدنی میں تصرف کرتا ہے اور اس بیٹے کو بھی باپ ہی خرچہ کا پیسہ دیتا ہے اور اسی سرمایہ سے دیگر اولادوں کا خرچ بھی باپ ہی پورا کرتا ہے اور اسی سرمایہ کے پیسے سے باپ دیگر اولادوں کی شادی بیاہ بھی کرتا ہے اور اس پر بیٹے کو کوئی اشکال نہیں ہوتا ہے؛

بلکہ بیٹا یہی سمجھتا ہے کہ سب کچھ باپ کا ہے اور میں باپ کا خادم اور معین ہوں، تو ایسی صورت میں پوری کمپنی حقیقی معنی میں باپ ہی کی ملکیت شمار ہوگی اور باپ کے مرنے کے بعد پوری کمپنی اور پورا سرمایہ باپ کی میراث بن جائے گا، جیسا کہ بدائع الصنائع کی اس عبارت سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے:

وجه الاستحسان: أنهما لم يقصدا بيعا باطلا بل بيعا صحيحا، فيجب حمله على الصحة ما أمكن ولا يمكن حمله على الصحة إلا بثمن العلانية، فكأنهما انصرفا عما شرطاه في الباطن، فتعلق الحكم بالظاهر، كما لو اتفقا على أن يبيعاه بيع تلجئة فتواهبا. (بدائع الصنائع، زكريا ٤/ ٣٩٠)

(۲) مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بیٹے نے کمپنی قائم کر کے باپ کے نام کاغذات جو بنوادئے ہیں وہ صرف باپ کے ساتھ ظاہرداری کے لئے بنوایا ہے، تاکہ اس سے باپ خوش رہے، حقیقت میں باپ کو مالک بنانا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ حقیقی مالک وہ بیٹا خود ہی رہے گا، چنانچہ اس کاروبار کا سرمایہ اور آمدنی سارا کا سارا بیٹے ہی کے پاس رہتا ہے اور اس آمدنی سے جائیدادو غیرہ جو خریدتا ہے وہ بھی اپنے ہی نام سے خریدتا ہے اور دوسرے بھائیوں اور بہنوں پر وہ بیٹا جو خرچ کرتا ہے وہ اپنی طرف سے کرتا ہے اور اس میں بیٹا یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ ہمدردی کرتا ہوں اور ماں باپ کا خرچ بھی ادا کرتا ہے، مگر سارا حساب وکتاب وہ خود اپنے ہی پاس رکھتا ہے، تو ایسی صورت میں باپ کو کمپنی کا حقیقی مالک بنانا ثابت نہیں ہوگا؛ بلکہ تلجئہ کی شکل ثابت ہوگی اور عقد تلجئہ میں ظاہرداری کی جاتی ہے، حقیقی معنی میں وہ عقد منعقد نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا باپ کے مرنے کے بعد مذکورہ کمپنی اور اس کی آمدنی میں سے کوئی بھی چیز باپ کی میراث نہیں بنے گی؛ بلکہ کمپنی اور سارے سرمائے کا حقیقی مالک وہی بیٹا شمار ہوگا، دیگر اولادوں کو اس میں حق میراث کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہوگا۔

نیز معاملہ تلجئہ میں یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ بعد میں اگر فریقین میں سے

ایک تلجئہ کا انکار کر کے عقد کو حقیقی عقد ہونے کا دعویٰ کرے اور دوسرا اس کا انکار کرے تب بھی عقد حقیقی نہیں بنے گا اور معاملہ تلجئہ ہی رہے گا اور جس کے نام کیا گیا ہے وہ مالک نہیں بنے گا۔

اس سلسلے میں بدائع الصنائع کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

أن التلجئة في الأصل لا تخلوا إما أن تكون في نفس البيع، وإما أن تكون في الثمن، فإن كانت في نفس البيع، فإما أن تكون في إنشاء البيع، وإما أن تكون فى الإقرار به، فإن كانت فى إنشاء البيع بأن تواضعوا في السر لأمر ألجأهم إليه على أن يظهر البيع، ولا بيع بينهما حقيقة، وإنما هو رياء وسمعة نحو أن يخاف رجل السلطان فيقول الرجل: إني أظهر أني بعت منک داري وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هو تلجئة فتبايعا، فالبيع باطل في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة وهو قول أبي يوسف ومحمد؛ لأنهما تكلما بصيغة البيع لا على قصد الحقيقة، وهو تفسير الهزل، والهزل يمنع جواز البيع؛ لأنه يعدم الرضا بمباشرة السبب فلم يكن هذا بيعا منعقدا فى حق الحكم. (وقوله: **ولو أجاز أحدهما دون الآخر لم يجز، وإن أجازاه جاز** (وقوله) **فلا يصح إلا بتراضيهما ولا يملكه المشترى بالقبض.** (بدائع الصنائع، زکریا ٤/ ٣٨٩)

اس کو ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

أما بيع التلجئة فالاتفاق على عدم إرادة البيع مضمر بينهما، وليس هناک بيع أصلا (إلى قوله) **أن المتعاقدين في بيع التلجئة يتفقان على أن يظهرا العقد، إما خوفا من ظالم ونحوه، وإما لغير ذلک، ويتفقان أيضا على أنهما إذا أظهراه لا يكون بيعا.** (الموسوعة الفقهية ٩/ ٦٣)

اور ''موسوعہ'' میں آگے ایک صفحہ کے بعد تھوڑی سی عبارت مزید وضاحت کے ساتھ نقل کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

بيع تكون التلجئة في إنشائه، وذلک بأن يتواضعا في السر لأمر ألجأهما إليه على أن يظهرا البيع ولا بيع بينهما حقيقة، وإنما هو رياء وسمعة نحو أن يخاف رجل السلطان فيقول لآخر: إني أظهر أني بعت منک داري وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هو تلجئة فتبايعا. (الموسوعة الفقهية ۹/ ٦٤)

موسوعہ میں ایک عبارت اس طرح بھی ہے کہ آپس میں بیع کا اقرار کیا جائے اور حقیقت میں دونوں کے درمیان بیع نہیں ہے، صرف ظاہرداری کے طور پر عقد کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا جارہا ہے، عبارت ملاحظہ فرمایئے:

التلجئة إذا كانت في الإقرار بالبيع بأن اتفقا على أن يقرا ببيع لم يكن، فأقرا بذلک، ثم اتفقا على أنه لم يكن، فالبيع باطل. (الموسوعة الفقهية ۹/ ٦٦)

باپ کا اپنے سرمایہ سے سب بیٹوں کا کاروبار الگ الگ کرکے سرپرستی کرنا

سوال [٦]: یہ شکل بہت معروف ہے کہ بیٹوں کا اگرچہ باپ کے ساتھ رہنا نہیں ہوتا ہے؛ لیکن باپ اپنے ہی سرمایہ سے سب کا الگ الگ کاروبار کروادیتا ہے اور ان سب کی کمائی باپ کے پاس آتی ہے کاروبار میں باپ اور بیٹوں کی کوئی حیثیت متعین نہیں ہوتی، باپ بیٹوں کی ضروریات کے تناسب سے ان کو رقم دیتا رہتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آمدنی باپ کے پاس نہیں آتی بیٹے باپ کی رہنمائی میں کاروبار کرتے ہیں، اس طرح کے کاروبار میں باپ اور بیٹوں کی شرعاً کیا حیثیت ہوگی؟

المستفتی: ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر باپ نے اپنے ہی سرمایہ سے سارے بیٹوں کا کاروبار الگ الگ کردیا ہے، تو اس کی دو حیثیتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

(۱) پہلی حیثیت یہ ہے کہ سارے بیٹے اپنے اپنے کاروبار کی آمدنی باپ کو لاکر

پیش کرتے ہیں اور مجموعی حساب وکتاب باپ کے پاس ہی رہتا ہے،تو ایسی صورت میں ساری پونجی اورآمدنی کا مالک باپ ہی ہوگا، اگرچہ یہ سب بیٹے باپ کے ساتھ نہیں رہتے ہیں، پھر بھی سارا سرمایہ باپ کی ملکیت میں شمار ہوگا، اس لئے کہ بعض دفعہ عورتوں کی اَن بن کی وجہ سے باپ پہلے ہی سے بچوں کے چولہےاور کھانا پینا الگ کردیتا ہے، تاکہ اولاد کے درمیان کوئی جھگڑا اور نزاع پیدا نہ ہوسکے، مگر سرمایہ سب باپ کے ہاتھ میں ہی ہوتا ہےاور مجموعی سرمایہ میں سے ہر ایک بیٹے کوخرچ کے لئے پیسہ دیتا رہتا ہے، تو ایسی صورت میں باپ نے جوالگ الگ سرمایہ دے کر ہرایک کا کاروبارالگ الگ کردیا ہے وہ باپ کی طرف سے ہبہ نہیں ہے؛ بلکہ محنت کرکے سرمایہ کوآگے بڑھانے کا مکلّف بنایا گیا ہے؛ لہٰذا باپ کی موت کے بعد سارے بیٹوں کے پاس جوسرمایہ ہےوہ سب باپ کی میراث بن جائے گی اور تمام وارثین میراث میں شریک ہوجائیں گےاوراس میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی میراث کی حق دار بن جائیں گی۔

(۲) دوسری حیثیت یہ ہے کہ باپ اپنی زندگی میں سارے بیٹوں کوالگ الگ سرمایہ دے کرالگ الگ کاروبارشروع کرادیتا ہےاور بیٹے باپ کےسرمایہ کے ذریعہ سے محنت کرکے کاروبارکوآگے بڑھاتے ہیں اورآمدنی بیٹے خوداپنے پاس رکھتے ہیں، باپ کونہیں دیتے ہیں اورنہ ہی باپ کواس سےکوئی مطلب ہوتا ہےاورنہ ہی باپ کواس کی ضرورت پڑتی ہے،تو ایسی صورت میں باپ نے بیٹوں کوکاروبار کے لئے جوکچھ بھی دیاہے وہ سب باپ کی طرف سے ہبہ شمار ہوگا؛ لہٰذا بیٹوں کے پاس باپ کی طرف سے دیا ہوا جوکچھ بھی سرمایہ ہے، پھراس کےاوپر بیٹوں کی محنت کے ذریعہ سے جوکچھ آمدنی کا اضافہ ہواہے وہ سب کچھ انہیں بیٹوں کی ملکیت میں شمار ہوگا، باپ ان میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا؛ لہٰذا باپ کی موت کے بعد ہر بیٹے کے پاس جوکچھ بھی ہے وہ خوداس کے مالک رہیں گے، باپ کی میراث نہیں بنے گی اور بہنوں کواس میں حق میراث کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہوگا۔

حضرات فقہاء کی عبارات اس سلسلے میں ملاحظہ فرمائیے، چنانچہ تاتارخانیہ اور شامی کی عبارت کچھ مختصر ہے؛ لیکن واضح ہے، ملاحظہ فرمائیے:

لو دفع لابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التمليك. (الفتاوى التاتارخانية ١٤/ ٤٦٦، رقم: ٢١٧٣٨، شامي زكريا ٨/ ٥٠٢، كراچى ٥/ ٦٩٧)

''درمختار'' کی عبارت اس سے بھی واضح ہے، ملاحظہ فرمائیے:

دفع لابنه مالا ليتصرف فيه ففعل وكثر ذلك فمات الأب، إن أعطاه هبة فالكل له، وإلا فميراث، وتحته في الشامية: بأن دفع إليه ليعمل للأب. (الدرالمختار مع الشامي، زكريا ٨/ ٥٢٠، كراچى ٥/ ٧٠٩)

اور ''ہندیۃ'' میں اس سے بھی واضح الفاظ میں ہے، ملاحظہ فرمائیے:

رجل دفع إلى ابن في صحته مالا يتصرف فيه، ففعل وكثر ذلك، فمات الأب إن أعطاه هبة فالكل له، وإن دفع إليه لأن يعمل فيه للأب فهو ميراث. (هندية، زكريا قديم ٤/ ٣٩٢، جديد ٤/ ٤١٧)

مرحوم باپ کے متروکہ سرمایہ سے حاصل شدہ آمدنی کیسے تقسیم ہو؟

سوال [۷]: والد کے انتقال کے بعد کبھی ایسا ہوتا ہے کہ والد کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جاتا، مرحوم باپ کے بیٹوں کا رہن سہن ایک ساتھ رہتا ہے، والد کے پرانے کاروبار کو بعض بیٹے سنبھال لیتے ہیں اور اس سے حاصل شدہ آمدنی سے پورے گھر کا خرچ چلتا ہے، ایسی صورت میں انتقال کے بعد کاروبار میں جو اضافہ ہوتا ہے، کیا وہ سب ورثاء کے مابین ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا یا اضافہ شدہ کاروبار کے صرف وہی بیٹے مالک ہوں گے جنہوں نے والد کے انتقال کے بعد کاروبار سنبھالا ہے؟ اگر اضافہ شدہ کاروبار اور اس سے

حاصل شدہ کاروبار اور اس سے حاصل شدہ جائیداد وغیرہ کا صرف کاروبار کرنے والے بیٹوں کو مالک قرار دیا جائے تو اس پر بہنوں کو اعتراض ہوتا ہے، اور اگر سب کو برابر کا مالک قرار دیا جائے تو کاروبار کرنے والے بیٹوں کی محنت ضائع ہوتی ہے؟

المستفتی: ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والد کے انتقال کے بعد فوری طور پر اولاد کے درمیان ترکہ تقسیم نہ ہوا اور باپ کی زندگی میں باپ کا سرمایہ جس حالت میں چل رہا تھا موت کے بعد بھی اسی طرح بدستور باقی رہے، تو ایسی صورت میں ہر واث کا حصۂ میراث اس متروکہ مال میں شامل رہتا ہے؛ لہٰذا تمام ورثاء مال متروکہ میں شریک ہوں گے، اب شرکت سے متعلق بطور تمہید دو باتیں یاد رکھنا ضروری ہے:

پہلی بات: شرکت کی دو قسمیں ہیں، شرکت عقد اور شرکت ملک۔

(۱) شرکت عقد میں شرکت کی بہت ساری قسمیں آجاتی ہیں، جس میں شرکت مفاوضہ، شرکت عنان اور شرکت وجوہ وغیرہ سب داخل ہیں۔ اگر باپ بیٹے کے درمیان شرکت کا مسئلہ ہوتا ہے، تو شرکت عقد باپ کی زندگی میں ہوسکتی ہے، مرنے کے بعد نہیں۔

(۲) ملک یعنی ملکیت میں شریک ہوجانا اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) شرکت ملک اختیاری: یعنی شرکاء کے فعل اختیاری سے یہ شرکت ملک عمل میں آتی ہے، مثال کے طور پر چند شرکاء مل کر ایک ساتھ کوئی جائیداد خریدلیں، تو خریدی ہوئی شئ میں سب کی ملکیت مشترکہ طور پر ثابت ہوگی یا کوئی شخص چند افراد کو کوئی چیز غیر منقسم طور پر ایک ساتھ ہبہ کردے تو مال موہوب کی ملکیت میں سب لوگ شریک ہوجائیں گے یا چند افراد کے لئے کسی نے ایک ساتھ وصیت کردی تو موصی کی موت کے بعد وصیت نافذ ہوجائے گی اور وہ سارے لوگ شئ موصی بہ کی ملکیت میں شریک ہوجائیں گے یا کسی نے چند فقیروں کو ایک

ساتھ کوئی چیز صدقہ کی تو وہ سارے فقراء اس شئ کی ملکیت میں شریک ہوجائیں گے، ان تمام صورتوں میں یہ سب حضرات شئ مشترک کی ملکیت میں شرکت ملک کے طور پر شریک ہوجائیں گے اور اس شرکت ملک میں ان لوگوں کی ملکیت اور شرکت ان کے اختیار سے حاصل ہوتی ہے؛ اس لئے اس کو شرکت ملک اختیاری کہا جاتا ہے۔

(۲) شرکت ملک اضطراری اور غیر اختیاری: کہ شئ کی ملکیت حاصل ہونے میں اور اس کی ملکیت میں شریک ہونے میں انسان کا کوئی اختیار اور ارادہ کا دخل نہیں ہوتا؛ بلکہ قدرتی طور پر غیر اختیاری ملکیت ہوتی ہے، اور شرکت بھی غیر اختیاری ہوجاتی ہے، مثال کے طور پر کسی شخص کا انتقال ہوجائے تو اس کے متروکہ سرمایہ اور جائیداد میں اولادیں شرکت ملک کے طور پر شریک ہوجائیں گی، تو معلوم ہوا کہ باپ کے مرنے کے بعد تقسیم ترکہ سے پہلے اولاد کے درمیان میراث کی شرکت، شرکت ملک ہی کے دائرے میں داخل ہوتی ہے؛ لہٰذا اس مسئلہ پر غور کرنے میں شرکت عقد کے مسائل کو سامنے رکھنا بے موقع بے محل ہوگا؛ بلکہ شرکت ملک کے ذیل میں جو مسائل آتے ہیں انہیں کو سامنے رکھنا لازم ہوگا، اس کو صاحب بدائع نے اس طرح کے الفاظ میں نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

الشركة في الأصل نوعان: شركة الأملاک، وشركة العقود، وشركة الأملاک نوعان: نوع يثبت بفعل الشريكين، ونوع يثبت بغير فعلهما، أما الذي يثبت بفعلهما فنحو أن يشتريا شيئا أو يوهب لهما أو يتصدق عليهما فيقبلان فيصير المشترى والموهوب والموصى به والمتصدق به مشتركا بينهما شركة ملک، وأما الذي يثبت بغير فعلهما فالميراث بأن ورثا شيئا فيكون الموروث مشتركا بينهما شركة ملک.

(بدائع الصنائع، زکریا ۵/ ۷۳)

اس کو تاتارخانیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وفي الذخيرة: الشركة نوعان: شركة ملك، وشركة عقد، وشركة الملك نوعان: شركة جبر، وشركة اختيار، وشركة الجبر: أن يختلط المالان لرجلين بغير اختيار المالكين خلطا لا يمكن التمييز بينهما حقيقة بأن كان الجنس واحدا أو يمكن التمييز ولكن بكلفة وضرب مشقة نحو أن يختلط الحنطة بالشعير أو يرثا مالا، وشركة الاختيار: أن يوهب لهما مال أو يملكان مالا باستيلاء أو يخلطان مالهما، وفي الخانية: ويملكان مالا بالشراء أو بالهبة أو بالصدقة. (الفتاوى التاتارخانية ۷/ ۴۵۷-۴۵۸، رقم: ۱۰۸۷۵)

دوسری بات: شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصہ میں اجنبیت کا حکم رکھتا ہے، ایک دوسرے کے حصہ میں نہ تو وکیل ہوسکتا ہے اور نہ ہی کسی کو کسی کے حق میں تصرف کا حق ہوتا ہے، چاہے شرکت ملک ازقبیل اختیاری ہو یا ازقبیل اضطراری اور غیر اختیاری ہو، دونوں صورتوں میں ہر شریک دوسرے کے حصہ میں اجنبی کی حیثیت رکھتا ہے؛ لہٰذا شرکت ملک غیر اختیاری میں مورث کے متروکہ سرمایہ اور جائیداد میں ہر ایک وارث دوسرے وارث کے حصہ میں اجنبی ہوگا، اس کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر کسی طرح کا تصرف کرنا کسی بھی وارث کے لئے جائز نہ ہوگا۔ اور آج کے زمانہ میں بہنوں کے حصوں کو بھائی اپنا ہی سمجھتے ہیں اور بہنوں کو ان کا حصہ ہی نہیں دیتے ہیں، حالانکہ بہنوں کے حصے میں بھائیوں کو کسی قسم کے تصرف کا حق نہیں ہے، اسی طرح نابالغ کے حصے میں بالغ بھائیوں کو منافع بڑھانے کے کا حق ہوسکتا ہے؛ البتہ استہلا کی تصرف کا حق نہ ہوگا، فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

صاحب بدائع نے اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

فأما شركة الأملاك فحكمها في النوعين جميعا واحد وهو أن كل واحد من الشريكين كأنه أجنبي في نصيب صاحبه، لا يجوز له التصرف فيه

بغير إذنه؛ لأن المطلق للتصرف الملك أو الولاية ولا لكل منهما في نصيب صاحبه ولاية بالوكالة أو القرابة، ولم يوجد شيء من ذلك، وسواء كانت الشركة في العين أو الدين لما قلنا. (بدائع الصنائع، زكريا ٥/ ٨٧، هكذا في شرح المجلة لرستم باز ١/ ٦٠٣، رقم المادة: ١٠٧٥)

اس کو "الموسوعۃ الفقہیۃ" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

الأصل أن كل واحد من الشريكين أو الشركاء في شركة الملك أجنبي بالنسبة لنصيب الآخر؛ لأن هذه الشركة لا تتضمن وكالة ما ثم لا ملك لشريك ما في نصيب شريكه، ولا ولاية له عليه من أي طريق آخر، والمسوغ للتصرف إنما هو الملك أو الولاية، وهذا أما لا يمكن تطرق الخلاف إليه. (الموسوعة الفقهية ٢٦/ ٢٢)

اس کو "فتاوی تاتارخانیہ" میں اس طرح کے الفاظ میں نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

ففي النوع الأول: لو باع أحدهما نصيبه من أجنبي بغير إذن الشريك لا يجوز، وفي النوع الثاني: إذا باع أحدهما نصيبه من أجنبي بغير إذن الشريك جاز، وإن باع أحدهما نصيبه من صاحبه يجوز في الوجهين، ولا يجوز لأحدهما التصرف في نصيب شريكه إلا بإذن الشريك. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٧/ ٤٥٨، رقم: ١٠٨٧٦)

اس تمہیدی گفتگو کے بعد اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ باپ کی وفات کے بعد فوری طور پر وارثین کے درمیان میراث تقسیم کر لینے کا شرعی حکم ہے اور ہر وارث کو اپنا حصۂ میراث وصول کرنے کا حق ہے؛ لیکن بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وارثین فوری طور پر میراث تقسیم کر کے الگ ہو جانا نہیں چاہتے؛ بلکہ باپ کے زمانہ میں جس طرح کاروبار چلتا آیا ہے اور جس طرح آپس میں رہن سہن مشترکہ طور پر رہتا ہوا آیا ہے، اسی طرح بدستور رکھنے پر راضی ہو جاتے ہیں، تو ایسی صورت میں سارے ورثاء کی طرف سے کاروبار کو بدستور جاری رکھنے

کے لئے عرفاً اور دلالۃً اجازت ہوجاتی ہے اور شریعت میں اجازت عرفی اور حکمی بھی اجازت حقیقی اور صریح کے درجہ میں ہوجاتی ہے؛ اس لئے والد کے پرانے کاروبار کو جو بیٹے سنبھال لیتے ہیں اور اس کو جاری رکھتے ہوئے اسی کاروبار سے گھر کا سارا خرچہ چلتا ہے اور پھر اس میں کچھ اضافہ بھی ہوجاتا ہے، تو اس اضافہ شدہ میں بھی سارے وارثین کا حق بدستور متعلق ہوتا جائے گا؛ لہٰذا اضافہ شدہ میں شادی شدہ بہنوں کا حق بھی متعلق ہوگا، اس لئے کہ ان کی طرف سے بھی اجازت حکمی اور عرفی پائی گئی ہے، اسی طرح نابالغ کا حق بھی اس اضافہ شدہ میں متعلق ہوجائے گا، اس طرح باپ کی موت کے بعد وارثین کی مشترکہ فیملی میں کاروبار کا سلسلہ شریف خاندانوں میں کثرت کے ساتھ چلتا رہتا ہے اور بعد میں جب تقسیم میراث کا مسئلہ سامنے آئے گا تو اسی طرح سارا سرمایہ میراث میں تقسیم ہوجائے گا، جس طرح باپ کی موت کے بعد تقسیم ہونا تھا اور اس میں یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ وارثین میں سے کوئی بھی اپنا حق میراث لے کر درمیان سے الگ ہوجاتا ہے، تو اس کو اپنا حق لے کر الگ ہوجانے کا اختیار ہوگا؛ اس لئے کہ یہ شرکت، شرکت ملک ہے اور شرکت ملک میں ہر ایک شریک کو جب چاہے اپنا حق لے کر الگ ہوجانے کا اختیار ہوتا ہے۔ اور اس میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اگر بعض ورثاء دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر سرمایہ لے کر الگ کاروبار کرتے ہیں، تو وہ غصب کے حکم میں ہوتا ہے، جس کا تفصیلی حکم سوال نمبر ۸ کے ذیل میں آرہا ہے اور سوال نامہ میں یہ بات جو اٹھائی گئی ہے کہ اگر سب کو برابر کا مالک قرار دیا جائے تو کاروبار کرنے والے بیٹوں کی محنت ضائع ہوتی ہے، یہ بات درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ کاروبار کرنے والے بیٹوں کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ اپنا شرعی حصہ لے کر الگ ہوجائیں اور پھر اپنا الگ کاروبار کریں، اب اس مسئلہ سے متعلق جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

وكذا لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم ونما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا في العمل والرأي. (شامي، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥)

اورعلامہ شامیؒ نے دوسری جگہ اس مسئلے کو بہت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے،ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

يقع كثيرا فى الفلاحين ونحوهم أن أحدهم يموت فتقوم أولاده على تركته بلا قسمة، ويعملون فيها من حرث وزراعة وبيع وشراء واستدانة ونحو ذلک، وتارة يكون كبيرهم هو الذي يتولى مهماتهم ويعملون عنده بأمره، وكل ذلک على وجه الإطلاق والتفويض، لكن بلا تصريح بلفظ المفاوضة، ولا بيان جميع مقتضياتها مع كون الشركة أغلبها أو كلها عروض لا تصح فيها شركة العقد ولا شک أن هذه ليست شركة مفاوضة خلافا لما أفتى به فى زماننا من لا خبرة له بل هي شركة ملک كما حررته فى تنقيح الحامدية، ثم رأيت التصريح به بعينه في فتاوى الحانوتي: فإذا كان سعيهم واحدا ولم يتميز ما حصله كل واحد منهم بعمله يكون ما جمعوه مشتركا بينهم بالسوية، وإن اختلفوا في العمل والرأي كثرة وصوابا كما أفتى به في الخيرية. (شامي، زكريا ٦/ ٤٧٧-٤٧٨، كراچی ٤/ ٣٠٧)

اس میں یہ بات بھی یادرکھنی ضروری ہے کہ تقسیم میراث سے پہلے چلتا ہوا سرمایہ اور اس کی آمدنی سے کسی فرد نے اپنے نام سے کوئی جائیداد وغیرہ خریدی ہوتو تقسیم میراث کے وقت اس کی خریدی ہوئی جائیداد کی قیمت اس کے حصۂ میراث سے مجریٰ کر لینا ضروری ہوگا،جیسا کہ فقہاء کی اس طرح کی عبارتوں سے واضح ہوتا ہے،عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وما اشتراه أحدهم لنفسه يكون له ويضمن حصة شركائه من ثمنه إذا دفعه من المال المشترک، وكل ما استدانه أحدهم يطالب به وحده.

(شامي، زكريا ٦/ ٤٧٨، كراچی ٤/ ٣٠٧)

کسی وارث کاوالد کے متروکہ سرمایہ کو لے کراپنا کوئی کاروبار کرنا

سوال [۸]: کبھی ترکہ کی تقسیم سے پہلے بعض بیٹے والد کی متروکہ رقم لے کراپنا کوئی

کاروبار شروع کردیتے ہیں، اس رقم سے ہونے والے کاروبار کی شرعاً کیا حیثیت ہوگی؟ کیا رقم کی حیثیت کی تعیین میں ورثاء کی رضامندی وعدم رضامندی کا کوئی فرق ہوگا؟

المستفتی: ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرحوم باپ کے ترکہ میں سے بعض بیٹے نے کچھ سرمایہ اور رقم لے کر اپنا ذاتی کاروبار شروع کردیا ہے اور یہ رقم تقسیم ترکہ سے پہلے لی گئی ہے، ایسی صورت میں مسئلے کے حکم شرعی کو سمجھنے کے لئے دو شکلیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

شکل ا: جس نے تقسیم میراث سے پہلے رقم یا سرمایہ لیا ہے، اس نے دیگر ورثاء سے کسی قسم کی اجازت اور رضامندی حاصل نہیں کی ہے، اس کے بغیر اس نے یہ سلسلہ شروع کردیا ہے، اس کے بعد اس نے اس سرمایہ کے ذریعہ سے اپنا کاروبار الگ سے شروع کردیا ہے، تو ایسی صورت میں اس کاروبار میں اگر کوئی نقصان اور خسارہ ہوتا ہے، تو وہ خود اس کا ذمہ دار بنے گا اور دیگر ورثاء کے حصوں کا ضامن بنے گا، اسی طرح اس کے کاروبار میں اگر کوئی نفع ہوا ہے تو وہ منافع بھی اسی کی ملکیت میں داخل ہوگا اور اس منافع میں دیگر ورثاء کا کوئی حق نہ ہوگا، نیز اگر اس نے سرمایہ لے کر اپنے نام سے کوئی جائیداد خرید لی ہے، تو وہ جائیداد بھی اس کی ملکیت ہوگی اور اس کے نفع نقصان کا تعلق اسی کی ذات کے ساتھ ہوگا، دیگر ورثاء کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا، ہاں البتہ اگر اس نے اپنے حصۂ میراث کی مقدار سے زیادہ لیا ہے، تو نقصان کی صورت میں اس زیادتی کا ضامن وہی بنے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں باپ کی میراث میں اولاد کی شرکت شرکت ملک ہی کے دائرے میں داخل ہوتی ہے اور شرکت عقد کا اس شرکت میں کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے اور شرکت ملک میں ہر ایک شریک اپنے حصہ کا مستقل مالک ہوتا ہے، دوسرے شریک کے لئے کسی بھی شریک کے حصہ میں تصرف کا حق نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا بغیر اجازت کے دوسروں کے حصہ میں تصرف بحکم غصب ہوتا ہے اور غصب کی

صورت میں مال مغصوب میں نفع نقصان کا تعلق غاصب کے ساتھ ہوتا ہے، مغصوب منہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، اسی لئے مذکورہ مسئلہ میں کاروبار کے نفع ونقصان کا تعلق اسی وارث کے ساتھ ہوگا جس نے دوسروں کی اجازت کے بغیر مال میراث میں تصرف کیا ہے، جیسا کہ حسب ذیل فقہی جزئیات سے واضح ہوتا ہے:

اس کو ''ہندیہ'' میں مختصر الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

لو تصرف أحد الورثة في التركة المشتركة وربح، فالربح للمتصرف وحده. (هندية قديم ۲/ ۳٤٦، جديد ۲/ ۳٤۳)

اس کو علامہ شامیؒ نے بھی مختصر الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وما اشتراه أحدهم لنفسه يكون له ويضمن حصة شركاءه من ثمنه إذا دفعه من المال المشترک، وكل ما استدانة أحدهم يطالب به وحده.

(شامي، زكريا ٦/ ٤٧٨، كراچی ٤/ ٣٠٧)

اس کو ''شرح المجلۃ'' میں بہت واضح الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

إذا أخذ أحد الورثة مبلغا من نقود التركة قبل القسمة بدون إذن الآخرين، وعمل فيه وخسر كانت الخسارة عليه، كأنه إذا ربح لا يسوغ لبقية الورثة أن يقاسموه الربح، وكذا لو باشر العمل والسعي وصي القاصر فليس للأم وللورثة الكبار طلب حصتهم من الربح، حامدية: والأصل في هذا أن الغاصب والمستودع إذا تصرف فى المغصوب والوديعة فالربح له لا للمالک. (شرح المجلة لرستم باز ۱/ ٦١٠، رقم المادة: ١٠٩٠)

اس کو ''ہندیہ'' میں اس طرح واضح فرمایا ہے کہ شرکت ملک میں ایک شریک دوسرے شریک کے حق میں اجنبی ہوتا ہے، اس کی اجازت کے بغیر کسی وارث کو تصرف کا حق نہیں ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وركنها اجتماع النصيبين، وحكمها وقوع الزيادة على الشركة بقدر الملك، ولا يجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره، وكل واحد منهما كالأجنبي فى نصيب صاحبه.
(هندية، قديم ٢/ ٣٠١، جديد ٢/ ٣١١)

اور ”الموسوعۃ“ میں مزید وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ بغیر اجازت کے ایک شریک کا دوسرے شریک کے حصے میں تصرف کرنا غصب کے حکم ہوتا ہے اور مال مغصوب میں نفع نقصان کا ذمہ دار غاصب ہی ہوا کرتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

ذهب الفقهاء إلى أنه في حضور الشريك لا ينتفع شريكه الآخر بالمال المشترك إلا بإذنه؛ لأنه بدون الإذن يكون غصبا، ويدخل في الإذن الإذن العرفي. (الموسوعة الفقهية ٢٦/ ٢٥)

اور ”شرح مجلّہ“ میں دوسری جگہ بہت واضح الفاظ سے دونوں حکم نقل فرمایا ہے کہ نفع نقصان تصرف کرنے والے وارث سے متعلق ہو جائیں گے اور دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا غصب کے حکم میں ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

أما لو بذرها بغير إذن بقية الورثة فالغلة للزارع فقط، ولو كان البذر مشتركا كما صرح به في الحامدية ورد المحتار، ومفاده أنه يضمن لبقية الورثة مثل نصيبهم في الحبوب، وحصتهم من نقصان الأرض كما يستفاد من الفقرة الآتية، ولكن لو بذر أحدهم حبوب نفسه، فالحاصلات له خاصة لكنه يضمن لبقية الورثة حصتهم مما نقصت الأرض بزراعته. (شرح المجلة لرستم باز ١/ ٦٠٩، رقم المادة: ١٠٨٩)

شکل ۲: جس وارث نے تقسیم ترکہ سے پہلے غیر منقسم مال میراث میں سے رقم یا سرمایہ لے کر کاروبار شروع کر دیا ہے اور اس نے دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر اپنے طور پر یہ کام نہیں کیا؛ بلکہ دیگر ورثاء سے باضابطہ اجازت لے کر کاروبار شروع کیا ہے، تو ایسی صورت

میں نفع ونقصان دونوں کا تعلق صرف اسی متصرف کی ذات کے ساتھ خاص نہیں رہے گا؛ بلکہ دیگر ورثاء بھی اس کے نفع ونقصان میں شامل ہوجائیں گے؛ لہٰذا جتنا نقصان ہوگا دیگر ورثاء بھی تناسب کے حساب سے اس نقصان کے بھگتان میں شامل ہوں گے، اسی طرح جو کچھ نفع ہوگا اس نفع میں بھی دیگر ورثاء تناسب کے حساب سے شامل اور شریک رہیں گے اور اس میں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ دیگر ورثاء اس کے ساتھ شرکت عنان کے طور پر شریک ہوجائیں گے اور دوسرے ورثاء جب چاہیں گے ان کو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار رہے گا، اور فسخ کرکے اپنا جو کچھ بھی حصہ ہے اس کو واپس لینے کا حق رہے گا؛ لہٰذا ہر وارث کا اختیار اس میں مکمل طور پر باقی رہے گا؛ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جب رضامندی کے ساتھ کاروبار شروع ہوا ہے، تو کاروبار کے حساب وکتاب کو مکمل کرنے کا موقع دینا بھی ضروری ہے۔

اس کو ''شرح مجلّہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

إذا بذر بعض الورثة الحبوب المشتركة بإذن الكبار أو وصي الصغار في الأراضي الموروثة تصير جملة الحاصلات مشتركة بينهم.

(شرح المجلة لرستم باز ۱/ ۶۰۹، رقم المادة: ۱۰۸۹)

''مغنی المحتاج'' کی عبارت اس مسئلے سے متعلق بہت واضح ہے، اس میں معاملہ کی نوعیت کو بھی واضح کردیا گیا ہے اور ہر وارث کے اختیار کو بھی بیان کردیا گیا ہے کہ ہر ایک وارث جب چاہے معاملہ فسخ کرکے اپنا حق واپس لے سکتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

فإن ملكا مشتركا بإرث وشراء وغيرهما، وأذن كل للآخر في التجارة فيه تمت الشركة والحيلة في الشركة في العروض أن يبيع كل واحد بعض عرضه ببعض عرض الآخر ويأذن له في التصرف، ولا يشترط تساوي قدر المالين، والأصح أنه لا يشترط العلم بقدرهما عند العقد، ويتسلط كل منهما على التصرف بلا ضرر، فلا يبيع نسيئة ولا بغير نقد

البلد ولا بغبن فاحش، ولا يسافر به، ولا ببعضه بغير إذن، ولكل فسخه متى شاء. (مغني المحتاج، بيروت ۳/ ۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸)

ابتداء معاملہ کی نوعیت واضح نہ ہونا اور بعد میں شرکت عنان ہونا

سوال [۹]: جس کاروبار میں ابتداءً معاملے کی نوعیت متعین نہیں ہوتی اس میں نوعیت کی تعیین کن بنیادوں پر کی جائے گی؟ کیا اس سلسلے میں قرائن اور عرف کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے؟

المستفتی: ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کاروبار میں ابتداءً معاملے کی نوعیت متعین نہیں ہوتی ہے اور بعد میں اس کی نوعیت کس اصول کی بنیاد پر متعین کی جائے گی؟ تو اس کی دو شکلیں ہمارے سامنے ہیں:

شکل ا: باپ کا چلتا ہوا کاروبار ہے اور بیٹے بڑے ہوکر جب کاروبار کے لائق ہوجاتے ہیں، تو بغیر کوئی معاملہ طے کئے ہوئے باپ کے کاروبار میں محنت کرنے لگتے ہیں، اسی طرح دیگر بیٹے بھی کاروبار میں لگتے جاتے ہیں اور محنت کرنے لگتے ہیں، تو ایسی صورت میں سارا کاروبار اور ساری پونجی باپ ہی کی ملکیت میں شمار ہوتی ہے، اس لئے کہ اولاد باپ کی فیملی اور عیال میں ہوتی ہے اور جب بعد میں باپ کو یہ احساس ہوتا ہے کہ چلتے ہوئے مشترکہ کاروبار میں فیصد کے اعتبار سے حصہ متعین ہونا چاہئے اور باپ اپنے بیٹوں کو پرسنٹ اور فیصد کے حساب سے کاروبار میں ریک کرتا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں شرعاً شرکت کے اصولوں میں سے کس اصول کے دائرے میں ان کی یہ شرکت داخل ہوگی؟ تو اس سلسلے میں غور وخوض کرکے دیکھا گیا کہ یہ شرکت شرکت عنان میں شامل ہوگی اور اس

کے لئے شرط یہ ہے کہ باپ نے صراحت کے ساتھ بچوں کو اپنے کاروبار میں پاٹنر بنایا ہو اور اگر کوئی صراحت نہیں کی ہے تو صرف قرائن اور عرف کی وجہ سے اس طرح کے کاروبار میں بیٹے باپ کے پاٹنر نہیں بنتے ہیں؛ بلکہ سارا کاروبار باپ ہی کی ملکیت شمار ہوتا ہے؛ لہٰذا معاملۂ شرکت میں اس کاروبار کو شامل کرنے کے لئے صراحت کے ساتھ پاٹنری کا معاملہ طے کرنا لازم ہے، داخلی، خارجی اور قانونی کاغذات میں پاٹنری کی صراحت لازم ہے اور اس میں نفع ونقصان، رأس المال اور منافع کی مقدار کی تعیین، ہر چیز کی صراحت لازم ہے، اس کے بعد باپ کے ساتھ شرکت عنان کے طور پر کاروبار کی نوعیت متعین ہوسکتی ہے، جیسا کہ ذیل کی جزئیات سے واضح ہوتا ہے:

وتقوم دلالة الفعل مقام دلالة اللفظ، فلو أن شخصا ما أخرج جميع ما يملك من نقد وقال لآخر: اخرج مثل هذا واشتروما رزق الله من ربح فهو بيننا على التساوي أو لک فيه الثلثان ولي الثلث فلم يتكلم الآخر، ولكنه أخذ واعطى وفعل كما أشار صاحبه، فهذه شركة عنان صحيحة.

(الموسوعة الفقهية ٢٦/ ٤٢)

’’والوالجیہ‘‘ کی عبارت سے اس مدعی کی کافی واضح تائید ہوتی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وكذلک لو أشركه أحدهما في نصيبه ولم يبين في كم الشركة، ثم أشركه الآخر كان له النصف، ولهما النصف. (الفتاوى الولوالجية ٣/ ٣١)

شکل ۲: باپ اور بیٹے دونوں کی فیملی الگ الگ ہے، بیٹا باپ کی عیال میں نہیں رہتا ہے؛ بلکہ اس کا رہن سہن اور اس کی فیملی الگ ہے، اس حالت میں باپ بیٹے مل کر کوئی کاروبار شروع کردیں اور معاملہ کی نوعیت متعین نہ ہوئی ہو، پھر بعد میں لین دین کے درمیان احساس پیدا ہوا اور معاملہ کی نوعیت متعین کرنا اور نفع ونقصان کی تعیین اور اس کی مقدار کو متعین کرنا ضروری سمجھا جائے، تو ایسی صورت میں جب منافع کی مقدار متعین کریں گے تو شرکت

عنان کے دائرے میں داخل ہوکر متعین کیا جائے گا اور شرائط وضوابط جو بھی طے کئے جائیں گے اسی اصول کے دائرہ میں طے کئے جائیں گے، تو شرعا اس کے جواز کی گنجائش ہے، جیسا کہ حسب ذیل جزئیہ سے واضح ہوتا ہے:

أما شركة العنان فهي أن يشترك اثنان في نوع من التجارات بر أوطعام، أو يشتركان في عموم التجارات ولا يذكران الكفالة خاصة (وقوله) فتجوز هذه الشركة بين الرجال والنساء والبالغ والصبي المأذون والحر والعبد المأذون في التجارة والمسلم والكافر (وقوله) وأما شرط جوازها فكون رأس المال عينا حاضرا أو غائبا عن مجلس العقد لكن مشارا إليه، والمساوات في رأس المال ليست بشرط، ويجوز التفاضل في الربح مع تساويهما في رأس المال. (هندية قديم ۲/ ۳۱۹، جديد ۲/ ۳۲۵-۳۲۶)

باپ اور بیٹوں کے مابین مشترکہ کاروبار کے بنیادی اصول

سوال [۱۰]: باپ اور بیٹوں کے مابین مشترکہ کاروبار کے حوالے سے ایک ایسا واضح لائحۂ عمل تجویز فرمائیں جو شریعت کے اصول وضابطے کے مطابق ہو، نیز اس زمانے کے حالات میں اس کا نفاذ آسان ہو، تاکہ ان اصول اور ہدایات کی روشنی میں لوگوں کے لئے اپنے معاملات طے کرنا آسان ہو۔

المستفتی: ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ اور بیٹوں کے مابین مشترکہ کاروبار سے متعلق بنیادی ضابطے اور اصول یہی سامنے آتے ہیں کہ باپ کی زندگی میں باپ اور بیٹے کے درمیان مشترکہ کاروبار سے متعلق ماقبل میں تفصیلی بحثیں سامنے آچکی ہیں، اصولی طور پر چار باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

(۱) بیٹا باپ کی عیال میں رہتے ہوئے باپ کے ساتھ کاروبار میں محنت کرتا ہے اور کوئی معاہدہ طے نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں ساری کمائی اور سارا سرمایہ باپ کی ملکیت میں شمار ہوگا اور بیٹے کو باپ کا معاون قرار دیا جائے گا، جیسا کہ حسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے:

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچى ٤/ ٣٢٥، هندية قديم ٢/ ٣٢٩، جديد ٢/ ٣٣٢)

(۲) بیٹا باپ کی فیملی اور عیال میں نہیں رہتا ہے؛ بلکہ اس کا رہن سہن سب کچھ الگ ہے، پھر باپ کے ساتھ باپ کے کاروبار میں شریک ہوکر محنت کرتا ہے اور کوئی معاہدہ طے نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں سارا کاروبار اور سارا سرمایہ باپ کی ملکیت میں شامل ہوگا اور بیٹے نے اگر اپنی محنت کے معاوضہ کا دعویٰ نہیں کیا ہے، تو اسے الگ سے کچھ نہیں ملے گا؛ بلکہ اس کی طرف سے محنت کا تبرع سمجھا جائے گا اور بیٹے کو باپ کا معاون قرار دے کر سارا سرمایہ باپ کی ملکیت قرار دینے کے لئے دو قیدیں اور شرطیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

(۱) بیٹا باپ کی عیال اور باپ کی فیملی میں ہو اور باپ سے الگ نہ رہتا ہو۔

(۲) دونوں ایک ہی کاروبار میں شریک ہوں، دونوں کا کاروبار الگ الگ نہ ہو؛ لہٰذا اگر بیٹا باپ سے بالکل الگ رہتا ہو، پھر باپ کے ساتھ کاروبار میں محنت کرتا ہو، تو بیٹا من وجہ ایک اجنبی کے درجہ میں ہے اور من وجہ اجنبی بھی نہیں ہے، اس لئے اگر معاملہ طے نہیں ہوا ہے اور بیٹے نے کسی چیز کا مطالبہ بھی نہیں کیا ہے، تو من وجہ اجنبی نہ ہونے کی وجہ سے بیٹے کی طرف سے محنت کا تبرع سمجھا جائے گا۔ اور اگر بیٹے نے اپنی محنت کا مطالبہ کیا ہے، تو من وجہ اجنبی کے درجہ میں ہونے کی وجہ سے اس کو اجرت مثل ملے گی۔ ''شرح المجلہ'' میں مذکورہ دونوں شرطیں بہت واضح الفاظ میں نقل کی گئی ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

إذا عمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله فجميع الكسب لذلك الرجل، وولده يعد معينا له، فيه قيدان احترازيان كما تشعر عبارة المتن، الأول: أن يكون الابن في عيال الأب، الثاني: أن يعملا معا في صنعة واحدة إذ لو كان لكل منهما صنعة يعمل فيها وحده فربحه له. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۲/ ۷٤۱، رقم المادة: ۱۳۹۸)

اور اجرت مثل کی دلیل تنویر الابصار کی عبارت سے واضح ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وما حصله أحدهما بإعانة صاحبه فله ولصاحبه أجر مثله بالغا ما بلغ عند محمد، وعند أبي يوسف لا يجاوز به نصف ثمن ذلك، والربح في الشركة الفاسدة بقدر المال ولا عبرة بشرط الفضل. (تنوير الأبصار مع الشامي ٦/ ٥٠٢-٥٠٣، كراچی ٤/ ٣٢٥-٣٢٦)

(۳) بیٹا باپ کی فیملی میں رہتے ہوئے باپ کے ساتھ محنت کرتا ہے اور الگ سے کچھ سرمایہ اپنی طرف سے لگا دیتا ہے، تو اگر اس نے سرمایہ شرکت کے معاہدہ کے ساتھ لگایا ہے، تو اس کو اس کے معاہدہ کے مطابق کاروبار اور سرمایہ کے تناسب سے الگ سے منافع ملے گا؛ اس لئے کہ اس نے جب اپنی طرف سے الگ سے سرمایہ لگا دیا ہے اور باپ سے باضابطہ طور پر معاہدہ بھی کرلیا ہے، تو من وجہ اجنبی کے حکم میں ہو گیا ہے؛ لہٰذا طے شدہ معاملے کے مطابق شریک مان کر کے اس کو طے شدہ منافع ملتا رہے گا۔ اور اگر کاروبار کا کوئی معاہدہ نہیں ہے اور یوں ہی لگا دیا ہے، تو ایسی صورت میں بیٹے کی طرف سے سرمایہ کا سہارا لگانا تبرع سمجھا جائے گا، اس کو اتنا ہی مال ملے گا جتنا اس نے لگایا ہے، منافع میں اس کا الگ سے کوئی حصہ نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ بیٹے نے باپ کی عیال اور فیملی میں رہ کر ہی سرمایہ لگا کر محنت کی ہے اور کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہے۔

حصہ داری سے متعلق شامی کا حسب ذیل جزئیہ ملاحظہ فرمائیے:

اعلم أنهما إذا شرطا العمل عليهما إن تساويا مالا وتفاوتا ربحا جاز عند علمائنا الثلاثة خلافا لزفر، والربح بينهما على ما شرطا، وإن عمل أحدهما فقط وإن شرطاه على أحدهما فإن شرطا الربح بينهما بقدر رأس مالهما جاز. (شامي، زكريا ٦/ ٤٨٤، كراچی ٤/ ٣١٢)

اور باپ کا معاون قرار دینے کا جزئیہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له، ألا ترى لو غرس شجرة تكون للأب. (شامي زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچی ٤/ ٣٢٥)

(۴) بیٹا باپ کی فیملی سے الگ رہتا ہے اور باضابطہ طور پر باپ کے ساتھ معاملہ طے کرکے شریک ہوتا ہے، تو طے شدہ معاملہ کے مطابق بیٹا کاروبار اور منافع میں شریک ہوگا اور اسی کے تناسب سے اس کو حصہ ملتا رہے گا؛ اس لئے کہ ایسی صورت میں بیٹا معاملہ اور لین دین میں ایک اجنبی کے درجہ میں ہو چکا ہے، صرف باپ کا معاون ثابت نہیں ہوگا؛ کیوں کہ باپ کا معاون قرار دینے کے لئے باپ کی عیال اور فیملی میں ہونا شرط ہے اور وہ شرط یہاں نہیں ہے:

أما الأول: وهو الشركة بالأموال، فهو أن يشترك اثنان في رأس مال فيقولان: اشتركنا فيه على أن نشتري ونبيع معا أو شتى أو أطلقا على أن ما رزق الله عز وجل من ربح فهو بيننا على شرط كذا، أو يقول أحدهما ذلك ويقول الآخر نعم. (بدائع الصنائع، زكريا ٥/ ٧٣، هندية قديم ٢/ ٣٠٢، جديد ٢/ ٣١١)

یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ باپ کی زندگی میں باپ بیٹے کی شرکت شرکت عقد ہی میں شامل ہوتی ہے اور اس میں عام طور پر شرکت عنان ہی کے اصول وضوابط جاری ہوتے ہیں اور شرکت مفاوضہ کے شرائط کی پابندی مشکل ہو جاتی ہے اور باپ کے انتقال کے بعد میراث میں اولاد کی شرکت شرکت ملک کے اصول کے دائرہ میں داخل ہوتی ہے۔

الشركة في الأصل نوعان: شركة الأملاك، وشركة العقود، وشركة

الأملاک نوعان: نوع يثبت بفعل الشريكين، ونوع يثبت بغير فعلهما، أما الذي يثبت بفعلهما فنحو أن يشتريا شيئا أو يوهب لهما أو يوصى لهما أو يتصدق عليهما فيقبلان فيصير المشترى والموهوب والموصى به والمتصدق به مشتركا بينهما شركة ملک. (بدائع الصنائع، زکریا ۵/ ۷۳)

❁❁❁

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللهُ أَكْبَر كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً. الحديث

(المعجم الكبير ۲/ ۱۳۵، برقم: ۱۵۷۰)

(مفتی) شبیر احمد قاسمی

خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو-پی)

بروز بدھ ۲۶/صفر ۱۴۳۷ھ

(۳) باب شرکة الوجوه

باپ کی فیملی میں رہ کر مشترکہ کمائی کی تقسیم

سوال [۸۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید، عمر، بکر، حارث چاروں حقیقی بھائی ہیں اور باپ کی موجودگی میں گھر باہر کے جملہ کاروبار مشترکہ ہوتے ہیں، ابھی تک کسی طرح کا کوئی متعین بٹوارہ نہیں تھا، اول الذکر تینوں بھائیوں نے باہر رہ کر ملازمت وغیرہ سے جو جائیداد بنائی ہے اچانک کہتے ہیں کہ ہم آخر الذکر کو کوئی بھی حصہ نہ دیں گے، اس طرح آخر الذکر باوجودیکہ مشترکہ کاروبار میں تھا اور اس نے گھر کے جملہ مع زراعت کے تمام امور انجام دیتا رہا، اس جائیداد سے محروم ہوجاتا ہے، کیا شریعت محمدی میں حصہ ہے یا نہیں اور اگر وہ لوگ حصہ نہیں دیتے ہیں، تو کیا باپ اپنی جائیداد میں سے حارث کو بطور معاوضہ اس جائیداد کے جس سے محروم ہورہا ہے کچھ زائد دے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کی فیملی میں رہ کر چاروں لڑکوں نے کم وبیش جو کچھ بھی کمایا ہے، وہ سب باپ کی ملکیت ہے، بیٹوں میں سے کسی کی ملکیت نہیں ہے؛ لہٰذا لڑکوں میں سے کسی کا یہ کہنا کہ فلاں جائیداد میری ہے، اس میں کسی کا حصہ نہیں ہے یا فلاں فلاں جائیداد فلاں کی ہے اور فلاں کی نہیں ہے، یہ جائز نہیں ہے؛ بلکہ ساری ملکیت باپ کی ہے، یہ حق باپ کو پہونچ سکتا ہے کہ اس میں سے کچھ چیز لے کر کے کسی کے لئے خاص کردے، مگر لڑکوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے، اگر باپ کی زندگی میں جائیداد تقسیم

ہو جائے، تو چاروں لڑکوں کو برابر برابر دینا ضروری ہے۔

عن عامر قال: سمعت النعمان بن بشير وهو على المنبر يقول أعطاني أبي عطية، فقالت: عمرة بنت رواحة: لا أرضي حتى تشهد رسول الله صلى الله عليه وسلم: فأتي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: إني أعطيت ابني من عمرة بنت رواحة عطية، فأمرتني أن أشهدك يارسول الله! قال: أعطيت سائر ولدك مثل هذا؟ قال: لا، قال: فاتقوا الله واعدلوا بين أولادكم، قال: فرجع فرد عطيته. (صحيح البخاري، باب الإشهاد في الهبة، النسخة الهندية ۳۵۲/۱، رقم:۲۵۱۵-۲۵۸۷)

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة......زكريا ۵۰۲/٦، كراچي ۳۲۵/٤، هندية، زكريا قديم ۳۲۹/۳، جديد ۳۳۲/۲)

وفي الخانية: لابأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنهما عمل القلب، وكذا في العطايا. (در مختار مع الشامي، كتاب الهبة، زكريا ۵۰۱/۸، كراچي قاضيخان، زكريا جديد ۱۹۳/۳، وعلى هامش الهندية ۲۷۹/۳، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤۹۷/۳، مصري قديم ۳۵۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍۷۷۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۷/۶ھ

والد صاحب کے زیر سایہ اولاد کاروبار کرے، تو مالک کون؟

سوال [۸۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) عمر نے بچپن سے شادی تک جو کچھ کمایا ماں باپ کو دیا، شادی کے بعد عمر

نے جویا سے آکر دین نگر پور دوکان کرلی، دوکان میں لگانے کے لئے عمر نے والد صاحب سے صرف ۳/ ہزار روپیہ لیا باقی چار ہزار قرض لے کر عمر نے دوکان کرلی، دوکان پر والد صاحب اور عمر رہتے ہیں والد صاحب کبھی عمر کے پاس دس بیس دن رکتے کبھی گھر چلے جاتے، دو سال پہلے والد صاحب عمر کے چھوٹے بھائی کو بھی لے آئے؛ جبکہ دوکان پر اتنا کام نہیں تھا، ایک ڈیڑھ سال عمر کا چھوٹا بھائی بھی آتا جاتا رہا، عمر والد صاحب کو اور چھوٹے بھائی کو پورا خرچ دیتا رہا، یہاں تک کہ گھر کا پورا خرچ دیتے ہوئے عمر نے گھر کے خرچ سے الگ چھوٹے بھائی کی شادی میں ۲۰/ ہزار روپیہ اٹھایا، اور ۱۰/ ہزار والد صاحب کو نقد دیا، مکان کی تعمیر کے لئے؛ جبکہ عمر نے صرف ۳/ ہزار لیا تھا، پھر عمر نے ایک مکان خریدا جو کہ عمر نے اپنے نام کردیا، کچھ کہاسنی ہونے کے بعد والد صاحب کا کہنا ہے کہ مکان اپنے چھوٹے چاروں بھائیوں کے نام کرادو، ورنہ تو اپنے بھائیوں کا حق مار رہا ہے، کیا واقعی عمر کے بھائیوں کا حق ہے؟ دوکان اور مکان میں؛ جبکہ عمر نے مکان ۴۰/ ہزار روپیہ قرض لے کر لیا ہے جو کہ عمر کو ہی دینا ہے؟

(۲) عمر کے تین بچے ہیں والد صاحب کا کہنا ہے کہ تو نے بی بی کے کہنے میں آکر مکان اپنے نام کرالیا ہے؛ لہٰذا اس کو چھوڑ دے؛ جبکہ عمر کی نگاہوں میں ہندہ کی کوئی غلطی نہیں، عمر ہندہ کو چھوڑنا یوں نہیں چاہتا ہے کہ ہندہ کے والد اس لائق نہیں کہ ہندہ کا ایک روز کا خرچ بھی اٹھاسکیں، بہت ہی غریب ہیں، والد صاحب کا کہنا ہے کہ اگر تو اس کو نہیں چھوڑے گا، تو میں ناراض ہوں؛ جبکہ ہندہ تین بچوں کی ماں ہے اور چار ماہ کے حمل سے ہے عمر کیا کرے؟ مہربانی فرما کر بتایئے۔

المستفتی: انیس احمد، دین نگر پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عمر کا باپ بھی دوکان میں بیٹھا کرتا تھا، اور بھائی بھی بیٹھا کرتا تھا اور سوال نامہ کے سیاق وسباق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عمر باپ

کی فیملی سے الگ بھی نہیں ہے؛ تو جو کچھ بھی آمدنی حاصل ہو رہی ہے، وہ سب باپ کی ملکیت میں داخل ہوگی اور باپ کے بعد سب اولاد اس میں برابر کی شریک ہوں گی؛ اس لئے عمر کا اپنے نام کرا لینا درست نہیں ہوگا۔

الأب وابنه یكتسبان في صنعة واحدة ولم یكن لهما شيئ، فالكسب كله للأب، إن كان الابن في عیاله لكونه معینا له. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ......زكریا ٦/ ٥٠٢، كراچي ٤/ ٣٢٥، هندیة، زكریا قدیم ٣/ ٣٢٩، جدید ٢/ ٣٣٢)

نیز اگر بیوی کی طرف سے کوئی نشوز اور تعدی نہیں ہے اور باپ کے حکم سے بیوی کو طلاق دینے سے معصیت میں مبتلا ہونے اور بچوں کی پرورش میں دشواری اور ان کے بے سہارا ہونے کا خطرہ ہے، تو بیوی کو طلاق نہ دینے سے عمر گنہگار نہ ہوگا اور طلاق کے علاوہ دیگر مطالبات پورے کر کے باپ کو راضی کرنے کی کوشش کرنا عمر پر لازم ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۳۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۸/ ۱۴۱۱ھ

باپ بیٹے یکجا محنت سے کمائیں تو مالک کون؟

سوال [۸۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پانچ لڑکے ہیں، جن میں سے بڑا لڑکا شادی ہونے کے بعد الگ ہوگیا، الگ ہونے کے وقت زید کے پاس صرف ایک مکان تھا، زید کے گھر ڈاکہ پڑا چوری ہوئی؛ اس لئے گھر میں کچھ نہیں رہا، اس کے بعد فصل کٹی، جو گیارہ سو روپیہ کی ہوئی، اسی میں سے کٹائی کے اور دوسرے خرچ ہوئے، جس کے بعد بہت کم پیسے بچے جو نہ ہونے کے درجہ میں ہیں، بڑے لڑکے نے الگ ہو کر زمین خرید کر مکان بنایا، باپ نے بھی باقی لڑکوں کے ساتھ مل کر ایک مکان کی جگہ لی، بڑے بھائی نے اس جگہ میں کچھ پیسہ نہ دیا۔

اب بڑا بھائی اس جگہ میں اپنا حق مانگتا ہے، جو اس کے الگ ہونے کے بعد زید نے خریدا تھا، بڑے لڑکے کا اس جگہ میں جو کہ اس کے الگ ہونے کے بعد میں لی گئی تھی حصہ نکلتا ہے یا نہیں؟ جبکہ بڑا بھائی اپنے الگ کے خریدے ہوئے مکان میں سے چھوٹے بھائیوں کو کچھ نہیں دے رہا ہے۔

المستفتی: مختار احمد، میاں سرائے، سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چھوٹے بھائیوں نے باپ کے ساتھ مل کر جو جائیداد باپ کی فیملی میں رہ کر باپ کے نام پر خریدی ہے اور باپ کی ملکیت میں رہنے کی حالت میں باپ کا انتقال ہوا ہے، تو اس جائیداد میں بڑے بھائیوں کا بھی حصہ ہے، مگر باپ کی زندگی میں کوئی حصہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۳۴۵)

أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة، ولم يكن لهما مال، فالكسب كله للأب، إذا كان الابن في عيال الأب؛ لكونه معينا له. (هندية، كتاب الشركة، الباب الرابع في شركة الوجوه، زكريا جديد ٢/٣٣٢، قديم ٢/٣٢٠، شامي، زكريا ٦/٥٠٢، كراچي ٤/٣٢٥)

أما بيان الوقت الذي يجري فيه الإرث...... قال مشايخ بلخ الإرث يثبت بعد موت المورث. (البحر الرائق، كتاب الفرائض، زكريا ٩/٣٦٤، كوئٹه ٨/٤٨٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۳۵)

کیا والد صاحب کے ساتھ شرکت کی بناء پر لڑکا تمام جائیداد کا مالک ہوگا؟

سوال [۸۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ الحمد للہ ہمارے والدین حیات ہیں، ہم چار بھائی اور ایک بہن ہے، ہمارے والد صاحب کا قصبہ ہنگولی میں کھیت تھا، جسے بڑے دو بھائیوں نے زبردستی بیچ کر شہر اورنگ آباد میں ایک 20*30 کا مکان خریدا تھا، ۱۹۹۸ء میں اس وقت اس کی قیمت تین لاکھ ۲۵/ ہزار روپئے تھی بقول ان دونوں بھائیوں کے، اس کے علاوہ قصبہ ہنگولی میں والد صاحب اور ہم تین بھائی سوائے دو نمبر کے بھائی کے ہم لوگ سالانہ ٹھیکے پر ایک مارواڑی کی کھیتی کیا کرتے تھے، جس میں ترکاری وغیرہ اگائی جاتی تھی، خصوصاً پھول گوبھی زیادہ تر، سب لوگ اجتماعی طور پر اپنی اپنی ذمہ داریوں کے حساب سے کام کرتے تھے۔

الحمد للہ سب کچھ اچھا چل رہا تھا، ہمارے والد صاحب کھیت میں کام کے اوقات کے علاوہ گوبھی کا پتہ (جسے بکریاں کھاتی ہیں) اور گھاس نکال کر بیچتے تھے، والد صاحب نے یہ پیسے حج کی نیت سے جمع کر رکھے تھے، جس کی وجہ سے والد صاحب اور بڑے بھائی میں اکثر بحث ہوا کرتی تھی، والد صاحب نے بڑا بیٹا ہونے کی وجہ سے بڑے بھائی صاحب کے ہاتھ میں پورا کاروبار دے دیا تھا؛ اس لئے کہ والد صاحب پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے، پھر والد صاحب نے قصبہ ہنگولی میں جس گھر میں ہم رہ رہے تھے، ناکافی ہونے کی وجہ سے دوسرا گھر خریدا ان گھاس کے پیسوں سے ۱۹۹۶-۱۹۹۵ء میں گھر خریدنے کے بعد والد صاحب نے ہی کھیت کے پڑوس میں اینٹوں کی بھٹی والوں سے چارے کے عوض گھر تعمیر کے لئے ہزاروں اینٹیں خریدیں، پھر الحمد للہ اجتماعی طور پر گھر کی تعمیر مکمل ہوئی، ۱۹۹۷ء میں سب لوگ نئے گھر میں رہنے لگے۔ واضح ہو کہ دوسرے نمبر کے بھائی صاحب نے ہنگولی میں گھر کے تعمیر کے لئے ایک روپیہ بھی نہیں دیا بقول بڑے بھائی کے، اب والد صاحب نے تقسیم کا ذکر بڑے بھائیوں سے کیا، تو دونوں بھائی حساب بتانے لگے، نمبر ایک بھائی کا کہنا ہے کہ قصبہ ہنگولی کا گھر میری کمائی سے بنا ہے اور آخری دو چھوٹے بھائیوں نے کچھ بھی کما کر نہیں دیا اور میں نے والدین کی بیماری میں ایک لاکھ سے زیادہ خرچ کیا اور دونوں چھوٹے بھائیوں کی شادیاں بھی کی ہیں؛ اس لئے قصبہ ہنگولی کا گھر پورا میرا ہے، کسی کا کوئی حصہ نہیں۔

مفتی صاحب ہم دو چھوٹے بھائی ضرور کمانے کے قابل نہ تھے؛ لیکن والد صاحب اور ہم سب مل کر کھیت میں کام کیا کرتے تھے اور پورا حساب بڑے بھائی کے پاس ہوتا تھا، اس لئے وہ پورا حق اپنا ہی سمجھ رہے ہیں، اس کے بعد دوسرے نمبر کے بھائی صاحب کا کہنا ہے کہ اورنگ آباد کے گھر میں میں نے ۸۰؍ ہزار روپئے دیئے تھے، اور ان کا کہنا ہے کہ میں نے والدین کو دو لاکھ پچاس ہزار روپئے لگا کر حج کروایا ہے؛ اس لئے دوسرے نمبر کے بھائی اورنگ آباد کے گھر پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے۔ واضح ہو کہ دوسرے نمبر کے بھائی نے ملت ندوہ سے فراغت کے بعد علوم عصریہ بھی پاس کیا ہے۔ اور ۱۹۹۰ء سے سرکاری نوکری پر مامور ہیں، یہ مولوی صاحب مہمانوں کی دعوت کا خرچ بھی والد صاحب کو بتاتے ہیں اور والد صاحب سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی قابلیت پر تعلیم حاصل کی آپ کا اس میں کچھ بھی تعاون نہیں ہے، اس وجہ سے والد صاحب ان سے سخت ناراض ہیں، مولوی صاحب کی کارگذاری اس لئے بیان کر دیا ہے کہ یہ بندہ علوم دینیہ سے اچھی طرح واقف ہے؛ اس لئے والد صاحب کو ان سے صحیح انصاف کی امید تھی؛ لیکن تدبیر الٹی ہوگئی؛ اس لئے کٹھن مسئلہ کا حل آپ جیسے اہل علم حضرات سے دریافت کیا جا رہا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب تحریر فرمائیں۔ یہ تحریر میرے والدین کے حکم سے لکھی گئی ہے۔

المستفتی: حافظ محمد عبد الواحد، روشن گیٹ، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے بھائیوں نے آپ کے والد صاحب کے کھیت کو بیچ کر اورنگ آباد میں جو مکان خریدا ہے اور آپ کے والد صاحب نے جو دوسرا گھر گھاس کے پیسوں سے خریدا ہے اور اسی طرح مشترکہ کاروبار میں جو کچھ نفع ہوا ہے، گرچہ اس کا حساب وکتاب آپ کے بڑے بھائی کے پاس تھا؛ لیکن ان سب کے مالک آپ کے والد صاحب ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ والد صاحب کی فیملی میں رہ کر کے انہی کی سرپرستی میں ساری جائیداد خریدی گئی ہے؛ اس لئے سب کے مالک والد ہی ہوں گے اور کسی بھی بیٹے کا یہ کہنا کہ فلاں فلاں وجہ سے فلاں جائیداد کا میں مکمل مالک ہوں درست نہیں ہے اور والد صاحب کے انتقال کے بعد چھوٹے بڑے سب بھائی اور بہنیں ساری جائیداد میں شرعی حصہ کے حقدار ہو جائیں گے۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له، ألاترىٰ لو غرس شجرة تكون للأب وبعد أسطر. وفي الخانية: زوج بنيه الخمسة في داره وكلهم في عياله، واختلفوا في المتاع فهو للأب، و للبنين الثياب التي عليهم لا غير. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت...... زكريا ٦/٥٠٢، كراچي ٤/٣٢٥، هندية، زكريا ٢/٣٣٢، جديد ٢/٣٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۰۴۸)

والد کی فیملی میں رہ کر کمایا ہوا مال کس کی ملکیت ہے؟

سوال [۸۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص کے پانچ بیٹے ہوں اور وہ شخص اپنے دو بڑے بیٹوں کو جو زیر تعلیم نہ ہوں اپنا کاروبار سونپ دے اور بیٹے اس کاروبار کو بہتر کرلیں، جس سے تمام اخراجات شادی بیاہ وغیرہ کے پورے ہونے لگے ہوں؛ لیکن اس شخص کی بیوی اپنے شوہر سے بات بات پر یہ کہہ کر لڑنے لگے کہ میرا خرچ تمہارے ذمہ تھا، تم میرا خرچ نہیں اٹھا رہے ہو، میں اپنی

اولاد کی کمائی کھا رہی ہوں اور اولاد سے ہر وقت شوہر کی برائی کرنے لگے، یہ کہہ کر لڑنے لگے کہ مزدوری بھی کرتے تو ۶۰٫۷۰ روپیہ تازہ آمدنی گھر میں آتی اس طرح فقرے کستی رہتی ہو، اس کی ہر وقت کی لڑائی نے گھر کو جہنم بنا دیا ہو، اگر کہیں جاتی ہو تو وہاں سے فون پر کہتی ہو کہ تمہارا باپ جیسا کہے اس کا الٹا کرنا، جس نے حق زوجیت کی ادائیگی سے بھی انکار کر دیا ہو، شوہر کی طرف سے کھانے پینے کا قطعی دھیان نہ دیتی ہو، شوہر خود لے کر کھانا کھاتا ہو، اس کے برعکس نماز کی پابندی تلاوت قرآن بھی کرتی رہتی ہو، ایسی عورت کا اسلام میں کیا مقام ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۱) اولاد کس کی مانی جائے گی؟

(۲) اولاد کی کمائی کس کی مانی جائے گی؟

(۳) کیا ماں کا اثر بیٹی میں آتا ہے؟

المستفتی: محمد شمیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب باپ نے کاروبار بیٹوں کو سونپ دیا اور بیٹے باپ کی فیملی میں رہ کر کاروبار بڑھا رہے ہیں، تو ایسی صورت میں بیٹوں کی تمام کمائی باپ کی ملکیت ہے اور عورت کا یہ کہنا غلط ہے کہ شوہر کی نہیں اولاد کی کمائی کھا رہی ہے؛ بلکہ اولاد جو کچھ کما رہی ہے، وہ سب باپ ہی کی ملکیت ہوتی ہے، تو یہ کہا جائے گا کہ عورت شوہر کی ہی کمائی کھا رہی ہے۔

الأب و ابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت......زكريا ٦/٥٠٢، كراچي ٤/٣٢٥، هندية، زكريا قديم ٢/٣٢٩، جديد ٢/٣٣٢)

اور اولاد ماں باپ دونوں کی ہوتی ہے، مگر حسب ونسب کے اعتبار سے باپ کی مانی جاتی ہے، اگر ماں کی تربیت میں رہتی ہے، تو بیٹی میں ماں کا اثر ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۳/ ۸۶۰۳)

کیا بیٹے کی رقم سے خریدی گئی جائیداد والد صاحب کی ہی ملک ہوگی؟

سوال [۸۹۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پردادا مرحوم نے کوئی جائیداد اپنے تین بیٹوں اور دو بیٹیوں میں سے کسی ایک بیٹے کے پیسہ سے خریدی ہو اور رجسٹری بھی باپ کے نام ہو، تو کیا ان کے انتقال کے بعد اس جائیداد میں باقی بیٹے بیٹیاں یا ان کی اولادیں بھی حقدار ہوں گی یا نہیں؟ یا صرف وہی بیٹا اور اس کی اولادیں حقدار ہوں گی جس کی رقم سے وہ جائیداد خریدی گئی ہے؟

نوٹ: واضح ہو کہ جس بیٹے کے پیسے سے باپ نے زمین خریدی ہے، وہ بیٹا باپ ہی کے ساتھ رہتا تھا کاروبار اور کھانا پینا ایک ساتھ تھا۔

المستفتی: جنید الحق ولد خورشید الحق، قاضی ٹولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس بیٹے کی رقم سے باپ نے وہ جائیداد خریدی ہے؛ چونکہ اس کا کاروبار کھانا پینا باپ ہی کے ساتھ تھا؛ اس لئے وہ جائیداد باپ ہی کی ملک ہوگی اور اس کے شرعی ورثاء یعنی تینوں بیٹوں اور دونوں بیٹیوں کے درمیان وہ جائیداد حق شرعی کے مطابق تقسیم ہوگی۔ تنہا اس کا یا اس کی اولاد کا حق نہیں ہے؛ بلکہ پردادا کی تمام اولاد کا حق اس سے متعلق ہے۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ، فالكسب كله للأب، إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له.

(شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت زكريا ٦/٢ ٥٠، كراچي ٣٢٥/٤، هندية، زكريا قديم ٣٢٩/٢، جديد ٣٣٢/٢) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۴۴۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۶ھ

باپ کی فیملی میں رہتے ہوئے حاصل شدہ جائیداد میں دیگر ورثاء کا حق

سوال [۸۹۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمرو کے دولڑکے پانچ لڑکیاں اور ایک بھائی ہے، کچھ سالوں پہلے کی بات ہے کہ جب عمرو اوراس کا بھائی ایک دوکان اور زمین وگھر میں شریک تھے، پھرایک لڑکا زید اپنے باپ و چچا کے ساتھ دوکان وکھیت کے کاموں میں اس شرط کے ساتھ لگ گیا کہ آئندہ جونئی جائیداد خریدی جائے گی، اس میں اس کا تیسرا حصہ ہوگا، لڑکیاں بھی دوکان کے کاموں میں تعاون کرتی تھیں اور دوسرا بھائی بھی کچھ سالوں کے بعد دوکان وکھیت کے کام میں لگ گیا، زید اس کی بیوی بچہ عمرو اور لڑکیاں دوسرا لڑکا بھائی بھاوج تمام ایک ساتھ رہتے تھے، عمرو نے مرنے سے پہلے تمام لڑکیوں اور لڑکوں سے کہا کہ تم بھائی بہن آپس کی رضامندی سے جائیداد تقسیم کرلو، تقسیم کے وقت زید اپنی شرط کے مطابق نئی خریدی گئی جائیداد سے تیسرا حصہ لینے پر مصر ہے، تو سوال یہ ہے کہ زید کی یہ شرط لگانا صحیح ہوگا؛ جبکہ پورا خاندان ایک ساتھ رہتا تھا اور کیا اس کا اصرار کرنا جائز اور صحیح ہے۔

المستفتی: انس نواپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کی زندگی میں اگر بیٹا باپ کی فیملی میں شامل تھا، یعنی اس کا کھانا پینا باپ کے ساتھ رہتا تھا، تو بیٹے کی کمائی باپ کی ملک قرار دی جائے گی اور چچا کے ساتھ جس شرط پر کاروبار شروع کیا تھا، وہ چچا کے ساتھ حساب وکتاب میں تیسرا شریک ہوگا اور ۲/۳ حصہ بیٹے کو ملکر باپ کی ملکیت میں شامل ہوجائے گا اور باپ کے انتقال کے بعد تمام ورثاء بقدر حصص برابر کے شریک ہوں گے۔

وقدمنا أن هذا ليس شركة مفاوضة ما لم يصرحا بلفظها، أوبمقتضياتها مع استيفاء شروطها، ثم هذا في غير الابن مع أبيه لما في القنية الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ، فالكسب كله للأب، إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. وفي الخانية: زوج بنيه الخمسة في داره وكلهم في عياله، واختلفوا في المتاع فهو للأب، و للبنين الثياب التي عليهم لا غير. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت فهو بينهما بالسوية، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچي ٤/ ٣٢٥، هندية، جديد زكريا ٢/ ٣٣٢، قديم ٢/ ٣٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۶۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۱/۱۴۲۶ھ

والدصاحب کے ساتھ مل کر حاصل کردہ آمدنی میں سبھی ورثاء کا حق ہے

سوال [۸۹۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) میرے والدصاحب کی دوکان مٹھائی کی ہے، میں ان کی زندگی سے ان کے ساتھ کام کیا کرتا تھا، انہوں نے مجھے کام سکھایا اور عرصہ تک ان کے ساتھ رہا،

کافی عرصہ کے بعد انہوں نے اپنی رضا مندی سے مجھے دوکان اور بہار دانہ دیدیا اور میں اس کو استعمال کرتا رہا۔

اب میرے برادران مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ بہار دانہ کی تقسیم کی جائے، اس کا جواب تحریر فرمائیں۔

(۲) میرے برادران چاہتے ہیں کہ دوکان کی پگڑی لے کر سارے بھائیوں میں تقسیم کی جائے؟

(۳) جو رقم میں نے دوکان کی مرمت وغیرہ میں صرف کی ہے وہ رقم مالک جائیداد سے لی جائے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عرفان، محلّہ بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) آپ اپنے والد کی زندگی میں ان کے ساتھ مل کر جو دوکان کررہے تھے، وہ درحقیقت والد ہی کی ملک شمار کی جائے گی؛ لہٰذا ان کے انتقال کے بعد تمام برادران دوکان اور بہاردانہ وغیرہ میں برابر کے حقدار ہوں گے اور باپ کی طرف سے شرعی ضابطہ کے مطابق آپ کو ہبہ کر کے قبضہ دیدینا اور باپ کا قبضہ سے دست بردار ہو جانا ثابت نہیں ہے؛ اس لئے تنہا آپ مالک نہیں ہوں گے۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب، إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي، زكريا ٦/٥٠٢، كراچي ٤/٣٢٥)

(۲) دوکان کے ذریعہ پگڑی یا کوئی بھی چیز مل جائے اس کے حقدار آپ تنہا نہیں ہیں، ہر چیز میں سبھی ورثاء کا حق متعلق ہوتا ہے۔

استحباب التسوية بين الأولاد في الهبة فلا يفضل بعضهم على بعض. (شرح الطيبي بيروت ٦/ ١٨٠)

(۳) آپ نے اگر مالک دوکان کی اجازت سے معاملہ طے کر کے مرمت کی ہے کہ اس میں جو خرچ ہوگا وہ کرایہ میں مجریٰ ہوگا یا مالک دوکان سے لیا جائے گا، تو مالک جائیداد سے اس خرچ کا مطالبہ کرنے کا حق ہے اور اگر مالک کی اجازت اور معاملہ طے کئے بغیر آپ نے خرچ کیا ہے، تو مالک جائیداد سے اس خرچ کے مطالبہ کا حق نہیں ہے، ہاں البتہ یہ خرچ تمام ورثاء کے حصہ میں منقسم کر دینا درست ہے۔

فإن كفل بأمره رجع بما أدىٰ عليه؛ لأنه قضىٰ دينه بأمره، وإن كفل بغير أمره لم يرجع بما يؤديه؛ لأنه متبرع بأدائه. (هداية، كتاب الكفالة، اشرفي بكڈپو ديو بند ۳/۱۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۹۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۱۱/۱۴۲۵ھ

ایک ہی فیملی میں رہ کر خریدی گئی جائیداد کا حکم

سوال [۸۹۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم لوگ ۴/ بھائی اور دو بہنیں تھے، ایک بہن کا کافی عرصہ قبل انتقال ہو چکا ہے، ہم لوگوں کے آبائی مکان سے ملحق ایک قطعۂ آراضی ایک صاحبہ کا تھا، وہ اس کو فروخت کر رہی تھیں، تو ہمارے ماموں نے وہ حصہ خرید کر ہم لوگوں کو دیدیا تھا، اور یہ بھی کہدیا تھا کہ یہ سب بھائی بہنوں کا ہے؟ بعد میں ماموں والدہ اور کئی رشتہ داروں کے سامنے یہ بات طے ہوئی تھی کہ ماموں کا یہ قرض بڑے بھائی ادا کریں گے (جو کہ انہوں نے ادا کر دیا) اور بقیہ بھائی گھر کا پورا خرچ اٹھائیں گے جو کہ آج ۲۵/ سال گذر جانے پر بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

اب اس سلسلہ میں یہ امر قابل وضاحت ہے کہ اس قطعۂ آراضی کے مالک صرف بڑے بھائی ہوں گے یا سب لوگ ہوں گے؟

المستفتی: وثیق انور، بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں سب بھائی بہن ایک ساتھ ایک ہی فیملی میں مشترک ہیں، کسی کی کمائی زیادہ ہے، اور کسی کی کمائی کم ہے، کسی کی کمائی سے باہر کا خرچہ برداشت کیا جاتا ہے اور کسی کی کمائی سے گھر کا خرچہ پورا کیا جاتا ہے، اور بڑے بھائی کی کمائی سے قرض ادا کیا گیا اور دوسرے بھائیوں کی کمائی سے گھر کا خرچہ پورا کیا گیا، تو ایسی صورت میں جتنی بھی جائیداد اور آمدنیاں ہیں، سب مشترک ہی شمار ہوں گی؛ اس لئے مشترک جائیداد کی طرح تقسیم کرنا ضروری ہے اور مشترک جائیداد کی طرح اس زمین میں سب شریک ہوں گے، صرف بڑا بھائی مالک نہیں ہوگا۔

یؤخذ من هذا ما أافتی به في الخیریة: في زوج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة وأخذ کل منهما یکتسب علی حدة ویجمعان کسبهما ولایعلم التفاوت ولا التساوي ولا التمییز، فأجاب بأنه بینهما سویة، وکذا لو اجتمع إخوة یعملون في ترکة أبیهم ونما المال، فهو بینهم سویة، ولو اختلفوا في العمل والرأي، وقدمنا أن هذا لیس شرکة مفاوضة مالم یصرحا بلفظها، أوبمقتضیاتها مع استیفاء شروطها. (شامي، کتاب الشروط، مطلب اجتمعا في دار واحدة واکتسبا ولایعلم التفاوت، فهو بینهما بالسویة، زکریا ۶/۵۰۲، کراچي ۴/۳۲۵، هکذا في الهندیة، زکریا قدیم ۲/۳۲۹، جدید ۲/۳۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۹۹۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۷/۶ھ

باپ کی فیملی میں رہ کر کمائی گئی جائیداد کا حکم

سوال [۸۹۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید اپنی بیوی اور ایک بیٹے (شادی شدہ) اور پانچ بیٹیوں (دو شادی شدہ تین غیر شادی شدہ) کی موجودگی میں ساڑو کے ایک اچھے کاروبار کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا کچھ ایام گذرنے کے بعد زید کی بیوی کا انتقال ہو گیا، جس کے باعث زید بیمار اور ذہنی اعتبار سے انتہائی منتشر اور پریشان تھا، اس ذہنی انتشار و بیماری کی وجہ سے زید کے دوکان جانے میں اور کاروباری عمل کے اندر کچھ سستی آگئی، جس کے نتیجے میں زید کا بیٹا بکر پورے کاروبار مع دوکان وسانچہ وغیرہ پر مکمل طور پر زبردستی قابض ہو گیا اور ایک لمبی پونجی جو زید نے بنائی تھی اس پوری پونجی پر بھی پورے طور پر زبردستی قابض ہو گیا اور تقریباً ۷/۸/ سال تک زید کاروبار و دوکان کا حساب کتاب مانگتا رہا، مگر بکر نے کوئی حساب کتاب نہیں دیا اور نہ ہی کوئی خرچ دیا، حتی کہ اپنے والد زید کو کاروبار و دوکان سے ہر طریقہ سے کنارہ کش کر دیا اور پورے کاروبار و دوکان پر تنہا زبردستی قابض ہو گیا اور سارے تعلقات بھی اپنے والد زید سے منقطع کر لئے۔

یہ بھی واضح ہو کہ زید نے ایک قطعہ زمین ۳۴/ کڑی خریدی تھی اور اس کی صرف رجسٹری بیٹے بکر کے نام کی تھی، وراثۃً اس زمین کا مالک نہیں بنایا تھا، اب بکر اس زمین پر بھی پوری طرح قابض ہے، اس میں جو پھل وغیرہ لگتے ہیں، وہ سب بکر ہی استعمال کر رہا ہے، کچھ ایام گذرنے کے بعد زید نے اپنی بہنوں اور ساتھیوں کے مشورے سے شادی کر لی، شادی کے بعد سے بیٹے بکر سے کشیدگی اور بڑھ گئی اور اس نے اپنے والد کے ساتھ اپنی پھوپھیوں سے بھی تعلقات ختم کر لئے، جنہوں نے زید کی شادی کرانے میں تعاون کیا تھا۔

اور اب اس وقت کی صورت حال یہ ہے کہ زید نے اپنا ایک چھوٹا سا کاروبار کر لیا ہے اور ایک مختصر سی پونجی بھی بنالی ہے، اور زید کی یہ خواہش ہے کہ میری جو مختصر سی پونجی ہے، میرے نہ رہنے کے بعد میری موجودہ بیوی اور تین لڑکیاں (جن میں ایک کسی اسکول کی معلّمہ ہے، اس سے ان کا خرچ چلتا ہے) اس کی مالک بن جائیں، بکر اس میں سے کچھ بھی نہ لے سکے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ عمل (کہ میرے نہ رہنے کے بعد میری

پونجی سے بیٹے بکر کو کچھ نہ ملے) ازروئے شرع کیسا ہے؟ جبکہ زید کا پچھلا پورا کاروبار مع دوکان اور پوری پونجی بکر زبردستی لے چکا ہے، اس میں سے نہ زید کو کچھ دیا اور نہ ہی اپنی بہنوں کو، کیا شرعی اعتبار سے اس کاروبار میں زید اور اس کی بیٹیوں کا کوئی حق نہیں ہے؟ یہ بھی واضح فرمائیں کہ ۳۴ رکڑی زمین جو زید نے اپنے سے خریدی تھی، صرف رجسٹری بکر کے نام تھی، اس زمین میں زید کی بیوی اور بیٹیوں کا حصہ نہیں؟ جبکہ زید نے بیٹے بکر کو اس کا مالک نہیں بنایا ہے۔ نیز زید جس مکان میں مقیم ہے، وہ تقریباً ۷۰ رکڑی ہے، زید اس میں اپنا حصہ ۱۰ رکڑی رکھنا چاہتا ہے، اس کی کیا صورت اختیار کرنی چاہئے؟ برائے مہربانی ان تمام مسائل کو ازروئے شرع واضح فرمائیں۔

المستفتی: شیر احمد ابن انور حسین، مؤناتھ بھنجن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکر بیٹا اپنے باپ زید کی دوکان، زمین اور جن پونجیوں پر قبضہ کر کے اپنا کاروبار چلا رہا ہے، شریعت میں یہ ساری پونجی، دوکان، کاروبار وغیرہ سب کا مالک باپ ہی ہے؛ لہٰذا باپ کے مرنے کے بعد ان سب چیزوں میں بیٹا بکر اور زید کی بیوی اور اس کی تمام بیٹیاں شرعی طور پر میراث کے حقدار ہوں گے۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ، فالكسب كله للأب، إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت، فهو بينهما بالسوية، كراچي ٤/٣٢٥، زكريا ٦/٥٠٢، هندية، زكريا قديم ٢/٣٢٩، جديد ٢/٣٣٢)

لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم، ونما المال فهو بينهم سوية، وإن اختلفوا في العمل والرأي، وقدمنا أن هذا ليس شركة مفاوضة مالم يصرحا بلفظها، أو بمقتضياتها مع استيفاء شروطها، ثم هذا في غير الابن مع أبيه. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحد...... زكريا ٦/٥٠٢)

اور زید نے ۳۴ رکڑی زمین اپنے پیسے سے خریدتے وقت رجسٹری میں بکر کا نام جوڑ الا ہے، اس نام کے ڈالنے سے بکر اس کا مالک نہیں ہوگا اور شریعت میں ایسے عقد کو بیع تلجیۂ کہا جاتا ہے؛ لہٰذا یہ بھی باپ زید ہی کی ملکیت میں شمار ہوگی اور زید کے مرنے کے بعد اس کے تمام وارثین میں میراث کے طور پر تقسیم ہوجائے گی۔

التلجئة هي العقد الذي ينشئه لضرورة أمر فيصير كالمدفوع إليه، وإنه على ثلاثة أضرب أحدها: أن تكون في نفس البيع وهو أن يقول لرجل: إني أظهر أني بعت داري منك وليس ببيع في الحقيقة ويشهد على ذلك، ثم يبيع في الظاهر فالبيع باطل. (هندية، كتاب البيوع، الباب العشرون في البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة، زكريا قديم ٣/٢٠٩، جديد ٣/١٩٦، شامي، زكريا ٧/٥٤٢، كراچي ٥/٢٧٣، بدائع الصنائع، زكريا ٤/٣٨٩، كراچي ٥/١٧٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العملية بيروت ٢٤/١٢٢)

اور باپ کا یہ کہنا کہ ۷۰ رکڑی مکان میں سے ۱۰ رکڑی لینا چاہتا ہے، اس کو اس کی ضرورت نہیں ہے، شریعت میں پورا مکان اسی کا شمار ہوگا، جب تک باپ زندہ ہے، اس وقت تک اس کے وارثین میں سے کسی کو کسی چیز میں مالکانہ تصرف کا حق نہیں ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن رجلاً أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله! إن لي مالاً وولداً، وإن والدي يحتاج مالي، قال: أنت ومالك لوالدك. (أبوداؤد شريف، باب في الرجل يا كل من مال ولده، النسخة الهندية ٢/٤٩٨، دارالسلام رقم: ٣٥٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رصفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۹۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۲۱ھ

فیملی کا رہن سہن الگ ہو، تو آپسی شرکت کا حکم

سوال[٨٩٠٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (١) زید بسلسلہ تجارت اپنا شریک کار اپنی بالغ اولادوں میں سے کسی ایک کو ١/٢ یا ١/۴ کا بنا سکتا ہے یا نہیں؟

(٢) اگر بنا دیا ہے تو کیا اولاد مذکور بنائے ہوئے حصہ کا مالک ہوسکتی ہے؟

(٣) مذکورہ متعینہ حصہ کا کل یا بعض اگر والد یا اولاد لے لے، تو حقوق العباد میں گرفتار ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: محبوب عالم، بیکن گنج کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (٣/٢/١) اگر بالغ اولاد کی فیملی اور رہن سہن کھانا پینا سب باپ سے الگ ہے، تو شرکت کا مذکورہ معاملہ درست ہے اور اولاد متعینہ حصہ کی مالک بھی ہوسکتی ہے اور اس معاملہ کو صحیح رکھنا بھی لازم ہوگا اور حسب معاملہ حصہ بھی تقسیم کرنا ہوگا اور اگر واقعہ ایسا نہیں ہے؛ بلکہ اولاد کی فیملی باپ کے ساتھ ہی ہے، تو یہ شرکت کا معاملہ شرعاً لغو ہے اور رأس المال اور منافع سب کا مالک باپ ہی ہوگا اور بیٹے کو باپ کا معین و مددگار شمار کیا جائے گا اور بیٹا صرف روزینہ خوراک کا حقدار ہوسکتا ہے، کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا اور پورے سرمایہ میں باپ اپنے اختیار سے جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے بیٹے کو اعتراض کا حق نہ ہوگا۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ، فالكسب كله للأب، إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينًا له.

(شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت ،

فهو بينهما بالسوية، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچي ٤/ ٣٢٥، هندية، زكريا قديم ٢/ ٣٢٩، جديد ٢/ ٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۳۸۹/۲۵)

باپ کی موت کے بعد اولاد کا مشترکہ کاروبار

سوال [۸۹۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اسلام میں مشترکہ خاندان کی کیا حیثیت ہے، جس کو انگریزی میں جوائنٹ فیملی کہتے ہیں اس کی ممانعت کرتا ہے یعنی مشترک قیام وطعام وتجارت شرعاً منع ہے؟

(۲) بعض کا یہ کہنا ہے کہ شریعت نے آزاد رکھا ہے، مشترک خاندان کا پابند نہیں بنایا ہے؟

(۳) ایک تیسرا نظریہ یہ ہے کہ فقہاء نے کچھ حدود وقیود کے ساتھ اجازت دی ہے، عرض یہ ہے کہ تفصیل سے بیان کیا جائے کہ شریعت کا اصل حکم کیا ہے؟ مثلاً ایک باپ کی چار اولادیں ایک ساتھ رہنا چاہتی ہیں، مال، آراضی، تجارت میں سب کے سب اشتراک کے خواہشمند ہیں، تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی صورت کیا ہوگی؟ اگر ایک لڑکا نابالغ ہے، تو پھر اس کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: احمد نصر، غفرلہ، مدرسہ عربیہ امدادیہ بنارس کینٹ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذہب اسلام نہ تو جوائنٹ فیملی کی مخالفت کرتا ہے اور نہ ہی مشترک خاندان کا پابند بناتا ہے؛ بلکہ مذہب اسلام افراط وتفریط سے قطع نظر ہمیشہ اتحاد واتفاق، میل ومحبت اور اخوت وبھائی چارگی کی تعلیم دیتا ہے؛ لہٰذا اگر ایک باپ کی چند اولاد ایسی رضا مندی سے ایک ساتھ رہنا چاہیں اور قیام وطعام اور مال، آراضی، تجارت میں

سب کے سب بخوشی اشتراک کے خواہشمند ہوں، تو یہ جائز اور درست ہے؛ البتہ تمام اموال اور نفع ونقصان میں سب برابر شریک ہوں گے، اگر ان میں سے کوئی اولاد نابالغ ہو، تو بالغ اولاد پر ضروری ہے کہ سب مل کر اس کی شادی بیاہ وغیرہ کا انتظام کریں؛ کیونکہ باپ اور دادا کی عدم موجودگی میں بالغ اولاد ولی نکاح ہوتی ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۸۲۱، ۵۳۸، فتاوی محمودیہ ۱۰/۳۲۴، جدید ڈابھیل ۲۰/۳۰۹، فتاوی دارالعلوم ۸/۳۶، عزیز الفتاوی ۴۲۹)

وكذلك لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم ونما المال، فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا في العمل والرأي. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت......، زكريا ٦/٥٠٢، كراچي ٤/٣٢٥، مصري ٣/٣٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۴۲۹)

والد صاحب کی موت کے بعد مشترکہ کاروبار کی آمدنی کی تقسیم کا تناسب

سوال [۸۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ والد صاحب نے ایک دوکان بوقت انتقال چھوڑی، جس پر کرایہ دار قابض تھا، میں نے کافی رقم دے کر مقدمہ کر کے حاصل کی اور کسی بھائی نے کوئی پیسہ نہیں دیا، میں نے پھر ایک مکان خریدا، اس میں بھی کسی بھائی نے کوئی روپیہ پیسہ نہیں دیا، گھر کا کل خرچ بھی میں ہی کرتا رہا؛ جبکہ سب بھائی بہن ایک ہی گھر میں ایک ساتھ کھاتے پیتے تھے۔

اب وراثت کی تقسیم کا مسئلہ ہے، تو کس میں وراثت جاری ہوگی، کس میں نہیں؟ میں نے مکان کی رجسٹری میں بھائیوں کا نام بھی ڈلوادیا تھا۔

المستفتی: غلام نبی، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والد ہی کے زمانے سے چونکہ آپ اورآپ کے بہن بھائی ایک ہی فیملی میں رہتے تھے، اور بعد میں بھی ایک فیملی میں رہے اور ایک فیملی میں رہنے والے بھائی بہن ایک دوسرے کی آمدنی وکمائی میں برابر کے حصہ دار ہوتے ہیں؛ اس لئے آپ کے بھائی بہن دوکان اورمکان میں حسب حصص شرعیہ حقدار ہیں اورآپ ان بھائیوں کی تمام آمدنی اورکمائی میں برابر کے حصہ دار ہیں؛ ہاں البتہ اگرآپ اپنی فیملی کو بھائی بہنوں سے الگ کر لیتے ان کا چولہا الگ اورآپ کا الگ ہوتا، ان کا خرچہ الگ آپ کا الگ ہوتا، پھراس علیحدگی کی صورت میں آپ اپنی کمائی سے کوئی جائیدادا ورسرمایہ اکٹھا کرتے، تواس میں آپ کے بھائی بہن کا حصہ نہ ہوتا؛ لیکن آپ کا واقعہ ایسا نہیں ہے؛ اس لئے جو کچھ بھی جائیدادوسرمایہ آپ کی نمائندگی سے ایک فیملی میں رہ کراکٹھا ہوا ہے، اس میں آپ کے سب بھائی بہن شریک ہوں گے۔ (مستفاد: احیاء العلوم ۱/۳۳۵)

لو اجتمع إخوة یعملون في ترکة أبیهم ونماء المال، فهو بینهم سویة، ولو اختلفوا في العمل والرأي. (شامي، کتاب الشرکة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واکتسبا ولایعلم التفاوت، فهو بینهما بالسویة، زکریا ۶/۵۰۲، کراچي ۴/۳۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۳۵۵)

والد کی دوکان میں شرکت اورمنافع کی تقسیم کا حکم

سوال [۸۹۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی افضل کے پاس دو دوکانیں اورتین لڑکے ۱. عبد المجید ۲. یوسف ۳. صدیق ہیں۔

حاجی افضل نے اپنی زندگی ہی میں ایک دوکان عبدالمجیداور دوسری دوکان یوسف اورصدیق کے نام کردی تھی نیز نقدی رقم یوسف کو دے دی تھی، اب اسی دوکان میں یوسف اورصدیق مشترکہ طور پر کام کرتے رہے، پھر۱۹۹۲ء میں صدیق اپنی رضا مندی سے دست بردار ہوگئے، اس کے باوجود یوسف اپنی دوکان پر صدیق کو بیٹھاتے رہے اور ساتھ میں صدیق کالڑکا عارف بھی اس دوکان میں آتا رہا۔

۱۹۹۹ء میں یوسف کا انتقال ہوگیا، اب یوسف کی جگہ ان کے انتقال کے بعد یا پہلے سے ان کے لڑکے فاروق کا نام درج ہے؛ لیکن فاروق نے اس دوکان سے قبضہ چھوڑ دیا اور فاروق کے بھائی مستقیم کی آمدورفت جاری رہی، اب اسی دوکان کے منافع سے صدیق نے ۱۰/لاکھ قرضہ ادا کیا اور دو دوکانیں مزید خریدلی ہیں اور یوسف کے گھر اس دوکان سے سوائے غلہ کے کچھ نہیں آتا۔اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالاصورت میں ازروئے شرع اس دوکان میں یوسف کی اولاد کا بھی کچھ حصہ ہے یانہیں؟ نیز صدیق نے مزید دودوکانیں خریدلی ہیں اور ۱۰/لاکھ قرضہ ادا کیا ہے، اس میں بھی اولادیوسف کا حصہ ہے یانہیں؟ اگر ہے تو کتنا ہے؟

المستفتی: محمدعظمت علی آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یوسف اورصدیق کو باپ نے دوکان کا برابر کا حصہ دار بنایا؛ اس لئے اس دوکان کی مالیت اور قیمت میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے؛ لہٰذا اگر دوکان تقسیم کی جائے تو دونوں کو آدھا آدھا حصہ ملے گا یا آدھے آدھے حصہ کی قیمت ملے گی اور جب تک دونوں مشترکہ طور پر دوکان چلاتے رہیں گے،تو جونفع ہوگا وہ کاروبار کرنے والے کو ملے گا؛ البتہ دوسرے کوآدھی دوکان کا کرایہ وصول کرنے کا حق ہوگااوراگرایسی شکل ہے کہ جس وقت ایک نے دست برداری دیدی تھی، اس وقت دوکان میں جوسامان تھا، اس میں دونوں کا برابر حصہ رہا ہے اور پھر بعد میں ایک نے کاروبار بڑھایا اور دوسرا کاروبار میں دخیل نہیں رہا ہے اور معاملہ بھی آپس میں طے اور صاف نہیں کیا ہے،تو دوکان میں

جوسرمایہ دوسرے کا تھا، اس کے سہارے کام کرنے پر منافع میں سے اس کو کتنا ملے گا؟ تو ایسی صورت میں یہ معاملہ شرعی طور پر فاسد معاملہ ہے جو شرعاً نا جائز ہے، اس کے لئے واحد حل یہ ہے کہ دونوں فریق کے لوگ آپس میں بیٹھ کر مصالحت اور صلح کرلیں کہ کس کو کتنا کتنا ملے گا؛ اس لئے کہ دوکان کا بھاری نفع جس سے قرضہ ادا کیا گیا ہے، اور جس سے دوکانیں خریدی گئی ہیں، یہ صرف ایک شخص کی محنت سے ہوا ہے، دوسرے شخص کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔

لو تصرف أحد الورثة في التركة المشتركة وربح فالربح للمتصرف وحده. (عالمگيري، كتاب الشركة، باب المتفرقات، زكريا قديم ٣٤٦/٢، جديد ٣٤٣/٢)

وما حصله أحدهما أي بدون عمل من الآخر فله وما حصلاه معا فلهما نصفين و ما حصله أحدهما بإعانة صاحبه فله ولصاحبه أجر مثله. (درمختار مع الشامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا و لايعلم التفاوت، فهو بينهما بالسوية، زكريا ٥٠٢/٦، كراچي ٣٢٥/٤)

الصلح جائز بين المسلمين. زاد أحمد: إلا صلحا أحل حراماً، أوحرم حلالاً. (أبوداؤد شريف، كتاب القضاء، باب في الصلح، النسخة الهندية، ٥٠٦/٢، دارالسلام، رقم: ٣٥٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۸۰۳/۳۷)	۱۴۲۶/۵/۵ھ

فیملی کے نام خریدی گئی زمین میں تعمیر کے خرچہ کا تناسب

سوال [۸۹۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عظمت اللہ، حشمت اللہ اور حکمت اللہ یہ تینوں حقیقی بھائی ہیں، تینوں ایک ساتھ رہتے تھے، اور تینوں کا ایک ہی فیملی میں کھانا پینا ایک ساتھ تھا، اور ان میں سے حشمت

اللہ معذور رہا اور عظمت اللہ بھی معذور رہے، یہ دونوں شادی شدہ تھے اور اپنے اپنے معذوری کے زمانہ میں عظمت اللہ اور حشمت اللہ چھلائی کا کام کرتے تھے، اور حکمت اللہ دن میں ڈھلائی کا کام کرتا تھا اور رات میں ہوٹل میں بھی بیٹھتا تھا، حکمت اللہ کی آمدنی سب سے زیادہ تھی اور عظمت اللہ اور حشمت اللہ کی آمدنی اقل قلیل تھی؛ لیکن تینوں ساتھ ہی رہتے تھے، اس دوران حکمت اللہ کی آمدنی کا پیسہ زیادہ آیا اور اس پیسہ سے حکمت اللہ نے ایک زمین خریدی؛ چونکہ تینوں بھائی ساتھ رہتے تھے: اس لئے اس زمین میں تینوں بھائیوں کا نام ڈال دیا، اس کے بعد عظمت اللہ کا انتقال ہوگیا، پھر اس کے بعد حشمت اللہ کا بھی انتقال ہوگیا اور حکمت اللہ اب بھی زندہ ہے، حکمت اللہ اب یہ کہتا ہے کہ دونوں بھائیوں کا نام ان کے دل کو خوش کرنے کے لئے ڈلوایا تھا، شرعی حکم اس کے بارے میں کیا ہے؟ اس مکان میں صرف حکمت اللہ کا حق ہے یا تینوں بھائیوں کا؟

نیز تینوں بھائیوں کی شرکت کے زمانہ میں اس زمین پر ایک کمرہ اور ایک برآمدہ بنایا، پھر جب عظمت اللہ کا انتقال ہوا، تو حکمت اللہ نے ایک اور کمرہ بنایا، پھر اس کے بعد پوری عمارت کے اوپر دوسری منزل بھی بنائی، اب ان حالات کے اندر اس زمین میں سے دوسرے بھائیوں کا حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: حکمت اللہ، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مشترک رہائش کے زمانہ میں جب کہ سب لوگ ایک فیملی میں تھے، اس وقت جو زمین سب کے نام سے خریدی گئی ہے، اور اس پر تعمیر ہوئی ہے، اس میں شرعاً سب بھائی برابر کے شریک ہوں گے، چاہے اس میں کسی کی کمائی کا پیسہ زیادہ ہو یا کم ہو۔ (مستفاد: فتاوی احیاء العلوم ۱/۳۳۵، احسن الفتاوی ۴/۳۲۵، امداد المفتیین ۲/۸۲۱)

لو اجتمع أخوة يعملون في تركة أبيهم ونما المال، فهو بينهم سوية،

ولو اختلفوا في العمل والرأي. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت، فهو بينهما بالسوية، زكريا ٦/ ٥٠٢، كراچي ٤/ ٣٢٥)

اور عظمت اللہ کے انتقال کے بعد حکمت اللہ نے جو کمرہ اور دوسری منزل اپنے الگ پیسہ سے تعمیر کی ہے، اس کے خرچہ کو تینوں فریقوں پر برابر ڈالا جائے گا، اور اس کمرہ اور منزل میں تینوں فریق برابر کے شریک ہوں گے، دوسرے شرکاء سے ان کے حصہ کا پیسہ وصول کرلیا جائے۔

ومن بنیٰ أو غرس في أرض غيره بغير إذنه. (در مختار) قال الشامي: تحته فلو بإذنه فالبناء لرب الدار ويرجع عليه ابما أنفق. (شامي، كتاب الغصب، زكريا ٩/ ٢٨٣، كراچي ٦/ ١٩٤)

إذا كانت الأرض تنقص بالقطع كان لصاحب الأرض ان يضمن للغاصب قيمة البناء والغرس ويكونان له. (البحر الرائق، كتاب الغصب، زكريا ٨/ ٢١٣، كوئٹہ ٨/ ١١٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۸؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍ ۶۶۲۱)	۲۹؍ ۴؍ ۱۴۲۱ھ

بھائیوں کی مشترکہ آمدنی کی شرعی تقسیم

سوال [۸۹۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چھ بھائیوں نے آپس میں کاروبار شروع کیا، اور چھ کے چھ نے کمایا اور ہر ایک کے پاس ایک ایک دوکان ہوگئی اور ساری کمائی مشترکہ طور پر ایک جگہ جمع ہوتی رہی اور اس کمائی کے پیسہ سے دیگر زمین جائیداد بھی خریدی گئی، یہ سلسلہ چلتا رہا اور کاروبار بڑھتا رہا، ایک عرصہ کے بعد بھائیوں میں اختلاف شروع ہوگیا، یہاں تک کہ علیحدگی کی نوبت آگئی، جب الگ ہونے کی نوبت آئی تو طے ہوا کہ ہر ایک اپنی اپنی دوکانوں کا حساب پیش کردے؛

چنانچہ چھ میں سے تین بھائیوں نے اپنی اپنی دو کانوں کا حساب پیش کر دیا اور تین بھائیوں نے حساب پیش نہیں کیا، تو جن تین بھائیوں نے حساب پیش کیا ہے، انہوں نے ساری زمین جائیداد کو آپس میں تقسیم کرلیا، اور جنہوں نے حساب پیش نہیں کیا ہے، ان کو دیگر زمین جائیداد اور زیورات رقوم وغیرہ میں حصہ دار نہیں بنایا۔

اب مفتی صاحب سے سوال ہے کہ یہ شریعت کے مطابق ہوا یا نہیں ہوا؟ اگر نہیں ہوا تو شریعت کے مطابق ہونے کیلئے کوئی صورت واضح فرمائیں۔

المستفتی: مولانا عبدالمنان، استاذ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب چھ بھائیوں کی مشترکہ محنت اور مشترکہ کمائی ہے اور سب کے کمائی کی رقم مشترکہ اور مخلوط طور پر ایک جگہ جمع ہوتی رہی اور اسی رقم سے دیگر جائیداد وغیرہ خریدی گئی ہے، تو ایسی صورت میں شرعی طور پر چھ کے چھ بھائی سارے کاروبار اور آمدنی اور ایک ایک پیسے میں برابر کے شریک اور برابر کے حقدار ہوں گے؛ لہٰذا جب اختلاف کی وجہ سے علیحدگی کی نوبت آگئی ہے، تو ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ اپنی اپنی دوکان و دیگر سرمایہ سے متعلق ایماندارانہ طور پر حساب پیش کریں، اس کے بعد سب چیزیں برابر چھ حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کو الگ الگ حصہ دیدیا جائے اور سوال نامہ میں ذکر کردہ واقعہ میں ایسا نہیں ہوا؛ بلکہ تین بھائیوں نے حساب پیش کر دیا اور تین نے پیش نہیں کیا؛ لہٰذا جن تین بھائیوں نے اپنی دوکانوں کا حساب پیش نہیں کیا ان پر حساب پیش کرنا لازم ہے اور جن تین بھائیوں نے حساب پیش کر دیا، ان کا حساب پیش کرنے تک کا معاملہ درست ہے، مگر ساری جائیداد اور زیورات و رقوم وغیرہ انہیں تین بھائیوں نے آپس میں جو تقسیم کرلیا اور حساب پیش نہ کرنے والوں کے حصوں کو دبا لیا ہے یہ غلط ہوا؛ لہٰذا جن تین بھائیوں نے اب تک حساب پیش نہیں کیا، جب وہ اپنی دوکانوں کا حساب پیش

کردیں گے، تو ان کا جو حصہ جائیداد اور رقوم وزیورات وغیرہ میں ہے ان کو دینا لازم اور واجب ہوجائے گا ورنہ حساب پیش کرنے والے مال کے غصب کرنے کے حکم میں شامل ہوجائیں گے اور جنہوں نے حساب پیش نہیں کیا ہے، ان پر حساب پیش کرنا بھی واجب ہے ورنہ وہ بھی گنہگار رہوں گے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ١٤/ ١٨٤)

إن كل واحد من الشريكين كأنه أجنبي في نصيب صاحبه لا يجوز له التصرف فيه بغير إذنه. (بدائع الصنائع، كتاب الشركة، كراچي ٦/ ٦٥، شرح المجلة رستم باز اتحاد ١/ ٦٠١، مادة: ١٠٧٥، مجمع الأنهر ٢/ ٥٤٣، الفقه الإسلامي و أدلته، دارالفكر ٥/ ٣٨٧٨، هدى انٹر نيشنل ديو بند ٤/ ٥٨٩)

يلزم رد المغصوب عينا؛ لأن الغاصب بالأخذ فوت على المالك اليد وهي مقصودة؛ لأن المالك يتوصل بها إلى تحصيل ثمرات الملك من الانتفاع، فيجب نسخ فعله دفعاً للضرر عنه. (شرح المجلة رستم باز ١/ ٤٨٨، مادة: ٨٩٠)

فإن كان من القيميات يلزم الغاصب قيمته في زمان الغصب ومكانه، وإن كان من المثليات يلزم إعطاء مثله. (شرح المجلة رستم باز ١/ ٤٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/ شعبان المعظم ١٤٣٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٤١/ ١١٦٤١)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣٥/٨/١٧ھ

بھائیوں کی مشترکہ کمائی سے خریدی گئی زمین کا حکم

سوال [٨٩١٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبداللہ، عبدالکریم، عبدالمجید، پیارے چاروں بھائی ایک ساتھ رہتے تھے

اورتمام معاملات کمائی وغیرہ ایک ساتھ ملی جلی تھی،عبداللہ سربراہ تھا،اس نے ۱۹۱۹ء میں ۷۵ر گز زمین عمارتی بذریعہ بیع نامہ اقراری مسماۃ عزیزاً بحق خود خریدی اوراس کے بعد عبداللہ ہی نے ایک اورقطعہ آراضی رقبہ ۱۷۵رگز زمین ۱۹۱۰ء میں بذریعہ بیع نامہ اور مسماۃ ننھی بحق خود خریدی، اس کے بعد ۱۹۱۷ء میں ایک اور قطعہ آراضی رقبہ ۷۰۰رگز بنام عبداللہ وعبدالکریم وعبدالمجید و پیارے ہر چہار برادران خریدی گئی۔اب یہ مذکورہ جائدادان کے درمیان کس طرح تقسیم ہوسکتی ہے؟ اوراس جائداد کا کون کون حقدار ہے،کل جائداد ملاکر ۹۵۰ گز زمین ہے۔

المستفتی: چھوٹو ولد عبدالمجید، چھوٹی منڈی اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب چاروں بھائی ایک ساتھ کمائی،آمدنی وغیرہ سب میں شریک ہیں،تو اس دوران جو بھی کوئی چیز خریدے گا، وہ سب کے درمیان شرعاً مشترک ہوا کرے گی؛ لہٰذا صورت مذکورہ میں تین قسطوں میں خریدی ہوئی ۹۵۰ گز آراضی چاروں بھائیوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگی۔

كما استفاده من الشامي: يؤخذ من هذا ما أفتى به في الخيرية: في زوج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة، وأخذ كل منهما تكسب على حدة ويجمعان كسبهما، ولايعلم التفاوت ولا التمييز، فأجاب بأنه بينهما سوية.

(شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا و لايعلم التفاوت، فهو بينهما بالسوية، زكريا۶/۵۰۲، كراچي ۴/۳۲۵، كوئٹہ ۳/۳۸۳)

لہٰذا درج ذیل طریقے سے تقسیم ہوگی۔

مسئلہ ۴ر ۹۵۰رگز زمین

میت

عبداللہ	کریم اللہ	عبدالحمید	پیارے
۱	۱	۱	۱
۲۳۷	۲۳۷	۲۳۷	۲۳۷

۹۵۰ رگز آراضی چار سہام میں تقسیم ہو کر ہر بھائی کو ۲/۴-۲۳۷ گز کے حساب سے ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/۶۲۴۵)

مشترکہ زندگی میں ایک بھائی کے پیسے سے خریدی گئی زمین میں شرکت کا تناسب

سوال [۸۹۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو بھائی ہیں دونوں ایک میں رہتے ہیں، ایک بھائی نے اپنے ذاتی پیسوں سے زمین خریدی اور دوسرے بھائی کا نام بھی اس میں ڈلوادیا، اور جس بھائی کا نام اس میں ڈلوایا ہے، اس بھائی نے اس زمین کی خریداری میں کچھ بھی پیسہ نہیں دیا ہے، تو کیا اس بھائی کا حق جس نے پیسہ نہیں دیا، اس زمین میں ثابت ہوجائے گا؟ کیا اگر خریدتے وقت بھائی نے دینے کی نیت کی ہو، تو کیا نیت کی وجہ سے حق ثابت ہوگا یا نام ڈالوانے کی وجہ سے ثابت ہوگا؟ یا ایک میں خریدنے کی وجہ سے حق ثابت ہوگا؟ تینوں صورتوں کو تفصیل سے لکھدیں یا کسی اور وجہ سے ان کا حق ثابت ہوگا؟

المستفتی: شہاب الدین، ماہل اعظم گڑھ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دونوں بھائی ایک ساتھ رہتے ہیں اور مشترکہ زندگی میں ایک بھائی کے پیسہ سے دونوں بھائی کے نام زمین خریدی گئی ہے، تو ایسی صورت میں دونوں بھائی اس زمین میں برابر کے شریک ہیں؛ اس لئے بعد میں تنازع اور اختلاف کی وجہ سے یہ مسئلہ کھڑا کرنا درست نہیں ہے کہ ایک کا پیسہ لگا تھا، دوسرے کا پیسہ نہیں لگا ہے؛ بلکہ اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ جس کا پیسہ لگا ہے، اس نے اپنی خوشی اور اپنی

مرضی سے دوسرے کا نام ڈلوا کر اس کو شریک کیا ہے؛ اس لئے خریداری کے وقت جس طرح دونوں کی شرکت تھی اختلاف اور تنازع کے وقت بھی دونوں کی شرکت اسی طرح باقی رہے گی۔

شركة ملك وهي أن يملك متعدد اثنان فأكثر عيناً...... كما لو اشترىٰ شيئاً، ثم اشترك فيه آخر. (در مختار، كتاب الشركة، زكريا ٤٦٦/٦، كراچي ٢٩٩/٤)

سئل والدي...... قال لأجنبي: أشركتك في نصيبي مما اشتريت، هل يثبت له فيها شركة؟ فقال: لا نثبت فيهما شركة عقد، ويصير شريكاً شركة ملك له. (تاتارخانية، زكريا ٤٧٣/٧، رقم: ١٠٩١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۷۹۰)

مدد کی غرض سے کاروبار میں شریک کئے گئے بھائیوں کے حصہ کا تناسب

سوال [۸۹۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بڑے ہونے کے بعد ٹرانسپورٹ کمپنی میں ملازمت شروع کی، پھر اس کے بعد اس نے خود ٹرانسپورٹ کی ایک کمپنی قائم کی، اس میں والد صاحب کی طرف سے کسی قسم کا تعاون نہیں تھا، اپنی کمائی کے پیسہ ادھار یا قرض لے کر کام شروع کیا اور کسی بھی بھائی کا کسی قسم کا مالی تعاون اس میں نہیں رہا، پھر اس نے اپنے دو بھائیوں کو کام میں لگالیا اور دونوں بھائیوں میں سے کسی کا کوئی پیسہ اس میں نہیں لگا، گاؤں کے رہنے والے ہیں، گاؤں میں معمولی کھیتی باڑی سے گذارہ ہوتا ہے، اور اس نے اپنے بھائیوں کو ساتھ لگا کر خوشحالی کے انداز سے اسی کاروبار سے سب پر خرچ کیا، بھائیوں اور بہنوں کی شادیاں بھی اس کاروبار سے ہوئیں اور بھائیوں کو ساتھ لگاتے وقت کسی قسم کی شراکت وغیرہ کا معاہدہ نہیں ہوا، اور ضرورت کے مطابق خرچہ کا پیسہ سب بھائیوں اور بہنوں کو دیا جاتا رہا۔

اب سوال یہ ہے کہ جب بھائیوں میں سے کوئی الگ ہونا چاہے، تو اس کو زید کے کاروبار میں سے حصہ کا مطالبہ کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ جبکہ ان کا کوئی پیسہ کاروبار میں نہیں لگا ہوا ہے۔

(۲) اگر کاروبار میں حصہ داری نہیں ہے، تو ان کو بطور اجرت کچھ دینے کا کیا طریقہ ہوگا؟ جبکہ اجرت کے اعتبار سے جو پیسہ ماہانہ یا سالانہ ہونا چاہئے، اس سے زیادہ مقدار کا پیسہ ان کو دیا جاتا رہا ہے، جو بھی شریعت کا حکم ہو واضح طور پر تحریر فرمایئے۔

المستفتی: محمد عیاض مرول بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جو کمپنی اپنی کمائی ہوئی رقم سے قائم کی ہے، اور اس میں اس کے بھائیوں میں سے کسی کا کوئی پیسہ نہیں لگا ہے، تو اس کمپنی کا مالک تنہا زید ہی ہے اور اپنے جن بھائیوں کو اس نے اپنے ساتھ لگا لیا تھا، ان کے لئے زید کا کاروبار سے الگ ہونے کی صورت میں حصہ کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے؛ البتہ وہ اجرت مثل کے حقدار ہوں گے اور اب تک جو بھائیوں کو پیسہ دیا گیا ہے، اس کا حساب لگالیں، اگر اجرت مثل یا اس سے زائد دیا گیا ہے، تو الگ ہوتے وقت بھائیوں کو نہ تجارت میں کوئی حصہ ملے گا اور نہ پیسہ ملے گا اور اگر اب تک دی گئی رقم اجرت مثل سے کم ہے، تو جتنا کم ہے الگ ہونے والا بھائی اتنے کا مستحق ہوسکتا ہے، اس سے زائد مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے، اس سے دونوں سوالوں کا جواب واضح ہو چکا ہے۔

فلو كل المال لأحدهما، فللآخر أجر مثله كمالو دفع دابته لرجل ليؤجرها، والأجر بينهما فالشركة فاسدة، والربح للمالك وللآخر أجر مثله وكذلك السفينة والبيت ولو لبيع عليها البر فالربح لرب البر وللآخر أجر مثل الدابة (وتحته في الشامية) حاصله أن الشركة الفاسدة إما بدون مال أوبه من الجانبين، أو من أحدهما......والثالثة لرب المال وللآخر أجر

مثله. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا و لايعلم التفاوت، فهو بينهما بالسوية، زكريا ٦/ ٥٠٣، كراچي ٤/ ٣٢٥-٣٣٦)

ومثل ذلك السفينة وأدواتها، والخمس لصاحب السفينة، والباقي بينهم بالسوية، فالشركة فاسدة و الحاصل لصاحب السفينة وعليه لهم أجر مثلهم. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ٢/ ٧١٩، تحت رقم المادة:١٣٤٤)

فلو كل المال لأحدهما كدابة، أو كسفينة، أوبيت، أودابة دفعها لرجل ليؤجرها (على) والأجر بينهما فالشركة فاسدة، والربح للمالك وللآخر أجر مثله. (الدر المنتقىٰ مع مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰ ر ۱۱۳۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۱/ ۱۴۳۵ھ

چھوٹے بھائی کا بڑے بھائی کی کل جائیداد میں شرکت کا دعویٰ کرنا

سوال [۸۹۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی غلام نبی صاحب سورت (گجرات) میں بھینسوں کا کاروبار کرتے تھے، ان کا ایک بیٹا (ایوب) دسویں کے امتحان کے بعد ان کے ساتھ کاروبار میں ہاتھ بٹانے لگا، جس وقت ایوب کاروبار میں لگا، اس وقت والد صاحب مقروض تھے، ایوب کاروبار میں لگنے کے بعد کاروبار کی ساری ذمہ داری نبھانے لگا، ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۸ء تک خوب محنت اور لگن کے ساتھ ایوب نے والد صاحب کا ساتھ دیا، پھر بھی والد صاحب قرضہ کے بار سے سبکدوش نہیں ہو پائے، تو ایوب نے کہا کہ کاروبار کا حساب وکتاب میرے حوالے کردیجئے؛ لیکن والد صاحب نے انکار کردیا اور یہ کہا کہ اگر تجھے کاروبار کرنا ہے، تو اپنا الگ کاروبار کر؛ چنانچہ

ایوب اپنے والد کے کاروبار سے الگ ہوگیا، ۱۹۸۶ء میں ایوب کا نکاح ہوا تھا؛ تقریباً دو سال تک وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ والد صاحب کے مکان ہی میں سکونت پذیر رہے؛ لیکن ۱۹۸۸ء میں جب ایوب اور ان کے والد صاحب کے درمیان کاروبار کے سلسلہ میں ان بن ہوئی، تو اسی وقت وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مکان سے بھی علیحدہ ہوگئے، اس وقت والد صاحب نے سونے کی ایک انگوٹھی (تقریباً ایک تولہ) ایوب کو دی تھی، اس کے علاوہ اور کوئی مدد نہیں کی تھی، بعدازاں ایوب نے لوگوں سے ادھار روپیہ لے کر اپنا کاروبار شروع کیا (سورت میں) اسی کاروبار کی بدولت انہوں نے والد صاحب کا قرضہ بھی ادا کیا، بعدہ انہوں نے والد صاحب کو ان کے کاروبار سے بھی فارغ کردیا۔

تقریباً تین سال بعد اپنے چھوٹے بھائی (عبدالقیوم) کے اصرار پر اسے بھی سورت اپنے پاس بلالیا، اور اسے دودھ دوہ کر خریدار تک پہنچانے کی ذمہ داری سپرد کی اور اس کی تمام ترضروریات کی کفالت ایوب ہی کرتا رہا، اسی طرح دوسرے رشتہ داروں کو بھی ایوب کام کے لئے رکھتا رہا اور ان کو ماہانہ تنخواہ بھی دیتا رہا، اسی طرح چند سال گزر چکے اور والد صاحب کا انتقال ہوگیا، اس کے چند سال بعد چھوٹے بھائی عبدالقیوم نے دعویٰ کیا کہ بھائی ایوب نے جتنی پراپرٹی اور جائیداد خریدی ہے، اس میں میں برابر کا شریک ہوں؛ حالانکہ بھائی ایوب بعض زمین و مکان عبدالقیوم کے سورت آنے سے پہلے خرید چکا تھا، اس پورے عرصہ میں ایوب نے عبدالقیوم سے شرکت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا؛ بلکہ محض امداد کی غرض سے رکھا تھا اور ایوب نے اس کی شادی بھی کروائی، حج بھی کرایا اور عبدالقیوم کی بیوی کے بیمار ہونے پر تقریباً دس لاکھ روپئے خرچ کئے (دل میں اس کو پوری طرح سیٹ کرنے کا عزم تھا)

ایوب نے کل پراپرٹی و جائیداد والد صاحب سے الگ ہونے کے بعد ہی خریدی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

(۱) چھاپر بھاٹھا (سورت کے قریب ایک قریہ) میں مکان، بھینسوں کا تبیلہ،

مزدوروں کے رہنے کے کمرے اوراس کے علاوہ تعمیری کام۔(سروے نمبر۱۳۵۹، بلاک نمبر۱۳۱۶)

(۲) چھاپر بھاٹھا میں کھلی زمین۔

(۳) سورت میں لال دروازہ اپارٹمینٹ۔

(۴) کچھولی میں مکان، تبیلہ، مزدوری کے رہائشی کمرے، متعلقات تبیلہ۔ (سروے نمبر۳۵۲، بلاک نمبر۴۵۹)

(۵) سانگلی میں واقع ایک زمین۔

(۶) سورت ناگوری واڈ میں فلیٹ میں شرکت۔

(۷) ایک ٹیمپو۶۰۸۔

(۸) ٹاٹا ایس ٹیمپو۔

(۹) دودھ کے کین۔

(10) ایس ایکس فور گاڑی۔

(۱۱) سوسائٹی کی جگہ۔

دوسوسات عدد بھینسیں۔

دونوں بھائی میں اختلاف ہونے پر بڑے بھائی نے مصالحین کے کہنے پر اپنی جائیداد تقسیم کی۔(صلہ رحمی کی بنیاد پر)

اوراسٹامپ پیپر پر دستخط بھی لئے گئے تاکہ آئندہ جھگڑے کی نوبت نہ آئے، کچھ عرصہ گزر چکا ابھی قبضہ بھی نہ تھا کہ دوبارہ تو تو میں میں ہونے لگی، اس پر عبدالقیوم کہنے لگا کہ مجھے صلہ رحمی کے طریقہ پر نہیں لینا ہے؛ بلکہ مجھے شرعی طور پر میرا حق ملنا چاہئے؛ چنانچہ اگلا صلح نامہ رد کردیا گیا، اوررد شدہ تحریر پر بھی سب دستخط لے لئے گئے، اور یوں لکھا گیا کہ شرعی طور پر جس کو حق ملے گا، اس پر وہ راضی رہے گا، والدین کے انتقال کے بعد ان کے ترکے میں چند اشیاء تھیں۔

(۱) چھ لاکھ کی قیمت کی زمین۔

(۲) کھم بھات ضلع آنند میں ایک مکان اور والدہ کے ایک لاکھ پچیس ہزار کے زیورات، وارث داروں میں دولڑکے (ایوب اور عبدالقیوم) اور دولڑکیاں (حفصہ اور میمونہ) تھیں۔

اب آپ حضرت سے دریافت طلب چند امور یہ ہیں:

(۱) صلح نامہ طے کرنے سے عبدالقیوم کا حق ثابت ہوجائے گا؟

(۲) صلح نامہ رد کرنے سے رد ہوگا یا نہیں؟

(۳) صلح نامہ کو بنیاد بنا کر ایوب کی طرف سے عبدالقیوم کی شرکت کا اقرار مانا جائے گا؟

(۴) [المادہ: ١٦٥٦] **الابتدار إلى تقسيم التركة إقرار بأن المقسوم مشتركاً وعليه فالادعاء بعد التقسيم بقول المقسوم لي تناقض.** (شرح المجلة لعلي حيدر ٤/٢٤٧)

اس عبارت میں ترکہ کو بطور مثال سمجھ کر مطلق مال کو اس پر قیاس کرنا صحیح ہوگا؟

(٥) **أقول الحاصل من جملة مامر أن المدعى لو صدر عنه ما يدل على أن المدعى ملك المدعى عليه تبطل رد دعواه لنفسه ولغيره للتناقض لو صدر عنه ما يدل على عدم ملكه ولايدل على عدم ملك المدعى عليه تبطل دعواه لنفسه لا لغيره؛ لأنه إقرار بعدم ملكه لا بملك المدعى عليه.**

(جامع الفصولين)

اس عبارت کے پیش نظر کیا تناقض ثابت ہوگا؟

(۷) ان دونوں عبارتوں سے فیصلہ عبدالقیوم کے حق میں کرنا صحیح ہوگا؟

نوٹ: ایوب نے جوالگ کاروبار کیا اس میں جتنا نقصان ہوا، سب کا تاوان ایوب ہی کے ذمہ تھا، سب نقصان کی بھرپائی ایوب نے کی، اول صلح نامہ کے وقت تقریباً بیس لاکھ قرضہ تھا وہ بھی ایوب ہی کے ذمہ تھا۔

المستفتی: فیاض آنند، ضلع: آنند (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کو بار بار پڑھ کے غور کیا گیا، اس قسم کے واقعات اور معاملات سے متعلق کثرت سے سوالات آرہے ہیں، کاروبار کے شروع کرتے وقت یا اپنے ذاتی کاروبار میں دوسرے بھائیوں کو شریک کرتے وقت کوئی معاملہ طے نہیں کیا جاتا ہے کہ شریک ہونے والا بھائی بطور مزدور شریک ہو رہا ہے یا بطور شرکت کاروبار میں شریک ہورہا ہے یا طفیلی بن کر کے شریک ہورہا ہے، پہلے سے کاروبار چلانے والے بھائی کے رحم وکرم کی امید پر اس طرح کی کوئی صراحت نہیں کی جاتی ہے...... بالآخر نتیجہ یہی ہوتا ہے جو سوالنامہ میں تقسیم سے متعلق درج ہے، شرعی طور پر اس طرح بلا صراحت کسی کو کاروبار میں شریک کرنا معاملہ فاسدہ میں شامل ہوتا ہے، جس کا نتیجہ بالآخر لڑائی جھگڑا بن کر رہ جاتا ہے اور اس میں سب سے بڑی کمی پہلے سے کاروبار چلانے والے کی طرف سے ہوتی ہے کہ جب کاروبار میں اپنے بھائی کو شریک کرنے لگے، اسی وقت یہ صراحت کردینی لازم ہے کہ بعد میں شریک ہونے والے کا حق کیا ہوگا۔

اب سوال نامہ سے متعلق اس کے علاوہ ہمارے سمجھ میں اور کچھ نہیں آرہا ہے کہ معتبر آدمیوں کو بیچ میں ڈال کر جانبین سے صلح کے ذریعہ سے معاملہ کو حل کیا جائے، دوسرا بھائی عبدالقیوم ایوب کی جانب سے صلہ رحمی اور رحم وکرم کے طور پر لینے کو تیار نہیں ہورہا ہے؛ اس لئے دونوں بھائیوں کے ذہنوں میں شرکت کے وقت کیا تھا، ان ہی دونوں کو معلوم ہے: لہٰذا ایماندارانہ طور پر ایک دوسرے کی عزت کا لحاظ رکھتے ہوئے صلح کے ذریعہ سے معاملہ کو حل کرلیں، تو بہتر ہوگا اور عبدالقیوم کا یہ کہنا کہ میں اپنا حق لوں گا وہ حق کیا ہے، وہ متعین نہیں ہے؛ اس لئے عبدالقیوم کو صلح ہی پر راضی کرلینا چاہئے۔

عن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه عن جده،أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم

حلالاً، أو أحل حراماً، والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً، أوأحل حراماً. (سنن الترمذي، الأحكام، باب ماذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/۲۵۱، دارالسلام رقم:۱۳۵۲، سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في الصلح، النسخة الهندية ۲/۵۰۶، دارالسلام رقم:۳۵۹٤، صحيح البخاري، كتاب الإجارة، باب أجر السمسرة، النسخة الهندية ۱/۳۰۳)

قوله تعالىٰ: والصلح خير، ولأن الصلح شرع للحاجة إلى قطع الخصومة، والمنازعة، والحاجة إلى قطعها في التحقيق عند الإنكار. (بدائع الصنائع، كتاب الصلح، زكريا٥/٤٧، كراچي٦/٤٠، الموسوعة الفقهية الكويتية٣٧/٣٣٦)

وهذه الجهالة مفضية إلى المنازعة فيمتنع التسليم والتسلم وكل جهالة هذه صفتها تمنع الجواز هذا هو الأصل. (هداية، كتاب البيوع، اشرفي ۳/۲۰)

وكل ما هو واجب بالعقد يمتنع حصوله...... بالجهالة المفضية إلى النزاع، فالتسليم يمتنع بها. (العناية، مع الفتح دارالفكر ٦/٢٦١، كوئٹه ٥/٤٦٨، البنايه، اشرفيه ديو بند٨/١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۲۶)	۱۴۳۲/۶/۷ھ

ترکہ کے منافع کی تقسیم کے تناسب کا طریقۂ کار

سوال [۸۹۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم چار بھائی دو بہنیں ہیں، والد کا انتقال بہت پہلے ہوگیا، ہم چاروں بھائی کا کاروبار ایک ساتھ ہورہا تھا، اس سال ساری جائیداد تقسیم ہوگئی، میں سب سے چھوٹا ہوں اور اپنی دونوں بہنوں کو ان کا حصہ دینا چاہتا ہوں، کیا والد کے وقت کی جائیداد بٹے گی یا اس

وقت جو ہمیں ملا ہے، اس میں حصہ لگے گا اور کتنا کتنا حصہ دونوں بہنوں کا ہوگا ؟

المستفتی: محمد عظمت علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرحوم کا ترکہ ان کے وارثین کے درمیان موجودہ ترقی شدہ مال کے اعتبار سے تقسیم ہوگا؛ کیونکہ متروکۂ مرحوم میں تقسیم سے قبل تجارت اور کاروبار جاری رکھا تو متروکۂ مرحوم بھی مشترک رہا ہے؛ اس لئے موجودہ جائیداد کے اعتبار سے بھائیوں اور بہنوں کو حصہ ملے گا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۸/۳۱۴، جدید زکریا مطول ۱۳/۵۷۵)

و لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم و نما المال، فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا في العمل و الرأي. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولايعلم التفاوت، فهو بينهما بالسوية، زكريا ٦/٥٠٢، كراچي ٤/٣٢٥)

اور بوقت تقسیم کا اعتبار کرتے ہوئے حسب ذیل نقشہ کے مطابق ترکہ تقسیم ہوگا۔

والد مرحوم: میت

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۲	۲	۱	۱

مرحوم کا کل ترکہ دس سہام میں تقسیم ہوکر چاروں بھائیوں کو ۲-۲ اور دونوں بہنوں کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۶۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/ ۱۴۲۵ھ

ایک بھائی کی جائیداد میں دوسرے بھائی شریک ہیں یا نہیں؟

سوال [۸۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں : کہ زید کی نو اولادیں ہیں، تین لڑکیاں اور چھ لڑکے عمر اور بکر نے زید کی حیات میں پرانی عمارت توڑ کر دوبارہ بنوائی ہے اور باقی چار لڑکے اس وقت نابالغ تھے اور عمر اور بکر ہی نے دو بہنوں کی شادی بھی کی ہے، اس کے بعد عمر اپنے ہی پیسے سے ایک زمین الگ خرید کر اس پر عمارت بنا کر رہ رہا ہے اور زید کی پرانی عمارت میں اتنی گنجائش نہیں ہے، جو گھر کے لوگ اس میں رہ سکیں، عمر کے علاوہ گھر کے سب لوگ زید کی پرانی عمارت میں رہ رہے ہیں۔ اب عمر معلوم یہ کرنا چاہتا ہے کہ باپ یعنی زید کی پرانی عمارت میں عمر کا حق ہے یا نہیں؟ جواب تحریر فرمادیجئے۔

المستفتی: افتخار احمد، مقبرہ اولی، درگاہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمر نے نئی زمین خرید کر الگ سے جو عمارت بنائی ہے، اگر سب کے ساتھ شریک رہتے ہوئے کما کر بنائی ہے، تو جس طرح پرانی عمارت میں سب کا حق ہے، اسی طرح مذکورہ جدید عمارت میں بھی سب کا حق ہوگا اور اگر عمر سب سے الگ ہو کر اپنی فیملی کو بالکل الگ رکھا ہے اور الگ رہنے کے زمانہ میں زمین خرید کر عمارت بنائی ہے، تو جدید عمارت میں عمر کے ساتھ اور کوئی شریک نہ ہوگا اور عمر کی پرانی عمارت سے باپ کے ترکہ کا حصہ ملے گا۔

ولو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم ونما المال، فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا في العمل والرأي. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اجتمعا في دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت، فهو بينهما بالسوية، زكريا ٦/٥٠٢، كراچي ٤/٣٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۲۷۸۱)

مشترکہ زمین میں ورثاء اور شریک کے حصہ کی تفصیل

سوال [۸۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری ساس اور ماں نے مل کر ساڑی میں بیل لگانے کی ایک مشین لگائی تھی، لائسنس ساس کے نام تھا، ان کے انتقال کے بعد میرے شوہر نسیم کے نام کر دیا گیا، جس پر بالغ لوگوں نے اپنی طرف سے اور میرے خسر نے نابالغ بچوں کی طرف سے یہ کہہ کر دستخط کر دیئے کہ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے، اس طرح لائسنس شوہر مرحوم کے نام ہوگیا؛ لیکن میری والدہ کو کچھ بھی پیسہ نہیں دیا گیا، تھوڑے عرصہ کے بعد شوہر نے مشین فروخت کر کے بنیان پر لیبل لگانے کی مشین لگائی، اس کے نفع سے تین اور مشین لگائیں، پھر اسی نفع سے تانبے کی چین بنانے کی مشین لگائی، ان تمام مشینوں کی بجلی کا کنکشن میرے شوہر کے نام تھا، ان سے مجھے ماہواری پچاس ہزار روپیہ آمدنی ملتی تھی، شوہر کی شہادت کے بعد خسر نے مجھ سے جھگڑا کر لیا، اس وقت میرے بچے نابالغ تھے، جس کا فائدہ اٹھا کر انہوں نے مشینوں کو اپنے قبضہ میں لیکر کمرہ میں تالا لگا دیا، اب تک پچاس ہزار روپیہ کا نقصان ہو رہا ہے، یہ مشینیں کس کی ہیں؟ اور اس نقصان کا ذمہ دار کون ہے؟ تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتیة: نرگس جہاں، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی ساس اور ماں نے مل کر جو مشین لگائی تھیں، اس میں دونوں برابر کی شریک ہوں گی آدھا آدھا دونوں کا حق ہوگا، پھر ساس کے انتقال کے بعد بالغ ورثاء کا آدھی مشین میں جتنا حق ہے، ان کی رضا سے آپ کے شوہر اتنے کے مالک ہوں گے اور نابالغ ورثاء کی جانب سے رضامندی کا دستخط کرنے سے ان کے حصے کے مالک نسیم نہ ہوں گے؛ کیونکہ باپ کو نابالغ بچوں کا حق کسی کو ہبہ کرنے اور دینے کا اختیار نہیں ہے۔

ليس للأب تحرير قنه بمال وغيره، ولا أن يهب ماله، ولو بعوض ولا إقراضه في الأصح. (شامي، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، زكريا ۸/۲٦۷، كراچي ٥/٥۲۹، جامع الفصولين ۱۳)

اوراس کاروبار کو مرحوم نسیم کے ذریعہ جو ترقی ہوئی، ان کے انتقال کے بعد موجودہ کل مشینوں کی قیمت کے اعتبار سے اولاً دو حصے کئے جائیں گے، آدھے کی مالک آپ کی ماں ہوں گی، اور دوسرے آدھے میں جتنا نابالغ ورثاء کا حق ہوتا ہے، اتنا نکال کر بقیہ نسیم مرحوم کے شرعی ورثاء کے مابین تقسیم ہوگا۔

وإذا صحت فما اشتراه أحدهما يقع مشتركا. (در مختار، كتاب الشركة، زكريا٦/٤٧٨، كراچي ٤/٣٠٧، تنقيح الفتاوى الحامدية ۱/۹٤)

اور نفع ہونے سے جو خسر صاحب نے مشینوں کو روک رکھا ہے، اس کی وجہ سے وہ گنہگار رہوں گے اس نقصان کا ان پر کوئی تاوان نہ ہوگا، ان مشینوں میں جن لوگوں کا حق ہے ان کو ان کا حق ملنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۶۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۵ھ

(۴) باب الشركة الفاسدة

کمپنیوں میں ممبری کی شرعی حیثیت

سوال [۸۹۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس دور میں بہت سی سرکاری ونیم سرکاری کمپنیاں اوران کے ایجنٹ لوگوں کو کمپنیوں کا ممبر بناتی ہیں، ایجنٹوں کا کہنا ہے کہ ہم سرمایہ جمع کرنے کے بعد اس سے زمین خرید کر شجرکاری کرتے ہیں اور مرغی فارم وغیرہ کھولتے ہیں، دوتین چار چھ سال بعد اس کو فروخت کرکے اس کا نفع مع اصل کے دوگنا واپس کرتے ہیں، اس ممبر کا نقصان سے کوئی واسطہ نہیں، یہ شکل درست ہے یا سود بیاج میں داخل ہے، ایسی ممبری وایجنٹی کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد الیاس بن عبدالرحیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سرکاری ونیم سرکاری کمپنیاں اوران کے ایجنٹ اگر کمپنی کے نفع ونقصان دونوں میں حسب تناسب شرکت کے ساتھ ممبر سازی کریں اور ممبر کے ذہن میں بھی یہ بات ہو کہ کمپنی کے نفع ونقصان دونوں میں شرکت ہے، تو اس صورت میں کمپنی کا ممبر بن کر اس میں شرکت تجارت کے درجے میں ہوکر جائز ہوگی، اور اگر صرف نفع ہی میں شرکت ہو نقصان میں نہیں، تو یہ صورت جائز نہیں اور آپ کا یہ کہنا کہ ممبر کا نقصان سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے درست نہیں ہے، اتفاقی طور پر نقصان ہوسکتا ہے، مثلاً ساری مرغیوں میں بیماری پھیل جائے اور چند دن میں سب مرجائیں یا کوئی شکل ایسی ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نقصانات سے حفاظت فرمائے؛ اس لئے نفع کے ساتھ نقصان کی بھی قید لگائی جائے، ورنہ

صرف نفع کی شرکت کی صورت میں اس کا نفع سود ہوگا، تجارت نہیں؛ لہٰذا ایسی کمپنیوں کی ممبر شپ اور ملازمت درست نہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۰۳)

عن جابر بن زيدؓ، قالوا: الربح على ما اصطلحوا عليه، والوضيعة على المال، هذا في الشريكين، فإن هذا بمأة، وهذا بمأتين. (مصنف عبد الرزاق، البيوع، باب نفقة المضارب، ووضيعته، المجلس العلمي ٨/٢٤٨، رقم: ١٥٠٨٩)

إذا شرطا الربح على قدر المالين متساوياً، أومتفاضلاً، فلا شك أنه يجوز ويكون الربح بينهما على الشرط، سواء شرطا العمل عليهما، أوعلى أحدهما، والوضيعة على قدر المالين متساوياً، ومتفاضلاً؛ لأن الوضيعة إسم لجزء هالك من المال فيتقدر بقدر المال. (بدائع الصنائع، كتاب الشركة، زكريا٥/٨٣، كراچي ٦/٦٢، شامي، زكريا٦/٤٧٥، كراچي ٤/٣١٢، هندية، زكريا قديم ٢/٣٢٠، جديد ٢/٣٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۴۳۱)

کمپنیوں کی ممبر سازی کا حکم

سوال [۸۹۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کمپنی روزمرہ کی استعمال میں آنیوالی چیزیں لوگوں میں سپلائی کرتی ہے، جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کمپنی کا ممبر بننا چاہے، تو پندرہ سو روپئے جمع کر کے کمپنی اس کے بدلے شروع میں کچھ کپڑے بیگ وغیرہ دیتی ہے اور اپنا ممبر بنالیتی ہے۔ اب ممبر بننے کے بعد اگر کوئی شخص مثلاً ڈھائی ہزار روپئے کا روزمرہ کی استعمال میں آنیوالی چیزیں ہر ماہ خریدتا ہے، تو اس کو بازار کی عام قیمت میں سے بیس فیصد چھوٹ دی جاتی ہے؛ اسی طرح جتنے

روپیہ کا سامان خریدے گا، اتنی زیادہ چھوٹ دی جاتی ہے یعنی اتنا ہی سستا سامان اس کو ملے گا؛ لیکن جس وقت سامان کی خریداری ہوتی ہے، اس وقت ہی بازار کی عام قیمت پوری ادا کرنی ہوتی ہے، اور بیس فیصد چھوٹ والی رقم کمپنی مہینے کے اخیر میں واپس کرتی ہے، یعنی چیزوں کی پوری رقم ابھی ادا کردو، پھر مہینے کے اخیر میں حساب لگا کر جتنے روپئے کا سامان بنتا ہے، اتنی فیصد چھوٹ والی رقم واپس کردی جاتی ہے۔

اب یہ ممبر کسی دوسرے شخص کو ممبر بنائیں اور وہ ممبر بن کر سامان خریدے تو اس کا کچھ نفع ممبر بنانیوالے کو بھی ملتا ہے مثلاً دوسرے شخص نے پانچ ہزار کا سامان خریدا تو کمپنی ممبر بنانے والے کو دس فیصد نفع دیتی ہے، اسی طرح دوسرے نے تیسرے کو ممبر بنایا، تو اس کا کچھ نفع پہلے ممبر کو بھی ملتا ہے، اور دوسرے کو بھی ملتا ہے، اسی طرح تیسرے نے چوتھے کو ممبر بنایا، تو اوپر والوں کو کمپنی کچھ نہ کچھ نفع دیتی ہے، مگر ایک آدمی صرف دو ممبر بنا سکتا ہے، زیادہ نہیں۔

نیز یہ نفع اس وقت ملے گا جب خود ممبر بنے اور بنانے کے بعد ہر ماہ کچھ نہ کچھ سامان خریدے یعنی دوسرے ممبروں سے نفع حاصل کرنے کے لئے خود ممبر کو سامان خریدنا ضروری ہے، پھر نفع کی مقدار کے مختلف درجات بھی طے ہیں، یعنی جتنا روپیوں کا سامان خریدا جائے گا، کمپنی اتنا زیادہ نفع دے گی، مثلاً پانچ ہزار کی خرید پر دس فیصد نفع دیتی ہے اور تیس لاکھ پچاس ہزار کی خرید پر تیس فیصد منافع دیتی ہے، کمپنی والوں کا کہنا ہے کہ ہم سامان؛ اس لئے سستا دیتے ہیں کہ سامان کی تشہیر کے لئے جتنے اسباب مثلاً اخبار، ٹیلی ویژن وغیرہ ہوتے ہیں، ان کو ختم کر کے بلا واسطہ ممبران کمپنی سے خریدتے ہیں؛ اسی لئے ممبران کو چیزیں سستی پڑتی ہیں اور نفع اس لئے دیتے ہیں کہ آپ ممبر سازی کرتے ہیں، تو ممبر سازی کی وجہ سے اپنے نفع میں سے کچھ نفع آپ کو دیا جاتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح ممبر بننا بنانا نیز کمپنی جو نفع دیتی ہے اس کو لینا کیسا ہے؟ برائے کرم مفصل مدلل جواب سے نوازیں گے، تو بہت مہربانی ہوگی۔

المستفتی: حاجی محمد شاکر، اکولہ (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس قسم کی کمپنیاں ہندوستان میں مختلف نوعیت کے ساتھ چل رہی ہیں اوراس میں عدم جواز کی ایک علت تقریباً اکثر کمپنیوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے، وہ علت یہ ہے کہ پہلے جو شخص کمپنی سے سامان خرید کرممبر بنا ہے، پھراس کو کمپنی کے ضابطہ کے مطابق سستا سامان خریدار کوملتا ہےاوراس سامان کی فروختگی کے بعد کمپنی اپنے ضابطہ کے مطابق پیسے کی کمی والاحصہ ممبر کوواپس کردیتی ہے، یہ بات پہلے سے طے ہے، تو یہاں تک معاملہ کسی حد تک جائز کہا جاسکتا ہے، پھراس کے بعد یہ ممبر دوسروں کو جب ممبر بنائے گا، اس ممبر سازی کے عوض میں اس پہلے ممبر کو کمپنی اپنے ضابطہ کے مطابق کمیشن کے نام سے اجرت دیتی ہے، یہ بھی جائز ہے، مگراس کے بعد نیچے کے ممبران جوممبر سازی کریں گے، اس ممبر سازی کے عوض میں پہلے ممبر کو بھی کچھ دیا جاتا ہے، یہ جائز نہیں ہے: اس لئے کہ نیچے کی ممبر سازی میں پہلے ممبر کا براہ راست کوئی عمل شامل نہیں ہے، اسی طرح نیچے تک کسی بھی طبقہ کے ممبر کی ممبر سازی کی اجرت کا کچھ حصہ پہلے ممبر کو ملنا جائز نہیں: اس لئے مذکورہ کمپنی کا طریقہ کاراوراس کے معاملات شرعاً درست نہیں ہیں۔

ولم یر ابن سیرین وعطاء، وإبراهیم، والحسن بأجرة السمسار بأسًا. (صحیح البخاري، کتاب الاجارة، باب أجر السمسرة، النسخة الهندیة ۱/ ۳۰۳، مصنف لابن أبي شیبة مؤسسة علوم القرآن جدید ۱۱/ ۳۳۹، رقم: ۲۲۵۰)

سئل محمد بن سلمةؒ، عن أجرة السمسار، فقال: أرجوا أنه لا بأس به، وإن کان في الأصل فاسداً لکثرة التعامل. (شامي، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجیر، مطلب في أجرة الدلال، زکریا ۹/ ۸۷، کراچي ۶/ ۶۳، الفتاوی التاتارخانیة، زکریا ۱۵/ ۱۳۷، رقم: ۲۲۴۶۲، الفتاوی الولوالجیه، دارالأیمان سهارن پور۳/ ۳۴۴، الأشباه والنظائر، کراچي ۲/ ۶۰، المبسوط دارالکتب العلمیة بیروت ۱۵/ ۱۵۵)

لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي. (شامي،

كتاب الحدود، باب التعزير، زكريا٦/١٠٦، كراچي ٦/٦١، قواعد الفقه اشرفي ١١٠، رقم:٢٦٩، هندية، زكريا قديم ٢/١٦٧، جديد ٢/١٨١، شرح المجلة رستم اتحاد ديو بند ١/٦٢، رقم المادة: ٩٧، البحرالرائق، زكريا ٥/٦٨، كوئٹه ٥/٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۲۳۰)

شیئرز میں بیمہ کی شکل

سوال [۸۹۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بھارتی جیون بیمہ نگم کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یہ نگم کمپنی ایک لاکھ یا کم و بیش روپیہ بیس سال کی مدت یا کم وبیش کے لئے مبلغ چھ ہزار روپیہ یا کم وبیش سالانہ رقوم جمع کراتی ہے، رقم جمع کرنے والے نے جس چیز کا بیمہ کرایا ہے، اس کی گارنٹی دیتی ہے، جان ومال وغیرہ کی یعنی ممبر کا یہ پیسہ مارا نہیں جائے گا، اگر وہ بیس سال سے قبل اپنا پیسہ لینا چاہتا ہے، تو ممبر کو ۳/۴ جمع رقم سے مل بھی سکتا ہے اور وہ اس صورت میں بھی ممبری کا حقدار بنا رہے گا، یہ کمپنی اس پیسہ کو بینک میں جمع نہ کر کے تجارت میں لگاتی ہے، اس میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہے، یہ کمپنی اپنے ممبر کو سود کی شکل میں رقم یا پیسہ نہ دیکر منافع کی صورت میں دیتی ہے، نقصان کمپنی خود برداشت کرتی ہے، جس سے بہت سے بے روزگاروں کو کام ملتا ہے۔ نیز روٹی روزی چلتی ہے، بہرحال یہ سودی کاروبار نہیں۔

المستفتی: خادم قوم حافظ وماسٹر شکیل احمد سلیم پور گڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں بیمہ کی پوری شکل واضح نہیں کی گئی؛ لیکن پھر بھی آخری جز کا جواب یہ ہے کہ جمع شدہ رقم سے تجارت کرنے میں صرف نفع

میں شرکت کرنا اور نقصان میں شرکت نہ کرنا شرعی طور پر جائز نہیں، ایسا معاملہ شرعاً فاسد ہے؛ اس لئے کہ شرکت کے جائز ہونے کے لئے تجارت کے نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہونا شرط ہے؛ اس لئے یہ معاملہ جائز نہیں ہے۔

لكل واحد منهما ربح ماله والوضيعة بينهما على قدر رأس المال أبداً. (فتاوى شامي، كتاب الشركة، مطلب في شركة العنان، زكريا ٦/٤٨٤، كراچي ٤/٣١٢، حاشية الطحطاوي على الدر، كوئٹه ٢/٥١٧، بدائع الصنائع، زكريا ٥/٨٣، كراچي ٦/٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/٦١، هندية، زكريا قديم ٢/٣٢٠، جديد ٢/٣٢٦، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٧/٤٩١، رقم: ١٠٩٦٩، الفقه الإسلامي وأدلته، هدىٰ انٹرنيشنل ديوبند ٤/٥٩٢)

والربح على ما شرطا وقيد بالربح؛ لأن الوضيعة على قدر المال، وإن شرطا غير ذلك. (الدر المختار مع الشامي، زكريا ٦/٤٨٦، كراچي ٤/٣١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۴۴۸)

شیئرز کی بیع وشراء کا شرعی حکم

سوال [۸۹۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں رائج شیئرز کمپنیوں میں شرکت کرنا یا شیئرز خریدنے والوں سے شیئرز خریدنا (چاہے کمپنی مسلمان کی ہو یا غیر مسلمان کی) از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طریقہ سے حاصل شدہ آمدنی حلال ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد محسن، متعلم دار الافتاء، جامعہ اسلامیہ مدنیۃ العلوم، معماری، بردوان (بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں رائج شدہ شیئرز جو مختلف کمپنیوں کے نام سے جاری کردہ ہیں، تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ صرف نام کے شیئرز ہیں، حقیقت میں سٹہ کی شکل ان میں پائی جاتی ہے؛ اس لئے ہندوستان کے شیئرز کے کاروبار کو مطلقاً جائز نہیں کہا جاسکتا، ہاں البتہ اگر واضح ہو جائے کہ کمپنی حصہ داروں کے پیسے براہ راست اپنے کاروبار میں لگاتی ہے، مثلاً پلاٹنگ میں یا فیکٹری بنانے میں یا فیکٹریوں میں مال تیار کرنے میں براہ راست لگاتی ہے، پھر اس کے سالانہ منافع صحیح طور پر نکال کر حصہ داروں میں وہ نفع بلاکسی سودے بازی کے ہر حصہ دار کو پہونچایا جاتا ہے، تو اس طرح کے شیئرز جائز ہے، مگر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس طرح کے شیئرز کا کاروبار نہیں پایا جاتا، یا یہ کالعدم جیسا ہے۔

أما الميسر ...... وقال قوم من أهل العلم، القمار كله من الميسر ...... وحقيقة تمليك المال على المخاطرة. (أحكام القرآن للجصاص، سورة المائدة، باب تحريم الخمر زكريا ۲/ ۵۸۲، سهيل اكيڈمي لاهور۲/ ٤٦٥، هكذا في أحكام القرآن للتهانوي ۱/ ۵۸۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۹/ ٤٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۷/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۰۴/۳۸)	۱۴۲۹/۳/۸ھ

شیئرز کا شرعی حکم

سوال [۸۹۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی کمپنی کا شیئرز لینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ جس میں نفع اور نقصان دونوں ہوں۔

المستفتی: دانش علی، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آج کل کے زمانے میں شیئرز کے نام سے جتنی بھی شکلیں چل رہی ہیں، تقریباً سبھی کے بارے میں تحقیقات کی گئیں ہیں، ان میں سے کوئی بھی شکل شرعاً جواز کے دائرے میں نہیں آتی اور انٹرنیٹ کے ذریعہ سے جو شکلیں چل رہی ہیں، وہ صاف طور پر جوا اور قمار پر مبنی ہیں؛ اس لئے اس زمانے میں شیئرز کی جتنی بھی شکلیں رائج ہیں وہ جائز نہیں؛ اس لئے کہ تقریباً سبھی قمار یا سود کے دائرہ میں داخل ہو جاتی ہیں۔

وقال قوم من أهل العلم: القمار كله من الميسر -إلى قوله- وحقيقة تمليك المال على المخاطرة. (أحكام القرآن للجصاص، سورة المائده، باب تحريم الخمر، زكريا ۲/۵۸۲، سهيل اكيڈمي لاهور ۲/۴۶۵)

وقال الجصاص لا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار وأن المخاطرة من القمار. قال ابن عباس: المخاطرة قمار. (أحكام القرآن التهانوي ۱/۲۸۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۹/۴۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۰۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶؍۵؍۱۴۳۱ھ

شیئرز کی کون سی شکل جائز اور کون سی ناجائز؟

سوال [۸۹۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ **الف** ایک گروپ عوام کے سرمائے کو شیئرز اور دیگر بڑی کمپنیوں میں لگاتا ہے، اور ان کمپنیوں کے کاروبار میں حصہ لیتا ہے، جو قیمتی اشیاء تیار کر کے مارکیٹ میں فروخت کرتی ہیں۔

اب وہ کمپنیاں کس طرز پر تجارت کرتی ہیں، بینک سے سودی کاروبار ہوتا ہے،

فروخت کا طریقہ کار کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں، تو کیا اس طریقہ سے کسی انجانے کاروبار میں سرمایہ لگا کر گھر بیٹھے منافع کمانا درست ہے؟

ب: ایک گروپ منافع کی شرح ۸۰/۲۰ کے تناسب سے شرکاء کے درمیان تقسیم کرتا ہے، یعنی سرمایہ کار کو ۲۰/ فیصد منافع حاصل ہوتا ہے؛ جبکہ تمام محنت اور جو بھی کاروبار ہوتا ہے، وہ گروپ اور اس کے ذمہ داران کرتے ہیں اور منافع صرف ۲۰/ فیصد لیتے ہیں اور سرمایہ کار جو پیسہ لگاتا ہے، اسے ۸۰/ فیصد منافع ہوتا ہے، تو کیا یہ درست ہے؟

ج: اسی طرح اگر کمپنی کا نقصان ہوتا ہے، تو سرمایہ کار کو نقصان برداشت نہیں کرپڑے گا، وہ نقصان صرف کمپنی ہی برداشت کرے گی، تو کیا یہ درست ہے؟

المستفتی: محمد اسلم، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی کمپنی سے شیئرز لینا جس کا طریقۂ تجارت معلوم نہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ وہ سودی کاروبار بھی کرتی ہے؛ لیکن غالب گمان یہی ہے کہ وہ کمپنی سودی کاروبار بھی کرتی ہے، تو ایسی شکل میں اس کمپنی کے ساتھ شرکت مکروہ تحریمی ہوگی اور اگر کمپنی میں سودی کاروبار نہیں ہے یا کمپنی کا سودی کاروبار کرنا یقین سے نہ معلوم ہوسکا، تو ایسی کمپنی سے شیئرز خریدنا اور منافع حاصل کرنا بلا کراہت جائز ہوگا۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۴۹۷، ایضاح النوادر ۱/ ۱۰۶)

مگر تشویش کی بات یہ ہے کہ ہندوستان میں فی زمانہ ایسی کوئی کمپنی جو شیئرز کا کام کرتی ہو، جو بالکل معاملہ شرکت کے انداز پر کام کرتی ہو تحقیق سے نہ معلوم ہوسکی، اگر کوئی ایسی کمپنی معاملہ مضاربت یا شرکت کے تمام شرائط کو ملحوظ رکھ کر کام کرتی ہو اور سودی کاروبار بھی نہ کرتی ہو، تو ایسی کمپنی میں شرکت کرنا بلاتردد جائز ہے، مگر ہماری معلومات میں نہیں ہے۔

ب: شرکت اور مضاربت کے شرائط کے ساتھ یہ منافع درست ہیں اور نقصان ہو، تو نقصان میں سب برابر شریک ہوں گے۔

ج: اگر سرمایہ کار کو کوئی نقصان نہ ہوتا ہو؛ بلکہ اس کا نفع متعین ہے، چاہے کمپنی کا نقصان ہو یا نفع تو یہ معاملہ بینک کے سود کے مشابہ ہو کر ناجائز اور حرام ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ار۱۰۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴ر ۶۱۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۱۴ھ

شیئرز کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

سوال [۸۹۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں کو شیئرز خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز تو پھر ہمیں کن کمپنیز کے شیئرز خریدنے چاہئے؛ جبکہ ہم یہ بھی جانتے ہیں، سبھی بڑی بڑی کمپنیز اپنے کاروبار کے لئے بینک سے ہی سرمایہ لیتی ہیں، جن کے ساتھ سود کا بھی عنصر ہوتا ہے۔

المستفتی: مفتی عتیق الرحمٰن، مدرسہ اسلامیہ، دارالعلوم کامٹی، ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیئرز کی جتنی بھی قسمیں ہیں، ان سب کے بارے میں غور کر کے دیکھا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی قسم جواز کے دائرہ میں نہیں آتی اور ہر ایک قسم یا تو سودی معاملہ میں داخل ہو کر ناجائز ہو جاتی ہے یا جوا اور سٹہ کے دائرہ میں داخل ہوتی ہے اور یہ دونوں قسمیں ناجائز ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا . [البقرة:۲۷۵]

عن عبداللہ بن عمروؓ، أن نبي اللہ صلی اللہ علیه وسلم نهی عن الخمر والمیسر والکوبة. (أبوداؤد شریف، باب النهي عن المسکر، النسخة الهندیة، ۵۱۹/۲، دارالسلام رقم:۳۶۸۵)

وعن ابن سيرين: كل شيئ فيه خطر فهو من الميسر. (روح المعاني، زكريا٣/ ١٧٢)

ومعنىٰ النهي ما في كل من الجهالة و تعليق التمليك بالخطر . (فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، كوئٹه ٦/ ٥٥، زكريا ٦/ ٣٨٣، دارالفكر٦/ ٤١٧، الموسوعة الفقهية الكويتية، ١٦/ ١٧٠، شامي، كراچي ٥/٦٥، زكريا ٧/٩٥٥)

والقمار حرام. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١٦، مصري قديم ٢/ ٥٤٩، المبسوط دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ١٨، ٧/١٥)

ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار. (أحكام القرآن للجصاص، سورة، باب تحريم الميسر، زكريا ١/ ٣٩٨، سهيل اكيڈمي لاهور١/ ٣٢٩)

عن عمر بن الخطابؓ، قال: إن آخر ما نزلت آية الربا، وإن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض ولم يفسرها لنا، فدعوا الربا والريبة. (سنن ابن ماجه، باب التغليظ في الربا، النسخة الهندية ١٦٤، دارالسلام رقم:٢٢٧٦، مسند أحمد بن حنبل ١/ ٣٦، رقم:٢٤٦، ١/ ٤٩، رقم: ٣٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۴۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

شیئرز کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۸۹۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ شیئرز مارکیٹ کا کام کرنا چاہتا ہے، اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) کسی کمپنی کا شیئرز ۱۰۰؍ روپیہ کا ہو، اس کو ہم ۱۰۰؍ روپئے دیکر خریدلیں اور دو چار دنوں کے بعد کمپنی فائدے یا خسارے میں جائے، اگر خسارے میں جاتی ہے، تو شیئرز ۸۰؍ روپیہ کا رہ جاتا ہے، اگر فائدہ میں جاتی ہے، تو شیئرز ۱۲۰؍ کا ہوجاتا ہے، اس شیئرز کو ہم

فروخت کر دیتے ہیں، فروخت کرنے کی شکل میں فائدہ اور نقصان دونوں کا امکان ہے، کیا یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) اگر ۱۰۰ روپیہ والے شیئرز کو ہم دس فیصد جمع کر کے خرید لیں، خرید نے کے ساتھ ساتھ شیئرز کو ایک مہینہ کے اندر فروخت کرنا ضروری ہے، اگر کمپنی خسارے میں ہو، تو فروخت کر دیتی ہے اور فائدے کی صورت میں صاحب معاملہ کی اجازت پر فروخت کرے گی، فروخت کرنے کی صورت میں فائدہ اور نقصان دونوں کا امکان ہے، کیا یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: محمد عارف، حسن، فٹ بیر سینمارو ڈ، بلاسپور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج کردہ کمپنی کے شیئرز کا جو طریقۂ کار ذکر کیا گیا ہے، وہ شرعاً شیئرز کے دائرہ میں داخل نہیں؛ اس لئے کہ شیئرز کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن جانا، جس کمپنی میں حقیقی معنیٰ میں مشروع طریقہ سے کاروبار ہوتا ہو اور حصہ دار اور پارٹنر بننے کا مطلب یہ ہے کہ کمپنی کی پونجی اور آپ کے دیئے ہوئے روپئے کے درمیان میں تناسب دیکھا جائے پھر اس تناسب کے اعتبار سے آپ کے پیسہ سے کمپنی حقیقی معنیٰ میں کاروبار کرے، پھر اس کارو بار سے نفع ہو، تو آپ کو نفع ملے اور کاروبار میں گھاٹا ہو، تو اس گھاٹے کا نقصان آپ کو بھی برداشت کرنا پڑ جائے اور سوال نامہ میں درج کردہ انٹرنیٹ پر شیئرز کے کاروبار کا موجودہ طریقہ اس میں شامل نہیں ہے؛ اس لئے کہ انٹرنیٹ پر صرف اشیاء کا بھاؤ دیکھا جاتا ہے، کبھی بین الاقوامی سطح پر بھاؤ دیکھا جاتا ہے اور کبھی ملکی سطح پر بھاؤ دیکھا جاتا ہے؛ حالانکہ کمپنی اور کمپنی کے آرگنائزر ان اشیاء کے نہ مالک ہوتے ہیں اور نہ ہی ان اشیاء کو براہ راست ہاتھ میں لے کر فروخت کر سکتے ہیں؛ بلکہ ایک ایسی چیز کے بھاؤ تاؤ پر شیئرز کی خریداری ہوتی ہے، جس کے وہ خود مالک

نہیں ہوتے ہیں؛ لٰہذا یہ ایک فرضی معاملہ ہے؛ اس لئے بھاؤ کے اتار چڑھاؤ پر نفع نقصان کا معاملہ محض سٹہ کے مرادف ہے؛ اس لئے شیئرز کی خرید وفروخت کا یہ طریقہ شرعاً ناجائز ہے۔

نیز سوال نمبر۲ر میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ خریدے ہوئے شیئرز کو ایک مہینے کے اندر اندر فروخت کردینا ضروری ہے، تو یہ بھی اس بات پر دلیل ہے کہ شیئرز کے خریدار کا پیسہ کمپنی میں باقاعدہ طور پر استعمال ہوکر کے نفع نقصان کا واسطہ نہیں بن پاتا؛ اس لئے کہ بڑی کمپنی کا کاروبار ہونے کے بعد پھر اس کا حساب کتاب سال کے آخر میں ہی ہو پاتا ہے، اور یہ بات سب کو معلوم ہے؛ اس لئے اس طرح کے شیئرز کے کاروبار کو ہم جائز نہیں سمجھتے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ر ۹۳۲۲)

شیئرز کی خرید وفروخت

سوال [۸۹۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ زمانہ میں کاروبار کا ایک رائج ومصروف طریقہ شیئرز کی خرید وفروخت ہے، تو شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی ۳ر ۴۹۰، ۴۹۱ر پر القصص السنی فی حکم حصص کمپنی کے تحت شیئرز کی خرید وفروخت کے جواز کا فتوی دیا ہے، تو کیا اس زمانہ میں بھی حضرت تھانویؒ کا فتوی قابل عمل ہے یا نہیں؟ اور شیئرز کے ذریعہ تجارت ونفع اندوزی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: احمد صالح،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت تھانویؒ نے القصص السنی میں جو شکلیں

جواز کی لکھی ہیں، وہ آج بھی جائز ہیں اور جو شکلیں کراہت یا عدم جواز کی لکھی ہیں، وہ آج بھی اسی حکم میں ہیں، آپ کو اس کے متعلق کچھ روشنی ایضاح النوادر ۲/۱۰۲ تا ۱۰۶ کے مطالعہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۶۲۷)

شیئرز کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

سوال [۸۹۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں کچھ سرکاری و نیم سرکاری وغیر سرکاری کمپنیاں قائم ہوتی رہیں اور ہو رہی ہیں، جو اعلان کرتی ہیں کہ دس دس روپیہ یا سو سو روپیہ یا ہزار ہزار روپیہ کے ہمارے حصے خرید کر کمپنی میں حصہ دار بن جاؤ، کمپنی چالو ہونے پر سالانہ نفع یا نقصان تقسیم ہوتا رہے گا۔ اب بازار میں ان حصوں کی خرید وفروخت چلتی رہتی ہے، کبھی وہ حصہ دس روپیہ والا پچاس روپیہ میں فروخت ہوتا ہے، کبھی وہ حصہ دس روپیہ کا ہی رہتا ہے، کیا ان حصوں کی خریداری اور فروخت جائز ہے؟

المستفتی: انتظار حسین، کاتب باغ بہادر گنج، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کمپنی کے حصص وشیئرز کی خریداری شرعاً معاملۂ مضاربت میں داخل ہوتی ہے؛ اس لئے شرعاً مضاربت اسی کو کہتے ہیں کہ جس میں ایک جانب سے رقم ہو اور دوسری جانب سے کام ہو، اور نفع ونقصان میں دونوں شریک ہوں اور کمپنی کے شیئرز میں یہ شرائط موجود ہوتی ہیں؛ اس لئے شیئرز کی خریداری جائز ودرست ہے۔

المضاربة عقد يقع على الشركة من أحد الجانبين، ومراده الشركة في الربح. (هداية، كتاب المضاربة، اشرفي ۳/ ۲۵۷)

فإن فضل شيئ كان بينهما؛ لأنه ربح و إن نقص فلا ضمان على المضارب. (هداية، كتاب المضاربة، فصل في العزل والقسمة، اشرفي ۳/ ۲۶۷)

اور دس روپیہ کا حصہ پچاس روپیہ میں اس وقت فروخت ہوتا ہے، جب دس روپیہ کے حصہ میں نفع ہوکر وہ پچاس روپیہ کا حصہ ہو جایا کرتا ہے، اور دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنا سرمایہ وصول کر کے دوسرے کو اپنی جگہ شریک ٹھہرایا جائے اور اس طرح معاملہ جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال المکرم ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۸۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱۰/ ۱۴۱۲ھ

شیئرز بازار کی خرید وفروخت ومنافع کا حکم

سوال [۸۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا بھائی شیئرز بازار میں خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہے اور اس کی آمدنی گھر پر استعمال ہوتی ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ شیئرز بازار میں خرید وفروخت کرنا شرعاً کیسا ہے، اور ان کی آمدنی کا استعمال کرنا شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: بلال احمد، عثمان آبادی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر کوئی کمپنی ایسی ہے، جو شیئرز خریدنے والوں کا پیسہ حقیقی طور پر کمپنی کے کاروبار میں لگاتی ہے، پھر اخیر میں نفع ونقصان کے تناسب سے شیئرز کے حصہ لینے والوں کو ان کا حق دیتی ہے، تو یہ شرعی طور پر شرکت عنان کے دائرہ میں

داخل ہوکر جائز اور درست ہے؛ لیکن ہمارے ہندوستان میں ایسی کمپنیوں کا پتہ نہیں چلتا یا جو شیئرز کے حصہ لینے والوں کا پیسہ براہ راست کاروبار میں لگا کر اس کا تناسب قائم کرتی ہوں؛ بلکہ شیئرز بازار اور شیئرز ہولڈری کے علاوہ اور کچھ نہیں اور شیئرز ہولڈری کا کام ایک طرح سے لاٹری اور جوے کی طرح ہوگیا ہے؛ اس لئے شیئرز بازار کی خرید وفروخت کراہت سے خالی نہیں اور اس کی آمدنی بھی مکروہ ہوگی۔

وقال حسان بن أبي سنان مارأيت شيئاً أهون من الورع دَعْ مايريبک إلى مالا يريبک. (بخاري شريف، باب تفسير المشبهات، النسخة الهندية ۱/۲۷۵)

عن أبي الحوراء السعدي، قال: قلت للحسن بن عليؓ: ما حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: حفظت منه دع ما يريبک إلى مالا يريبک. (سنن النسائي، البحث على ترك الشبهات، النسخة الهندية ۲/۲۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۰۲۳)	۱۴۲۷/۶/۴ھ

یونٹ ٹرسٹ گورنمنٹ آف انڈیا کا شیئرز خریدنا

سوال [۸۹۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یونٹ ٹرسٹ گورنمنٹ آف انڈیا کمپنی گورنمنٹ کا شعبہ ہے، جو اپنا شیئرز بیچتی ہے، اور ۱۴؍ روپئے پر یونٹ اس طرح سے ہر ماہ ۱۰؍ پیسے ۲۰؍ پیسے منافع کمپنی دیتی ہے، اگر منافع کم ہوا، تو بجائے وہ پرسنٹ کے کم بھی دیتی ہے، آج سے چند سال قبل ۲۴؍ پرسنٹ منافع دیتی تھی، اب ۲۰؍ پرسنٹ دے رہی ہے، تو اس سے پتہ چلا کہ ریٹ گھٹتا بڑھتا بھی ہے، سود بول کر نہیں دیتی ہے، منافع سمجھ کر دیتی ہے؛ لہٰذا تحقیق و مدلل مفصل جواب

عنایت فرمائیں، بہت سے مسلمان اس میں ملوث ہیں اور میں بھی ہوں۔

المستفتی: محمد طیب قاسمی، عیسیٰ پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یونٹ ٹرسٹ کے بارے میں معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس میں رقم جمع کرنے والے کا کوئی نقصان نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کا نفع متعین ہے، کمپنی کو نفع ہو یا نقصان رقم جمع کرنے والے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور کمپنی کا منافع میں کمی بیشی کرنا درحقیقت سود ہے، خواہ وہ کسی بھی نام سے دے؛ لہٰذا اس میں شرکت کرنا ناجائز وحرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۰۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۲۰ھ

ایف آئی سی کمپنی کا ایجنٹ بننا اور تجارت میں شامل ہونا

سوال [۸۹۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کمپنی جس کا نام ایف آئی سی ہے، یہ ہندوستانی کمپنی ہے، جس کے مرادآباد سمیت ملک کے متعدد شہروں میں دفاتر ہیں، کمپنی کے بقول ڈائریکٹ سیلنگ کمپنی ہے، یعنی براہ راست فروخت کرنے والی کمپنی مختلف قسم کے سامان فروخت کرتی ہے، جیسے کولر، گیس چولہا، موٹر سائیکل وغیرہ، کمپنی اپنے ایجنٹوں کو دوسرے لوگوں کو کمپنی کا ایجنٹ بنانے کی شرط پر کمیشن دیتی ہے، اور مختلف خطابات وانعامات سے نوازتی ہے، کمپنی کا کہنا ہے کہ ہمارا جو پیسہ ایڈوٹائز یعنی اشتہارات، ٹی وی، ریڈیو، اخبارات ورسائل میں خرچ ہوتا ہے، اسی طرح تھوک بیچنے والا اور ریٹیل والا جو فائدہ بیچنے میں حاصل کرلیتا ہے، ہم ان تمام راستوں کو چھوڑ کر نہ اشتہارات پر خرچ کریں گے، نہ تھوک بیچنے والوں پر، نہ ہم کو پھٹکر بیچنے

والوں کی ضرورت ہے، ہم استعمال کرنے والوں کو اپنا ایجنٹ بنائیں گے اور ہم اس کے ہاتھ اسی قیمت پر سامان فروخت کریں گے، جس قیمت پر کوئی عام رٹیلر بیچتا ہے، کمپنی کی جانب سے فروخت ہونے والی اشیاء کی فہرست اور ریٹ متعین ہیں، اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جو آدمی کمپنی کا ایجنٹ بننا چاہتا ہے، اس کے لئے لازم ہے کہ مطلوبہ سامان کی قیمت جو کم سے کم پچیس سو روپیہ ہے، اورزیادہ سے زیادہ انتالیس ہزار روپیہ ہے، سروس چارج کے ساتھ جمع کردے، کل ملا کر کمپنی کا ایجنٹ بننے کے لئے کم سے کم چونتیس سو روپئے کا جمع کرنا لازم ہے۔

اب وہ آدمی کمپنی کا ایجنٹ بن گیا، پھر اگر مطلوبہ سامان کی قیمت ارسال کردہ رقم کے برابر ہے، تو کمپنی وہ سامان بھیج دے گی؛ لیکن اگر ارسال کردہ رقم سامان کی قیمت سے کم ہے، تو کمپنی ابھی وہ مطلوبہ سامان نہیں بھیجے گی؛ بلکہ وہ ایجنٹ اب دوسرے لوگوں کو کمپنی کا ایجنٹ یاممبر بنائے، ہر ایجنٹ بنانے پر کمپنی کی طرف سے اس کو متعین کمیشن ملے گا، جب ایجنٹوں کے بنانے سے کمیشن کی رقم مطلوبہ سامان کی قیمت کے برابر ہوجائے گی، تو کمپنی اب سامان بھیج دے گی، ہر ایجنٹ کو تین ایجنٹ بنانے لازمی ہیں C.B.A. اور ہر ایجنٹ کو کمپنی کا ایجنٹ یا ممبر بننے کے لئے مذکورہ بالا کم سے کم چونتیس سو روپیہ کا جمع کرنا ضروری ہے، پہلا ممبر بنانے پر پانچ سو روپیہ کا کمیشن، دوسرا ممبر بنانے پر بھی پانچ سو روپیہ کا اور تیسرا ممبر یعنی C بنانے پر ایک ہزار روپیہ کا کمیشن کمپنی کی جانب سے ملے گا۔

اسی طرح آگے بھی ہر ممبر کو تین ممبر بنانے ہیں، یہ سلسلہ لامتناہی ہے، اس کے نیچے جتنے لوگ بھی کمپنی کے ممبر بنیں گے، ان کا کمیشن سب سے پہلے والے ایجنٹ کو بھی کمپنی دیتی ہے، کسی ایجنٹ پر دس فیصد، کسی ایجنٹ پر بیس فیصد جو متعین ہیں؛ جبکہ نیچے والے لوگوں کے کمپنی کا ایجنٹ بننے میں ایجنٹ والوں کا کوئی عمل ومحنت نہیں ہے، کمپنی کو یہ معلوم رہتا ہے کہ کس ایجنٹ نے کس کو ممبر بنایا؛ اس لئے کہ یہ کاروبار انٹرنیٹ سے بھی جڑا ہوا ہے، کمپنی کہتی ہے کہ کھپت کرنے والوں (عوام) کی جو رقم اشتہارات وغیرہ پر خرچ ہوجایا کرتی تھی، وہ رقم ہم اس

سسٹم کے ذریعہ مختلف طریقوں سے انہی لوگوں کو واپس کردیں گے، پھر ایجنٹ اول کے نیچے اس کے نیٹ ورک میں بہت سے لوگ کمپنی سے جڑ جائیں گے، تو اب پہلا ایجنٹ پریمیم کے عہدہ پر مانا جائے گا، اب اس کو کوئی عمل ومحنت کی ضرورت نہیں ہے، گھر بیٹھے اس کو پندرہ ہزار روپیہ کا ڈرافٹ تاحیات کمپنی کی جانب سے آتا رہتا ہے، اس کے انتقال کے بعد اس کے بچوں کو ڈرافٹ آتا رہے گا، یہ ایسی تجارت ہے، جس میں فائدہ ہی فائدہ ہے نقصان نہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ ایف آئی سی کمپنی کا ایجنٹ بننا اور اس تجارت میں شامل ہونا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس ایجنٹ اول کا عمل اور محنت ختم ہونے کے بعد بھی اس کو ملنے والا پیسہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: قمرالدین، محلّہ گھٹاڑی رامنگر، نینی تال (اترانچل)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال کے ہر گوشہ پر غور کیا گیا، اس طرح کے سوالات ہمارے دارالافتاء میں اس سے پہلے بھی متعدد بار آچکے ہیں، اور جوابات بھی لکھے گئے ہیں اور اس قسم کی کمپنی میں ممبر بننے اور ممبر سازی کرنے میں مختلف پہلو نظر آئے، کافی غور وخوض کے بعد اس میں سے صرف دو چیزیں حد جواز کے دائرہ میں سمجھ میں آئی ہیں، باقی دائرۂ جواز سے خارج ہیں اور جو چیزیں حد جواز میں سمجھ میں آئی ہیں، ان میں سے نمبر ایک یہ ہے کہ پہلا ممبر جو سامان کی خریداری کرتا ہے، اور سامان کا مکمل پیسہ کمپنی کو مل جاتا ہے، جس پر کمپنی اس کے ہاتھ سامان فروخت کردیتی ہے۔ نمبر دو وہ شخص براہ راست ممبر ساز بن کر جن لوگوں کو ممبر بنائے گا، اس ممبر سازی کی فیس اس کے لئے لینا جائز ہے، اور کمپنی کے لئے دینا بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ شکل براہ راست آرگنائزر اور دلال کی سی ہے، اور دلال کی اجرت جائز اور مباح ہے۔

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل (إلى قوله) سئل محمد بن سلمة،

عن أجرة السمسار، فقال: أرجوا أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسداً لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز فجوزوه لحاجة الناس إليه. (شامي، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مطلب في أجرة الدلال، زكريا ۹/۸۷، كراچي ٦/٦٣، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٥/١٣٧، رقم: ٢٢٤٦٢، الفتاوى الولوالجيه، دارالأيمان سهارن پور ٣/٣٤٤، الأشباه والنظائر، كراچي ٢/٦٠، المبسوط للرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٥/١٥٥، صحيح البخاري ١/٣٠٣)

ان دو پہلوؤں کے علاوہ باقی جتنے پہلو ہیں جو سلسلہ وار جاری ہیں، وہ سب ناجائز ہیں، ایک پہلو یہ ہے کہ پہلا ممبر اگر مکمل پیسہ نہیں بھیجتا، تو سامان اس کو نہیں ملتا ہے، اور بعد میں ممبر سازی کے ذریعہ سے اس کی فیس سامان کی قیمت کے برابر ہو جائے، تب اس کو سامان ملے گا ورنہ نہیں، تو ایسی صورت میں سامان کی خریداری متردد فیہ ہے کہ اگر ناقص پیسہ بھیجنے کے بعد یہ شخص بیمار پڑ جاتا ہے، یا اس کو موت آجاتی ہے، یا ممبر سازی کے لئے آمادہ نہیں ہے، تو خریداری معلق رہے گی؛ لہٰذا امر متردد فیہ کے ساتھ بیع معلق رہی، جس کی گنجائش نہیں ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ پہلا ممبر براہ راست نیچے کے ممبروں میں سے جن لوگوں کو ممبر نہیں بناتا ہے، پھر اس کو ان ممبروں کی طرف سے کمپنی جو فیس دے گی، وہ حد جواز کے دائرہ میں داخل نہیں ہو سکتی چاہے کمپنی اس نیت سے وہ فیس دیتی ہو کہ پرچار و ایڈوٹائز میں جو خرچ ہوتا ہے، وہی ہم دے رہے ہیں، تب بھی جائز نہیں اس لئے کہ شریعت کے نقطۂ نظر سے اس میں اس کا کوئی عمل دخل متعلق نہیں ہے اور عمل دخل متعلق نہ رہنے کے باوجود گھر بیٹھے ۱۵/ ہزار روپیہ اسے جو تاحیات ملتا رہے گا اور انتقال کے بعد اس کی اولاد کو ملتا رہے گا، یہ شرعاً کسی طرح جواز کے دائرہ میں داخل نہیں ہے؛ اس لئے اس قسم کی کمپنی میں شرکت کرنا اور اس کا پرچار اور ایڈوٹائز کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه اشرفي

۱۱۰، رقم:۹ ۲٦، شرح المجلة رستم اتحاد دیو بند ۱/ ٦۲، رقم المادة: ۹۷، هندیة، زکریا قدیم ۲/ ۱٦۷، جدید ۲/ ۱۸۱، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۱/ ۱۱۲، ۲۸/ ۲٦٤، ۳۷/ ۳٥٤، شامي، زکریا ٦/ ۱۰٦، کراچي ٦/ ٦۱، البحرالرائق، زکریا ٥/ ٦۸، کوئٹه ٥/ ٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۸۳)

شرکت کی ایک ناجائز شکل

سوال [۸۹۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک غیر مسلم شخص کے ساتھ شرکت میں بکریوں کی تجارت کرنا چاہتا ہے، وہ غیر مسلم شخص اس طرح شرکت کرنا چاہتا ہے کہ زید بکریاں خریدے اپنے مال سے اور ان بکریوں کی پرورش، حفاظت، کھلانا پلانا اس غیر مسلم شخص کے ذمہ رہے گا، کھلانے پلانے اور کسی خرچہ کی ذمہ داری زید کی نہیں ہوگی، ان بکریوں سے جو آمدنی ہوگی، مثلاً دودھ بیچ کر یا بچے فروخت کر کے اس آمدنی سے وہ غیر مسلم شخص زید کا کل روپیہ جو بکریوں کی خریداری میں صرف ہوا ہے، واپس کردے گا اور کل روپیہ واپس کر دینے کے بعد ان بکریوں میں آدھے کا شریک ہوجائے گا، اور آدھے آدھے کی شرکت چلتی رہے گی، زید یہ چاہتا ہے کہ کل بکریاں زید کی ملکیت رہیں اور ان سے جو آمدنی ہو، دودھ فروخت ہوکر اور بچے فروخت ہوکر، اس آمدنی میں سے نصف حصہ زید کا رہے گا، نصف حصہ اس غیر مسلم کا رہے گا۔ (کل بکریاں جو خریدی گئیں، وہ زید کی ملکیت رہیں)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں شرکت جائز اور صحیح ہوگی؟ یا کون سی شکل شرکت کی جائز ہے؟

المستفتی: محمد عمیر، کاسگنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کی پیش کردہ شکل اس لئے جائز نہیں ہے کہ جب تمام رأس المال کی قیمت ادا کردیگا، تو اس رأس المال پر اس غیر مسلم کی ملکیت ہوجائے گی اور اس وقت تک جو آمدنی ہوئی ہے، اس کی مقدار معلوم نہیں ہے، جو زید کی ملکیت ہے؛ اس لئے شرکت کا یہ طریقہ جائز نہیں ہے اور زید کی پیش کردہ شکل؛ اس لئے جائز نہیں ہے کہ ادھیا کی شکل ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها ومايكون من اللبن، والسمن بينهما أنصافاً، فالأجرة فاسدة وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامها، وقيمة علفه إن علفها من علف هو ملكه. (هندية، كتاب الأجارة، الباب الخامس عشرة الثالث، زكريا جديد ٤/ ٤٨١، قديم ٤/ ٤٤٥، مجمع الضمانات ١/ ٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۶۰۵)

شریکین میں سے نقصان صرف ایک شریک پر ہو، تو کیا حکم ہے؟

سوال [۸۹۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری بمبئی میں ایک دوکان ہے، جس میں ۱۸؍ گھنٹے کام ہوتا ہے، اس دوکان میں پچاس ہزار کا سامان بھر کر اپنے ایک عزیز کے حوالہ کردی اور طے یہ کیا کہ ۱۲؍ گھنٹے ہمارا عزیز چلائے گا اور چھ گھنٹے میں خود مالک چلاؤں گا، اور ہر مہینہ جو نفع ہوگا، ایک حصہ عزیز کا رہے گا اور تین حصے میرے رہیں گے، اگر دوکان میں نقصان آتا ہے، تو وہ سب میرا ہی ہوگا، عزیز کا اس نقصان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، کیا ہماری دوکان کی یہ شکل درست ہے؟

المستفتی: نسیم احمد، واردحال پونہ (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معاملہ کی یہ شکل نہ شرکت میں داخل ہے، نہ مضاربت میں، شرکت میں اس لئے شامل نہیں کہ دونوں کا سرمایہ نہیں لگا ہے، اور مضاربت میں اس لئے نہیں ہے کہ مضاربت میں رب المال کا کوئی عمل نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ سارا عمل مضارب کا ہی ہوتا ہے، اور یہاں رب المال کی محنت بھی موجود ہے؛ لہٰذا مذکورہ شکل درست نہیں۔

الشركة هي عبارة عن عقد بين المتشاركين في الأصل والربح. (الدر مع الرد، كتاب الشركة، زكريا ٦/٤٦٦، كراچي ٤/٢٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٤٢، مصري قديم ١/٧١٤، الجوهرة النيرة، امداديه ملتان ١/٣٤٤، دارالكتاب ديوبند ١/٣٣٣)

أن اشتراط عمل رب المال في المضاربة مفسد. (شامي، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، زكريا ٨/٤٤٢، كراچي ٥/٦٥٢، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٤٥٦، مصري قديم ٢/٣٣٠، مكتبه امدايه ملتان ٥/٥٦، زكريا ٥/٥٢٢، حاشيه چلبي)

البتہ مذکورہ معاملہ کے جائز ہونے کے لئے دو متبادل شکلیں ہیں۔

اول یہ کہ مالک دوکان سرمایہ کی خرید وفروخت اور دوکان چلانے میں کوئی ذمہ داری نہ لے؛ بلکہ دوکان چلانے اور خرید وفروخت کی ساری ذمہ داری اس کا عزیز لے لے، تو درج کردہ بقیہ شرائط کے مطابق یہ معاملہ جائز ہوجائے گا، یعنی سارا سرمایہ ایک شخص کی جانب سے ہو، اور دوسرے شخص کی جانب سے محنت اور کام ہو۔

المضاربة هي شركة في الربح بمال من جانب وعمل من جانب. (البحر الرائق، كتاب المضاربة، كوئٹه ٧/٢٦٣، زكريا ٧/٤٤٨، مختصر القدوري ١١٨، هداية، اشرفي ٣/٢٥٧، معجم لغة الفقهاء، كراچي ٤٣٤، قواعد الفقه، اشرفي ٤٩٢)

دوسری شکل یہ ہے کہ سوال نامہ میں ذکر کردہ تمام شرائط کو باقی رکھا جائے، سوائے اس کے کہ عزیز کو نفع میں تناسب کے اعتبار سے حصہ دار نہ رکھیں؛ بلکہ اس کے لئے معتد بہ ماہانہ یا ہفتہ واری تنخواہ مقرر کر دی جائے، تو اس تنخواہ کی حیثیت عزیز کی محنت کے محنتانہ اور اجرت کی ہوگی اور یہ شکل معاملۂ اجارہ میں داخل ہو کر جائز ہو جائے گی۔

وشرطها كون الأجرة، والمنفعة معلومتين. (شامي، كتاب الإجارة، زكريا ۷/۹، كراچي ٦/٥، هداية، اشرفي ۳/۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۹۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/۱۴۳۱ھ

ہر ماہ دو ہزار دینے پر شرکت کرنا

سوال [۸۹۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے ایک بھائی نے بیس ہزار روپئے لگا کر ایک دوکان میں شرکت کر لی، اور دوکاندار سے یہ طے کر لیا کہ مجھے ہر مہینہ دو ہزار روپئے دیئے جائیں؛ چنانچہ دوکاندار ہر مہینہ میرے بھائی کو دو ہزار روپئے دیتا ہے، اور جب کبھی شرکت ختم کرنی ہوگی، تو بیس ہزار روپئے واپس مل جائیں گے، میرے بھائی کا دوکاندار سے یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: وسیم احمد، وارد حال پونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت کے مطابق آپ کے بھائی کا کسی کی دوکان میں ۲۰/ ہزار روپیہ کے ذریعہ شرکت کر کے اپنے لئے ماہانہ دو ہزار روپئے نفع کی شرط لگانا شرعاً درست نہیں ہے؛ بلکہ ان پر لازم ہے کہ یا تو یہ معاملہ ختم کر لیں یا اپنے لئے نفع کا کوئی متناسب حصہ مقرر کریں؛ اس لئے کہ ایسا بھی ممکن ہے کہ دوکان میں کچھ نفع نہ ہو یا صرف دو ہزار روپئے کا ہی نفع ہو، تب بھی دو ہزار روپئے دوکاندار کا آپ کے بھائی

کو دینا ضروری ہوگا، شریعت میں یہ معاملہ جائز نہیں ہے۔

وتفسد باشتراط دراهم مسماة من الربح، لأحدهما لقطع الشركة. (شامي، كتاب الشركة، مطلب اشتركا على أن ما اشتريا من تجارة فهو بيننا، زكريا ٤٨٩/٦، كراچي ٣١٦/٤)

لو كان المال منهما في شركة العنان –إلى قوله– إن شرطا الربح على قدر رؤس أموالهما جاز. (هندية، الباب الثالث في شركة العنان، زكريا جديد ٣٢٦/٢، قديم ٣٢٠/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۹۴۴)

ایک شریک کا دوسرے پر احسان جتانا

سوال [۸۹۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو پارٹنر ہیں، ایک کا پیسہ ہے اور ایک ورکنگ پارٹنر ہے، اور فائدہ بھی ہو رہا ہے، اور پیسہ والے پارٹنر کا حصہ قریب دس لاکھ ہوگیا ہے، وہ ہر وقت یہ کہتا رہتا ہے نقصان ہے، میں اگر ایف ڈی آر کراتا، انشورنس کراتا، شیئرز بازار میں لگاتا تو بہتر تھا ورکنگ پارٹنر پر احسان جتانے کے لئے یہ کہتا ہے، تو اس کا یہ کہنا ہر وقت جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: انتظار حسین، قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جائز کاروبار میں دو آدمی پارٹنر بنے ہیں، اور اس میں کاروبار کی جائز شرائط بھی موجود ہیں، تو جو کچھ بھی نفع ہوگا، وہ حلال اور پاک ہے، اور حلال منافع کے مقابلہ میں لائف انشورنس اور شیئرز کے ذریعہ سے ملنے والے سود کو محض زائد ہونے کی وجہ سے بہتر قرار دینا نادانی اور جہالت ہے؛ اس لئے کہ سود میں ملنے والا پیسہ حرام اور ناپاک ہے اور اوپر سے اللہ اور رسول کی لعنت اس کے اوپر ہوتی ہے۔

وأما ركن العقد–إلى–وما يؤدي معاني هذه الألفاظ بأن يقول: رب المال خذ هذا المال مضاربة على أن ما رزق الله، أو أطعم الله منه من ربح، فهو بيننا علي كذا من نصف، أو ربع، أو ثلث، أو غير ذلك من الأجزاء المعلومة. (بدائع الصنائع، كتاب المضاربة، زكريا ۵/۱۰۹، كراچي ۶/۷۹)

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم، آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن أكل أمر با وموكله، النسخة الهندية ۲/۲۷، بيت الأفكار، رقم:۱۵۹۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۵۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۵ھ

(۵) باب المضاربة

مضاربت جائز اور سود حرام ہے

سوال [۸۹۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کچھ مدت کے لئے غیر ممالک جانا چاہتا ہے، اور واپسی کا امکان بھی ہے اور نہیں بھی ہے، اس وجہ سے اپنے بال بچوں کے لئے زید اپنے بھائی بکر کو مثلاً ایک لاکھ روپیہ دینا چاہتا ہے، جس سے بکر ان روپیوں کو اپنے بزنس میں شامل کرے اور زید کے بال بچوں بیوی کو چار ہزار یا پانچ ہزار روپیہ ماہانہ دیدے، تو کیا زید کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا؟ یا ان کے بھائی بکر کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا؟ یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ بکر کو اس ماہ میں جتنا نفع ہوگا، زید کے لئے روپئے کے بقدر پرسینٹیز نکال کر زید کی عیال کو دے، اس میں ماہانہ روپئے متعین نہیں ہو پائیں گے۔

المستفتی: محمد شاکر عالم، تخت والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں دوشکلیں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے پہلی شکل صریح سودی معاملہ ہے؛ اس لئے ناجائز ہے۔

دوسری شکل مضاربت کی ہے جو بلاشبہ جائز ہے۔

كشرط دراهم معينة من الربح لأحدهما، فإنه يقطع الشركة في الربح لاحتمال أن لا يربح غيره. (مجمع الأنهر، كتاب الشركة، قديم ١/٧١٦، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٤٤، الدر المختار، كراچي ٤/٣٠٥، زكريا ٦/٤٧٥)

وكون الربح بينهما شائعاً فلو عين قدراً فسدت. (الدر مع الشامي، كتاب المضاربة، كراچي ٥/٦٤٨، زكريا ٨/٤٣٣)

وأن يكون الربح جزأ شائعا في الجملة لا معيناً، فإن عيناعشرة، أومائة أو نحو ذلك كانت الشركة فاسدة. (هندية، كتاب الشركة، الباب الاول، زكريا قديم ٢/ ٣٠٢، جديد ٢/ ٣١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ رجب المرجب ١٤٢٢ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٦/ ٧٣٢٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٨/ ٧/ ١٤٢٢ھ

کسی ایک شریک کے انتقال ہونے کے صورت میں مضاربت کا حکم

سوال [٨٩٤٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کاروبار میں کچھ رقم اپنے بھائی سے لے کر لگائی اور طے پایا کہ اس میں جو نفع ہوگا، اس میں سے تیس پیسہ تمہارا اور ستر پیسہ میرا ہوگا؛ کیونکہ محنت ساری زید کی تھی، زید وہ منافع برابر اپنے بھائی کو دیتا رہا۔

٣٠/ مارچ کو زید نے اپنے بیٹے اور بیوی سے کہا کہ میرے پاس میرے بھائی کا پیسہ ہے، اور یہ میں نے آج تک یعنی ٣٠/ مارچ تک کا حساب بنا دیا ہے، تم میرے انتقال کے بعد یہ رقم میرے بھائی کو دیدینا اور میرا فلاں فلاں جگہ اتنا پیسہ ہے، یہ سب وصول کر کے تم میرا قرضہ ادا کر دینا اور حکم ربی ٣٠/ مارچ کی رات ہی کو ان کا انتقال ہوگیا۔

اب زید کے بیٹے نے باپ کی وصیت کے مطابق وہ سارا پیسہ وصول کر کے والد کے بھائی کا پورا پورا قرض ادا کر دیا، روپیہ اکٹھا کرنے میں چار مہینہ لگ گئے، اب زید کے بھائی کا کہنا ہے کہ مجھے چار مہینہ کے بھی منافع دو، تو کیا زید کے بھائی کو ان چار مہینوں کا منافع لینا جائز ہے؟ جبکہ زید کے دو بیٹے ہیں، بڑے بیٹے کی عمر اکیس سال ہے اور دوسرا چودہ سال کا ہے۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اور اس کے بھائی کے درمیان جو معاملہ ہے، شریعت میں وہ معاملہ مضاربت کہلاتا ہے، اور معاملۂ مضاربت رب المال اور مضارب میں سے کسی کے بھی انتقال سے باطل ہوجاتا ہے؛ لہٰذا جب زید کی وفات ہوگئی، تو اس کی وفات پر معاملۂ مضاربت ختم ہوگیا۔ اب صرف اتنی بات رہ گئی کہ جس کا جو حق تھا، حساب وکتاب صاف کرکے اسے دے دیا جائے؛ لہٰذا حساب وکتاب صاف کرنے میں اور وصولی قرضہ وغیرہ میں جو چار مہینہ کی تاخیر ہوئی ہے، اس تاخیر کا کوئی پرافٹ زید کے بھائی کو نہیں ملے گا۔

إذا مات رب المال، أو المضارب بطلت المضاربة؛ لأنه توكيل على ما تقدم وموت الموكل يبطل الوكالة، وكذا موت الوكيل ولا تورث الوكالة.

(هداية، كتاب المضاربة، اشرفی دیوبند ۳/ ۲٦۵)

وتبطل المضاربة بموت أحدهما أي بموت المالك، أو المضارب لكونها وكالة وهي تبطل به ولا يورث. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٥٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳٦/ ۷٦۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/٦/۱۴ھ

مضاربت میں نفع ونقصان کے تناسب کا طریقۂ کار

سوال [۸۹۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور بکر نے شرکت میں ایک کاروبار کیا، زید نے کاروبار میں رقم لگائی؛ لیکن بکر نے رقم نہیں لگائی۔

(۲) دونوں نے مال تجارت بھیجا وہ مال راستے میں خراب ہوگیا، جسے دوکاندار نے کم قیمت میں لینا منظور کیا، اس بات پر زید کا دوکاندار سے جھگڑا ہوگیا۔

(۳) بکر نے دوکاندار کو حلال تجارت بیچ کر رقم زید کو دی؛ لیکن زید نے مذکورہ رقم نہیں لی اور وہ رقم بکر کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔

(۴) وہ رقم لے کر بکر تنہا آرہا تھا کہ وہ رقم راستے میں لوٹ لی گئی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ رقم کے متعلق حکم شرعی کیا ہے؟ آیا بکر کے ذمہ اس رقم کی ادائے گی زید کو واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ بکر پہلے سے مقروض چل رہا ہے، وہ کس طرح ادائے گی کرے؟

المستفتی: محمد فاضل، پینٹھ، اتوار، سرائے ترین، سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اور بکر کا آپس میں یہ معاملہ مضاربت ہے، جس میں نفع ونقصان جانبین میں سے ہر ایک کی طرف منسوب ہوتا ہے؛ لہٰذا مال کی خرابی کی بناء پر نفع میں جو کمی ہوئی ہے، اس میں زید اور بکر و دونوں برابر کے شریک ہوں گے اور زید کا کمی کی وجہ سے رقم لینے سے انکار کرنا درست نہیں ہے، اور اس سے عقد مضاربت پر کوئی اثر نہیں پڑا، اس کے بعد جب بکر کے پاس سے وہ ساری رقم لٹ گئی، ہلاک ہوگئی، تو بکر زید کے حصہ کا ضامن نہ ہوگا۔

نیز جو رأس المال ہلاک ہوا ہے، وہ بھی رب المال یعنی زید ہی کے پاس سے گیا، بکر پر اس کا ضمان بھی لازم نہیں ہے۔

وان هلك أحد المقتسمين قبل أن يقبض رب المال نصيبه هلك من مالهما جميعاً. (هندية، كتاب المضاربة، الباب الثالث في الرجل يدفع المال الخ زكريا قديم ٤/ ٢٩٠، جديد ٤/ ٢٩٨)

وإن قسم الربح وبقيت المضاربة، ثم هلك المال أو بعضه ترادّا الربح ليأخذ المالك رأس ماله، وما فضل فهو بينهما، وإن نقص لم

یضمن. (البحر الرائق، کوئٹه۷/۲٦٨، زکریا ٧/٤٥٦، در مختار، قبیل فصل في المتفرقات، کراچي ٥/٦٥٦، زکریا ٨/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۵۹۴۱)

مضاربت میں نفع ونقصان دونوں میں شرکت اور تعین کا حکم

سوال [۸۹۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک انجمن کھولی ہے، جس میں کافی مسلمان اپنے پیسے جمع کرتے ہیں، جس کی قسط ہر ماہ چار سو روپئے ہے، یہ ساڑھے پانچ سال کی مدت ہے، جس میں ہماری رقم چھبیس ہزار چار سو روپئے جمع ہوئی، مدت پوری ہونے کے بعد زید ہمیں اکتالیس ہزار پانچ سو روپئے دیگا، اس انجمن میں نقصان طے نہیں ہے؛ کیونکہ یہ انجمن تقریباً ۲۰ رسال سے چل رہی ہے، آج تک نقصان نہیں ہوا۔ اس میں مالی منافع ہی طے ہے، زید کا کہنا ہے کہ ہم اس رقم سے زمین خریدتے ہیں اور اس میں پیڑ لگاتے ہیں اور اس کی پرورش کے بعد اس کو کٹوا کر بیچتے ہیں، اس میں جو منافع ہوتا ہے، اس کو ہم بھی لیتے ہیں اور اسی میں سے رقم جمع کرنے والوں کو بھی منافع دیتے ہیں۔ تو یہ منافع ہم لوگوں کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب سے نوازیں۔ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد یونس، مدرسہ فلاح دارین کاٹھ، دروازہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شجرکاری کی مذکورہ صورت میں چوں کہ نفع ونقصان دونوں میں شرکت کی شکل نہیں ہے، صرف نفع میں شرکت کی شکل ہے۔ نیز نفع میں ثلث ربع وغیرہ کی تعیین بھی نہیں ہے کہ نفع میں سے کتنے فی صد کس کو ملے گا؟ اس کی کوئی

صراحت نہیں اور شرکت کی تجارت میں یہ دونوں شرطیں لازم ہوتی ہیں جو کہ یہاں مفقود ہیں؛ اس لئے انجمن کا معاملہ شرعی طور پر جائز نہیں۔

ومن شروطها كون نصيب المضارب من الربح حتى لو شرط له من رأس المال، أو منه ومن الربح فسدت. وفي الجلالية: كل شرط يوجب جهالة في الربح، أو يقطع الشركة فيه يفسدها (قوله في الربح كما إذا شرط له نصف الربح، أو ثلثه. (در مختار مع الشامي، كتاب المضاربة، كراچي ٥/٦٤٨، زكريا ٨/٤٣٣، مجمع الأنهر، درالكتب العلمية بيروت ٣/٤٤٦، البحر الرائق، زكريا ٧/٤٤٩، كوئٹه ٧/٢٦٤، هداية، اشرفي ديوبند ٣/٢٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۴۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۲ھ

مضاربت میں فیصد کی تعیین لازم ہے رقم کی نہیں

سوال [۸۹۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بھدوہی سے قالین کمپنی سے آڈر اٹھاتا ہے، جس کی بنائی فی گز دو ہزار روپیہ ملتی ہے، بھدوئی سے لاکر اپنے مقام پر کاریگروں سے پندرہ سو روپئے گز بنوائی دیتا ہے، بنوائی میں کاری گروں کو پیشگی روپیہ دینا پڑتا ہے، زید کے پاس روپئے نہ ہونے کی وجہ سے وہ دوسرے لوگوں سے روپئے لے لیتا ہے اور دو سو روپئے فی گز منافع دینے کو کہتا ہے، وقت کی کوئی قید نہیں ہے، قالین دو ماہ میں بھی اتر سکتی ہے اور چھ ماہ میں بھی اتر سکتی ہے، جب بھی قالین اترے گی، تب ہی حساب ہوگا، یہ روپیہ لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ شوکت علی،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے لئے یہ جائز ہے کہ دو ہزار روپیہ کے حساب سے بنوائی طے کر کے کاریگروں سے پندرہ سو روپیہ میں بنوائی کرالے، اور یہ بھی جائز ہے کہ کاری گروں کو پیش گی روپیہ دیدیا کرے؛ لیکن دوسروں سے پیسے لے کر کاریگروں کو ادا کرنی کا مسئلہ قابل غور ہے، جن لوگوں سے روپیہ لیا جاتا ہے، اگر ان سے ایسا معاملہ طے ہوتا ہے کہ پندرہ سو روپیہ میں بنوائی ہوتی ہے اور دو ہزار روپیہ میں قالین کمپنی کو دی جاتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر قالین میں فی گز، پانچ سو روپیہ نفع ہوتا ہے، اور اس پانچ سو روپیہ کے منافع میں سے دوسو روپیہ ان لوگوں کو دینے کی بات ہوتی ہے، جن سے روپیہ لیا گیا، اور اگر کسی وقت منافع پانچ سو روپیہ سے کم ہوجائے ،تو اس کے تناسب کے حساب سے ان لوگوں کے منافع میں بھی کمی آجاتی ہے، جن سے روپیہ لیا گیا ہے اور اگر منافع پانچ سو سے زیادہ ہوجاتا ہے، تو جن سے پیسے لئے گئے ہیں، ان کے منافع میں اسی تناسب سے روپیہ زائد ہوجاتا ہے، یعنی منافع کے دو حصہ قرض دینے والے کے اور تین حصہ آڈر دینے والے کے، تو ایسی صورت میں یہ معاملہ مضاربت میں داخل ہوکر جائز ہوگا اور اگر معاملہ ایسا نہ ہو؛ بلکہ منافع کی مقدار پانچ سو روپیہ سے کم یا زیادہ ہوجائے، دوسو روپیہ فی گز ہر حال میں ان لوگوں کو دینا لازم ہے، جن سے پیسہ لیا گیا، تو ایسی صورت میں یہ سودی معاملہ میں داخل ہوکر ناجائز اور قابل ترک ہوجائے گا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۲۲)

في شركة البزازية: حيث قال وإن لأحدهما ألف، وللآخر ألفان، واشتركا واشترطا العمل على صاحب الألف، والربح أنصافاً جاز، وكذا لو شرطا الربح، والوضيعة على قدر المال، والعمل من أحدهما بعينه جاز، والربح إنما يستحق بالمال، أو بالعمل، أو بالضمان.

(شامي، كتاب المضاربة، كراچي ٥/٦٤٦، زكريا ٨/٤٣٠، هداية، اشرفي ديوبند ٢/٦٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رشعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۳۰/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۵ھ

مضارب کی محض نفع میں شرکت کا حکم

سوال [۸۹۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد اور راشد نے پانچ پانچ لاکھ روپئے یعنی کل دس لاکھ روپئے زید کو دیئے اور دونوں نے زید سے کہا کہ آپ اس رقم سے جہاں کہیں سمجھ میں آوے، وہاں ہوٹل بناؤ یا تیار ہوٹل خرید لو، اور ہوٹل چلانے یا خریدنے کے بعد آپ اس کو چلاؤ، آپ کو اس کے بدلہ میں ہوٹل میں سے چالیس فیصد حصہ دیا جائے گا۔ اب زید نے چھ مہینہ تک بہت دوڑ دھوپ کی اور ہوٹل بنالیا یا خرید لیا، اور اس ہوٹل کو چلانا شروع کیا، اور دس سال تک برابر چلایا اور شرط کے مطابق نفع بھی برابر تقسیم ہوتا رہا، دس سال کے بعد کچھ نا اتفاقی کی وجہ سے سب نے مل کر ہوٹل کو فروخت کر دیا اور فروخت کے بعد اس کی قیمت پندرہ لاکھ روپیہ آئی؛ جبکہ ہوٹل دس لاکھ روپیہ میں تیار ہوا تھا، اور پانچ لاکھ روپیہ منافع آیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس پانچ لاکھ کے منافع میں زید چالیس فیصد حصہ کا حقدار ہوگا یا نہیں؟ جبکہ خالد اور راشد نے بذات خود ہوٹل بنا کر نہیں دیا؛ بلکہ انہوں نے تو صرف زید کو رقم حوالہ کی اور اس کو اپنی صواب دید کے مطابق ہوٹل خریدنے یا بنانے کا اختیار دیدیا تھا، اور اسی وقت حصہ کی تعیین بھی ہو چکی تھی کہ اب آپ کو ان سب کے بدلہ میں نفع میں سے چالیس فیصد حصہ دیا جائے گا۔ اب زید کہتا ہے کہ شرط کے مطابق ہوٹل کی بلڈنگ میں بھی میرا حصہ ہونا چاہئے؛ جبکہ خالد اور راشد اس سے انکار کر رہے ہیں، تو از روئے

حدیث وفقہ مسئلہ کو مدلل ومفصل واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسماعیل، ماہی، خادم التدریس والإفتاء دار العلوم چھاپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالد اور راشد کا زید کو پانچ پانچ لاکھ روپئے ہوٹل بنانے یا خریدنے کے لئے دینا اور زید کے لئے نفع میں سے چالیس فیصد مقرر کرنا مال مضاربت کی وجہ سے درست ہے؛ لہٰذا جتنا نفع ہوگا، اس میں سے چالیس فیصد کا زید حقدار ہوگا؛ چونکہ بلڈنگ زید کے پاس سے نہیں خریدی گئی ہے؛ بلکہ نفع میں سے صرف چالیس فیصد کا زید کو حقدار قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے زید نفع میں سے چالیس فیصد کا حقدار ہوگا۔ بلڈنگ میں سے حقدار نہیں ہوگا؛ کیونکہ بلڈنگ میں جو پیسہ لگا ہے، وہ خالد اور راشد کا ہے، وہی رأس المال ہے، جو مالکوں کے پاس شرعی طور پر واپس ہونا چاہئے،زید کا یہ کہنا کہ شرط کے مطابق بلڈنگ، میں میرا حصہ ہونا چاہئے سوال نامہ میں ایسی کوئی شرط کا تذکرہ نہیں ہے۔

خذه على أن لك نصف الربح، أو ثلثه جاز وله المشروط والباقي لرب المال؛ لأنه نماء ملكه والمضارب يستحق بالشرط. (بزازيه، كتاب المضاربة، الفصل الثاني، فيما يملك المضارب وما لا يملك، جديد زكريا ٣/ ٣٩، وعلى هامش الهندية، زكريا ٦/ ٧٨)

وإن كانا يقتسمان الربح والمضاربة بحالها، ثم هلك المال بعضه، أو كله تراد الربح حتى يستو في رب المال رأس المال. (هداية، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، اشرفي ديوبند ٣/ ٢٦٦، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٢٦٨، زكريا ٧/ ٤٥٦، در مختار، قبيل فصل في المتفرقات، كراچي ٥/ ٦٥٦، زكريا ٨/ ٤٤٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٥٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۲۶ھ

دوسرے کی رقم سے مکان بنا کر فروخت کرنے اور منافع میں شرکت کا تناسب

سوال [۸۹۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس زمین ہے، مکان بنوانے کے لئے روپئے نہیں ہیں، اگر میں کسی ساتھی سے روپئے لے کر مکان بنواؤں اور اس کو روپئے کے عوض ایک مکان دیدوں تو کیا یہ جائز ہے؟

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر میں اپنے ساتھی سے روپئے مکان بنانے کے لئے لوں اور مکان بیچ کر منافع دونوں برابر لے لیں اور ساتھی کی اصل رقم بھی واپس کردوں، کیا یہ شکل شریعت میں مذکور مضاربت میں داخل ہوسکتی ہے؟ جو بھی حکم شرعی ہو، تحریر فرمائیں یا اس کی کوئی متبادل جائز شکل تحریر فرمانے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: اکرام الحق،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روپیہ کے بدلہ میں مکان کا دینا ہر حال میں جائز ہے، گویا کہ اس کے عوض میں مکان بیچ دیا گیا ہے، اور اگر مکان کی قیمت زیادہ ہو، تو وہ بھی لیا جاسکتا ہے اور آپ نے اپنے ساتھی سے مکان بنانے کے لئے پیسے قرض لئے ہیں، اور قرض کے پیسوں سے مضاربت کا معاملہ کرنا جائز ہے اور آپ نے ان پیسوں کے ذریعہ جو مکان بنایا ہے، وہ سب آپ کا ہے، اور اس سے آپ کو جو نفع حاصل ہوا ہے، وہ بھی صرف آپ کا ہے، آپ کے ساتھی کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے اور قرض ادا کرنا آپ کے ذمہ ضروری ہوگا؛ ہاں البتہ اگر اس پیسہ سے معاملۂ مضاربت کے لئے الگ سے معاہدہ ہوجائے، تو معاہدہ کے بعد گنجائش ہے اور موجودہ صورت میں چوں کہ معاہدہ نہیں ہے؛ اس لئے گنجائش نہیں ہے۔

فالحاصل أن الصلح على أجود أنقص قدراً من حقه لايجوز، وإن على المثل، أوأقل قدراً وجودةً جاز. (البزازيه، كتاب الصلح، الفصل الثاني في الدين، جديد زكريا٣/ ١٩، وعلى هامش الهندية، زكريا ٦/ ٣٢)

ومنهما أن يكون رأس المال عيناً لاديناً، فالمضاربة بالديون لا تجوز. (عالمگيري، كتاب المضاربة، الباب الأول في تفسيرها وركنها الخ زكريا قديم ٤/ ٢٨٦، جديد ٤/ ٢٩٤، تاتارخانية، زكريا ١٥/ ٣٩٣، رقم: ٢٢٥٠٤)

وأما المضاربة بدين، فإن كان على المضارب فلا يصح، وما اشتراه له والدين في ذمته. (البحرالرائق، زكريا ٧/ ٤٤٨، كوئٹه ٧/ ٢٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۳۴۷)	۱۴۲۸/۶/۲۵ھ

پانچ فیصدی نفع پر زمین تلاش کر کے فروخت کرنا

سوال [۸۹۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کاظم زمین کا معاملہ کرتا ہے؛ لیکن زمین کی تلاش وجستجو خود نہیں کرتا؛ بلکہ ناظم سے کراتا ہے اور ناظم اس سے یہ کہتا ہے کہ زمین خریدنے کے بعد اس کی فروخت پر جو منافع ہوگا، اس میں سے پانچ فیصدی میں لونگا، تو اب ناظم کے لئے یہ پانچ فیصدی منافع لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حاکم، چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ناظم کا کاظم سے یہ کہنا کہ زمین خریدنے کے بعد اس کی فروخت پر جو منافع ہوگا، اس میں سے پانچ فیصد میں لوں گا، یہ ایک طرح کی کاروباری

شرکت کا معاملہ ہے، جس میں پیسہ کاظم کی طرف سے ہے اور محنت ناظم کی طرف سے ہے، اور منافع کا پانچ فیصد ناظم کے لئے متعین ہے، یہ شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔

المضاربة عقد يقع على الشركة بمال من أحد الجانبين، ومراده الشركة في الربح، وهو يستحق بالمال من أحد الجانبين، والعمل من الجانب الآخر. (هداية، كتاب المضاربة، اشرفي ديوبند ۳/ ۲۵۷، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٤۳، تاتارخانية، زكريا ۱۵/ ۳۹۰، رقم: ۲۳٤۹۲، البحرالرائق، زكريا ۷/ ٤٤۸، كوئٹه ۷/ ۲٦۳)

فإن شرطا أن المشترى بينهما نصفان، والربح كذلك يجوز (إلى قوله) لأن الربح لا يستحق إلا بالمال، أوالعمل، أو بالضمان، فرب المال يستحقه بالمال، والمضارب يستحقه بالعمل. (هداية، كتاب الشركة، اشرفي ديوبند ۲/ ٦۳٤، شامي، كتاب المضاربة، كراچي ۵/ ٦٤٦، زكريا ۸/ ٤۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۸۸۶۸)	۱۴۲۶/۶/۲۳ھ

دس فیصد کے منافع پر سرمایہ لگانا

سوال [۸۹۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنے ایک مسلمان بھائی کو اس کے مطالبہ پر اس کے کاروبار میں دس فیصد منافع پر کچھ سرمایہ فراہم کیا ہے، دینی اور شرعی رو سے مذکورہ منافع جائز ہوگا یا ناجائز؟ اس پر آپ بحیثیت مفتی فیصلہ کن روشنی ڈالئے۔

المستفتی: عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرمنافع کا فیصد متعین کیا جائے،تو جائز ہے، یہ شرعاً مضاربت ہے اوراگر رأس المال کے فیصد کےلحاظ سے منافع حاصل کرنے کی بات ہو،تو جائزنہیں ہے۔

من شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعاً لا يستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح. (هداية، كتاب المضاربة، اشرفي ديوبند ٢٥٨/٣، هندية، كتاب الشركة، الباب الأول، زكريا قديم ٣٠٢/٢، جديد ٣١١/٢، در مختار مع الشامي، كراچي ٦٤٨/٥، زكريا ٤٣٣/٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۵رصفرالمظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۵۶۰۶/۳۳)

الجواب صحیح:
احقرمحمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۵ھ

دو ہزار نفع کی شرط لگانا،عقد مضاربت میں داخل نہیں

سوال[۸۹۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید پانچ لاکھ کی لاگت کا کاروبار کرتا ہے،عمر نے بطور مضاربت اس کو دو لاکھ روپئے دیئےاور کہا کہ مجھے ہر ماہ دو ہزار روپئے دیتے رہنا، چندسال کاروبار چلتا رہا،اس کے بعد کاروبار میں کچھ نقصان ہوا،اور رفتہ رفتہ پورا کاروبار ختم ہوگیا،اور جو مال دوسروں کو ادھار دیا تھا،اس کی بھی رقم ملنے کی امیدنہیں ہے،ادھرعمر اپنے دو لاکھ کا مطالبہ کررہاہے؛ جبکہ زید دودو ہزار کر کے عمر کو تقریباً دو لاکھ سے زیادہ ادا کرچکا ہے،اب ایسی صورت میں معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ معاملۂ مضاربت کرنا صحیح ہے یانہیں؟ دونوں صورتوں میں زید کے ذمہ عمر کے دو لاکھ روپئے اسے دینا واجب ہے یانہیں؟ جبکہ زید کا سارا اثاثہ ختم ہوچکا ہےاور اگر زید عمر

کے دولا کھادا نہ کرے، تو عند اللہ گرفت ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: شاہد ابصار، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں عمر کی طرف سے زید کو دو لاکھ روپیہ دے کر ہر ماہ دو ہزار روپیہ کی شرط لگانا بہرحال شرط فاسد ہے، جو مضاربت کی شکل ہی نہیں ہے؛ بلکہ ایک سودی معاملہ ہے، اور ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ فیصد کے اعتبار سے حصہ نفع متعین ہوتا؛ لہٰذا جب اصل معاملہ ہی فاسد ہوا، تو اس پر ہونے والا لین دین بھی ناجائز ہوگا۔

وشرطها كون الربح بينهما شائعاً، فلو عين قدراً فسدت. (درمختار، كتاب المضاربة، كراچي ٥/٦٤٨، زكريا٨/٤٣٣)

ومن شرطها أن يكون الربح بينهما شائعاً لا يستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح؛ لأن الشرط ذلك يقطع الشركة بينهما. (هداية مه الفتح، زكريا٨/٤٧٠، كوئٹه ٧/٤١٧، حاشية چلبي على تبين الحقائق، امداديه، ملتان ٥/٥٤، زكريا ديوبند٥/٥١٨، الفقه على المذاهب الأربعة مكمل٥ ٢٦)

إذا تلف بعض مال المضاربة يحسب في أول الأمر من الربح، ولا يسرى إلى رأس المال، وإذا تجاوز مقدار الربح، وسرى إلى رأس المال، فلا يضمنه المضارب سواء كانت المضاربة صحيحة، أو فاسدة...... الضرر والخسار يعود في كل حال على رب المال، وإذا شرط أن يكون مشتركاً بينه، وبين المضارب، فلايعتبر ذلك الشرط .... استحقاق رب المال لما له، فإذ فسدت المضاربة، فالربح كله له، والمضارب بمنزلة أجيره له أجر المثل؛ لكن لا يتجاوز القدر المشروط حين العقد ولا يستحق أجر المثل إن لم يكن ربح؛ لأنه في المضاربة الصحيحة لا تستحق شيئاً إذا لم يربح، فينبغي أن يكون كذلك في المضاربة الفاسدة. (شرح المجلة، اتحاد

دیوبند ۲/۷۵۶-۷۵۷، رقم المادة: ١٤٢٧١٤٢٦، فتاوی حقانية ٦/٣٤٧-٣٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۰۶/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۲۴ھ

رب المال کا معاملہ ختم ہونے سے قبل رأس المال لینے کا حکم

سوال [۸۹۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو اپنی ذاتی رقم سے ایک کمپنی لگانی ہے؛ جبکہ اس کمپنی میں دوا سازی کا فارمولہ عمر کا ہے، اور زید اور عمر میں یہ طے ہوگیا ہے، کہ زید کا نفع ۶۰ ؍فیصد ہوگا اور عمر کا نفع ۴۰ ؍فیصد ہوگا؛ لیکن زید اس نفع سے پہلے اپنی وہ رقم نکالنا چاہتا ہے، جو کہ کمپنی کو لگانے میں اس نے لگائی ہے، کیا زید کو اس کی اجازت ہے کہ وہ پہلے نفع سے اپنی لگائی رقم لے اور بعد میں نفع کی تقسیم طے شدہ طور پر ہو۔

المستفتی: حکیم سلیم اختر، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ مضاربت کی ایک شکل ہے، اور مضاربت میں جب تک معاملہ کا سلسلہ باقی رہے گا، اس وقت تک رأس المال کا کاروبار میں لگائے رکھنا لازم ہوتا ہے اور جب رأس المال نکال لیا جائے گا، تو مضاربت کا معاملہ ہی ختم ہوجاتا ہے؛ اس لئے رأس المال نکال کر وصول کرلینا، پھر اس کے بعد نفع تقسیم کرنے کی بات درست نہیں ہے، ہاں البتہ یہ اس وقت درست ہوسکتا ہے، جب معاملہ ختم کرنا طے ہوجائے۔

ومن شروطها كون نصيب المضارب من الربح حتى لو شرط له من

رأس المال،أو منه ومن الربح فسدت. (شامي، كتاب المضاربة، كراچي ٥/٦٤٨، زكريا ٨/٤٣٣، البحرالرائق، زكريا ٧/٤٤٩، كوئٹه ٧/٢٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۰۸۰/۴۰)

مضاربت ختم کرنے کے بعد مضارب سے نفع طلب کرنے کا حکم

سوال [۸۹۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر انعام الحق نے زید سے کاروبار کے لئے دو لاکھ روپئے لئے کہ میں ان دو لاکھ سے کاروبار کروں گا، اور نفع آدھا آدھا ہوگا؛ چنانچہ انعام الحق نے رقم لے کر سامان خرید لیا؛ البتہ سامان لانے میں دیر ہوگئی، سامان خریدنے کے بعد زید نے کہا کہ ہم مال نہیں لیں گے، آپ کسی اور سے کاروبار کرلیں، میرا پیسہ واپس کردیں، میں نے واپس کرنے کا وعدہ کرلیا، اس میں وعدہ خلافی ہوگئی، مگر واپس کردیا، پھر کاروبار میں نفع ہوا۔ اب زید اس میں نفع بھی مانگ رہا ہے، کیا زید کا نفع مانگنا درست ہے؟

المستفتی: انعام الحق، قنوج (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں مذکورہ معاملہ عقد مضاربت کی ایک شکل ہے؛ لیکن جب انعام الحق نے مقرر کردہ وقت کے بعد سامان خریدا اور رب المال زید نے اپنا لگایا ہوا روپیہ واپس لے کر معاملہ ختم کردیا، تو ان کے درمیان شرکت مضاربت ختم ہوگئی اور پیسہ ادا کرنے کے بعد خریدا ہوا تمام مال انعام الحق کی ملک ہوگیا؛ لہٰذا بعد میں اس مال سے کاروبار کرنے میں جو نفع ہوا، وہ خالص انعام الحق کی ملکیت ہے، زید کا اس میں کوئی حق نہیں؛ اس لئے کہ زید اور انعام الحق کے درمیان کا معاملہ پہلے ختم

ہو چکا تھا اوراس مشترک معاملہ کے ختم ہونے کے بعد انعام الحق نے یہ نفع حاصل کیا ہے۔

المضاربة عقد شركة بمال من أحد الشريكين وعمل من الآخر. (تبيين الحقائق، كتاب المضاربة، امدادية ملتان ٥/٥٢، زكريا ٥/٥١٤، هداية اشرفي ديوبند ٣/٢٥٧، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٤٤٣، تاتارخانية، زكريا ١٥/٣٩٠، رقم:٢٣٤٩٢)

ان التسليم إلى المضارب شرط صحة المضاربة. (تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٥/٥٦، زكريا ديوبند ٥/٥٢٢)

وينعزل بعزله. (شامي، باب المضارب يضارب، كراچي ٥/٦٥٥، زكريا ٨/٤٤٣)

فما استقاموا لكم على العهدة ما استقيموا لهم على الوفاء. (تفسير مظهري، سورة التوبة، تحت رقم الآية٧، زكريا قديم ديوبند ٤/١٤٠، زكرياجديد ٤/١٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۱۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۷/۱۴۳۱ھ

مضاربت کی ایک صورت

سوال [۸۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے خالد کو ایک دوکان دی، جس میں پچاس ہزار روپئے کا سامان تھا، دوکان زید کی، کام خالد کا، اور ہر مہینہ دوکان سے جو نفع ہوگا، وہ زید اور خالد کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہوگا اور یہ معاہدہ ایک سال تک کے لئے ہے، ایک سال پورا ہونے پر اگر دوکان کا سامان پچاس ہزار سے کم ہوگا، تو وہ زید اور خالد کے نفع سے پورا کیا جائے گا، اور اگر ہر مہینہ دوکان سے نفع نہ ہوا؛ بلکہ نقصان ہوا، تو یہ نقصان زید جو مالک ہے، اسی کا سمجھا جائے گا، خالد

اس نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا، اس معاہدہ پر یہ دوکان تقسیم ہوئی، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا مالک اورکام کرنے والا دونوں صرف نفع میں شریک ہوں گے یا نقصان میں بھی؟ اگر نقصان میں شریک نہ ہونے کی شرط لگائی تو کیا یہ عقد صحیح ہوگا یا فاسد ہوگا؟

المستفتی: تسلیم احمد، وارد حال پونہ (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ شکل معاملۂ مضاربت میں شامل ہے اور معاملۂ مضاربت میں رأس المال کے اندر نقصان کا ذمہ دار رب المال ہوتا ہے، اور جو بھی کم زیادہ نفع ہوتا ہے، اس میں طے شدہ شرائط کے مطابق دونوں صاحب معاملہ شریک ہوتے ہیں، اس اعتبار سے سوال نامہ میں مذکور معاملہ میں زید رب المال ہے اور خالد مضارب ہے، اور گھاٹے کی جو بات کہی گئی ہے اس سے مراد اگر رأس المال میں گھاٹا ہے تو وہ زید رب المال کے سر جائے گا اور نفع میں دونوں طے شدہ شرائط کے مطابق شریک ہوں گے اور اسی طرح یہ شرط بھی صحیح ہے کہ سال پورا ہونے پر دونوں کے منافع سے رأس المال کو پورا کیا جائے گا، جس کی صورت یہ ہے کہ درمیانِ سال میں جس کے حصہ میں جتنا نفع آتا ہے، اس کو سامنے رکھ کر دونوں کے مجموع تناسب سے پہلے رأس المال کو پورا کیا جائے گا، اس کے بعد جو بچے اس کو طے شدہ شرائط کے مطابق یہ دونوں حضرات آپس میں تقسیم کرلیں۔

المضاربة هي شركة في الربح بمال من جانب، وعمل من جانب.

(البحر الرائق، كتاب المضاربة، كوئٹه ۷/ ۲٦۳، زكريا ۷/ ٤٤۸،هداية، اشرفي ديوبند ۳/ ۲۵۷، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٤۳، تاتارخانية، زكريا ۱۵/ ۳۹۰، رقم: ۲۳٤۹۲)

مافات جزء من المال بالهلاك يلزم صاحب المال دون غيره.

(تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۵/ ۵٦، زكريا ديوبند ۵/ ۵۲۱)

ما هلك من مال المضاربة، فهو من الربح دون رأس المال. (هندية، الباب الرابع عشر في هلاك المضاربة، زكريا قديم ٣١٨/٤، جديد ٣٢٧/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۹۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۳؍۱۴۳۱ھ

دوسرے سے رقم لے کر کوچنگ سینٹر قائم کر کے نفع برابر تقسیم کرنا

سوال [۸۹۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس رقم ہے، بکر کا زید سے کہنا ہے کہ یہ رقم مجھے دیدو کوچنگ سینٹر قائم کرلوں اور کوچنگ کا ایک اسکول چلاؤں، جو منافع ہوگا، اس میں سے آدھا زید کا آدھا بکر کا۔

سوال یہ ہے کہ زید کا بکر سے اس طرح کا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے؟ اور کیا یہ مضاربت کی شکل ہے یا اور کوئی شکل ہے؟

المستفتی: ماسٹر صدیق، گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں معاملہ کی جو شکل بیان کی گئی ہے کہ زید کا مال ہوگا اور بکر کی محنت ہوگی اور منافع دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوا کریں گے، تو شرعاً یہ مضاربت کی شکل ہے اور یہ معاملہ شرعاً جائز ہے۔

وكون الربح بينهما شائعاً، فلو عين قدراً فسدت، وكون نصيب كل منهما معلوما للعقد. (در مختار مع الشامي، كتاب المضاربة، كراچي ٦٤٨/٥، زكريا ٤٣٣/٨، هداية، اشرفي ديوبند ٢٥٨/٣، مجمع الأنهر قديم

۱/۷۱۶، جدید دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۵۴٤، هندیة، زکریا قدیم ۲/۳۰۲، جدید ۲/۳۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۲۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۶ھ

ایک کا پیسہ اور دوسرے کی محنت ہو، تو کیا حکم ہے؟

سوال [۸۹۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بکر سے ایک ہزار روپئے لئے اور طے یہ ہوا کہ میں تجارت کروں گا، نفع دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا اور شرکت جب ختم ہوگی، تو میں ایک ہزار روپیہ تمہیں واپس دیدوں گا، کیا یہ معاملہ درست ہے؟

المستفتی: اسرار احمد، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ شرعاً مضارت یا شرکت عنان ہے، جو بلا شبہ جائز ہے۔

المضاربة عقد يقع على الشركة بمال من أحد الجانبين (وقوله) ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعاً الخ. (هداية، كتاب المضاربة، اشرفي ديوبند ۳/۲۵۸، درمختار، كراچي ۵/٦٤٨، زكريا ۸/٤٣٣، هندية، كتاب الشركة، الباب الأول، زكريا قديم ۲/۳۰۲، جديد ۲/۳۱۱، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۷۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۱۴ھ

دوثلث اور ایک ثلث کے منافع پر شرکت کرنے کا حکم

سوال [۸۹۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے عمر کو تجارت کے لئے پچاس ہزار رقم دی؛ لیکن شرط یہ لگادی کہ اس میں جو فائدہ ہوگا، اس کا تین حصہ کیا جائے گا، جس میں دو حصہ ہمارا یعنی زید کا اور ایک حصہ تمہارا یعنی عمر کا، تو کیا اس طرح سے روپئے لے کر تجارت کرنا یا روپئے دینا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے، تو کیوں ہے اور گنہگار کون ہوگا؛ لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد وثیق الرحمٰن پورنوی، متعلم مدرسہ ہٰذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شکل شرعاً مضاربت کی ہے، اور یہ معاملہ شرعاً صحیح اور درست ہے، اور ہر ایک طے شدہ شرائط کے مطابق اپنے اپنے حصے میں نفع وصول کرنے کا حقدار ہے۔

أن یکون المشروط لکل واحد منهما من المضارب، ورب المال من الربح جزأ شائعاً نصفاً، أو ثلثاً، أو ربعاً. (بدائع الصنائع، کتاب المضاربة، فصل وأما شرائط الرکن، کراچي ٦/٨٥، زکریا دیوبند ٥/١١٩، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/٤٤٦، در مختار، کراچي ٥/٦٤٨، زکریا ٨/٤٣٣، هندیة، کتاب الشرکة، الباب الأول، زکریا قدیم ٢/٣٠٢، جدید ٢/٣١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۱۱/۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۲/۶/۲۱ھ

عقد مضاربت کی دو شکلیں

سوال [۸۹۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک لاکھ روپیہ کپڑے کے کاروبار کے لئے دیئے ہیں، اس شرط پر -/600 روپیہ ہفتہ بطور منافعہ لیتا رہے گا، تو کیا یہ صحیح ہے، اگر غلط ہے، تو زید اس پیسے کا یعنی -/600 روپیہ ہفتہ جو منافع آتا ہے، کیا کرے گا زید گنہگار ہوگا یا نہیں؟

زید نے ایک لاکھ روپیہ کا کپڑا دیا ہے، اس شرط پر کہ شام تک جو بکری ہوگی یعنی صبح سے شام تک جو ۱۰؍ پرسنٹ کے حساب سے نفع گھاٹا ہوگا، وہ بانٹ لیا جائے گا، مد پوری ہی رہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر غلط ہے تو صحیح کس شکل میں ہوگا؟

المستفتی: محمد حنیف قادری، لال مسجد، سرائے ترین، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ شرعاً عقد مضاربت میں داخل نہیں ہے، نہ ہی عقد شرکت میں؛ لہٰذا اس طرح کی شرط جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر اس طرح شرط لگائی جاتی کہ نفع میں سے ثلث یا نصف کوئی ملا کریگا، تب جائز ہوتا؛ لہٰذا یہ معاملہ شرعاً جائز نہیں ہے اور اس طرح کا روپیہ لینا شرعاً سود میں داخل ہے اور دیئے ہوئے روپئے قرض کے حکم میں ہیں اور قرض کے بدلے نفع حاصل کرنا سود ہے؛ لہٰذا یہ کل قرض جر نفعاً کے تحت داخل ہوکر حرام ہوگا۔

وقوله لا يصح إلا بالمال الذي يصح به الشركة، وهو أن يكون رأس المال، ودراهم، أودنانير. عند أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ أوفلوساً رائجة عند محمدؒ حتى أن المضاربة بما سوىٰ هذه الأشياء لا يجوز إجماعاً. (عنايه، فتح القدير، كتاب المضاربة اشرفي ديوبند ۲۵۸/۳، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۴۴۵/۳)

دوسری شکل میں زید نے جوایک لاکھ کا کپڑا دے کر دس پرسینٹ نفع کے اعتبار سے معاملہ کیا ہے، یہ شرعاً جائز ہے۔

ولو دفع إليه عرضًا وقال بعه، واعمل مضاربة في ثمنه جاز؛ لأنه يقبل الإضافة من حيث أنه توكيل وإجارة فلا مانع من الصحة. (هداية اخيرين، كتاب المضاربة، اشرفى ديوبند ۳/ ۲۵۸، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۸؍ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۴۸)	۱۴۲۰/۲/۲۸ھ

مضاربت سے متعلق چند مسائل

سوال [۸۹۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں چند سرمایہ داروں نے بسلسلہ کاروبار شرعی مضاربت کی بنیاد پر مندرجہ ذیل شرائط تحریر کے طور پر اپنے تمام سرمایہ کاروں سے طے کررکھی ہیں۔ وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) اگر کسی معاملہ میں نہ اتفاقی ہوگئی، تو فیصلہ شریعت کے مطابق ہوگا۔

(۲) دونوں فریقین میں سے اگر کوئی کام ختم کرنا چاہے گا، تو ایک ماہ پیشتر اطلاع دینی ہوگی اور اس اطلاعی ماہ کا نفع نہ مل سکے گا۔

(۳) رقم بالا پر جو نفع ہوگا اس نفع کا چالیس فیصدی ہر ماہ کے حساب پر دیا جائے گا۔

براہ کرم مہربانی فرماکر قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ آیا یہ شرعی طور سے جائز ہے؟ اور اس میں رقم لگانا جائز ہے؟ کیونکہ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ سرمایہ دار اس رقم کو کس قسم کے کاروبار میں لگاتے ہیں، اور نہ ہی یہ کتنی مقدار کے منافع پر چالیس فیصد دے رہے ہیں۔ اس طریقے کے مطابق جو یہ منافع دے رہے ہیں کیا جائز ہے؟ جزاکم اللہ خیراً۔

المستفتی: عبدالرشید، باندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اطلاعی ماہ کا نفع نہ مل سکے گا یہ شرط فاسد ہے اور خلاف شریعت ہے؛ اس لئے اس شرط کا اعتبار نہ ہوگا، پس اطلاعی ماہ کا نفع دینا بھی ضروری ہے۔

قال في الهداية: وكل شرط يوجب جهالة في الربح يفسده لاختلال مقصوده وغير ذلك من الشروط الفاسدة لا يفسدها. (فيصح العقد) ويبطل الشرائط. (هداية، كتاب المضاربة، اشرفي ديو بند ۲۵۸/۳، در مختار وكراچي ٦٤٨/٥، زكريا ٤٣٤/٨)

چالیس فیصد نفع کا ہر ماہ دیا جائے گا، یہ شرط صحیح ہے جب اسمیں مال کی مقدار کا کوئی ذکر نہیں، تو کل مال کے کل منافع کا چالیس فیصد رب المال کا ہر ماہ کے حساب پر واجب الاداء ہے۔

قال في الهداية: ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعاً. (هداية، اشرفي ديو بند ۲۵۸/۳، هندية، كتاب الشركة، الباب الاول، زكريا قديم ۳۰۲/۲، جديد ۴۱۱/۲، در مختار مع الشامي، كراچي ٦٤٨/٥، زكريا ٤٣٣/٨)

یہ معلوم نہیں کہ کس قسم کے کاروبار میں اس رقم کو لگاتے ہیں، سو جب رب المال نے کوئی قید نہیں لگائی، تو یہ مضاربت ہے اور ہر کاروبار اس سے کیا جانا صحیح ہوگا؛ البتہ ضروری ہوگا کہ حرام اور سودی کاروبار میں رقم نہ لگائی جائے۔ وہذا ظاہر۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۰۵/۲۴)

۲۷/ کتاب الربوا

(۱) باب ما یتعلق بنفس الربوا

سود کی لعنت

سوال [۸۹۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سود کو قرآن میں اللہ نے حرام کہا ہے اور ایک حدیث فضائل اعمال میں ہے کہ سود کے ایک درہم کو لینا ۳۵/ بار زنا کرنے کے برابر ہے، تو کیا سود لینا جائز ہے؟ سوال کا جواب دین حنیف کی روشنی میں عنایت فرمائیں؟

المستفتی: مظہر محمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود لینا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، اللہ رب العزت نے اسے حرام قرار دیا ہے؛ لہٰذا سود دلانے کا مطالبہ حرام اور نا جائز ہے اور حدیث شریف میں ربا کے ایک درہم کو لینا ۳۶/ بار زنا کے برابر کہا ہے، نہ کہ ۳۵/ بار۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا . [البقرہ:۲۷۵]

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آکل الربوا، ومؤکله، وکاتبه، وشاهدیه، وقال: هم سواء. (مسلم شریف، باب لعن أکل الربا ومؤکله، النسخة الهندیة، ۲/ ۲۷، بیت الأفکار رقم:۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، باب في آکل الربا، ومؤکله، النسخة الهندیة ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم:۳۳۳۳)

عن عبد اللّٰہ بن حنظلة غسیل الملائکة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: درهم ربوا یأکله الرجل، وهو یعلم أشد من ستة وثلاثین زنیة.

(مسند أحمد بن حنبل۵/ ۲۲۵، رقم: ۲۲۳۰۳، مسند البزار، مکتبة العلوم والحکم ۸/ ۳۰۹، رقم: ۳۳۸۱، سنن الدارقطني، کتاب البیوع، دارالکتب العلمیة بیروت۳/ ۱۳، رقم: ۲۸۱۹-۲۸۲۱، مشکاة ۱/ ۲۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۴/ ۱۴۳۵ھ

کیا سود لینا اور دینا دونوں برابر ہیں؟

سوال [۸۹۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سود کا لینا اور دینا برابر ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز، نئی آبادی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: حدیث میں آیا ہے کہ سود لینے والا اور دینے والا دونوں لعنت کی وعید میں برابر کے شریک ہیں۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم آکل الربوا، ومؤکله، وکاتبه، وشاهدیه، وقال: هم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آکل الربا ومؤکله، النسخة الهندیة، ۲/ ۲۷، بیت الأفکار رقم: ۱۵۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۱۹)

سود ناجائز کیوں؟

سوال [۸۹۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج بازار میں ہر چیز کی قیمت دس گنا بڑھا دی جائے اور آج جس شخص

کی جتنی آمدنی ہے، اسے بھی دس گنا بڑھا دی جائے ،تو کیا لوگوں کو چیزوں کی خریداری کرنے میں کچھ دشواری ہوگی؟ یا بازار کی ہر چیز کی قیمت دس گنا کم کر دی جائے اور لوگوں کی آمدنی بھی دس گنا کم کر دی جائے ،تو لوگوں کی قوت خرید میں کوئی فرق پڑے گا ،یا وہ پہلے ہی جیسا قوت خریداری محسوس کریں گے؟

مان لیا ۱۹۷۵ء میں کسی شخص کی تنخواہ پانچ سو روپیہ تھی، اس وقت چاول کی قیمت ایک روپیہ کیلو اور گیہوں کی قیمت اسی پیسے کیلو تھی ، پھر ۲۰۰۵ء میں چاول ۱۰/ روپیہ کیلو اور گیہوں آٹھ روپیہ کیلو ہو گئے، اور اسی طرح تیس سال کے عرصہ میں ہر چیز کی قیمت دس گنا بڑھ گئی اور اس شخص کی آمدنی بھی پانچ سو روپیہ سے بڑھ کر پانچ ہزار ہو گئی ،تو کیا وہ شخص ۱۹۷۵ء کے مقابلہ میں ۲۰۰۵ء میں زیادہ امیر ہو گیا یا زیادہ غریب ہو گیا؟ میری رائے میں وہ شخص امیر ہوا نہ غریب؛ کیونکہ ۱۹۷۵ء کے پانچ سو روپئے کے نوٹ کی قوت خریداری ۲۰۰۵ء کے پانچ ہزار نوٹ کے قوت خریداری کے برابر ہے، اسی طرح کسی شخص نے ۱۹۷۵ء میں ہزار روپئے بینک میں جمع کئے تھے اور وہ شخص ۲۰۰۵ء میں بینک سے دس ہزار روپیہ پاتا ہے، تو گویا وہ ۱۹۷۵ء کا ہزار روپیہ ہی پاتا ہے، تو کیا وہ بینک سے سود لینے کا گہنگار ہوگا یا نہیں ؟ اسی طرح کسی عورت کا دین مہر ۱۹۷۵ء میں ایک ہزار روپیہ طے ہوا تھا، تو ۲۰۰۵ء میں اگر اس کا شوہر ایک ہزار ہی ادا کرے تو کیا اس عورت کی حق تلفی نہیں ہوگی؟

المستفتی: محمد جاوید قاسمی ، چاند پور ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود جس کو اللہ نے حرام کیا ہے، وہ ہر حال میں حرام رہے گا، اگر چہ قوت خریداری کم ہو یا زائد۔ انسانوں اور ہمارے فائدوں کو ہمہ شما سے زیادہ اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے، اس کے سامنے ازل سے ابد تک پیش آنے والے تمام واقعات وحالات ہیں، وہ حکیم ہے، اس کے حکمت بھرے حکم میں اپنی حماقت بھری رائے داخل کرنا اپنے کو دنیوی اور اخروی خسارے میں ڈالنا ہے۔

عن جابر بن عبد اللہؓ، قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم آکل الربوا، ومؤکله، وکاتبه، وشاهدیه، وقال: هم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آکل الربا، ومؤکله، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، باب في آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۴/ ۱۴۲۶ھ

سودا اور معاہدہ میں فرق

سوال [۸۹۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم کو سودا اور معاہدے کے بارے میں جان کاری درکار ہے، جو اس طرح ہے کہ مالک جائیداد اور کرایہ دار کے درمیان ایک معاہدہ ہوا، اس کی تحریر اس طرح ہے کہ کرایہ دار اس وقت 75% فی صدی کرایہ بڑھائے گا، اور ہر پانچ سال بعد موجود کرایہ میں دس فی صدی کی بڑھوتری کرتا رہے گا، تو کرایہ دار کو کسی طرح پریشان نہیں کیا جائے گا اور نہ بے دخلی کی کارروائی کی جائے گی، ہم اور ہمارے وارثان وقائم مقام اس تحریر کے پابند رہیں گے، تحریر کر دیا گیا تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آوے۔

اب کرایہ بڑھانے کے لئے مالک جائیداد نے کہا تو کرایہ دار نے ان کو مذکورہ بالا یہ تحریر دکھائی، مگر مالک جائیداد نے اس تحریر کو نظر انداز کرتے ہوئے کرایہ دار کے خلاف بے دخلی کا دعویٰ کر دیا اور عدالت سے مانگ کی کہ کرایہ دار سے کرایہ پر معقول سود بھی دلایا جائے۔

کیا معاہدہ جس کے بارے میں قرآن مجید میں ہے۔ **والموفون بعهدهم إذا عٰهدوا.** اور پورا کرو جب عہد کرو، کیا توڑنا جائز ہے عہد کا؟

المستفتی: مظہر محمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آخری مدت متعین نہیں کی گئی ہے، تو پانچ سال پورے ہونے کے بعد مالک مکان کو مکان خالی کرانے کا حق ہو جائے گا اور پانچ سال پر کرایہ بڑھانے کا جو معاہدہ ہوا ہے، وہ گویا کہ اس کے مرادف ہے کہ ہر پانچ سال پر نیا معاہدہ ہوا کرے گا؛ لہٰذا پانچ سال پورے ہونے کے بعد مالک مکان کو نیا معاہدہ طے کرنے اور مکان سے بے دخلی کا دعویٰ کرنے کا حق ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: آجر داره كل شهر، بكذا فلكل الفسخ عند تمام الشهر. (شامي، كتاب الإجارة، قبيل باب الإجارة الفاسدة، زكريا ۹/ ٦١، كراچي ٦/ ٤٥)

وإن كان استأجرها كل شهر فلكل واحد منهما أن ينقض الإجارة عند رأس الشهر. (المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ١٥/ ١٣١)

ثم إذا تم الشهر كان لكل واحدمنهما نقض الإجارة لانتهاء العقد الصحيح بشرط أن يكون الآخر حاضراً. (تبيين الحقائق، زكريا ٦/ ١١٢، امداديه ملتان ٥/ ١٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶؍ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۹۴)	۱۶/ ۴/ ۱۴۲۵ھ

سودی رقم سے خریدی گئی جائیداد کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال [۸۹۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سے بیس بیگھہ زمین بٹائی پر اس شرط کے ساتھ لی گئی کہ آدھا پانی آدھا کھاد اور آدھا بیج زید بھی ادا کرے گا، اس میں باہم رضامندی سے یہ بات طے پائی، مگر

زید بہت بڑا سودخور تھا، انتہائی شہرت کا سودخور ہے، وہ زمین بھی اسی پیسے سے خریدی گئی، گوکہ وہ دوسری تجارت بھی کرتا ہے، مگر پیسہ سب وہی تھا، ایسی صورت میں زمین میں آدھا پانی آدھا بیج اور آدھا کھاد لینا اور فصل کو آدھا آدھا بانٹ لینا، جس نے زمین بٹائی پر لی شرع میں اس کے لئے جائز ہے یا ناجائز ہے؟

المستفتی: محلّہ دیپا سراء سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت شرعاً مزارعت کی جائز شکل ہے؛ کیونکہ اس میں عمل اور آلۂ زراعت عامل کی طرف سے ہے۔

وإن كانت الأرض، والبذر لواحد، والبقر والعمل لواحد جازت المزارعة. (هداية، كتاب المزارعة اشرفي ٤/٤٢٦، مختصر القدوري ١٥٥، الدر مع الرد، زكريا ٩/٤٠١، كراچي ٦/٢٧٨)

زید سے بٹائی پر لینے والے کے لئے حاصل شدہ حق حلال اور جائز ہوگا؛ البتہ زید پر زمین کی قیمت کے بقدر رقم صدقہ کرنا لازم ہے، اور جب تک اتنی مقدار صدقہ نہ کرے، اس وقت تک جو منافع زید کو حاصل ہوں گے، ان کا صدقہ کرنا زید پر لازم ہوگا، بٹائی پر لینے والے پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔

كما استفاده من الهداية: وأصله أن الغاصب والمودع إذا تصرف في المغصوب، أو الوديعة وربح لا يطيب له الربح عندهما. (هداية، كتاب الغصب، اشرفي ٣/٣٧٥، بدائع الصنائع، كراچي ٦/٨٧، زكريا ٥/١٢٠-١٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۲۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۳۰؍۷؍۱۴۱۱ھ

کیا دارالحرب میں سودی کاروبار جائز ہے؟

سوال [۸۹۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دارالحرب میں وہاں کے لوگوں سے سود کا لینا دینا جائز ہے، اس کے بارے میں ہم مفتیان کرام سے وضاحت چاہتے ہیں کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟

المستفتی: فہیم احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ دارالحرب میں حربیوں سے وہی مسلمان سود لے سکتے ہیں، جو مسلمان خود اس دارالحرب کے رہنے والے نہ ہوں؛ لہٰذا ہندوستان یا پاکستان کے وہ مسلمان جو یورپ وامریکہ ملازمت کے لئے یا عارضی طور پر تجارت کے لئے یا کسی اور مقصد کے لئے ویزا لے کر جاتے ہیں، ان کے لئے وہاں کے سرکاری بینک اور وہاں کے غیر مسلموں سے سود حاصل کرنا اور اس کو اپنے استعمال میں لانا جائز اور درست ہے؛ لیکن خود ان ملکوں کے رہنے والے مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔

ولا بين حربي، ومسلم مستأمن، ولو بعقد فاسد، أو قمار ثمة.

(شامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ۷/۴۲۲، كراچي ۵/۱۸۶، ايضاح النوادر ۱/۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹ رجمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۷۶۲)	۱۴۳۰/۶/۲۹ھ

دارالحرب میں حربیوں سے سود لینے کی ایک شرط

سوال [۸۹۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ (زمانہ حربی ہے) ایک مسلمان کا حربی سے دس روپیہ کے گیارہ روپیہ لینا سود ہے؟ کیا یہ جائز ہے؟

المستفتی: حافظ ایوب علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دارالحرب میں حربیوں سے سود کے جواز کے لئے بہت سے شرائط ہیں، ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہیکہ سود لینے والا مسلمان دارالحرب کا رہنے والا نہ ہو؛ بلکہ دارالاسلام سے آیا ہو، یہ شرط ملتی ہی نہیں اس لئے ناجائز ہے۔ تفصیل امدادالفتاوی زکریا ۳/۱۵۶ میں معائنہ فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۵۹۱)

کیا ہندوستان میں سود کے جواز کی کوئی شکل ہے؟

سوال [۸۹۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ نے مذکورہ کتاب کے ضمیمہ میں ۱۶۰/ پر انڈین مسلمانوں کے لئے چین وامریکہ سے سود کا جواز نقل کیا ہے، اور امدادالفتاوی ۳/ ۱۵۷ کا حوالہ دیا ہے جو کہ زیر بحث مسئلہ ہے، ''رافع الضنک عن منافع البنک'' نام سے حضرت تھانوی قدس سرہ کا مستقل مضمون ہے۔

حالانکہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے اس مضمون میں مطلقاً حرمت سود کی رائے کو اختیار کیا ہے جو کہ امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ کا قول ہے، اور طرفینؒ کی مستدل حدیث شریف ''لا ربیٰ بین المسلم والحربي في دار الحرب'' کا جواب دیا ہے کہ یہ حدیث نہ قطعی الثبوت ہے اور نہ قطعی الدلالۃ ہے اور حدیث حرمت سود میں دارالحرب کا استثناء کلام اللہ میں زیادتی اور تخصیص کا مترادف ہے جو کہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ حدیث سے ہی ممکن ہے۔

قیاس کا سہارا تو منصوصات بالاِ جماع محل قیاس واجتہاد نہیں ہے، اور طرفینؒ کے مسلک کی روشنی میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ خود حضرت کی تصریح کے مطابق ''علی سبیل التنزل'' ہے؛ لہٰذا اس کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ حضرت تھانویؒ کی رائے طرفینؒ کے مطابق جواز کی ہے، احقر کی ناقص رائے میں درست نہیں ہے، اس مسئلہ پر احقر کو تین وجوہ سے اشکال ہے۔

(۱) طرفینؒ کے قول کا مفتی بہ ہونا جبکہ قوت دلیل امام ابو یوسفؒ کے قول میں ہے اور علامہ شامیؒ نے عقو درسم المفتی ۶۹ میں فرمایا ہے۔ ع

وقیل من دلیله أقویٰ رجح ☆ وذا لمفت ذي اجتهاد الأصح

اور حضرت تھانویؒ قدس سرہ یقیناً مفتی مجتہد تھے؛ لہٰذا ان کا قوت دلیل کی بنیاد پر امام اعظمؒ کے قول کے برخلاف، امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دینا بالکل برحق ہے؛ چنانچہ دارالعلوم کے دارالافتاء سے بھی یہی فتوی دیا جاتا ہے۔

(۲) جواز کی رائے کا امداد الفتاوی کے حوالہ سے حضرت تھانوی قدس سرہ کی طرف انتساب؛ حالانکہ امداد الفتاوی میں حضرت تھانویؒ نے عدم جواز کی رائے کو اختیار کیا ہے۔ کما مر آنفاً.

اور یہی حضرت کی آخری اور قطعی رائے ہے؛ چنانچہ امداد الفتاوی ۳/۱۵۵ کے حاشیہ میں مرقوم ہے، ''تنبیہ از حکیم الامت دام ظلہم العالی: یہ رسالہ بینک وغیرہ سے سود لینے کے مسئلہ میں میری آخری تحقیق ہے، اگر کوئی تحریر میری اس کے خلاف دیکھی جائے، تو وہ سب اس سے منسوخ (یعنی مرجوع عنہ) ہے ''اشرف علی''

(۳) آپ نے ایضاح النوادر ۹۸/ میں یہ مسئلہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''تمام اکابرین کا فتوی بھی اسی پر ہے''- حالانکہ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے فتاوی رشیدیہ ۵۰۲/ میں اور مفتی محمود صاحب قدس سرہ نے فتاوی محمودیہ ۱۳/۳۷۲/ میں اور مفتی رشید احمد صاحب

مدظلہ نے احسن الفتاوی ۷/۲۰ میں، امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق بلا استثناء دار الحرب مطلقاً سود کی حرمت کا فتوی دیا ہے اور حضرت تھانویؒ کی رائے بھی امداد الفتاوی ۳/۱۵۸/ حوالہ سے سامنے آگئی۔ اور مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ فقہی مقالات ۱/۲۹۷/ میں غیر مسلم ممالک کے عالمی بینکوں سے حاصل ہونے والے سود کے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں رقمطراز ہیں ''ہم بھی ان سفارشات کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ان بینکوں کا سود بھی حقیقت میں عین ربا ہی ہے اور جمہور فقہاء کا صحیح اور مختار قول یہی ہے کہ سود حرام ہے؛ اگرچہ وہ کسی حربی سے لیا جائے الخ''

احقر کے تتبع اور استقراء کے مطابق صرف مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ نے کفایت المفتی ۸/۵۴/ میں جواز کا فتوی دیا ہے؛ لیکن اس کا ضعف بالکل واضح ہے؛ کیونکہ انہوں نے ہندوستان میں سود کے جواز کا فتوی دیا ہے، جس کے طرفینؒ بھی قائل نہیں ہیں؛ کیوں کہ ان کے نزدیک دار الحرب میں سود کے جائز ہونے کے لئے جہاں مختلف شرائط ہیں وہیں آخذ کا مستأمن ہونا بھی شرط ہے، جیسا کہ رد المحتار ۴/۱۸۸/ وغیرہ میں صراحت ہے اور ان شرائط کو حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی ۳/۱۵۷/ میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔

آپ حضرات کی شفقتوں اور مسائل فقہیہ میں غایت درجہ احتیاط کے پیش نظر یہ چند سطور جناب والا کی خدمت میں ارسال کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ اور جواب کا از حد مشتاق اور منتظر ہوں، اگر کوئی خلاف ادب اور نامناسب بات بلا اختیار سبقت قلمی کے باعث تحریر میں آگئی ہو، تو معذرت خواہ ہوں۔ ع

والعذر عند كرام الناس مقبول

المستفتی: محمد ارتضاء الحسن رضی، کاندھلوی عفی عنہ، متعلم تدریب فی الإفتاء دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایضاح النوادر ۱/۹۸ میں ہندوستانی، پاکستانی مسلمان کے لئے چین، امریکہ، جرمنی اور اٹلی وغیرہ ممالک میں عارضی طور پر جاکر وہاں

کے غیر مسلم عوام اور سرکاری بینک سے سود حاصل کرنے کے جواز کا فتویٰ ہے- اس میں آخر میں یہ جملہ لکھا گیا تھا کہ تمام اکابر کا فتویٰ بھی اسی پر ہے، جس کا حوالہ ایضاح المسائل کے ضمیمہ میں بھی دیا گیا ہے، اس پر آنجناب کو اشکال ہے- اولاً یہ گزارش ہے کہ اس دنیا میں کوئی انسان خطاء ونسیان سے خالی نہیں ہے، یہ نااہل بھی ایک کمزورترین انسان ہے؛ اس لئے اپنی تحریرات میں سے کسی قابل رجوع مسئلہ پر کوئی صاحب علم توجہ دلاتا ہے، تو ہر وقت رجوع کے لئے تیار رہتا ہے۔ آنجناب کی تحریر پڑھتے وقت ذہن میں یہ خیال آیا کہ ممکن ہے کہ مسئلہ غلط لکھا گیا ہو، رجوع کر لیا جائے گا، مگر اصل کتاب اور اکابر کی آراء کی طرف مراجعت کے بعد اطمینان ہوا کہ مسئلہ اپنی جگہ بالکل درست اور صحیح ہے۔ قابل رجوع نہیں ہے شاید آنجناب کو اس مسئلہ پر دو طرح سے اشکال ہے۔

(۱) تمام اکابر کے فتویٰ پر۔

(۲) امداد الفتاوی کے حوالے پر؛ لہٰذا اسی انداز سے جواب بھی لکھ دیتا ہوں، اجلۂ اکابر کی آراء اس مسئلے کے بارے میں آنجناب کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں۔

الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی رائے: حضرت نانوتویؒ کی رائے یہی ہے کہ دار الحرب میں وہاں کے مسلمانوں کے لئے حربیوں سے سود لینا جائز نہیں ہے، مگر دوسرے ممالک سے عہد و پیمان کی رعایت کے ساتھ جو مسلمان دار الحرب میں آکر ان کی تراضی سے ان سے سود حاصل کرتا ہے، تو طرفینؒ کی رائے کے مطابق جائز ہے، اس موضوع پر حضرت نانوتویؒ نے حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہوی کے نام ۳۵؍ صفحات پر مشتمل ایک مبسوط مکتوب تحریر فرمایا ہے اور یہ مکتوب پورا فارسی میں ہے۔

اینکہ در دار الحرب مال کفار مباح است چنانچہ فرمودہ اند ان مالہ ثمہ مباح اگر مراد ازیں سخن ایں است کہ بعد عہد و پیمان و امان واستیمان نیز مباح است، تعرض باموال اوشان چرا حرام است۔ (از مکتوب ہشتم ۲۶)

اور اس مکتوب کا حاصل حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ نے مکتوبات شیخ الاسلام ۱/۱۶ میں عربی میں لکھا ہے۔

لاشک أن الهند دار حرب بيد أن حضرة مولانا النانوتوي قدس الله سره العزيز، كان يرىٰ أن من كان من سكان الديار الإسلامية يباح له أن يدخل الهند ويأخذ من الحربيين الأموال بالربوا، والقمار، وإمكان ذلک فيه التراضي بغير نقض عهدٍ واما القاطنون بالهند فليس لهم ذلک ويرى أن النص الفقهي معناه كذٰلک الخ مكتوبات.

حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی رائے: حضرت گنگوہی کا فتوی جو فتاوی رشیدیہ میں ہے، اس میں عدم جواز لکھا ہے، جو حفظ عوام کی مصلحت پر مبنی ہے، ورنہ حضرت گنگوہیؒ کی اصل رائے جواز کی ہے؛ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ جو حضرت گنگوہیؒ کے حالات اور آراء سے بہت خوبی کے ساتھ واقف تھے، وہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی کی رائے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بھی یہاں کے انگریزوں اور ہندوؤں سے سود لینے کے جواز کی ہے، مگر حفظ عوام کے لئے اس کو شائع نہیں فرمایا:

وأما حضرة مولانا الكنكوهيؒ قدس سره العزيز فكان يرى أن المسلمين القاطنين بالهند أيضا لهم أن ياخذوه من الانكليز والهندوس بيد أنه كان لا يفشى بهذا الفتوى لمصلحة حفظ العوام الخ. (مکتوبات ۱/۱۷)

جب ہندوستانی مسلمانوں کے لئے دار الحرب تسلیم کرنے کی صورت میں یہاں کے کفار سے سود لینا جائز ہے، تو دوسرے ممالک سے عارضی طور پر دارالحرب میں جانے والوں کے لئے بطریق اولی حضرت کے نزدیک جائز ہوگا؛ لہٰذا حضرتؒ کی رائے بھی اس موضوع میں جواز کی ہے۔

حضرت ابوالحسنات علامہ عبد الحی لکھنویؒ کی رائے: حضرت مولانا عبد الحی لکھنویؒ کی رائے واضح طور پر جواز کی ہے، ان کی فارسی عبارت ملاحظہ ہو:

دردارالحرب از حربیاں ربوا گرفتن جائز است خواہ وکیل باشد یا مؤکل زیرا کہ نائب مثل منیب است (دوسرا فتویٰ) اگر مسلم معاملۂ ربوا از حربی در دارالاسلام کردہ وکیل خود را برائے قبض آں بدارالحرب فرستادہ جائز نخواہد شد چہ معاملۂ ربوا در دارالاسلام ممنوع است، واگر در دارالحرب کردہ است البتہ جائز خواہد شد۔ (مجموعۃ الفتاوی ۱/۳۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی رائے: حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ جو دارالاسلام اور دارالحرب کے حالات پر زیادہ واقف تھے، جنہوں نے اپنی زندگی کا لمبا حصہ بڑی بڑی حکومتوں سے مقابلے میں گزار دیا، ان کی رائے بھی صاف طور پر جواز کی ہے، ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

ہندوستان کا مسلمان امریکہ، انگلینڈ میں سود پر روپیہ قرض دے سکتا ہے۔ (مستفاد: مکتوبات شیخ الاسلام ۴/۳۶۷، فتاوی شیخ الاسلام ۱۴۵)

حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کا فتوی: حضرت اقدس مفتی صاحبؒ کے فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/۳۷۳، جدید ڈابھیل ۱۶/۳۵۲ رکا جو عدم جواز کا حوالہ سوال نام کے اشکال میں دیا گیا ہے، وہ ہمارے اس موضوع سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کو دارالحرب تسلیم کرنے کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کے لئے حکومت ہند یا ہندوؤں سے سود لینا حرام ہے اور زیر بحث مسئلہ سے متعلق حضرت مفتی صاحب کا مستقل الگ سے فتوی ہے، جو فتاوی محمودیہ قدیم ۴/۲۳۸، جدید ڈابھیل ۱۶/۲۷۹-۲۹۶، جدید ڈابھیل ۱۶/۳۵۳-۲۹۸/۶، جدید ڈابھیل ۱۶/۳۵۹ میں موجود ہے۔حضرت مفتی صاحب کی عبارت ملاحظہ ہو:

دوسری تشریح: یہ ہے کہ دارالاسلام سے دارالحرب میں امن لے کر جو مسلم داخل ہو عقود فاسدہ ربویہ کے ذریعہ جو مال حاصل کر کے لے آئے، وہ اسی کی ملک ہے۔

تیسری تشریح: یہ ہیکہ مسلم مستأمن جو مال عقود فاسدہ ربویہ کے ذریعہ دارالحرب

میں حربی سے حاصل کرتا ہے،اس پر ربوا کا اطلاق نہیں ہوتا؛ بلکہ جس طرح سے مال مباح حطب وحشیش وغیرہ پر استیلاء سے ملک حاصل ہو جاتی ہے، اسی طرح یہاں بھی ہے، فرق یہ ہے کہ یہاں قابض کی رضامندی ضروری ہے، وہ بصورت عقد حاصل ہے، تو موجب ملک عقد نہیں؛ بلکہ موجب ملک استیلاء ہے اور عقد صرف تحصیل رضائے قابض کے لئے ہے۔
(مستفاد: فتاوی محمودہ ۲۳۹/۴، جدید ڈابھیل ۲۷۹/۱۶)

نیز اسی کے قریب قریب ۲۹۴/۶، جدید ڈابھیل ۳۵۳/۱۶، ۲۹۸/۶، جدید ڈابھیل ۳۵۹/۱۶ میں حضرت مفتی صاحبؒ کا فتوی ہے؛ لہٰذا حضرت مفتی صاحبؒ کی رائے زیر بحث مسئلہ میں وہ نہیں ہے، جو آنجناب نے نقل فرمائی ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ کی رائے: حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ کی رائے بھی اسی طرح جواز سے متعلق ہے کہ موجب ملک عقد نہ ہو؛ بلکہ موجب ملک برضائے حربی استیلاء ہو، تو جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ:

ان المسلم المستأمن منع من تملكه من غير رضاه لما فيه من الغدر، والخيانة، فإذا بذله باختياره ورضاه فقد زال هذا المعنى، فكان الأخذ استيلاء على مال مباح غير مملوک، وأنه مشروع مفيد بالملک كالاستيلاء على الحطب، والحشيش وبه تبين أن العقد ههنا ليس بتملک؛ بل تحصيل شرط التملک و هو الرضا. (اعلاء السنن، كتاب البيوع، الجواب عن ايراد بعض الأحباب على الطحاوي، كراچي ۳۳۹/۱۴، دارالكتب العلمية بيروت ۳۹۲/۱۴)

آیت ربا کی قطعیت: آنجناب نے آیت ربا قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ ہونے کی وجہ سے حدیث کے ذریعہ سے زیادتی کو ناجائز لکھا ہے، وہ صحیح نہیں ہے، اس کا جواب یوں ہے کہ آیت ربا قطعی الثبوت ہے، مگر اس کے معنی مرادی کے مجمل ہونے کی وجہ سے دلالت ظنی ہے؛ لہٰذا نصوص ظنیہ کے ذریعہ سے اس میں شرائط وقیودات کا لگانا جائز

اور درست ہوگا؛ چنانچہ آپ ﷺ نے حدیث عبادہ بن الصامتؓ کے ذریعہ سے آیت ربوا میں اشیاء ستہ کی قید لگائی اور اس کی علت حنفیہ نے قدر وجنس کو قرار دیا اور شافعیہ نے جنسیت اور ثمنیت کی قید لگائی۔ اور مالکیہ نے ادخار کی قید لگائی ہے وغیرہ وغیرہ اور اصول کی کتابوں میں آیت ربوا کو بالاتفاق مجمل قرار دیا ہے۔

أو لم يكن البيان شافياً كالربوا في قوله تعالىٰ: وحرم الربوا، فإنه مجمل بينه النبى عليه السلام، بقوله الحنطة بالحنطة، والشعير بالشعير، الحديث (نور الأنوار ۹۲، ترمذي ۱/ ۲۳۵)

بالفاظ مختلفہ مفصل موجود ہے، تو کیا حدیث عبادہ بن الصامتؓ ظنی نہیں ہے؟ اس سے قیو دو شرائط لگا کر آیت ربوا میں زیادتی کی گئی ہے، جو بالا جماع جائز ہے اور حدیث مکحول۔

أن رسول الله صلى عليه وسلم قال: لا ربوا بين أهل الحرب، وبين الإسلام يا لا ربوا بين المسلمين و بين أهل دار الحرب في دار الحرب.

(اعلاء السنن، كتاب البيوع، باب الربوا في دارالحرب بين المسلم والحربي، كراچي ۱۴/ ۳۳۳، دارالكتب العلمية بيروت ۱۴/ ۳۸۶)

جو کہ ظنی ہے اس کے ذریعہ سے حضرات طرفین نے آیت ربوا کے مدلول میں دارالحرب میں حربیوں سے سود کے استثناء کی قید لگائی ہے، اس کو بھی ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

دلیل ظنی سے کتاب اللہ پر زیادتی: آنجناب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ حرمت سود میں دارالحرب کا استثناء، کلام اللہ میں زیادتی اور تخصیص کے مرادف ہے۔ نیز یہ فرمایا کہ منصوصات بالا جماع محل قیاس اور اجتہاد نہیں؛ حالانکہ حدیث اشیاء ستہ بھی تو ظنی ہے اور اس کے ذریعہ سے آیت ربوا میں قیودات وشرائط کے ذریعہ سے زیادتی کی گئی۔ اور اس زیادتی کا امت میں کسی نے انکار نہیں کیا۔ نیز اس میں ائمہ مجتہدین نے اپنے قیاس اور اجتہاد کے ذریعہ سے مزید اضافہ فرمایا ہے کہ حضرات حنفیہ نے جنسیت کے ساتھ ساتھ قدریت کو علت

ربوا قرار دیا اور حضرات شافعیہ نے جنسیت کے ساتھ ساتھ اثمان کے اندر ثمنیت کی قید لگائی اور حضرات مالکیہ نے اشیاء ماکولہ میں ادخار کی قید لگائی۔ (مستفاد: نووی ۲/۲۴)

حضرات ائمہ مجتہدین کا حکم ربوا میں اپنے اجتہادات کے ذریعہ سے اس طرح کی قیود وشرائط کا لگانا کسی کے نزدیک بھی ناجائز نہیں ہے، تو حضرات طرفین نے حدیث مکحول **لا ربا بين الحربي والمسلم** کے ذریعہ سے حکم ربوا میں جو دارالحرب اور حربیوں کا استثناء کیا ہے، تو اس سے حضرات طرفین پر کسی طرح کا اشکال وارد نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا زیادتی اور تخصیص پر اشکال درست نہیں۔

حضرت تھانویؒ مفتی مجتہد: حضرت تھانویؒ ضرور مفتی مجتہد ہیں، ان کو اپنے وفورِ علم اور قوت دلائل کے ذریعہ سے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دینے کا حق ہے؛ لیکن حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت علامہ عبدالحی لکھنوئیؒ، حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ قدس اللہ اسرارہم بھی اپنی جگہ مفتی مجتہد تھے، ان حضرات کی آراء آپ کے سامنے پیش کی جاچکی ہیں، ان کو بھی حضرات طرفین کے قول سے اتفاق کرنے کا حق ہے۔

آخری گذارش: آنجناب نے کفایت المفتی کے جواز کو لکھ کر اس پر تردید کی جو کوشش فرمائی ہے، احقر کے پیش نظر وہ فتویٰ نہیں تھا؛ اس لئے کہ وہ صاف اور واضح نہیں ہے، پھر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی رائے کسی حد تک احقر کے مضمون کی موافقت میں ہے؛ بلکہ احقر کے پیش نظر حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا عبدالحی لکھنوئیؒ، حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ، حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ قدس اللہ اسرارہم وغیرہ کی آراء رہی ہیں، اتفاق سے اپنی کوتاہی اور غفلت کی بنا پر یہ کمی رہ گئی ہے کہ ان اکابر کا نام زد حوالہ نہیں دیا گیا۔ اور حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی میں بعض سوال کے جواب میں زیر بحث مسئلہ کو جائز لکھا ہے اور ساتھ ہی یہ قید بھی لگائی ہے کہ موجب ملک عقد کو قرار دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ موجب

ملک استیلاء ہے؛ چنانچہ حضرت لکھتے ہیں۔ بہر حال نفس مسئلہ میں جو کچھ میرے سمجھ میں آیا ہے وہ یہ ہے۔

لا يباح العقد لكونه رباً منهي عنه نصاً قطعياً، ويباح المال المأخوذ؛ لأن مال الحربي مباح برضاه بلا عذر به، ولم أر أحداً من أصحاب الفتاوى حكم بحل العقد مقصوداً. (امداد الفتاوی ۳/ ۱۵۳)

نیز اس کے ذیل میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب۔ محدث دہلوی کی تحریر بھی نقل کی گئی ہے، پھر اس کیبعد صفحہ ۳/ ۱۵۵ میں بھی کچھ اسی طرح کی بات معلوم ہوتی ہے، پھر صفحہ ۳/ ۱۶۲، میں عربی عبارت کے ساتھ جو جواب لکھا گیا ہے، اس سے بھی کچھ بات مترشح ہوتی ہے، مگر پھر بھی یہ تمام جوابات رافع الضنک سے پہلے لکھے گئے ہیں اور رافع الضنک حضرت تھانویؒ کی آخری تحقیق ہے، احقر کو اپنی کوتاہی اور غفلت کی وجہ سے رافع الضنک کے بارے میں حضرت تھانویؒ نے جو اپنی آخری تحقیق ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس کا خیال نہیں رہا۔ بس صرف ذہن میں یہ رہا کہ درمختار کی عبارت کو اہمیت سے پیش نظر رکھ کر حضرت تھانویؒ نے بحث فرمائی ہے اور مسلم مستأمن کی قید لگانے پر زور دیا ہے۔ مقدمات قائم کرنے کے بعد نمبر وار جو امور گنائے ہیں، وہی امور پیش نظر رہے ہیں خاص طور پر صفحہ ۳/ ۱۵۸ کا نمبر ۴ زیادہ پیش نظر رہا ہے؛ اس لئے ذیل میں امداد الفتاوی کا حوالہ دیا گیا تھا اور یہ خیال نہیں رہا کہ حضرت تھانویؒ خود طرفین کے قول سے مطمئن نہیں ہیں۔

نیز احقر نے اپنے پورے مضمون میں ہندوستان میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے یہاں کی حکومت اور غیر مسلم عوام سے سود لینے کے عدم جواز پر ہی زور دیا ہے اور حضرت تھانویؒ نے بھی اسی کو زیادہ پیش نظر رکھا ہے، اس بنیاد پر امداد الفتاوی کا حوالہ دیا گیا تھا۔ اب ان شاء اللہ بجائے امداد الفتاوی کے حوالے کے حضرت نانوتویؒ، حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی، حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ، حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی وغیرہ ہی کا حوالہ لکھ دیا جائے گا؛ اس لئے کہ

مسئلہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہے اور آپ کا بھی بہت بڑا شکرگزار ہوں کہ آپ نے امداد الفتاوی کے حوالہ پر توجہ دلائی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۲۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍ ۶؍ ۱۴۲۰ھ

ہندوستان کے دار الحرب ہونے اور اس میں سود لینے کا حکم

سوال [۸۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بغیر نفع (نوانٹرسٹ) کی شرط پر زندگی بیمہ کیا گیا، پھر کل اقساط کے وصول کے بعد اصل روپیہ سے زائد چیک بھیج دیا زائد کا استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟

حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کفایت المفتی جلد ہشتم ۷۹، جدید زکریا مطول ۲۵۴/۱۱ میں فرماتے ہیں: ہندوستان کے دار الحرب ہونے میں؛ چونکہ اختلاف ہے؛ اس لئے جو لوگ اسے دار الحرب نہیں کہتے وہ بیمہ کو حرام کہتے ہیں، مگر بیمہ کرانے کی ابتداءً وبقاء ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی تقدیر پر گنجائش ہے؛ کیونکہ دار الحرب میں غیر مسلموں سے عذر کے بغیر باقی تمام طرق سے ان کی رضامندی کے ساتھ مال وصول کرنا جائز ہے، اسی صفحہ کے بعد ارشاد فرماتے ہیں ”دار الحرب ہونے کی بنا پر اگر کوئی کرے تو گنجائش ہے، اگرچہ احتیاط ترک میں ہے“ صفحہ ۸۰ میں فرماتے ہیں: اس بناء پر جو لوگ بیمہ کرائیں، ان کے عمل کو ہم کو حرام کہنے سے احتراز کرنا چاہئے میں نے بیمہ کی ترغیب یا تحسین نہیں کی ہے۔

(۲) فی الحال ہندوستان دار الحرب ہے یا نہیں؟

(۳) دار الحرب ہونے کی بنا پر تمام عقود ربویہ کا جواز حضرت مفتی اعظمؒ کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد خدا بخش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر نفع کی شرط پر بھی زندگی بیمہ المعروف کالمشروط قاعدہ کی وجہ سے ناجائز ہے؛ اس لئے حاصل شدہ زائد رقم بلانیت ثواب نادار فقیروں کو دیدی جائے اور مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا فتوی کہ بیمہ کرانے کی گنجائش ابتداء وبقاءً ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی تقدیر پر ہے ممکن ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے ذہن میں دارالحرب والے مسئلہ میں ''مسلم مستأمن'' کی قید نہ رہی ہو کہ ایسے مسلمان کے لئے دارالحرب کے حربیوں سے سودی رقم حاصل کرنا جائز ہے، جو خود اس دارالحرب کے رہنے والے نہ ہوں؛ بلکہ کسی دوسرے ملک سے عارضی طور پر ویزا لے کر آئے ہوئے ہوں، جیسا کہ مذکورہ فقہی عبارت سے یہ بات واضح ہے، اسی وجہ سے حضرت مفتی صاحبؒ کے علاوہ باقی بڑے بڑے اکابر مشائخ مفتیان کرام اور اہل فتاوی نے فقہی عبارت میں ''مسلم مستأمن'' کی قید کی وجہ سے یہ شرط لگائی ہے کہ خود اس ملک کے رہنے والے کے لئے اس دارالحرب سے سود لینا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا بیمہ کے سود کو دارالحرب کی قید لگا کر جائز قرار دینا، اس ملک کے رہنے والے کے لئے درست نہیں ہے۔ (مستفاد: رحیمیہ قدیم ۲۰۰/۲، جدید زکریا ۲۴۱/۹، امداد الفتاوی ۱۵۷/۳)

ولا بين حربي ومسلم مستأمن، ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة. (شامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٤٢٢/٧، كراچي ١٨٦/٥)

(۲) آپ ہندوستان کے دارالحرب یا دارالجمہوریہ وغیرہ کے فرق کے ذریعہ سے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اوپر کے جواب سے بات واضح ہوگئی ہے کہ اگر ہندوستان کو بالفرض دارالحرب بھی تسلیم کرلیا جائے، تو ہندوستانی مسلمانوں کے لئے یہاں کے بینک یا غیر مسلم سے کسی بھی طریقہ سے سود حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

بالفرض اگر دارالحرب قرار دیا جائے، تو کیا فائدہ ہوگا؟ بلکہ ایک زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا، وہ نقصان یہ ہے کہ دارالحرب اس کو کہا جاتا ہے، جس حکومت میں

مسلمانوں کا کسی قسم کا عمل دخل نہ ہو، نہ مسلمانوں کو اسمبلی یا پارلمینٹ کی جانب سے کھڑے ہوکر ووٹ حاصل کرنے کا حق ہوگا، اور نہ ہی مسلمانوں کو ووٹ دے کر کسی کو جتانے کا حق ہوگا، تو دار الحرب قرار دینے سے جو مسلمانوں کو اس ملک کے اندر رہ کر حق رائے دہی حاصل ہے وہ بھی ختم ہوجائے گا اور ارباب وطن یہی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا حق رائے دہی بھی ختم ہوجائے کچھ بھی باقی نہ رہے، جو حضرات محض سود حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کو دار الحرب قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، وہ آگے پیچھے کچھ نہیں سوچتے ہیں کہ بعد میں کیا نتیجہ برآمد ہوگا اور دار الحرب قرار دینے کے باوجود سود کسی طرح بھی حلال نہیں ہوتا اور آپ کو اگر اس موضوع پر تفصیل دیکھنی ہے تو ہماری کتاب ایضاح النوادر ۱/۸۷ تا ۹۸ دیکھ سکتے ہیں۔ کتاب دیوبند کے کتب خانوں میں ملتی ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۳/۳۷۳، جدید ڈابھیل ۱۶/۳۵۳، ایضاح النوادر ۱/۸۷)

(۳) مفتی اعظم کے فتوی میں جو کمی ہے، وہ سوال نمبر ایک کے جواب میں واضح کردی گئی ہے؛ اس سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا؛ بلکہ ایک زبردست نقصان سامنے آتا ہے، جو سوال نمبر ۲/ کے جواب میں واضح کردیا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۴۲۸)

کیا ہندوستان میں بینک سے سود لینا جائز ہے؟

سوال [۸۹۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیوبند کے مدرسہ کا حوالہ دیا ہے کہ مولوی لوگ ہندوستان میں (مسحبو میہ سمتی) بینک ہے، اس سے روپیہ لیتے ہیں، تجارت کرنے کی بناء پر اس کا سود بھی دینا پڑتا ہے، مولوی لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں سود دینا بھی جائز ہے اور دو تین مولوی

یہاں ہیں، جنہوں نے بینک سے روپیہ لیا ہے، اوران میں سے ایک امام بھی ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالماجد، مدرسہ سخاوت العلوم نارتھ،۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان کواگر دارالحرب بھی مان لیا جائے، تب بھی ہندوستان کے سودی بینکوں کا سود ہندوستانی مسلمانوں کے لئے جائز یا حلال نہیں ہے؛ کیونکہ دارالحرب کے سودکو جو جائز کہا جاتا ہے، وہ اس ملک کے مسلمانوں کے لئے نہیں؛ بلکہ دوسرے ملک سے عارضی طور پر ویزے سے آئے ہوئے مسلمانوں کے لئے جائز ہے۔

ولا بین حربي ومسلم مستأمن، ولو بعقد فاسد أو قمار ثمه .

(در مختار، کتاب البیوع، باب الربا، کراچي ۵/ ۱۸۶، زکریا ۷/ ۴۲۲)

تفصیل کے لئے ایضاح النوادر ۹۳ تا ۹۸ کا مطالعہ کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱/ شوال ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۴۵۸)	۱۴۱۸/۱۰/۲۱ھ

ہندوستانی کافروں سے سود لینے کا حکم

سوال [۸۹۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ کافروں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) کافر مستأمن۔ (۲) کافر ذمی۔ (۳) کافر حربی۔

(۱) کافر مستأمن اور کافر ذمی سے سود لینا حرام ہے اور کافر حربی سے سود لینا جائز، تو ہمارا سوال یہ ہے کہ ہمارے ہندوستان کے کافر کس قسم کے کافر ہیں؟ کیا ہمارے ہندوستان میں اس وقت کافروں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر دلائل ارشاد فرمائیں۔

(۲) ہمارے ہندوستان کوکون سا دار کہتے ہیں؟ ہندوستان میں عوام سے سود کا کاروبار جائز ہے یانہیں؟ کیادارالحرب میں مسلمانوں سےسودکا کاروبار جائز ہے یانہیں؟

(۳) زید کہتا ہے کہ بینک میں روپیہ رکھنے کے بعد جوانٹرسٹ ملتا ہے، وہ سود کے اندر داخل ہی نہیں ؛ کیونکہ سود ہونے کے لئے جوشرائط ہیں، ان میں سےکوئی شرط نہیں پائی جاتی ہے۔ دوسری بات سود ہونے کے لئےسود دینے والے اورسود لینے والے دونوں کومعلوم ہونا ضروری ہےاوراس صورت میں دینے والے مجہول؛ کیونکہ بینک کا مالک معلوم نہیں؛لہٰذا یہ سود ہی نہیں۔کیا زید کا یہ قول صحیح ہے یانہیں؟ کیا بینک کا انٹرسٹ ہمارےہندوستان میں لینا اوراپنے کام میں استعمال کرنا جائز ہے یانہیں؟ کیا اس صورت میں علماء دیوبند کے اندر اختلاف ہے؟ اگراختلاف ہےتوہم سب عوام کون سی راہ اختیار کریں؟

(۴) دارالعلوم دیوبند کے مفتی مولانا سہول صاحب ۱۹۸۹ء کے ستمبر کے رسالہ میں ریاض الجنۃ ۱۰رمیں لکھتے ہیں کہ صرف بینک ہی نہیں ؛ بلکہ تمام کافروں سے بھی سود لینا جائز ہے۔مفتی مولانا محمود الحسن صاحب گنگوہی اسی رسالہ کے ۲۰رمیں لکھتے ہیں کہ بینک سے سود لینا جائز ہے؛لیکن اختلاف ہونے کی وجہ سے نہ لینا ہی بہتر ہے۔اگرناجائز ہے تواس قول کا کیا مطلب ہے؟

المستفتی: محمد شرف الحق، بیربھوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) کافرذمی اورکافرمستأمن سے سود لینا،تو بالاتفاق حرام اورناجائز ہے،اورحربی سے مسلمان کا سود لینا حضرت امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کےنزدیک جائز ہے؛لیکن یہ بھی ہرمسلمان کے لئے جائزنہیں ہے؛ بلکہ اس مسلمان کے لئے جائز ہے، جودارالحرب کا رہنے والا نہ ہو؛ بلکہ دارالاسلام سے وقتی طور پر پاسپورٹ لے کرمستأمن بن کرآیا ہو؛ اس لئے دارالحرب کے رہنے والے

مسلمان کے لئے اس ملک کے حربی کافر سے سود لینا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے اور جہاں امام صاحب نے مسلمان کے لئے حربی سے سود کی اجازت دی ہے، وہیں مسلمان کیساتھ مسلم مستأمن کی بھی قید لگائی ہے۔

ولا ربا بين حربي ومسلم مستأمن. (در مختار، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ۷/۴۲۲، كراچي ۵/۱۸۶)

فلا يحل أخذ ماله بعقد فاسد بخلاف المسلم المستأمن في دار الحرب، فإن له أخذ مالهم برضاهم، ولو بربا، أو قمار الخ. (شامي، كتاب الجهاد، باب المستأمن، مطلب مايؤخذ من النصارى زوار بيت المقدس لا يجوز، كراچي ۴/۱۶۹، زكريا ۶/۲۸۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/۱۸۱)

(۲) ہندوستان ایسا ملک ہے، جس میں مسلم پرسنل لاء اور ہندو پرسنل لاء میں آزادی ہے۔ ہر مذہب کے لوگوں کو اپنے اپنے مذہبی معاملات میں آزادی ہے اور ایوان بالا اور مجلس قانون ساز کے افراد مسلم وغیر مسلم سب مشترک ہیں؛ اس لئے ہندوستان کو نہ بالکل دارالحرب کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی بالکلیہ دارالاسلام؛ بلکہ سیکولر اور دارالجمہوریہ کہا جائے گا اور ایسے ملکوں کے باشندوں کا آپس میں سودی کاروبار کرنا بھی ناجائز وحرام ہے۔

وظاهره أنه لو أجريت أحكام المسلمين، وأحكام أهل الشرك لاتكون دار حرب الخ. (شامي، كتاب الجهاد، باب المستأمن، مطلب فيما تصير به دار الإسلام دار حرب و بالعكس، زكريا ۶/۲۸۸، كراچي ۴/۱۷۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰/۲۹۴)

(۳) شخص کی دو قسمیں ہیں: (۱) شخص حقیقی۔ (۲) شخص حکمی۔ حکومت شخص حکمی ہے؛ لہٰذا مجہول نہیں بلکہ متعین ہے؛ اس لئے زید کا استدلال درست نہیں ہے۔

(۴) حضرت مولانا سہول صاحبؒ کا فتویٰ غالباً آزادی سے پہلے کا ہے اور اس وقت کے حالات کیا تھے، احقر کو معلوم نہیں اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی دامت برکاتہم

الحمد لله باحیات ہیں، ان کی تحریر سے متعلق آپ ان ہی سے رجوع فرمائیں اور اصل حکم میں نے اوپر درج کردیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۴۴۶)

مسلمانوں کا ہندوستان میں سودی کاروبار کرنا

سوال [۸۹۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے سودی کاروبار کرنا درست ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر روشن علی، محمد سالم علی، محمد ابوالکلام آزاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ہندوستان میں سودی کاروبار کرنا ہرگز جائز نہیں ہے اور اگر ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جائے، تب بھی ہندوستانی مسلمانوں کے لئے سود لینا و دینا دونوں جائز نہیں ہے؛ البتہ کسی دارالاسلام سے پاسپورٹ لے کر جو مسلمان عارضی طور پر ہندوستان آجائیں؛ ان کے لئے غیر مسلموں سے سود لینا تو جائز ہے؛ لیکن دینا جائز نہیں اور جہاں کتب فقہ میں دارالحرب میں حربیوں سے سود لینے کو جائز لکھا گیا ہے، وہاں مسلم مستأمن کی قید بھی موجود ہے۔

ولا بين حربي ومسلم مستأمن. (در مختار، كتاب البيوع، باب الربا، كراچي ٥/١٨٦، زكريا ٧/٤٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۲۹۲۷)

یوروپ میں قیام پذیر مسلمانوں کے لئے غیر مسلم سے سود لینا

سوال [۸۹۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جولوگ علی الدوام کے لئے یوروپ میں قیام پذیر ہوں، تو کیا ان کے لئے وہاں کے بینک یا غیر مسلم سے سود لینا جائز ہے؛ چونکہ بکثرت ایسے لوگ ہیں جو ہندوستان سے تمام جائیداد فروخت کر کے مع اہل وعیال یوروپ میں رہتے ہیں اور کبھی بھی انڈیا مراجعت نہیں ہوتی ہے، خصوصاً صوبہ گجرات کے ایسے لوگ کافی وہاں پر ہیں، تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ سود وغیرہ کے متعلق جواز یا عدم جواز؟ جواب ارشاد فرمائیں۔

نوٹ: بکثرت حضرات یوروپ میں ۵/سال کے بعد وہاں کے حقدار ہوتے ہیں، وہاں کو وطن اصلیہ کا حکم دیتے ہیں اور اخبارات وغیرہ کی اطلاع کے مطابق وہاں کی گورنمنٹ وہاں کے مسلمانوں کے لئے کچھ نہ کچھ تحفظ دین کا حق بھی دیتی ہے اور روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے، جو حضرت والا پر مخفی نہیں ہے۔

المستفتی: محمد زاہد، ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن لوگوں نے دار الحرب یعنی برطانیہ، امریکہ، جرمنی وغیرہ میں ہمیشہ کے لئے قیام اختیار کرلیا ہے، وہ وہاں کے باشندے ہوگئے ہیں، ان مسلمانوں کے لئے وہاں کے بینک یا غیر مسلم عوام سے سود حاصل کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ وہ لوگ اب وہاں کے مستأمن نہیں رہے؛ بلکہ اصلی باشندے ہوگئے ہیں اور جواز کے لئے مسلم مستأمن اور عارضی قیام شرط ہے۔

ولا ربا بین حربي ومسلم مستأمن، ولو بعقد فاسد أو قمار الخ.

(در مختار، کتاب البیوع، باب الربا، زکریا ۷/۴۲۲، کراچي ۵/۱۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۶۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۲/۱۴۱۹ھ

ہندوستان میں رہتے ہوئے دارالحرب کے بینک سے سود لینا

سوال [۸۹۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ہندوستان میں رہتا ہے؛ لیکن ہندوستان میں ہوتے ہوئے وہ امریکہ، لندن، اٹلی وغیرہ جو دارالحرب ہیں، ان بینکوں سے سود حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس طور پر کہ بینک انہیں ممالک میں واقع ہیں۔

المستفتی: عبدالرحمٰن، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستانی مسلمانوں کے لئے امریکہ، لندن، اٹلی، چین وغیرہ ممالک جو دارالحرب ہیں، ان کے ان بینکوں سے سود حاصل کرنا جائز ہے، جو بینک خود ان ہی ممالک میں موجود ہوں؛ لیکن خود ان ممالک کے باشندوں کو وہاں کے بینکوں سے سود حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۹۷)

ولابین حربي ومسلم مستأمن، ولو بعقد فاسد أو قمار ثمه. (شامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ۷/۴۲۲، كراچي ۵/۱۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۷۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۴/۸ھ

بینک کے سود کا حکم

سوال [۸۹۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ الحمدللہ میں بھی عالم ہوں، مگر فرق یہ ہے کہ نہایت ہی ناکارہ ہوں۔ سوال یہ ہے کہ ایک عالم صاحب یہ کہتے ہیں کہ بینک میں روپیہ جمع کرنا، قرض دینا نہیں ہوا؛ بلکہ بینک

جواس رقم سے تجارت کرتا ہے، اس میں جواس کو منافع ہوتا ہے،اس منافع کی سب سے قلیل رقم منافع ونقصان کا حساب لگا کرسود کے نام سے مقرر کر دی ہے؛ بلکہ ایک طرح سے مشترکہ بیع ہے؛ اس لئے بینک میں روپیہ جمع کر کے اس کا سود لینا جائز ہے؛ کیونکہ یہ ربوا نہیں ہے، مشترکہ بیع ہے اوراس طرح بینک کا رواج دنیا کے تمام ممالک میں ہے اوراس سے کوئی ملک بچا ہوا نہیں ہے،تواس سے پرہیز بھی ناممکن ہے اور یہ بینک کے ساتھ شرکت کی بیع ہے۔

المستفتی: مولانا محمد فیض الدین، لیگوارہ گڈھ،پوسٹ: بہارشریف، نالندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدعی کا دعوی غلط اور بلا دلیل ہے؛ بلکہ یہی سود کی وہ قسم ہے، جو زمانۂ جاہلیت میں زیادہ رائج تھی، وہ لوگ مال اس شرط پر دیا کرتے تھے کہ ہر مہینہ میں نفع کا ایک حصہ لیا کریں اور رأس المال جوں کا توں باقی رہے، جتنی مدت زیادہ ہوتی جاتی تھی،اس مدت ومہلت کے بدلے میں نفع میں زیادتی ہوتی تھی، جو بینک کے سود کا بالکل ہم معنی ہے،جیسا کہ تفسیر کبیر کے اندر امام فخر الدین رازیؒ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

إعلم أن الربا قسمان: النسيئة وربا الفضل، وأما ربا النسيئة، فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذٰلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا على شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً. (تفسیر کبیر للإمام الفخر الرازيؒ تحت تفسير رقم الآية:٢٧٥، من سورة البقره ٧/ ٩١)

جنہوں نے مشترک تجارت کا دعوی کیا ہے، وہ کسی طرح صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ بینک میں رقم جمع کر کے نفع حاصل کرنے میں شرکت مفاوضہ، شرکت عنان، شرکت صنائع ،شرکت وجوہ میں سے کسی کی تعریف صادق نہیں آتی ہے جن کی تفصیل اپنی جگہ موجود ہے؛ لہٰذا بینک سے حاصل شدہ نفع شرعاً حرام ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍ ۲۵۹)

پیریس کا حکم

سوال [۸۹۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے ایک کام کو اختیار کیا، جس کا نام پیریس ہے، اس کو اس طرح پر انجام دیتے ہیں کہ دوسرے شخص کو کہتے ہیں کہ اگر آپ ایک سو روپیہ ایک ماہ میں جمع کریں گے، تو میں سرکار کے ذریعہ دس ماہ کے بعد آپ کو ایک ہزار روپیہ دوں گا اور یہ دینا ضروری ہے اور وہ شخص جو کہ دوسرے کو حکم دیتا ہے، وہ خود بھی روپئے جمع کرتے ہیں اور سال میں ۱۰۰/ روپئے کے بدلے میں ۱۰۰۰/روپیہ اٹھاتے ہیں، تو ایسا معاملہ از روئے شرع کیسا ہے؟

المستفتی: محمد جاوید قاسمی، چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ معاملہ سودی ہے، اور سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: **وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا** . [البقرہ: ۲۷۵]

نیز حدیث شریف میں سودی معاملہ کرنے والے اور ان کی معاونت کرنے والوں پر وعید آتی ہے۔

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ٢/ ٢٧، بيت الأفكار رقم: ١٥٩٨)

حرم بيع كيلي ووزني بجنسه متفاضلاً. (در مختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٧/ ٤٠٦، كراچي ٥/ ١٧٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۹۱)

اسپیک ایشیاء آن لائن کی شرعی حیثیت

سوال [۸۹۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کمپنی اسپیک ایشیاء آن لائن کے نام سے چالو ہوتی ہے، اس کمپنی میں آپ ایک مرتبہ میں گیارہ ہزار روپیہ داخل کردیں گے اور یہ پیسہ داخل کرتے وقت اپنا نام پتہ عمر اور اپنی معیار زندگی سے متعلق پوری کیفیت لکھ کر ایک فارم بھریں گے، اس کے بعد ہر مہینہ میں آٹھ فارم آئیں گے اور ان فارموں میں اسی طرح اپنی معیار زندگی سے متعلق تمام حالات لکھ کر بھرنا ہوتا ہے اور کبھی زائد سوال آتے ہیں، تو ان سوالات کے ساتھ مہینے کے آٹھ فارم بھرنے ہوتے ہیں اور ہر فارم کے بدلے میں پانچ سو روپئے ملتے ہیں تو اس طریقہ سے چار ہزار روپیہ ملتے ہیں اور یہ سلسلہ پورے سال تک چلتا رہے گا، تو گیارہ ہزار روپئے بھرنے کے نتیجے میں سال پورا ہونے تک ۵۲/ ہزار روپئے مل جاتے ہیں، تو فارم بھرنیوالے کے لئے اپنے گیارہ ہزار روپئے پر ۴۱/ ہزار روپئے سالانہ جو زائد ملتے ہیں وہ جائز ہیں یا نہیں؟

نیز یہ شخص اپنے نیچے دو ممبر بناتا ہے، تو ایک ممبر پر ایک ہزار روپئے ملتے ہیں، اسی طرح دو بناتا ہے، تو دو ہزار اور مزید کمپنی کی طرف سے ۵۰۰/۵۰۰/ سو روپئے فی نفر کے اعتبار سے اور ملتے ہیں، پھر اس کے بعد ہر مہینہ میں فی ممبر ایک ہزار روپئے کے اعتبار سے پہلے والے کو ملتے ہیں، پھر اس کے بعد ہر مہینہ ۶۰۰/ سو روپئے کمیشن کے ملتے رہتے ہیں؛ لہٰذا حضور والا سے درخواست ہے کہ اس کا قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی حکم واضح فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ عنداللہ ماجور ہوں گے۔

المستفتی: اشہد الٰہی، تمبا کو محلّہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گیارہ ہزار روپیہ کمپنی میں جمع کرنے کے بعد

سال پورا ہونے تک ماہانہ ۴/ ہزار روپئے کے حساب سے ۴۸/ ہزار روپیہ اس گیارہ ہزار روپیہ کے عوض میں ملتا ہے اور فارم کی خانہ پوری کر کے یہ ۴۸/ ہزار روپیہ قسطوں میں ملتا ہے، تو اپنی جمع شدہ رقم پر ۳۷ ہزار روپیہ اصل رقم پر زائد ملتا ہے، یہ زائد رقم شرعی طور پر سود کے دائرے میں داخل ہوگی اور مہینہ میں ۵۰۰/ ۵۰۰ سو روپیہ کر کے ۸/ قسطوں میں ۴/ ہزار روپیہ ملتے ہیں اور ہر ۵۰۰/ روپیہ پر فارم بھر ہونا ہوتا ہے، یہ قسطوں کی ادائے گی کے فارم کی خانہ پوری ہے، غلط فارم بھرنے پر جو روپیہ ملنے میں خطرات ہیں وہ اس وجہ سے کہ دوسرا آدمی بھی فارم بھر کر روپیہ لے سکتا ہے اور اسی وجہ سے کبھی کچھ زائد سوالات بھی کمپنی کی طرف سے ہوتے ہیں؛ لہٰذا گیارہ ہزار روپیہ اصل رأس المال ہے، جو جائز اور حلال ہے اور ۳۷/ ہزار روپیہ سود ہوں گے، اس طرح یہ زمانۂ جاہلیت کے سود کے دائرے میں داخل ہو جائیں گے، جس کی ممانعت قرآن سے ثابت ہے، اس کے بعد سوال میں اس کا بھی ذکر ہے، کہ جس نے گیارہ ہزار روپیہ جمع کئے ہیں، آگے مزید ۱۱/ ۱۱ ہزار روپیہ کے دو دو ممبر جوڑنے پر اس کو ہر ممبر پر ایک ہزار روپیہ اور مزید ۵۰۰-۵۰۰ سو روپیہ اس طرح ملتا رہے گا اور کمیشن کے طور پر بھی ہر مہینہ ۶۰۰/ روپیہ ملتا رہے گا، تو یہ بعد کے ممبران کو جوڑنے پر جو مل رہا ہے، اس کو محنت کے عوض قرار دیا جا سکتا ہے؛ لیکن سودی معاملات میں محنت کرنے والوں پر بھی لعنت ہے؛ کیونکہ گیارہ ہزار روپیہ کے ساتھ ہر ممبر کو کمپنی سے جوڑنے میں سودی لین دین میں تعاون اور مدد ہے؛ اس لئے اس محنت پر بھی لعنت کا خطرہ ہے، اور اس کے بعد اس کے بنائے ہوئے ممبران آگے چل کر جو ممبر بنائیں گے، اس کے عوض بھی اس کو کچھ ملے گا، جس میں اس کی کوئی محنت نہیں ہے، وہ پیسہ بھی اس کے لئے جائز نہیں ہے۔

وفي الشريعة: الربا هو الفضل الخالي عن العوض المشروط في البيع لما بينا أن البيع الحلال مقابلة، مال متقوم بمال متقوم فالفضل الخالي عن العوض إذا دخل في البيع كان ضد ما يقتضيه البيع، فكان حراماً شرعاً.

(مبسوط سرخسي، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۱۰۹)

وأما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذ وا على شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ تحت تفسير الآية:۲۷٥، من سورة البقره۷/ ۹۱)

الربا يقتضي أخذ مال الإنسان من غير عوض؛ لأن من يبيع الدرهم بالدرهمين نقداً، أو نسيئة تحصل له زيادة درهم من غير عوض ومال المسلم متعلق حاجته وله حرمة عظيمة......وأخذ الدرهم الزائد متيقن.
(تفسير رازي ۹۳/۷، الموسوعة الفقهية۲۲/ ٥٤)

والربا الذي كانت العرب تعرفه و تفعله، إنما كان قرض الدراهم، والدنانير إلى أجل بزيادة على مقدار ما استقرض على ما يتراضون به، ولم يكونوا يعرفون البيع بالنقد، وإذا كان متفاضلاً من جنس واحد، إذا كان المتعارف المشهور بينهم، ولذلک قال الله تعالیٰ: ”وما اٰتيتم من ربا ليربو في أموال الناس فلا يربو عند الله“ فأخبر أن تلک الزيادة المشروطة، إنما كانت رباً في المال العين؛ لأن لا عوض لها من جهة المقرض ......فأبطل الله عزوجل الربا الذي كانوا يتعاملون به. (أحكام القرآن للجصاص، من سورة البقره، باب الربا، زكريا ديوبند ۱/ ٥٦۳، سهيل اکیڈمي لاهور ۱/ ٤٦٥)

خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم في حجةالوداع فقال: ألا! أن كل ربا كان في الجاهلية موضوع عنكم كله؛ لكم رؤوس أموالكم لا تظلمون و لاتظلمون. (أبو داؤد شريف، كتاب البيوع، باب في وضع الربا، النسخة الهندية ۲/ ٤٧۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳٤)

عن عبد الله بن مسعودؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، و كاتبه. (مسلم شريف،

كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربوا، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية ٢/٤٧٣، دارالسلام رقم:٣٣٣٣، سنن الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في آكل الربوا، النسخة الهندية ١/٢٢٩، دارالسلام رقم: ١٢٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۴۰۰)

یونٹ ٹرسٹ کا حکم

سوال [۸۹۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت ہند کی جانب سے منظور شدہ ایک عوامی ادارہ ہے، جس کا نام یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا ہے۔

یہ ادارہ عوام کے فائدہ کے لئے وجود میں آیا ہے، یہ ادارہ عوام سے ان کا سرمایہ لے کر اس کو مختلف قسم کے کاروبار میں لگاتا ہے، پھر اس سرمایہ سے جو آمدنی ہوتی ہے، اس میں ہر سال مالک سرمایہ کے سرمایہ میں کچھ فیصدی نفع طے کر کے اس کو سالانہ نفع تقسیم کرتا ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ ادارہ کے منتظمین سرمایہ داروں کا سرمایہ جن کاروبار میں لگاتے ہیں، ان میں سے اکثر سودی طریقہ پر لگاتے ہیں، اور اس کاروبار سے حاصل ہونے والا نفع شرعاً سود ہی ہوتا ہے، جیسا کہ کچھ سرمایہ کمپنیوں کے بریفرنس شیئرز اور مختلف شیئرز میں لگاتے ہیں اور کچھ سرمایہ کاری بینکوں کی فکس ڈپازٹس اور بونڈس میں لگاتے ہیں اور کچھ سرمایہ سرکاری سودی سرٹیفکٹ اور وکالت مشیروں میں لگاتے ہیں، بیمہ کا کاروبار بھی ہوتا ہے، اگر کوئی شخص غریبوں اور محتاجوں کی مدد کے لئے آمدنی کی غرض سے لوگوں سے چندہ کر کے سرمایہ جمع کرے اور اس چندہ کی رقم کو آمدنی حاصل کرنے کے لئے ادارہ یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا میں

لگائے اور یونٹ ٹرسٹ سے جو نفع حاصل ہو، اس کو محتاجوں میں تقسیم کرے، تو سوال یہ ہے کہ اس غرض سے چندہ کرنا اور پھر اس کو مذکورہ یونٹ ٹرسٹ میں لگا کر اس سے نفع حاصل کرنا، پھر نفع کی رقم سے غریبوں کی مدد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

امید ہے کہ مذکورہ تفصیل کو سامنے رکھ کر جواب باصواب سے مطلع فرمائیں گے۔

المستفتی: (حضرت مولانا) اسمٰعیل منوبری، مہتمم دارالعلوم بھروچ، کنتھاریہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یونٹ ٹرسٹ کے بارے میں مختلف تجربہ کار حضرات سے معلومات فراہم کیں، جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ یہ معاملہ عام بینکوں جیسا ہے، معاملۂ مضاربت کی شرائطوں کے مخالف ہے اور عام سرکاری بینکوں کے سود کا حکم زمانۂ جاہلیت کے سود کے مرادف ہے، جس کی ممانعت قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ موجود ہے، امام رازی نے تفسیر کے اندر زمانۂ جاہلیت کے سودی کاروبار کی وضاحت یوں فرمائی ہے۔

إعلم ان الربا قسمان: النسيئة وربا الفضل، وأما ربا النسيئة، فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذٰلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا على شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ تحت تفسير رقم الآية: ۲۷۵، من سورة البقره۷/ ۹۱)

اور حدیث جابر میں سود دینے والے اور لینے والے اور اس پر شاہد بننے والے اور اس کے کاتب پر حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے؛ اس لئے سوال نامہ کے اغراض کے لئے یعنی یونٹ میں روپیہ جمع کرنا اور اسکے لئے چندہ کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة،

باب الربا، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم:۳۳۳۳، سنن الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في آكل الربوا، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۱۹۲۳)

یونٹ ٹرسٹ کا حکم

سوال [۸۹۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک استفتاء یونٹ ٹرسٹ کے متعلق اس سے پہلے ارسال کیا تھا؛ لیکن جواب سے محروم ہوکر دوبارہ ارسال خدمت ہے۔

امید ہے کہ اس مرتبہ محروم نہیں ہونا پڑے گا، یونٹ ٹرسٹ میں روپیہ جمع کرنا اور اس سے ملنے والی آمدنی کو اپنے ذاتی اخراجات میں صرف کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟ اطمینان بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: مشتاق احمد، مرادآباد

منجانب: دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یونٹ ٹرسٹ میں روپیہ جمع کرنا اور اس سے ملنے والی آمدنی ذاتی اخراجات میں خرچ کرنا شرعاً جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: کفیل الرحمٰن، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ
مفتی دارالعلوم دیوبند

منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تحقیق یہی ہے کہ یونٹ ٹرسٹ کا حکم عام بینکوں جیسا ہے؛ اس لئے جائز نہیں ہے اور مذکورہ جواب سے ہم کو اتفاق نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۵۱۳)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی تحقیق کے مطابق اس کا حکم مضاربت کا سا تھا؛ اس لئے حکم جواز کا دیا گیا تھا، مگر بعد کی تحقیق سے اس کا حکم عام بینکوں جیسا معلوم ہوا، پس اس فتوی سے اب رجوع کیا جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کفیل الرحمٰن غفرلہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند
۱۸؍شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ

رجوع صحیح ہے: پہلی تحقیق سے یونٹ ٹرسٹ کی حقیقت مضاربت معلوم ہوتی تھی، وہ فتوی احقر کا ہی تھا، پھر جب بعد میں مسلم فنڈ دیوبند کے منیجر حسیب صاحب وغیرہ سے تحقیق کی تو اس کا حال بھی بالکل عام بینکوں جیسا معلوم ہوا؛ اس لئے احقر اپنے سابق فتوی سے رجوع کر چکا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد نظام الدین مفتی دارالعلوم دیوبند
۱۸؍شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ

ہنڈی

سوال [۸۹۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہنڈی کا کاروبار کرنا شرعی نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟ اس کی دو شکلیں رائج ہیں۔

پہلی شکل: یہ ہے کہ پیسے بھیجنے والے سے کچھ رقم بطور معاوضہ لے کر جمع کردہ رقم مرسل الیہ کو پہونچا دیتے ہیں، مثلاً سو روپیہ میں پانچ روپئے الگ سے لے کر سو روپئے مطلوب تک پہونچا دیتے ہیں۔

دوسری شکل: یہ ہے کہ رقم ارسال کرنے والے سے الگ سے کچھ معاوضہ نہیں لیتے ؛ بلکہ جمع کی گئی رقم سے فیصدی کے اعتبار سے اپنی اجرت کاٹ لیتے ہیں اور بقیہ رقم ارسال کر دیتے ہیں۔

واضح رہے کہ اس طرح کے کام کرنے والوں کے ہر شہر میں ممبر رہتے ہیں اور وہ رقم وصول کرنے والوں کے اطلاع دینے پر متعینہ رقم مرسل الیہ تک پہونچاتے ہیں، بعینہ وہی رقم نہیں پہونچائی جاتی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تعلقات کی بنا پر کچھ معاوضہ نہیں لیا جاتا ؛ بلکہ پوری پوری رقم پہونچا دی جاتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ کام حکومتی طور پر ممنوع ہے، لوگ خفیہ طور پر یہ کام کرتے ہیں۔

(۲) آج کل بینکوں کا یہ ضابطہ ہے کہ سو روپئے سے دس ہزار تک رقم جمع کرنے پر پچیس روپئے کاٹ لئے جاتے ہیں۔ کیا یہ شکل بھی ہنڈی میں داخل ہے، اگر ہاں تو اس طرح کے بینکوں میں پیسے جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابوعطاء، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال نامہ میں مذکورہ ہنڈی کی دونوں معاوضہ والی شکلیں معاملۂ قرض اور وکالت سے مرکب ہیں اور وکیل اپنے کسی بھی عمل پر موکل سے اجرت لے سکتا ہے؛ اس لئے دونوں شکلیں فی نفسہ درست ہیں؛ البتہ یہ معاملہ چونکہ سرکاری قانون کیخلاف ہے؛ اس لئے سرکاری قانون کی گرفت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے احتیاط کا پہلو اختیار کرنا چاہئے۔ قرآن کریم میں اللہ کا فرمان ہے کہ: اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت اور خطرہ میں نہ ڈالو۔

قلت إنها حوالة وأنت تعلم أن الحوالة قد تكون بمعنى الوكالة، وقد تكون أن يحتال للدائن، قد يحتال بغير الدائن ولا رواية أن الوكيل، والمحتال عليه حرام عليه الأجرة، والأخذ من الموكل، والمحيل إن عمل فيه عملاً، فلا بأس به إن شاء الله. (حاشية شرح وقايه ۳/ ۱۱۹)

بحوالہ بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ کے شرعی احکام ۱۷۲۔

قال الله تعالیٰ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ . [البقرة الآية: ۱۹۵]

(۲) بینک نے اپنی وکالت کے لئے اجرت الخدمت سو سے دس ہزار تک کے درمیان ۲۵/روپئے متعین کردی ہے، اسی ضابطہ کے مطابق یہ معاملہ جائز اور درست ہے اوراس معاملہ میں سرکاری قانون کی خلاف ورزی بھی نہیں ہے؛ بلکہ قانون کا احترام ملحوظ رکھا جاتا ہے؛ لہٰذا اس طرح بینکوں کے ذریعہ سے پیسوں کا منتقل کرنا بلا شبہ جائز اور درست ہے، ہنڈی اور بینک کے درمیان اتنا فرق ہے کہ ہنڈی غیر قانونی ہوتی ہے اور بینک قانونی ہوتا ہے۔

والوكالة قد تكون تبرعاً من الوكيل، وقد تكون بأجر؛ لأنه تصرف لغيره لا يلزمه، فجاز أخذ العوض عليه. (فقه السنة، دارالكتاب العربي بيروت ۳/ ۲۱٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰٦۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۱۸ھ

ربوا کی ایک صورت کا حکم

سوال [۸۹۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے (راقم الحروف) کے والد قاضی اتقان حسین صاحب نے اپنی زندگی میں اپنا رہائشی مکان بمعہ ملحقہ زمین تقریباً ۵۵۰ گز ۱۹۵۸ء میں بالعوض دو ہزار روپئے

اس شرط کے ساتھ بیع کیا کہ اندر میعاد چار سال وہ خود یا ان کے وارثان دو ہزار روپئے کی ادائے گی کر کے مکان واپس لینے کے حقدار رہوں گے۔

قاضی اتقان حسین صاحب کا ۱۹۵۹ء میں انتقال ہوگیا اور اخیر تاریخوں تک ان کے وارثین کی استطاعت نہیں تھی کہ وہ دو ہزار روپئے کی ادائے گی کریں اور مکان چھڑالیں؛ چنانچہ میں نے اور دیگر وارثین نے اپنے ہمسایہ احمد جان و پیارے جان صاحب سے ایک تحریری معاہدہ کیا کہ وہ دونوں بھائی ہمیں ساڑھے چار ہزار روپیہ دیدیں تاکہ ہم اپنا مکان روپئے ادائے گی کر کے برضا مکان واپس لے لیں اور جس شخص کو مکان بیع کیا ہے، وہ برضا مکان واپس کرنے پر آمادہ نہ ہو، تو ضروری عدالتی کارروائی کر کے مکان حاصل کریں اور مذکورہ مکان کا بنا ہوا، وہ حصہ جو میاں احمد جان و پیارے جان کے مکان سے ملحق ہے، اس کا بیع نامہ میاں احمد جان و پیارے جان کے حق میں کر دیا جائے گا، جس شخص کے پاس مکان تھا یعنی جس کے قبضہ میں تھا، اس نے مکان واپس کرنے سے پہلوتہی کی؛ چنانچہ اپریل ۱۹۶۲ء میں اندر میعاد مکان کی واپسی کا مقدمہ کر دیا گیا اور خلاف توقع وہ مقدمہ طویل عرصہ تک لڑنا پڑا کثیر رقم بھی خرچ ہوئی اور وقت بھی؛ لیکن مقدمہ کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا، تو ۳۵؍سال کے بعد میں نے عدالت سے ذاتی طور پر درخواست کی کہ عدالت اپنے اثرات کام میں لا کر فریق مخالف کو کوئی فیصلہ کرنے پر آمادہ کرے؛ چونکہ میری عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہو چکی تھی اور روز کچہری میں پہونچنا میرے لئے اب بہت مشکل ہوگیا تھا، منصف صاحب نے فریق مخالف کو اس پر آمادہ کیا کہ کل آراضی میں سے سو گز زمین اور ایک لاکھ روپئے کی ادائے گی، وہ ہمیں کریں اور ہم مقدمہ واپس لے لیں؛ چنانچہ ۱۹۹۸ء میں اس طرح کا معاہدہ عدالت میں داخل کر دیا گیا اور ایک لاکھ روپئے کی ادائے گی ہمیں کر دی گئی، فریق مخالف جن کے قبضہ میں مکان تھا، انہوں نے یقین دلایا کہ چند روز میں وہ ہمارے حصۂ زمین پر حد بندی کروادیں گے؛ لیکن بالآخر ان لوگوں نے پہلوتہی کی اور مجبور ہوکر، پھر وکیل کی معرفت سو گز

قطعۂ زمین پر قضبہ لینے کے لئے عدالت میں جانا پڑا؛ لیکن تقریباً چار سال کی دوڑ دھوپ کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور اپنے وکیل کے کہنے پر مقدمہ واپس لے لیا اور اس بات کو بھی دوڈھائی سال گذر گئے؛ لیکن اس عرصہ میں میرے دیگر بھائی بہنوں نے نہ ہی میاں احمد جان و پیارے جان کے ورثاء نے مجھ سے زمین کے معاملہ میں کوئی استفسار کیا، نہ ہی اپنا کوئی تعاون دیا؛ چونکہ تنہا میں نے تقریباً ۲۸ ؍سال مقدمہ کی پیروی بھی کی تھی اور رقم بھی صرف کی تھی: اس لئے مجھے اس کا افسوس تھا کہ کوئی حاصل نہیں ہوا، تاہم میں کسی ایسے صاحب حیثیت شخص کی تلاش میں رہا، جو اپنے اثرات کو کام میں لاکر معاہدہ کے بموجب ہماری سوگز زمین ہمیں دلوادے؛ چنانچہ ایک صاحب بچولیا بنے اور یہ طے پایا کہ ایک لاکھ اڑتیس ہزار روپئے کے عوض ہم سوگز زمین انہیں لوگوں کے نام رجسٹری کردیں، جن کے قضیہ میں وہ زمین ہے، یہ زمین واقعتاً تقریباً چار لاکھ روپئے قیمت کی تھی؛ لیکن اب یہ احتمال تھا کہ کچھ بھی ہاتھ نہ آئے: اس لئے اس آخر کو قبول کرلیا اور ستمبر ۲۰۰۳ء میں ایک لاکھ اڑتیس ہزار روپئے کے عوض سارے وارثین نے زمین کی رجسٹری غاصب لوگوں کے حق میں کردی۔

اب میں چاہتا ہوں کہ مبلغ -/4500 کی رقم میاں احمد جان و پیارے جان کے وارثان کو کردوں تاکہ عنداللہ مؤاخذہ دار نہ ہوں؛ لیکن احمد جان و پیارے جان کے وارثان اس رقم کو لینے سے یہ کہتے ہوئے پہلوتہی کررہے ہیں کہ ہمارے والد نے زیورات فروخت کرکے -/4500 روپیہ کی رقم مہیا کی تھی اور اب سونے کی قیمت بہت زیادہ ہے؛ لہٰذا ہم -/4500 کیوں لے لیں؟ اور اس حقیر رقم کا ہم کیا کریں گے؟ علماء دین فرمائیں کہ مذکورہ بالاحقائق کی روشنی میں ازراہ فقہ اسلامی تنازعہ کو ختم کرنے کے لئے کیا کرنا مناسب ہوگا؟

المستفتی: قاضی عبدالماجد، فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو معاملہ لکھا ہوا ہے، یہ

معاملہ ابتداء ہی سے شریعت کے نزدیک فاسد ہے کہ -/4500 روپیہ اس شرط پر قرض لینا کہ سلسلہ مقدمہ کے بعد پوری جائیداد قبضہ میں آجائے گی، تب سوگز زمین جو متعین کی گئی تھی، وہ دی جائے گی، خود یہ بات متردد فیہ ہے کہ زمین قرضہ لینے والے کو واپس مل پائے گی یا نہیں جیسا کہ مدتوں کے بعد یہی بات ثابت ہوئی ہے کہ بالآخر زمین واپس نہیں آئی اور پوری جائیدا کے عوض میں پوری کوشش کے باوجود مالک زمین کو 238000 روپے مل پائے ہیں۔ اب -/4500 روپیہ جس سے قرض لیا ہے شرعی طور پر اس کو کیا مل سکتا ہے، تو دو احتمال ہمارے سامنے ہیں۔

(۱) ۲۳۸۰۰۰ روپیہ کے عوض اس زمین میں سے ۱۰۰ گز زمین کے عوض میں کتنا روپیہ آتا ہے، اس کا حساب لگا کر اتنا ہی روپیہ دیدیا جائے، تو ظاہر بات ہے کہ ۱۰۰ رگز زمین کے عوض میں کل ۴۰/۵۰ ہزار روپیہ آئے گا، تو ۴۵۰۰ روپیہ کے عوض میں ۴۰/۵۰ ہزار روپیہ دینے کی صورت میں ۴۵۰۰ روپیہ اصل تسلیم کرنے کے بعد باقی روپیہ سود اور بیاج شمار ہوگا؛ اس لئے سود کی حقیقت یہ ہے کہ دیا گیا روپیہ یا اس کا مثل جب واپس آئے تو زائد پیسہ ساتھ میں لے کر لوٹ جائے، اسی کو سود کہتے ہیں اور یہاں پر یہ شکل واضح طور پر سود کے دائرہ میں داخل ہے؛ اس لئے ۴۵۰۰ روپئے سے زائد قرض دینے والے کو روپیہ کی شکل میں لینا جائز نہیں ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ جس طرح لیتے وقت ۴۵۰۰ روپئے لیا ہے، واپسی میں بھی ۴۵۰۰ روپیہ ہی واپس ہو جائے، چاہے قرض دینے والے نے آج سے ۳۰/۳۵ سال پہلے زیورات بیچ کر ہی دیا ہو، تب بھی ۴۵۰۰ روپیہ ہی واپس مل سکتا ہے، اس سے زائد جو کچھ بھی ملے گا وہ سود کے دائرہ میں داخل ہوگا، ہاں البتہ قرض لینے والے ۴۵۰۰ روپیہ قرض ادا کرنے کے بعد اپنی طرف سے بطور تحفہ الگ سے ہٹ کر کچھ دیدے، تو وہ دینے والے کو اختیار ہے۔

لا خلاف بين الفقهاء في أن اشتراط الزيادة في بدل القرض

للمقرض مفسد لعقد القرض سواء أكانت الزياده في القدر، بأن يرد المقترض أكثر مما أخذ من جنسه أو بأن يزيده، وان هذه الزيادة تعد من قبيل الربا. (الموسوعة الفقهية ۳۳/۱۳۰)

وإن استقرض دانق فلوس، أو نصف درهم، فلوس ثم رخصت، أوغلت لم يكن عليه إلامثل عدد الذي أخذه. (شامي، كتاب البيوع، باب المرابحة، فصل في القر، كراچي ۵/۱۶۲، زكريا ۷/۳۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۲۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۶ھ

کیا ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم کے علاوہ بڑھی ہوئی رقم سود ہے؟

سوال [۸۹۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی رقم پانچ سال کے لئے ڈاکخانہ میں جمع کی ہے، گورنمنٹ کے اصول کے مطابق پانچ سال میں دوگنی رقم ملے گی، اصل رقم کے علاوہ بڑھی ہوئی رقم سود ہے؟ یا اس کی رقم کا نفع ہے یہ لینا جائز ہے؟

المستفتی: ناطق نعمانی، رام پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ مذکورہ بڑھی ہوئی رقم شرعی طور پر ربا اور سود ہے اور شریعت میں اپنی دی ہوئی رقم پر زائد ملنے کو سود کہا جاتا ہے، اور یہ عقد مضاربت بھی شرائط نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

قا الله تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. الآية [البقرہ: ۲۷۵]

اور زائد رقم کو بلانیت ثواب صدقہ کردینا واجب ہے۔

وإذا كان عند رجل مال خبيث......ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء الخ. (بذل، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مصرى ١/١٤٨،يحیٰ سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الاسلاميه بروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث ٥٩)

وصرح الحنفية بأنه إذا مات الرجل وكسبه خبيث كأن من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة فالأولىٰ لورثته أن يردوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٣٨٥، زكريا ٩/٥٥٣، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحر الرائق، كوئٹه ٨/٢٠١، زكريا ٩/٣٦٩، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍ ۳۲۲۹)

کیا ورثاء پر میت کے سودی قرض کو ادا کرنا لازم ہے؟

سوال [۸۹۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص بینک یا بلاک سے لون پر روپیہ لے کر انتقال کر گیا، یہ جو روپئے لئے تھے، گھر میں کسی کو معلوم تھا اور کسی کو معلوم نہ تھا، یہ روپئے سرکار کو ادا کرنا یا ادا نہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: قمر الدین، مقام وپوسٹ: بریاہی بازار، سہرسہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک اور بلاک سے لون وسود پر روپیہ

لینا حرام اور موجب وعید ہے، اور جب سے لیا اور مر گیا تو ورثاء پر سرکاری قرضہ ادا کرنا میت کے مال میں سے واجب ہے۔

ثم تقضى ديونه من جميع ماله الخ. (سراجي ٤، وهكذا في الدر المختار، كتاب الفرائض، كوئٹه ٥/٥٣٦، كراچي ٦/٧٦٠، زكريا ١٠/٤٩٥، مجمع الأنهر شرح ملتقي الأبحر قديم ٢/٧٤٦، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٤/٤٩٥)

اور اگر بلا سود قرض ادا کرنا ممکن نہ ہو، سرکار کی طرف سے جبر وزیادتی ہو، تو دفع ظلم کے لئے حالت اضطراری میں مع سود کے قرض ادا کر دیا جائے، تو خدائی وعید سے بچنے کی امید ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ۵۲۴، جدید زکریا ۵۰۲، فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/۱۴۱، جدید زکریا ۹/۲۳۵)

في الدر المختار لا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه. وفي الشامية: وفيه أيضا دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة يعنى في حق الدافع. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع مطبوعه كوئٹه ٥/٣٠٠، كراچي ٦/٤٢٣، زكريا ديوبند ٩/٦٠٧)

ومنها إذا دفع الرشوة خوفا على نفسه، أو ماله فهو حرام على الآخذ غير حرام على الدافع. (البحر الرائق، كتاب القضاء، زكريا ديوبند ٦/٤٤١، كوئٹه ٦/٢٦٢)

إذا دفع الرشوة لدفع الجور عن نفسه، أو أحد من أهل بيته لم يأثم. (هندية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات، زكريا قديم ٤/٤٠٣، جديد ٤/٤٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/۶۷۸)

غیر سودی رفاہی ادارے اور سوسائٹیوں کا حکم اور طریقۂ کار کے سلسلہ میں

ادارہ مباحث فقہیہ کی جانب سے چند سوالات اور ان کے جوابات

سوال [۸۹۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نزول قرآن سے پہلے ربا ایک معروف ومتعارف چیز تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سود اور سودی کاروبار کی سخت مذمت فرمائی ہے اور سود کھانے والے قیامت کے روز حیران ومدہوشی کی حالت میں خبطی بنا کر اٹھائے جائیں گے۔

قال اللہ تعالیٰ: **اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبَا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ. الآية** [البقرہ: ۲۷۵]

ایک جگہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام فرمایا ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. الآية [البقرہ: ۲۷۵]

دوسری جگہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سود اور سودی کاروبار کو ملیامیٹ کر دیتا ہے، اور صدقات وخیرات کو فروغ دیتا ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِى الصَّدَقَاتِ. الآية (البقرہ: ۲۷۶)

تیسری جگہ سودی کاروبار کو چھوڑنے اور اس سے باز رہنے کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے اور سودی لین دین میں جمے رہنے اور اس سے باز نہ آنے والوں کو خدا اور رسول سے جنگ کا چیلنج بتایا ہے اور فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر تم حقیقی معنی میں مؤمن ہو، تو سودی کاروبار ترک کرو اور جو ربوا باقی رہ گیا ہے، اس کو چھوڑ دو، اگر تم کو یہ منظور نہیں ہے، تو اللہ ورسول سے جنگ کا اعلان کردو، اور خدائی طاقت کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

قال اللہ تعالیٰ: **يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبَا اِنْ**

كُنتُمُ مُؤُمِنِين. [البقرة: ٢٧٨]

فَإِنُ لَمُ تَفُعَلُوا فَأُذَنُوا بِحَرُبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ . الآية [البقرة:٢٧٩]

اور حضور ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے سودی حساب وکتاب کرنے والے اور سودی معاہدہ لکھنے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه. الحديث (سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية ٢/٤٧٣، دارالسلام رقم:٣٣٣٣، صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب الربوا، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨، سنن الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء في آكل الربوا، النسخة الهندية ١/٢٢٩، دارالسلام رقم: ١٢٠٦، مشكوة شريف ١/٢٤٤، رقم:٢٦٧٦)

اور ایک جگہ حضور ﷺ نے مزید شدت کے ساتھ یہ فرمایا کہ ایک درہم کے بقدر سود کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ بدتر ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: درهم ربوا يأكله الرجل، وهو يعلم أشد من ستة و ثلثين زنية. الحديث (سنن الدار قطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/١٣، رقم: ٢٨١٩، مشكوة ١/٢٤٦، رقم:٢٦٩٤)

اور اسی حدیث شریف کے ذیل میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: ربوا کو چھتیس مرتبہ زنا سے زیادہ برا؛ اس لئے کہا گیا کہ سودی کاروبار اللہ و رسول سے اعلان محاربہ اور مقابلہ آرائی ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول سے مقابلہ آرائی چھتیس مرتبہ زنا سے زیادہ بری اور باعث بربادی ہے۔

قوله أشد من ستة وثلثين زنية، وقيل توجيهه أن آكل الربوا يحارب الله ورسوله كما وقع في التنزيل، والمحاربة مع الله أشد من الزنا هذا .

(حاشية مشكوة ١/٢٦، اشعة اللمعات٣/٢٣)

سوالات اور جوابات سودی معاملہ میں ابتلاء عام رفاہی اداروں کا

قیام اور اس کی ضرورت

(۱) ذکرکردہ طریقۂ کار کے مطابق غیر سودی رفاہی اداروں اور سوسائٹیوں کا چلانا اور رائج کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر کیا طریقۂ کار ہو؟

(۲) اس طرح کے ادارے قائم کرنے اور چلانے والے مسلمانوں کو صرف سودی لین دین کی لعنت سے بچانے کی نیت رکھیں یا جائز طریقہ سے حاصل شدہ آمدنی سے رفاہی امور کے فروغ دینے اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی بھی؟ یا دونوں کی؟

المستفتی: معزالدین احمد غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) ربا کا لفظ سودی معاملہ کے لئے زمانۂ جاہلیت سے معروف ومشہور طریقے سے مستعمل ہوتا چلا آیا ہے، اور موجودہ دور میں ربا نظام تجارت کا رکن اعظم اور عمود کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے جب اس کی حرمت سامنے آتی ہے، تو عام طبائع ان کی حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے کے وقت اس کی حرمت سے ہچکچاتی ہیں اور حیلہ جوئی کی طرف مائل ہوتی ہیں؛ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے، جس میں کوئی شخص سود کھائے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بے انتہا احتیاط کرتا رہے اور سود سے دور بھاگتا رہے، تو پھر بھی سود کا کچھ نہ کچھ حصہ اور اس کا اثر اس کو پہونچے گا اور کوئی بچ نہیں سکے گا۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ليأتين على الناس زمان لا يبقى أحد إلا آكل الربوا، فإن لم يأكله أصابه من بخاره، قال ابن عيسىٰ: أصابه من غباره. (سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في اجتناب الشبهات، النسخة الهندية ۲/۴۷۳، دارالسلام رقم:۳۳۳۱، مشكوة ۱/۲۴۵)

جب دور حاضر میں سودی لین دین انسانی دنیا کی تجارت اور معاملات کا جزء لا ینفک بن چکا ہے، تو اس سے فرار اختیار کرنے اور عام مسلمانوں کو اس کے وبال سے بچانے کے لئے ایسی سوسائٹیاں اور قومی اداروں کا قیام اور ان کو فروغ دینا، جن کے ذریعہ سے عامۃ المسلمین کو سودی معاملات سے محفوظ رکھا جا سکے۔

رہبران ملت کے لئے صرف جائز ہی نہیں؛ بلکہ ضروری ہے اور ان اداروں کے قیام کا مقصد صرف اور صرف مسلمانوں کو سود کے عام وبال سے محفوظ رکھنا اور ان کو صحیح طریقہ پر لگا دینا ہے اور ان اداروں کے قائم کرنے والے اور ذمہ داران اقتصادیات کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے اور بہتر سے بہتر بنانے کی نیت ہرگز نہ کریں۔ نیز اگر سوسائٹی اور فنڈ کسی وقت اس قابل ہو جائے کہ اس کو قرض کے فارم و معاہدے نامے کی قیمت کی ضرورت نہ رہے، تو فارم وغیرہ بلا قیمت دید یا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹ ر رجب المرجب ۱۴۱۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶ / ۲۳۰۰)	۹ / ۷ / ۱۴۱۱ھ

پاس بک کی فروختگی کا جواز

سوال [۸۹۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رقم امانت جمع کرنے والوں سے اجرائے کھاتہ کے لئے پاس بک (جس پر امانت کے جمع وواپسی کا اندراج ہوگا) کی قیمت لینا جائز ہے یا نہیں اور مصارف ادارہ میں صرف کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: معز الدین احمد غفرلہ، ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پاس بک شرعاً مال اور شئ مرغوب فیہ میں داخل ہے۔

ما من شانه أن ترغب إليه النفس وهو المال الخ. (شامي، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والتقوم، كراچي ٥٠٢/٤، زكريا ١١/٧)

اور ہر قسم کے مال اور شئ مرغوب فیہ کی خرید وفروخت بلا کراہت جائز ودرست ہے۔

أما ركن البيع، فهو مبادلة شئ مرغوب بشيئ مرغوب. (بدائع الصنائع، كراچي ١٣٣/٥، زكريا ٣١٨/٤، هكذا في الشامي، كراچي ٥٠٢/٤، زكريا ١١/٧)

اس لئے امانت کی رقم جمع کرنے والوں کے ہاتھ پاس بک فروخت کرنا اور اس سے ملنے والی رقوم رفاہی ادارے کی کسی بھی ضرورت میں خرچ کرنا بلا تردد جائز اور درست ہوگا؛ اس لئے مزید دلائل انشاء اللہ فارم کی فروختگی کے مسئلہ کے تحت پیش کئے جائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۳۰۱)

رفاہی اداروں کے لئے عطایا اور صدقات میں حیلۂ تملیک کا حکم

سوال [۸۹۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ادارہ کے مصارف اور اخراجات کی کفالت کے لئے عطایا اور دیگر صدقات کی رقومات حاصل کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ بصورت اثبات

الف: کس مد کی رقم اس مقصد پر صرف کی جاسکتی ہے، صدقات غیر واجبہ یا صدقات واجبہ بھی؟ اگر صدقات غیر واجبہ تک محدود کیا جائے، تو اتنی رقم کا مہیا ہوسکنا مشکل ہے، جو اخراجات کو پورا کرسکے اور اگر صدقات واجبہ کو بھی اس مقصد پر صرف کیا جائے، تو کیا ایسا مقصد ہے، جس میں حیلۂ تملیک کی اجازت ہوگی یا بلا حیلۂ تملیک صرف کیا جائے گا۔

ب: عطایا وصدقات قابل اعتماد اور مستقل ذریعہ آمدنی بھی نہیں قرار دیئے

جاسکتے ، جن پر اس نظام کے بقاء وتحفظ کی ضمانت دی جاسکے چہ جائے کہ نظام کو وسیع اور ہمہ گیر بنایا جاسکے؛ جبکہ مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو سودی لعنت سے بچانا اور ان کی معاشیات کو سدھارنا ہے۔

ج: اس صورت میں چندہ دہندگان ادارہ کے انتظام وانصرام میں دخیل ہوکر اس بقاء وتحفظ کو خطرہ میں ڈال سکتے ہیں۔

د: فراہمی چندہ کے سلسلہ میں جو عملی دشواریاں پیش آتی ہیں، جو ارباب بصیرت سے مخفی نہیں، ان کے ہوتے ہوئے ان اداروں کے بقا کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: معزالدین احمد غفرلہ، ادارۃ المباحث الفقہیہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رفاہی اداروں کے چلانے کے لئے صدقات غیر واجبہ کا حاصل کرنا اور اس ذریعہ سے ان اداروں کو فروغ دینا اور وقت ضرورت اس میں سے غریبوں ناداروں پر صرف کرنا شرعاً جائز اور درست ہوگا۔

لأن النفل یجوز للغني کما للهاشمي (إلی قوله) لأن الصدقة علی الغنی هبة. (البحرالرائق، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، کوئٹه ۲/ ۲٤٥، زکریا ۲/ ٤٢٧، هندية، زکریا قدیم ۱/ ۱۸۹، جدید ۱/ ۲٥۱، بدائع الصنائع، زکریا ۲/ ۱٥۷)

اور صدقات واجبہ کے اصل مستحق ومصرف فقراء ہیں اور فقراء اور ناداروں کو نہ دے کر سوسائٹی اور قومی فنڈ اور دیگر رفاہی اداروں میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں ہے؛ حتی کہ تعمیر مساجد، ومدارس، پل، سڑک، نہر، حج اور جہاد وغیرہ جیسے اہم امور میں صرف کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة و لایصرف إلی بناء نحو مسجد. وفي الشامية: کبناء القناطر، والسقایات، وإصلاح الطرقات، وکري الأنهار، والحج، والجهاد وکل مالا تملیک فیه. (الدر المختار مع

الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، كراچي ۲/ ۳٤٤، زكريا۳/ ۲۹۱، مجمع الأنهر قديم ۱/ ۲۲۲، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۳۸، الجوهرة النيرة، امداديه ملتان ۱/ ۱۵۷، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۱۵۵)

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رفاہی اداروں کا قیام اور ان کے اخراجات اگر قومی امداداور صدقات غیرواجبہ وغیرہ سے پورے نہ ہوں، تو کیا یہ ایسے اہم شرعی امور ہیں کہ جن کے حصول کے لئے صدقہ واجبہ میں حیلۂ تملیک جائز ومشروع ہوسکے؟ تو حیلۂ تملیک کے لئے حضرات فقہاء نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ حرام سے فرار اختیار کرنے اور معصیت میں مبتلا ہونے سے حفاظت کے لئے حیلہ اختیار کرنا جائز اور مندوب ومستحسن ہے، بشرطیکہ اس میں کسی انسان کی حق تلفی نہ ہوتی ہو اور ساتھ ساتھ یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے کہ احکام الٰہیہ سے فرار اختیار کرنا اور درپردہ کسی کو اپنے حق سے محروم کرنے کے لئے حیلہ جوئی کرنا ہرگز جائز نہیں اور اس کے لئے یہ ضابطہ مقرر فرمایا ہے کہ ہر وہ حیلہ جس کے ذریعہ سے حرام اور معصیت میں مبتلا ہونے سے حفاظت ہو یا حرام سے بچ کر حلال تک رسائی ہوسکے وہ جائز ومندوب ہے۔

وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن الحرام، أو ليتوصل بها إلى حلال، فهي حسنة. (هنديه، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل، زكريا قديم ٦/ ۳۹۰، جديد ٦/ ۳۹۳، تاتارخانية، زكريا ١٠/ ٣١١، رقم:١٤٨٤٦)

والاحتيال للهروب عن الحرام، والتباعد عن الوقوع في الآثام لا بأس به؛ بل هو مندوب إليه. (عمدة القارى، كتاب الحيل، باب في ترك الحيل، دار احياء التراث العربي بيروت ٢٤/ ١٠٨، زكريا ١٦/ ٢٣٩)

اور ہر وہ حیلہ جس کے ذریعہ سے احکام الٰہیہ سے فرار اختیار کرنا یا کسی کے حق کو باطل کرنا یا اس کے ذریعہ مشتبہات میں مبتلاء ہونا لازم آتا ہے، وہ ناجائز اور امر مکروہ ہے۔

إن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير، او لإدخال شبهة فيه،

أو لتمويه باطل فهي مكروهة. (هندية، زكريا قديم ٦/ ٣٩٠، جديد ٦/ ٣٩٣، تاتارخانية، زكريا ١٠/ ٣١١، رقم: ١٤٨٤٥)

وليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلى إبطال الحق. (عمدة القاري، دار احياء التراث العربي بيروت ٢٤/ ١٠٩، زكريا ديوبند ١٦/ ٢٣٩)

لیکن خاکسار کے خیال میں رفاہی اداروں کے اخراجات ایسی اہم اور اشد دینی ضروریات میں داخل نہیں ہے کہ جن کی وجہ سے فقراء اور غریبوں کو حق زکوۃ سے محروم کیا جا سکے؛ بلکہ ان اداروں کی اہمیت زیادہ سے زیادہ تعمیر مساجد و قناطر و سقایات و جہاد کے درجہ میں ہوسکتی ہے اور ان میں حضرات فقہاء نے حیلۂ تملیک کی اجازت نہیں دی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۳۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۱۱ھ

اجرۃ الخدمت کا عدم جواز اور ضرورت کے درجات

سوال [۸۹۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ادارہ کے انتظامی مصارف اور اخراجات کے لئے قرض لینے والوں سے اجرۃ الخدمت وصول کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو.............

الف: کیا یہ اجرۃ الخدمت کل قرض جر نفعاً فہو ربوا میں داخل نہ ہوگا؟

ب: کیا اسے واقعی شرعی عقد اجارہ میں داخل کر کے اجرۃ الخدمت قرار دیا جا سکتا ہے؟

ج: اگر یہ عقد اجارہ ہے تو کیا مستقرض سے اس اجرۃ الخدمت کی ادائے گی پر جبر کیا جا سکتا ہے؟

د: اس اجرۃ الخدمت کا تعین کس تناسب سے ہوگا؟ مقدار قرض کا اعتبار ہوگا یا ہر مقروض سے برابر؟

ہ: مدت قرض کی توسیع وتجدید کے وقت کیا دوبارہ مستقرض سے اجرۃ الخدمت لیا جائے گا؟

و: اس اجرۃ الخدمت کو کیا ایسے ملازمین ادارہ پر صرف کیا جا سکتا ہے، جو معاملہ قرض کے ساتھ دیگر امور ادارہ بھی انجام دیتے ہیں اور یا ادارہ میں تنخواہوں کے علاوہ دیگر اخراجات میں بھی اسے لگایا جا سکتا ہے؟

المستفتی: معزالدین احمد غفرلہ، ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علمائے ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرض گیرندگاں سے اجرۃ الخدمۃ کے نام سے کسی بھی طرح کی کوئی رقم وصول کرنا حدیث نبوی **عن علي قال: قال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم کل قرض جر منفعة فھو ربا.** (کنز العمال الدین، والسلم، دارالکتب العلمیة بیروت ۶/۹۹، رقم: ۱۵۵۱۲، السنن الکبری للبیهقي، کتاب البیوع، باب کل قرض جر منفعة فھو ربا، دار الفکر بیروت ۸/۲۷۶، رقم: ۱۱۰۹۲، نصب الرایة، لاھور پاکستان ۵/۱۶۷) کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ ایک اہم ترین ضرورت ہے، اس کے لئے مستقرض کو واقعی اور ضروری اخراجات وصول کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ضرورت کی کون سی قسم میں داخل ہے اور ضرورت کی کل پانچ قسمیں اور پانچ درجات ہیں۔

(۱) ضرورت بمعنی اضطرار، جس کی وجہ سے حرام چیزوں (میتۃ اور شراب وغیرہ) کا استعمال جائز ہوجاتا ہے۔

(۲) ضرورت بمعنی حاجت، جس کی وجہ سے حرام اشیاء کا استعمال جائز نہیں ہوتا؛

البتہ عبادات میں تخفیف آجاتی ہے، جیسا کہ حالت عذروسفر وغیرہ میں روزہ افطار اور ترک جماعت وغیرہ۔

(۳) ضرورت بمعنی منفعت، جیسا کہ قوت حاصل کرنے کے لئے عمدہ غذا وغیرہ تناول کرنا۔

(۴) ضرورت بمعنی فضول، جیسا کہ خواہش نفس کی وجہ سے حرام اور مشتبہ چیزوں کا کھانا۔

وفي فتح المدير: هٰهنا خمسة مراتب ضرورة، وحاجة، ومنفعة، وزينة، وفضول فالضرورة بلوغه حداً، إن لم يتناول الممنوع هلك أوقارب، وهذا يبيح تناول الحرام، والحاجة كالجائع لو لم يجد مايأكله لم يهلك غير أنه يكون في جهة ومشقة، وهذا لايبيح الحرام ويبيح الفطر في الصوم، والمنفعة كالذي يشتهي خبز البر ولحم الغنم، والطعام الدسم، والزينة كالمشتهي بحلوى، والسكران والفضول التوسع بأكل الحرام والشبهة. (حموي على الأشباه قديم ١٤٠)

اور اجرۃ الخدمت وصول کرنا اس کا مذکورہ ضرورتوں میں سے قسم اول میں داخل نہ ہونا بالکل واضح ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ قسم ثانی ضرورۃ بمعنی حاجت میں داخل ہوسکتا ہے اور اس کی وجہ سے اجرۃ الخدمت جیسے امر ممنوع کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟

نیز اگر ضرورت کی قسم اول میں داخل مان لیا جائے اور اس قسم کی ضرورت کی وجہ سے گنجائش قرار دی جائے، تب بھی اس کے نقصانات سے حفاظت کے لئے کوئی راستہ نظر نہیں آتا؛ اس لئے کہ عوام الناس ضرورت کے درجات میں کوئی فرق نہیں کریں گے اور معمولی معمولی بہانوں سے اپنی غرض پوری کرنے کی فکر میں ہوں گے؛ اس لئے اجرۃ الخدمت کے جواز کی کوئی راہ نہیں نکلتی۔ نیز اس طرح کا معاملہ شرعاً اجارۂ فاسدہ میں داخل ہے۔

ولو استقرض دراهم وسلم حماره إلى المقرض ليستعمله إلى شهرين حتى يوفيه دينه، أو داره ليسكنها، فهو بمنزلة الإجارة الفاسدة.

(شامي، كتاب الرهن، كراچي ٦/ ٤٨٢، زكريا ١٠/ ٨٧، هندية، زكرياقديم ٥/ ٤٣٤، جديد ٥/ ٤٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۳۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۱۱ھ

سرمایہ کو تجارت میں لگانے کا حکم

سوال [۸۹۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرمایہ کو تجارت میں لگا کر اس کے منافع سے ادارہ کے اخراجات اورضروریات پورا کرنا درست ہے یانہیں؟ اس صورت کے اختیار کرنے میں درج ذیل امور قابل توجہ ہیں۔

الف: تجارت کس سرمایہ سے ہوگی رقوم امانت سے یاادارہ کی آمدنی سے؟

ب: رقوم امانت سے تجارت ہو،تو نفع کی صورت میں وہ نفع صرف ادارہ کا حق ہوگا یامستودعین بھی حقدار ہوں گے؟ اگر مستودعین بھی حقدار ہوں گے،تو کس تناسب سے؟

ج: خسارہ کی امکانی صورت میں اسے کون برداشت کرے گا ادارہ یامستودعین؟ اگرادارہ تو کہاں سے؟ اگر مستودعین تو کیوں؟

د: اگرادارہ کی آمدنی سے تجارت کی جائے،تو یہ آمدنی کہاں سے اور کیسے حاصل ہوگی؟

ہ: یہ تجارت کاری ادارہ کی جانب سے ہوگی یا کسی فرد کی جانب سے اور وہ فرد کون ہوگا؟ واضح رہے کہ ادارہ بحیثیت ادارہ ملکی قانون کے اعتبار سے تجارت نہیں کرسکتا۔

المستفتی: معز الدین احمد غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ادراہ کی آمدنی سے تجارت کرنا اوراس کے منافع

کو ادارے کے اخراجات میں صرف کرنا بلا تردد جائز ہے اور جو رقم رفاہی اداروں میں جمع ہوتی ہے، اس کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔

(۱) اگر بلا تعدی ہلاک ہوجائے اور ادارہ اس کا تاوان ادا نہیں کرتا ہے، تو ایسی صورت میں جمع شدہ رقم اور سرمایہ امانت کے حکم میں ہوگا اور شرعاً امانت کی رقوم کو مالک کی اجازت کے بغیر تجارت میں لگانا جائز نہیں ہے، اس کے باوجود اگر تجارت میں لگا کر مخلوط کردی جائے، تو وہ امانت کی ضمانت بن جائے گی اور اس کی آمدنی اور خسارہ سب کا تعلق ادارے کے ساتھ ہوگا۔ نیز امانت میں تعدی کی وجہ سے ادارے کا ذمہ دار گنہگار ہوگا اور اگر مالک کی اجازت سے تجارت میں لگائی جائے، تو شرعاً مالک بھی ادارے کے ساتھ شرکت املاک کے طور پر شریک ہوجائے گا اور نفع ونقصان میں مالک وادارہ دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔

وكذا لو خلطها المودع بماله بغير إذن المالك بحيث لا تتميز ضمنها، وإن بإذنه اشتركا شركة أملاك. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الايداع، كراچي ٥/٦٦٨، زكريا ٨/٤٦٢)

(۲) ادارہ پوری طرح ذمہ داری لیتا ہے اور بلا تعدی ہلاکت کی صورت میں بھی ادارہ اس کا تاوان ادا کرتا ہے، تو ایسی صورت میں جمع شدہ رقم بحیثیت امانت نہیں ہوئی؛ بلکہ بحیثیت ضمانت اور قرض ہوتی ہے، اور ضمانت وقرض کی رقوم کو تجارت وغیرہ میں صرف کرنا اور اس سے آمدنی حاصل کرنا ادارہ کے لئے بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ لیکن اس صورت میں خسارہ کا ذمہ دار بھی ادارہ ہی ہوگا اور مالک خسارہ کا ذمہ دار ہرگز نہیں ہوگا۔

ولو استقرض فلوسا فكسدت فعليه مثلها (إلى قوله) أن الواجب في القرض رد مثل المقبوض. (بدائع الصنائع، كتاب القرض، كراچي ٧/٣٩٥، زكريا

٥١٨/٦، شامي، كراچي ٥/ ١٦٢، زكريا ٧/ ٣٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۳۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۱۰ھ

(۷-۸) فارم اور معاہدہ نامہ کی فروختگی کے جواز پر پانچ دلیلیں

سوال [۸۹۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ادارہ کے مصارف اور واقعی اخراجات کی کفالت کے لئے قرض لینے والوں سے قرض لینے کے وقت معاہدہ نامہ اور فارم حصول قرض کی قیمت لینا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو

الف: کل قرض جر نفعاً فهو ربوا سے کیوں کر خارج ہوگا؟ کیا اس میں انتفاع بالقرض نہیں؟

ب: اس صورت میں ربوا نہ پایا جائے گا یا اس مقصد کے لئے شبہ ربوا قرار دیا جائے گا؟

ج: اگر یہ حیلہ ہے تو عقود مالیہ میں مفید حل واقعی ہو سکے گا یا نہیں؟

د: فارموں کی قیمت مقدار قرض کے تناسب سے ہوگی یا ہر مقروض سے یکساں؟

ہ: اگر مقدار قرض کے تناسب سے فارموں کی قیمت رکھی جائے، تو ان فارموں کا ہر حال میں یکساں ہونا ضروری ہے یا مختلف نوعیّتوں، حیثیتوں اور رنگوں کا؟

و: اگر ہر مقروض سے برابر لیا جائے، تو معمولی قرض لینے والوں اور زیادہ لینے والوں میں عدل کیوں کر ہوگا؟

۸- قرض کی مدت متعینہ ختم ہونے کے بعد توسیع مدت اور تجدید قرض کے لئے از سر نو دوسرے معاہدہ نامہ کی قیمت مستقرض سے وصول کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو صرف پہلا معاہدہ نامہ باطل کر کے یا پہلا معاملہ قرض بالکل ختم کرنے کے بعد؟ اگر پہلا معاملہ قرض یا بالکل ختم کرنے کے بعد، تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ جبکہ وہ قرض کی ادائے گی سے بالکل عاجز ہے اور کہیں اور سے قرض بھی دستیاب نہیں؟

اور اگر تجدید قرض کے وقت از سرنو معاہدہ نامہ کی قیمت لینا درست نہیں، تو زرقرض جلد وصول کرنے کی کیا صورت اختیار کی جائے؟ جبکہ زیورات مکفولہ کو فروخت کر کے زرقرض کو وصول کرنا، ان اداروں کے لئے قانونی سرپرستی نہ ہونے کے سبب تقریباً ناممکن ہے۔

نیز اس طرز عمل سے ادارہ کا اعتماد بھی مجروح ہوتا ہے، اور اس صورت میں لوگوں کو معاشی مشکلات سے نکالنے کے بجائے مزید اس میں ڈالنا بھی ہے، اس کے علاوہ منتظمین ادارہ اور مستقرض کے مابین زیورات مکفولہ کی قیمتوں وغیرہ میں نزاع اور اختلاف پیدا ہوکر معاملہ عدالت تک پہونچ جاتا ہے، جہاں ان اداروں کو کوئی مدد نہیں مل پاتی۔ اس صورت حال میں زرقرض کی واپسی کی کیا صورت ہو؟ جبکہ مستقرض نوٹس پر نوٹس کے باوجود آتا بھی نہیں۔ کیا یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ مستقرض سے قرض لینے کے وقت معاہدہ نامہ میں یہ شرط منظور کرائی جائے کہ اگر وہ متعینہ مدت کے بعد قرض نہیں لوٹاتا ہے، اور نوٹس کے باوجود آتا نہیں، تو اس کی جانب سے معاہدہ نامہ پُر کر کے رکھ دیا جایا کرے گا اور آخر میں جب زر قرض واپس کرے گا، تو ان کی قیمت کو بھی ادا کرنا ہوگا۔ اسی صورت میں شئ مرہون لوٹائی جائے گی، جس طرح معاہدہ نامہ میں یہ شرط منظور کرائی جاتی ہے کہ وقت متعینہ پر زرقرض نہ لوٹانے کی صورت میں زیورات مکفولہ کو فروخت کر کے زرقرض وصول کرلیا جائے۔

المستفتی: معزالدین احمد غفرلہ، ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۸/۷) ضروری اخراجات کے پیش نظر قرض گیرندگاں کے ہاتھ حصول قرض اور معاہدہ نامہ کو فروخت کرنا اور ان لوگوں سے طے شدہ قیمت وصول کر کے اس کو ادارے کے واقعی اور ضروری اخراجات میں صرف کرنا شرعاً جائز اور درست ہوگا اور یہ **کل قرض جر منفعة فهو ربا** کے تحت داخل ہوکر ناجائز اور حرام نہ ہوگا اور اس دعویٰ پر ہم پانچ دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱ : اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر آیت مداینت میں معاملہ قرض کے معاہدہ نامہ لکھوانے اور اس کے اخراجات کا ذمہ دار مستقرض کو قرار دیا ہے اور اجرت کتابت کی مقدار متعین نہیں فرمائی ہے؛ بلکہ آیت کریمہ کے سیاق وسباق نے عاقدین کی آپسی تراضی پر سونپا ہے۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَيْهِ الْحَق. الآية [البقرہ:۲۸۲]

اور کاتب کو اجرت دینے میں اتنی کوتاہی بھی نہیں کرنی چاہئے، جس سے اس کی ضرورت پوری نہ ہونے کی وجہ سے وہ تنگی میں پڑ جائے؛ چنانچہ فرمایا:

وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيْدٌ . [الآية البقرہ: ۲۸۲]

مذکورہ نص قرآنی سے واضح ہوتا ہے کہ فارم اور معاہدہ نامہ کی قیمت وصول کرنا ادارہ کے لئے جائز اور درست ہے۔

دلیل نمبر ۲ :اگر اس کو بیع عینہ قرار دیا جائے، تو اس میں حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف ہے، حضرت امام یوسفؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، وہ فرماتے ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بیع عینہ کا رواج تھا اور اس کو کوئی مذموم نہیں سمجھتا تھا، یہاں تک کہ اگر کسی معمولی سے کاغذ کو ایک ہزار میں فروخت کیا جائے، تو وہ بھی جائز ہے اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک یہ بیع مکروہ تحریمی ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ میرے قلب میں اس بیع کا مذموم ہونا مثل جبل جم چکا ہے، اس کو اہل ربا نے گھڑ کر رواج دیا ہے۔

وقال أبو يوسف لا يكره هذا البيع؛ لأنه فعله كثير من الصحابة وحمدوا على ذلك ولم يعدوه من الربا حتى لو باع كاغذة بألف يجوز ولا يكره. وقال محمدؒ هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه أكلة الربا الخ. (فتح القدير، كتاب الكفالة، دارالفكر بيروت ۲۱۲/۷، كوئٹه ۳۲۴/۶، زكريا ۱۹۸/۷، شامي، مطلب في بيع العينه، كراچي ۳۲۵/۵-۳۲۶، زكريا ۶۱۳/۷، درالحكام شرح غررالأحكام ۳۰۴/۲)

جب مسئلہ مذکورہ کے بارے میں اساطین امت کے درمیان جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے، تو حضرت امام محمدؒ کے قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے عدم جواز کو اختیار کرنا احوط ہوگا؛ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے، اگر جواز کے پہلو کو اختیار کیا جائے، تو امت مسلمۃ میں سے ایک جم غفیر کو سودی معاملہ میں مبتلا ہونے سے روکا جاسکتا ہے؛ اس لئے ادارہ کے اپنے پیر پر کھڑے ہونے تک حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا جائز اور مستحسن ہوگا۔

دلیل نمبر ۳ : شریعت اسلامی میں ایسا قرض ناجائز ہے، جو اپنے ضمن میں منفعت کو کھینچ کر لاتا ہو اور ایسی بیع ناجائز مذموم نہیں ہے، جس میں منفعت شامل ہو؛ بلکہ بیع وتجارت کا اصل مقصد منفعت ہی ہوتی ہے اور مذکورہ معاملہ میں حاصل شدہ منفعت **کل قرض جر منفعة** کے تحت داخل نہیں ہے؛ بلکہ **کل بیع جر منفعة** کے تحت داخل ہے اور اسی کو مشائخ بلخ میں سے حضرت امام محمد بن سلمۃؒ نے اختیار فرمایا ہے:

وابن سلمةؒ يقول هذا ليس بقرض جر منفعة؛ بل هذا بيع جر منفعة وهي القرض الخ. (شامي، فصل في القرض مطلب كل قرض جر نفعاً فهو حرام، كراچي ٥/١٦٧، زكريا٧/٣٩٧)

ربا اور سودی معاملات کے سد باب کے لئے حضرت امام محمد بن سلمۃؒ کے قول پر عمل کرنے میں کوئی قباحت نہ ہونی چاہئے؛ بلکہ مستحسن ہونا چاہئے۔

دلیل نمبر ٤: جن لوگوں کے نزدیک ناجائز اور مکروہ ہے، ان کے یہاں بھی عدم جواز کے لئے مجلس واحد اور صفقۂ واحدہ ہونا شرط ہے اور اگر صفقہ واحدہ نہ ہو؛ بلکہ الگ الگ دو معاملہ ہوں، تو ان کے یہاں بھی ناجائز اور مکروہ نہیں ہے۔

لہٰذا اگر رفاہی اداروں میں شئ مرہون جمع کر کے قرض دینے والا الگ سے مستقل آدمی ہو اور فارم فروخت کر کے اس کی قیمت وصول کرنے والا مستقل دوسرا آدمی ہو،

تو قرض گیرندگاں سے فارم اور معاہدہ نامے وغیرہ کی قیمت وصول کر کے ادارے کے اخراجات میں صرف کرنا بلاشبہ و بلا کراہت جائز ہوگا۔

وفيها شراء الشيئ اليسير بثمن غال لحاجة القرض يجوز ويكره وتحته في الشامية: يكره لو كانا في مجلس واحد، وإلا فلا بأس به؛ لأن المجلس الواحد يجمع الكلمات المتفرقة فكأنهما وجدا معاً، فكانت المنفعة مشروطة في القرض. (شامي، باب المرابحة، مطلب كل قرض جر نفعاً فهو حرام، كراچي ٥/١٦٧، زكريا ٧/٣٩٦-٣٩٧)

دلیل نمبر ۵: اگر فارم وغیرہ کی فروختگی کو **كل قرض جر منفعة فهو ربا** کی ممانعت سے بچنے کے لئے حیلہ قرار دیا جائے، تو پھر بھی سودی معاملات سے سد باب اور مسلمانوں کو سود کی لعنت سے بچانے کے لئے یہ حیلہ جائز ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ حضرات فقہاء کرام نے حرام اور معصیت سے حفاظت اور حلال تک رسائی کے لئے حیلہ کو جائز اور مستحسن قرار دیا ہے اور یہاں پر بھی اس حیلے کو جائز قرار دے کر اس پر عمل کرنے کی صورت میں بہت سے مسلمان عین سود کی لعنت سے محفوظ ہو جائیں گے؛ اس لئے یہ حیلہ وقت ضرورت تک جائز ہونا چاہئے۔

وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام، أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة. (هندية، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل، زكريا قديم ٦/٣٩٠، جديد ٦/٣٩٣، تاتارخانية، زكريا ١٠/٣١١، رقم: ١٤٨٤٦، عمدة القاري، كتاب الحيل، باب في ترك الحيل، دار إحياء التراث العربي بيروت ٢٤/١٠٨، زكريا ١٦/٢٣٩)

اب اخیر میں مشورہ یہ ہے کہ چونکہ مسئلہ اختلافی ہے اور کسی قدر ضرورت کی بناء پر فارم وغیرہ کی قیمت وصول کرنے کی اجازت دی گئی ہے؛ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ ادارے کو اتنی وسعت عطا کر دے کہ فارم وغیرہ کی قیمت لئے بغیر ادارے کے اخراجات بآسانی پورے ہونے لگیں،

تو فارم وغیرہ بلا قیمت دیدینا چاہئے۔ اور مدت پوری ہونے کے بعد دوبارہ توسیع مدت کے لئے فارم فروخت کرکے اس کی رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۳۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۱۱ھ

اشیاء مرہونہ کی اجرۃ الحفظ کا عدم جواز

سوال [۸۹۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مستقرض سے اشیاء مرہونہ کی حفاظت کا کرایہ لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو اشیاء مرہونہ کی حفاظت کے مصارف کون برداشت کرے گا؟ مستقرض یا ادارہ؟ اگر ادارہ تو کہاں سے؟ خاص کر جب ان کی حفاظت کے لئے بینکوں کے لاکرس کرایہ پر لینے کی ضرورت پڑے۔

المستفتی: معز الدین احمد غفرلہ، ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اشیاء مرہونہ کی حفاظت مرتہن (ادارے) پر لازم ہے اور حفاظت کا کرایہ وصول کرنا کل قرض جر منفعۃ فھو ربا کے تحت داخل ہوکر ناجائز اور حرام ہوگا۔ نیز اگر حفاظت کے لئے مکان، صندوق، لاکرس وغیرہ کرایہ پر لینا پڑے اور اسی طرح اگر حفاظت کے لئے ملازم رکھنا پڑے، تو سب کی اجرت اور کرایہ وغیرہ کی ذمہ داری مرتہن (ادارے) پر لازم ہوگی، راہن اور مستقرض پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

(مستفاد: فتاوی احیاء العلوم ۱/۵۱۲، امداد الفتاوی ۳/۴۵۴، کفایت المفتی قدیم ۷/۱۴۷، جدید زکریا مطول ۱۱/۵۸۵، فتاوی محمودیہ قدیم ۹/۳۷۰، جدید ڈابھیل ۲۰/۱۳۰، فتاوی مظاہر علوم ۱/۱۸۷)

وأجرة البيت الذي يحفظ فيه الرهن على المرتهن، وكذلك أجرة

الحافظ والراعي، وكل ماكان لحفظه أو لرده إلى يد المرتهن أو لرده جزء منه، فهو على المرتهن مثل أجرة الحافظ (إلى قوله) وكذلك أجرة البيت الذي يحفظ الرهن فيه، وهذا في ظاهر الرواية. (هداية، كتاب الرهن، اشرفي ديوبند ٤/٥٠٧، الأمين كتابستان ٤/٥٢٣، البحر الرائق، كوئٹه ٨/٣٣٩، زكريا ٨/٤٤١)

اورحضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اشیاء مرہونہ کی حفاظت کا مکان، صندوق، لاکرس وغیرہ سب کی ذمہ داری راہن پر لازم ہوتی ہے؛ لہٰذا ان چیزوں کا کرایہ وصول کرنا مرتہن ادارے کے لئے جائز ہوگا اور رفاہی ادارے کی ضرورت کے لئے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا جائز ہونا چاہئے۔

وعن أبي يوسفؒ أن كراء الماوىٰ على الراهن بمنزلة النفقة.

(هداية اشرفي ديوبند ٤/٥٢٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٦٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۳۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۱۱ھ

اشیاءمرہونہ میں مضمون بالقرض سے زائد کی حفاظت کا کرایہ

سوال [۸۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اشیاء مرہونہ ومکفولہ میں مضمون بالقرض سے زائد مقدار کی حفاظت پر کرایہ لینا نیز اس کے حسابات رکھنے رجسٹری وغیرہ میں درج کرنے دیگر امانتوں میں اختلاط سے بچانے پر ادارہ کا جو خرچ آتا ہے، اس کا راہن اور مستقرض سے لینا صحیح ہے یا نہیں؟ اوراس کو ادارہ کے مصارف میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: معزالدین احمد غفرلہ، ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اشیاءِ مرہونہ میں مضمون بالقرض سے جوزائد ہوتا ہے، وہ بمنزلۂ امانت کے ہوتا ہے؛ لیکن باب حفاظت میں مضمون بالقرض کے تابع ہوکر اس کی حفاظت کے مکان، صندوق وغیرہ کا کرایہ بھی مرتہن ادارے پر لازم ہوگا اور بدائع وغیرہ کی جوعبارت وصول کرایہ کے جواز میں پیش کی جاتی ہے، وہ قابل اعتماد نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ جمہور کے خلاف ہے؛ لہٰذا مقدار زائد کی حفاظت کا کرایہ وصول کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

وأجرة البيت الذي ذكرناه، فإن كلها تجب على المرتهن، وإن كان في قيمته الرهن فضل لأن وجوب ذلك لسبب الحبس وحق الحبس في الكل ثابت له. (هداية، كتاب الرهن، اشرفي ديوبند٤/٥٠٧، البحرالرائق، كوئٹه ٨/٣٣٩، زكريا ٨/٤٤١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٧٦، بنايه شرح الهداية، قديم ٤/٣٩٣، جديد اشرفيه ديوبند١٢/٤٩١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۳۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۱۱ھ

مستقل امانت کی حفاظت کے کرایہ کا جواز

سوال [۸۹۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اشیاء مرہونہ کے علاوہ اگر لوگ اپنے زیورات یا قیمتی اشیاء ان اداروں میں بغرض حفاظت رکھیں، تو کیا ان کی حفاظت پر مدت کے اعتبار سے کرایہ لینا صحیح ہوگا؟ کرایہ لینے کی صورت میں اگر وہ چیز بلا تعدی ضائع ہوجائے، تو ادارہ پر ضمان و تاوان واجب ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: معزالدین احمد غفرلہ، ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مستقل امانت کی حفاظت کا کرایہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے۔

المودع إذا شرط الأجرة للمودع على حفظ الوديعة صح ولزم عليه.

(هندية قديم ٣٤٢/٤، جديد ٣٥٤/٤)

لیکن اگر بلا تعدی ہلاک ہو جائے، تو امین پر تاوان واجب ہوگا اور بعض فقہاء کا قول اس پر ہے کہ امین پر تاوان واجب نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ اس صورت میں امین اجیر مشترک بن چکا ہے اور اجیر مشترک پر بلا تعدی ہلاکت کا تاوان واجب نہیں ہوتا ہے اور یہی مفتی بہ قول بھی ہے؛ اس لئے بلا تعدی ہلاکت کا تاوان ادارے پر لازم نہ ہوگا۔

فلا تضمن بالهلاک إلا إذا كانت الوديعة بأجر. وفي الشامية وأما من جرى العرف بأنه يأخذ في مقابلة حفظه أجرة يضمن لأنه وديع بأجرة؛ لكن الفتوى على عدمه. (در مختار مع الشامي، كتاب الإيداع، كراچي ٦٦٤/٥، زکریا ٨/ ٤٥٥-٤٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹/رجب المرجب ۱۴۱۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۳۰۸)	۱۹/۷/۱۴۱۱ھ

بیع الجامکیہ اور میعادی چیک کی خریداری کا عدم جواز

سوال [۸۹۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ان اداروں کے لئے مروجہ بینکوں کے میعادی چیک کو ضرورت مندوں سے کم قیمت پر خریدنے کی کیا کوئی صورت نکل سکتی ہے؟ جو جائز اور شرعاً درست ہو، یعنی وہ چیک جن کی ادائے گی بینک ایک مدت کے بعد ہی کرے گا، مثلاً وہ ایک ہزار کا ہے اور چھ ماہ بعد

ملے گا، کیا ایسے چیک کوکسی ضرورت مند سے نوسو پچاس میں لینا اور وقت مقررہ پر بینک سے پورے ایک ہزار وصول کرنا جائز ہوسکتا ہے؟

جائز صورت سے حاصل شدہ رقم اگر مصارف ادارہ سے بڑھ جائے، تو اسے کیا کیا جائے؟ ادارہ کی ترقی میں لگایا جائے یا رفاہی امور پر صرف کیا جائے یا غرباء پر صرف کرنا ضروری ہے؟

ضرورتمند حضرات سے معیادی چیک اس طریقہ سے خریدنا کہ کسی کو رقم وصول کرنے کا چیک دو ماہ کی میعاد کے ساتھ قید شدہ حاصل ہو جائے؛ لیکن اس کو فوری رقم کی ضرورت ہے، تو وہ مجبور ہو کر ہزار روپیہ کا چیک نوسو روپئے میں فروخت کرتا ہے اور رفاہی ادارہ یا کوئی اور شخص اس کو نوسو روپئے نقدی دے کر خریدتا ہے، اور میعاد معینہ پر چیک داخل کر کے ہزار روپیہ وصول کرتا ہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: معزالدین احمد غفرلہ، ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح ضرورت مندوں سے میعادی چیک کا خریدنا بظاہر بیع الجامکیہ کے مرادف ہے، اور بیع الجامکیہ کی صورت یہ ہے کہ حکومت کے ملازم یا صاحب وظیفہ جس کو حکومت کی طرف سے میعاد مقررہ پر تنخواہ یا وظیفہ ملتا ہے، اس کو مقررہ وقت سے پہلے کوئی دوسرا آدمی کم پیسے میں خریدے اور خریدار وقت مقررہ پر اس کو حاصل کرلے، تو حضرات فقہاء کرام نے اس طرح کی خرید وفروخت کو ناجائز کہا ہے؛ اس لئے رفاہی ادارے کے لئے مذکورہ طریقہ پر چیک کی خریداری اور اس کے منافع حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: غایۃ الاوطار ۱۰/۳)

وأفتى المصنف ببطلان بيع الجامكيه الخ. وتحته في الشامية: وعبارة المصنف في فتاواه سئل عن بيع الجامكية، وهو أن يكون لرجل جامكية فى بيت المال ويحتاج إلى دراهم معجلة قبل أن تخرج

الجامكية، فيقول له رجل بعتني جامكيتك التي قدرها، كذا بكذا أنقص من حقه في الجامكية، فيقول له بعتك فهل البيع المذكور صحيح أم لا لكونه بيع الدين بنقد أجاب إذا باع الدين من غير من هو عليه كما ذكر لا يصح. (در مختار مع الشامي، كتاب البيوع، مطلب في بيع الجامكية، كراچي ٤/٥١٧، زكريا ٧/٣٣)

جائز صورت سے حاصل شدہ رقم ادارے کے مصارف میں صرف کرنا جائز اور درست ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۳۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۱۱ھ

فکسڈ ڈپازٹ میں رکھنا اور اس سے ملنے والی رقم کا حکم

سوال[۸۹۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہ ادارے جمع شدہ رقم امانت بغرض حفاظت مروجہ بینکوں کے کرنٹ اکاؤنٹ سیونگ اکاؤنٹ، اور فکسڈ ڈپازٹ میں رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں رکھ سکتے تو ان امانتوں کی حفاظت کی کیا صورت ہو؟ جبکہ اس کے علاوہ کوئی قابل اعتماد ذریعہ حفاظت بھی نہیں۔

نیز ملکی قانون کی رو سے زیادہ رقم خود اپنے پاس بھی نہیں رکھ سکتے اور اگر بغرض حفاظت بینکوں میں رکھنا درست ہے، تو اس پر مل سکنے والی سودی رقم کو کیا کیا جائے؟ **بینوا توجروا انشاء اللہ اجرا عظیما.**

المستفتی: معز الدین احمد غفرلہ، ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رفاہی اداروں کی رقم بغرض حفاظت سرکاری

بینک میں رکھنا بہر حال جائز ہے؛ لیکن فکسڈ ڈپازٹ کھاتے میں رکھنا اور جمع شدہ رقم سے زائد رقم حاصل کر کے ادارے میں خرچ کرنا قطعی حرام اور ناجائز ہے؛ اس لئے کہ فکسڈ ڈپازٹ کھاتے میں رکھنا بھی بنص حدیث جابرؓ مستحق لعنت ہوگا؛ کیونکہ اس کھاتے میں رکھنے کا مقصد ہی سود حاصل کرنا ہوتا ہے، ورنہ بینک میں اور بھی بہت سے کھاتے ہیں، جن میں رکھنے سے بہت کم سود ملتا ہے، یا بالکل نہیں ملتا؛ اس لئے ایسے کھاتے میں جمع کرنا بھی جائز نہ ہوگا، تاہم فکسڈ ڈپازٹ کھاتہ یا کسی اور انواع کے کھاتے میں رکھنے کے نتیجہ میں جو زائد رقم ملتی ہے، اس کو ادارے کی ضرورت یا اس کی تجارتی اسکیم وغیرہ میں لگانا ہرگز جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ زیادتی بالکل زمانۂ جاہلیت کے ربا سے ملتی جلتی ہے، تفسیر کبیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں:

أما ربا النسيئة، فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذٰلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذ على شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام فخر الرازيؒ تحت تفسير رقم الآية: ٢٧٥، من سورة البقرة ٧/ ٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۳۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۱۱ھ

(۲) باب البنوک

بینک سے گرین کارڈ بنوانا کیسا ہے؟

سوال [۸۹۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی زمین کے کاغذات کو لگا کر بینک سے کچھ روپئے بطور قرض لیتا ہے اوران روپیوں پر بینک بہت کم روپیہ سود وصول کرتی ہے، جس کو عرف عام میں گرین کارڈ کہتے ہیں؛ لہٰذا بینک سے گرین کارڈ بنوانا کیسا ہے؟ اور کن صورتوں میں سود لیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: مشیر احمد، مدرسہ تجوید القرآن، سسیا کلاں، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سود کا لینا دینا دونوں ناجائز اور حرام ہیں، چاہے سود کم ہو یا زیادہ، ہر حال میں حرام ہے؛ اس لئے جائیداد کے کاغذات بینک میں رکھ کر سودی قرض لینا جائز نہیں ہے، چاہے شرح سود بہت ہی کم کیوں نہ ہو۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي، باب ماجاء في آكل الربا، النسخة الهندية ۱/۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۶)

كل أمر يتذرع به إلى محظور، فهو محظور في هامشه، فهو محظور أي ممنوع ومحرم و يدخل في ذلك القرض يجر المنفعة. (مرقاة المفاتيح، كتاب الزكاة، قبيل الفصل الثاني، مكتبه امدادية ملتان ۴/۱۲۸)

من القاعدة المقررة أن للوسائل حكم المقاصد فوسيلة الطاعة، طاعة

ووسيلة المعصية ، معصية ماحرم فعله حرم طلبه. (الأشباه والنظائر قديم ۳۹۲، قواعدة الفقه، اشرفي ۱۱۵، رقم: ۲۹۱-۲۹۲، شرح المجلة رستم اتحاد ديوبند ۳۳/۱-۳۴، رقم: ۳۴-۳۵ مجلة الأحكام العدليه، كراچي ۲۰/۱، رقم المادة ۳۴-۳۵، مرقاة المفاتيح، كتاب الزكاة، الفصل الثاني، مكتبه امداديه ملتان ۱۲۹/۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰ر۱۰۹۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷ر۱ر۱۴۳۴ھ

کریڈٹ کارڈ کی شرعی حیثیت

سوال [۸۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس کریڈٹ (Credit) ڈیوٹ (Debit) کارڈ کی مشین ہیں اور میں اپنا کاروبار ان کارڈوں سے کرتا ہوں، میں اپنے گاہک سے ان کارڈ کے ذریعہ پیسے وصول کرتا ہوں، تو میں گاہک یعنی سامان خریدار سے ڈیڑھ پرسنٹ رقم زیادہ لیتا ہوں اور یہ زائد رقم بینک کے اصول کے اعتبار سے بینک میں جمع کرتا ہوں بینک والے اس کا نام سروس چارج دیتے ہیں۔

(۲) کاروبار زیادہ ہوجانے کی صورت میں اپنے یعنی سامان خریدار سے دو پرسنٹ لیا جاتا اور بینک کو بینک کے اصول کے اعتبار سے پرسنٹ دیا جاتا ہے، اور ایک پرسنٹ سامان بیچنے والا یعنی دوکاندار رکھ لیتا ہے، تو کیا میرے لئے رقم کی وصولیابی اس طرح جائز ہے کہ نہیں اور اس میں سود کی کوئی شکل تو نہیں؟

یہ کریڈٹ رڈیوٹ کارڈ کی مشین فری میں دیجاتی ہے اور مستقل پچاس ہزار روپیہ اس کارڈ مشین میں جمع رکھنا پڑتا ہے، کم کی شکل میں بینک کے اصول کے اعتبار سے چارج دینا پڑتا ہے، تو اس چارج اور مشین کا کیا حکم ہے؟ جواب سے نواز کر ممنون فرمائیں۔

نوٹ: بعض مرتبہ مال کی قیمت ڈیڑھ پرسنٹ بڑھا کر گاہک سے وصول کرتا ہوں اور اپنے پاس سے ڈیڑھ پرسینٹ بینک کے اصول کے اعتبار سے بینک میں جمع کرتا ہوں۔

المستفتی: محمد ندیم ولد گلزار، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل کے زمانہ میں جن لوگوں کا پیسہ بینک میں ہوتا ہے، بینک ان پر اعتماد کر کے کریڈٹ کارڈ جاری کر دیتا ہے اور اس کارڈ کے ذریعہ سے اپنی ضروریات کا سامان اپنی مرضی کے مطابق خرید سکتا ہے، جتنے پیسے کے سامان خریدے گا، اتنے پیسے بینک اس کے کھاتہ میں سے کٹوتی کر لیتا ہے اور دوسری طرف بینک قابل اعتماد دوکاندار کے پاس کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ سے خریداری کے لئے اور فروختگی کے لئے کریڈٹ ڈیوٹ کی مشین رکھ دیتا ہے، اور اس مشین کے استعمال کے ذریعہ سے کچھ متعین فیس مقرر کی جاتی ہے، دوکاندار وہ فیس خریدار کے حساب میں لگا لیتا ہے اور اس فیس میں سے کچھ حصہ بینک کے کھاتہ میں چلا جاتا ہے اور کچھ دوکاندار کے کھاتہ میں چلا جاتا ہے، اس طریقہ سے دوکاندار کے لئے اس مشین کے ذریعہ سامان کی فروختگی درست ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں غور وخوض کر کے دیکھا گیا کہ اس کی عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، یہ دوکاندار کے حق میں ایک نقد فروختگی ہے، بس اتنا فرق ہے کہ فروختگی کے ساتھ ساتھ اس کا پیسہ بینک میں محفوظ ہو جاتا ہے اور خریدار کے لئے بھی نقد خریداری ہے؛ کیونکہ خریدتے ہی اس کے کھاتہ میں سے اتنا ہی پیسہ فیس وغیرہ کی کٹوتی کے ساتھ دوکاندار کے کھاتہ میں منتقل ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالیؒ نے اسلام اور جدید معاشی مسائل ۱۵۱/۴ پر کافی تفصیل کے ساتھ جانبین سے جواز کی بات ثابت فرمائی، اسی طرح ان کی کتاب انعام الباری شرح بخاری ۴۸۶/۶ پر اس کے جواز کی بات تفصیل سے ثابت فرمائی ہے اور ہندیہ کے حسب ذیل جزئیہ سے بھی جواز کی بات مستفاد ہوتی ہے۔

في الكبرى: أهل بلدة ثقلت عليهم مؤنات العمل، فاستاجروا رجلاً بأجرة معلومة ليذهب ويرفع أمرهم إلى السلطان الأعظم، ليخفف عنهم بعض الحيف، وأخذ الأجرة من عامتهم غنيهم، وفقيرهم ذكرهنا أنه إن كان بحال لو ذهب إلى بلد السلطان تهيأ له إصلاح الأمر يوما، أو يؤمين جازت الإجارة. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني والثلاثون في المتفرقات، زكريا جديد ٤/٥٧٣-٥٧٤، قديم ٤/٥٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۱۶۷۲)

شیئرزاور بونڈر کا حکم

سوال [۸۹۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شیئرز کمپنیوں کے خریدنا، بونڈر خریدنا کیا یہ کام درست ہیں؟ ان کی صحیح جانکاری سے مطلع فرمائیں، ہمارے یہاں کئی عالم ہیں؛ لیکن ان چیزوں کی جان کاری نہیں ہے، لوگ مسائل معلوم کرتے ہیں؛ اس لئے ہم لوگ دارالافتاء ہی سے رجوع کرتے ہیں۔

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمپنی سے شیئرز خرید کر کمپنی کے کاروبار میں شریک ہونا ہے، تو شرعا جائز ہے اور شیئرز مارکیٹوں میں جو شیئرز ہولڈری کا کاروبار ہوتا ہے، صبح وشام اتار چڑھاؤ کا سلسلہ ہوتا ہے، یہ ایک قسم کی لاٹری کی شکل ہے، اس سے گریز کرنا چاہئے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/۲۶)

وصورتها أن يشترك إثنان في نوع خاص من التجارات،

أويشتركان في عموم التجارات و لايذكران الكفالة، والمفاوضة فيها فتضمنت معنى الوكالة. (عالمگيري، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان، زكريا جديد ۲/ ۳۲۵-۳۲۶، قديم ۲/ ۳۱۹)

اور بونڈز اور لاٹری کی خریداری اور اس میں شرکت جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/ ۲۶)

إنما الخمر و الميسر والأنصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه. [سورۃ المائدہ:۷] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۱۳۴)

بونڈ کی اضافی رقم کی شرعی حیثیت

سوال [۸۹۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ سرکاری ملازم ہے، بندہ کے ماہانہ تنخواہ سے انکم ٹیکس چودہ ہزار روپیہ ادا کرنے کا سرکاری حکم نافذ ہوا، اس سے بچنے کی لئے بندہ اپنے جی پی ایف سے کچھ رقم وضع کرنے کے بعد کچھ رعایت ہوئی، بقیہ کچھ رعایت کے لئے بندہ کو تیس ہزار روپیہ کی رعایت ملی۔ اب مذکور BOND کا تین سال کے بعد میعاد پوری ہونے پر بندہ کو -/30000 کے ساتھ مزید -/9000 ملا، یہ مزید نو ہزار کی رقم کا استعمال بندہ کے حق میں از روئے شرع کیسا ہے؟

المستفتی: محمد سعود، کورائی، جاجموٗ، اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیس ہزار روپیہ کا بونڈ خریدنے کے بعد اس کی

میعاد پوری ہونے کے بعد مزید جو نو ہزار کی رقم ملے گی وہ سود ہے، اس کا استعمال کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اس پیسے کو آپ سرکاری انکم ٹیکس وغیرہ میں دے سکتے ہیں اور اگر ٹیکس وغیرہ نہ ہو، تو بلا نیت ثواب فقراء وغیرہ میں تقسیم کردینا ضروری ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورة البقره: ۲۷۵]

ان أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور قديم ۱/۳۷، دار البشائر الإسلامية ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث ۵۹، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه۸/۲۰۱، تبين الحقائق، امداديه ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، زكريا قديم ۵/۵۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۴۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۱۱/۵ھ

بینک کی ایک اسکیم کا حکم

سوال [۸۹۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رام نگر ضلع نینی تال کے اندر نگر پالیکا کی جانب سے غرباء کے واسطے ایک اسکیم ہے، وہ یہ کہ جو غرباء مالی حالت کمزور ہونے کی بنا پر کاروبار سے دور ہیں، ان کو نگر پالیکا بذریعہ بینک قرض دلوا رہی ہے تاکہ وہ اپنے کاروبار کریں اور اس کے اندر کچھ رعایت بھی ہے، جس کی شکل یہ ہے کہ نگر پالیکا مقامی لوگوں کے مصدقہ فارم بھروانے کے بعد پندرہ فیصد رقم فارم کیساتھ بینک کو روانہ کردیتی ہے اور اس پندرہ فیصد کو معاف کردیتی ہے۔

اب بینک سے جو رقم ملے گی وہ سات سال کے اندر ماہوار قسط کے اعتبار سے قرض

لینے والے کوادا کرنی ہوگی اوراس درمیان میں بینک کی رقم کا سود بن کراتنا ہو جائے گا جتنا کہ نگر پالیکا نے پندرہ فیصد بینک کے حوالہ کر کے لینے والے کے لئے معاف کردیئے ہیں، تو اس صورت میں قرض لینے والا بینک کو اتنی ہی رقم ادا کرے گا جتنی کہ اس کو حاصل ہوئی ہے؟ تو کیا اس شکل میں قرض جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: قاری محبوب عالم، مدرسہ مدینۃ العلوم، نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ مذکورہ میں جو اسکیم بیان کی ہے، یہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ سات سال کے اندر اندر بینک کی جمیع رقم کو جمع کردے اور اگر سات سال میں تمام رقم کو جمع نہیں کیا اور اس پر سود بڑھنے لگے، تو پھر یہ عمل جائز نہ ہوگا۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، مؤكله، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن ابن ماجه، التجارات التغليظ في الربا، النسخة الهندية ۲/ ۱۶۵، دارالسلام رقم: ۲۲۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۷۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۲۹ھ

بینکوں سے ملنے والی اضافی رقم کی شرعی حیثیت

سوال [۸۹۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان بینکوں سے جو مزید رقم ملتی ہے، وہ سود ہے یا نہیں؟ اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: غلام یٰسین، موضع، مورا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہندوستان کو دارالحرب بھی تسلیم کرلیا جائے اور غیر مسلموں کو حربی تسلیم کرلیا جائے، تب بھی ہندوستان میں رہنے والے مسلمان کے لئے غیر مسلموں یا حکومت سے سود لینا جائز نہیں ہے اور حضرات طرفین اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جہاں حربیوں سے سود لینا جائز ہے، وہاں یہ قید بھی موجود ہے کہ سود لینے والا مسلمان دارالحرب کا باشندہ نہ ہو؛ بلکہ کسی دارالاسلام وغیرہ سے پاسپورٹ لے کر، مستأمن بن کر آیا ہوا ہو۔

ولا بین حربي ومسلم مستأمن. (الدر المختار، کتاب البیوع، باب الربا، کراچي ۱۸۶/۵، زکریا ۴۲۲/۷، امداد الفتاوی ۱۵۶/۳)

لہٰذا بینکوں سے حاصل شدہ زائد رقم کا استعمال ناجائز اور حرام ہوگا۔ حکم شرعی یہی ہے کہ اس کو بغیر نیت ثواب کسی غریب نادار کو دیدیا جائے۔

وأما إذا کان عند الرجل مال خبیث، فأما إن ملکه بعقد فاسد، أو حصل له بغیر عقد ولا یمکنه أن یرده إلی مالکه، ویرید أن یدفع مظلمة عن نفسه فلیس له حیلة إلا أن یدفعه إلی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور قدیم ۳۷/۱، دارالبشائر الإسلامیة ۳۵۹/۱، تحت رقم الحدیث: ۵۹، هندیة، زکریا قدیم ۳۴۹/۵، جدید ۴۰۴/۵، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۴۶/۳۴، شامي، زکریا ۵۵۳/۹، کراچي ۳۸۵/۶، تبیین الحقائق، مکتبه امدادیه ملتان ۲۷/۶، زکریا ۶۰/۷، البحرالرائق، زکریا ۳۶۹/۹، کوئٹه ۲۰۱/۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳۹۱/۲۷)

بینک میں مسجد کا اکاؤنٹ کھولنے اور ملنے والے سود کی شرعی حیثیت

سوال[۷ ۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مسجد کا بینک میں سیونگ اکاؤنٹ کھولنا اور بینک جو بنا مانگے سود دیتا ہے، وہ لینا جائز ہے یا ایسا ہی ہے، جیسا طے کرکے لینا جس کا حرام ہونا ہر مسلمان کو معلوم ہے؟

المستفتی: مظہر محمد بنیا نگر، دہرادون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی رقم کی حفاظت کے لئے بینک میں سیونگ اکاؤنٹ کھولنا جائز اور درست ہے اور اس سے حاصل ہونے والے سود کو مسجد کی کسی بھی مد میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا، ہاں البتہ سود کی رقم کو مسجد کے لئے خریدی جانے والی زمین جائیداد کی رجسٹری اسٹامپ فیس میں دینا جائز ہے، ورنہ غریب مسکینوں میں بلا نیت ثواب تقسیم کردیا جائے؛ لیکن سود حاصل کرنے کی غرض سے مسجد کی رقم بینک میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

الأمور بمقاصدها. (الأشباه زكريا ١٠٢، قواعد الفقه اشرفي ٦٢، رقم: ٥١)

والواجب في الكسب الخبيث تفريغ الذمة، ولتخلص منه برده إلى أربابه إن علموا وإلا إلى الفقراء. (الموسوعة الفقهية ٣٤/٢٤٥، ومثله في بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، معارف السنن اشرفي ١/٣٤)

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ٨/٢٧٦، رقم: ١١٠٩٢)

عن عليؓ، قال: كل قرض جر منفعة، فهو ربا. (كنز العمال الدين و السلم،

دارالکتب العلمية بيروت ٦/٩٩، رقم: ١٥٥١٢، جامع الأحاديث الكبير للسيوطي ٦/٤٣٨، رقم: ١٥٨٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۴۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۴/۱۴۳۵ھ

بینک سے ملنے والی اضافی رقم کا حکم

سوال [۸۹۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سود لینا دینا دونوں حرام ہے، میں نے سرکاری بینک میں کچھ پیسے جمع کر رکھے ہیں، بینک اصل رقم سے ہمراہ اضافی رقم بھی دیتا ہے کیا یہ سود ہے؟

المستفتی: غلام حسین، مدرس رام نگر تحصیل رام نگر، اودھم پور جے لینڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہاں یہ بھی سود ہے؛ لیکن بینک سے نکال کر اگر انکم ٹیکس وغیرہ ہے، تو اس میں دیدینا ورنہ فقراء میں بلانیت ثواب تقسیم کردیجئے۔

إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور قديم ١/٣٧، دار البشائر الإسلامية ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الهندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٣٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/۴۳۲)

بینک سے ملنے والی اضافی رقم نکال لیں یا بینک میں ہی چھوڑ دیں

سوال [۸۹۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں بینک وغیرہ سے سود لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ مع حوالہ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: محمد علی قاسمی، مدرسہ حیات العلوم، گیادوہا، مدناپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان کے بینک سے سود کی رقم نکال لینی چاہئے؛ البتہ نکال کر اپنے صرفہ میں لانا جائز نہیں؛ بلکہ فقراء کو بلا نیت ثواب دیدینا واجب ہے، ہندوستان کے بینک سے جو سود ملتا ہے، وہ ایسا ہے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں تھا۔ قرآن کریم میں جس کی مذمت آئی ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق (إلى قوله) أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه (وقوله) ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، شامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحر الرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱)

اعلم أن الربا قسمان: النسيئة وربا الفضل، وأما ربا النسيئة، فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذٰلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذ واكل شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء

زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ، تحت تفسير رقم الآية: ۲۷۵، من سورة البقره۷/۹۱، روح البيان ۲/۹۳، غرائب القرآن لنيسابوری ۲/۶۰، فقه السنة للسيد سابق ۳/۱۳۵-۱۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲/۲۴/۷)

بینک کے سود کا حکم

سوال [۹۰۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں جو بینکوں میں رقم جمع کی جاتی ہے، اصل رقم کے علاوہ جو منافع ملتا ہے، وہ شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟ ہمارے ہندوستان میں بہت سارے بینک ہیں، مثلاً اسٹیٹ بینک، پنجاب نیشنل بینک آف انڈیا وغیرہ اوراس کے علاوہ بیمہ کمپنیاں ہیں، مثلاً بی اے سی ایل انڈیا لمیٹیڈ ہے اور بھارتی جیون بیمہ نگم ہے، ان سارے بینکوں اور کمپنیوں کے مالک کافرلوگ ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد اختیار حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں لکھی گئی جتنی شکلیں ہیں، ان سب کے لئے حکم شرعی یہ ہے کہ اگر ہندوستان کو دارالحرب تسلیم نہ کیا جائے؛ بلکہ مسلم اورغیر مسلم کی مشترکہ جمہوری حکومت تسلیم کی جائے، جیسا کہ اکثر علماء کی یہی رائے ہے، تو یہاں کے سود کے جائز ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا، اور اگر ہندوستان کو دارالحرب تسلیم کرلیا جائے جیسا کہ بعض لوگ یہی کہتے ہیں، تو ایسی صورت میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے حق رائے

دہی اور لوک سبھا اور راجیہ سبھا کی ممبری اور منسٹری اور صدر جمہوریہ وغیرہ بننے کے سارے حقوق ہاتھ سے نکل جائیں گے؛ تاہم اگر ہندوستان کو دارالحرب کہنے والوں کے مطابق دارالحرب تسلیم کر بھی لیا جائے، تب بھی امام ابوحنیفہؒ کے راجح قول کے مطابق ہندوستان کے رہنے والے مسلمانوں کے لئے یہاں کی غیر مسلم کمپنی یا سرکاری بینک سے حاصل شدہ سود جائز اور حلال نہیں ہے، ہاں البتہ دوسرے ممالک سے ویزا لے کر عارضی طور پر ہندوستان میں آنے والے مسلمانوں کے لئے یہاں کے غیر مسلم کمپنی اور سرکاری بینک سے سود حاصل کرنا یا غیر مسلم افراد سے سود حاصل کرنا اور استعمال کرنا جائز ہے، یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کا مطلب ہے، یہ بات اس صورت میں ہے؛ جبکہ ہندوستان کو دارالحرب تسلیم کر لیا جائے؛ لیکن ہندوستان کا کوئی مسلمان اس کے لئے تیار نہیں ہوسکتا ہے کہ اپنا وطنی حق غیروں کے ہاتھ میں دیدیا جائے۔

بہر حال ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے سرکاری بینک یا غیر مسلم پرائیویٹ کمپنی سے سود حاصل کر کے استعمال کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، چاہے ہندوستان کو دارالحرب تسلیم کیا جائے، یا نہ کیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ ۵۰۴، جدید مبوب ۵۸۳، امداد الفتاوی ۱۵۸/۳، محمودیہ جدید ۳۵۲/۱۶، قدیم ۳۷۳/۱۳، جدید ڈابھیل ۲۷۲/۱۶ تا ۲۸۱، ایضاح النوادر ۹۷، انوار رحمت ۱۷۷)

ولا بين حربي، ومسلم مستأمن، ولو بعقد فاسد، أو قمار ثمة؛ لأن ماله ثمة مباح فيحل برضاه مطلقاً بلا عذر (در مختار) وإذا دخل المسلم دار الحرب بأمان فلا بأس بأن يأخذ منهم أموالهم بطيب أنفسهم بأي وجه كان. (شامي، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ٤٢٢/٧، كراچي ١٨٦/٥)

لاتصير دار الإسلام دار الحرب إلا بأمور ثلثة (منهم) بأن لا يبقي فيها مسلم، أو ذمي أمنا بأمان الأول على نفسه (در مختار) ظاهره أنه

لو أجريت أحكام المسلمين، وأحكام أهل الشرك لا تكون دار حرب .

(شامي، كتاب الجهاد، باب المستأمن، مطلب فيما تصيربه دارالإ سلام دار الحرب وبالعكس، زكريا ٦/٢٨٨، كراچي ٤/١٧٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٠/٢٩٤، وهكذا في البزازيه، زكريا جديد ٣/١٧٢، وعلى هامش الهندية قديم ٦/٣١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۷۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵؍۶؍۱۴۳۰ھ

سودی بینک میں سودی لین دین کے حساب کی ملازمت کا حکم

سوال [۱۰۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سودی بینک میں نوکری کرتا ہے، جہاں اسے سودی لین دین، حساب وکتاب کرنا پڑتا ہے۔

المستفتی: محمد زبیر، متعلم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک میں سودی حساب وکتاب لکھنے کی نوکری کرنا ناجائز اور حرام ہے، آنحضرت ﷺ نے سود لینے دینے والے اور اس کو لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے؛ البتہ اس نوکری پر جو تنخواہ ملتی ہے، وہ اپنے عمل اور محنت کی اجرت ہے، اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز ہے، اور آپ کے ماتحت لوگوں کے لئے ان کی کمائی سے اپنے اخراجات پورے کرنے میں بھی از روئے شرع کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح ان کی دعوت قبول کرنا، ہدیہ کا لین دین اور مشترکہ قربانی وغیرہ یہ سب امور جائز ہیں؛ لیکن چونکہ ان کا ذریعۂ آمدنی حرام ہے؛ اس لئے ایسے لوگوں کے ساتھ مذکورہ معاملات میں احتیاط ہی بہتر ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن النسائي، الزنية، الموتشما، النسخة الهندية ۲/۲۳۸، دارالسلام رقم: ۵۱۰۸)

الأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ۴/۳۰۷، كراچي ۳/۱۵۶)

يجيب دعوة الفاسق والورع أن لا يجيبه. (هندية، كتاب الكراهية والإستحسان، الباب الثاني عشر في الهدايا، والضيافات، زكريا قديم ۵/۳۴۳، جديد ۵/۳۹۷)

والبقر والبعير يجزى عن سبعة إذا كانوا يريدون به وجه الله تعالىٰ. (هندية، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، جديد ۵/۳۵۱، قديم ۵/۳۰۴)

عن أبي الحوراء السعدي، قال: قلت لحسن بن علي: ما حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم دع مايريبك إلى ما لا يريبك الحديث. (سنن الترمذي، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/۷۸، دار السلام رقم: ۲۵۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۴۶۴/۳۹)

بینک کی ملازمت کی شرعی حیثیت

سوال [۹۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک کی ملازمت کسی قسم کی بھی یعنی چپراسی اور چوکیدار سے لے کر منیجر تک یا اس سے بھی اونچی پوسٹ کی کوئی ملازمت ہو جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۲) بینک کا منیجر یا کسی اور عہدے کا آدمی مثلاً چپراسی یا خزانچی وغیرہ اگر دعوت کرے یا ہدیہ تحفہ دے، تو اس کی دعوت کا قبول کرنا اور اس کے ہدیہ کا قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) ایک شخص کے پاس روزی روٹی کا کوئی انتظام نہیں ہے، مستحق زکاۃ ہے، اس کو بینک کی ملازمت مل رہی ہے وہ بینک کی ملازمت کرسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ دوسری ملازمت کی تلاش رکھے اور دوسری ملازمت ملنے پر بینک کی ملازمت ترک کردے؟

المستفتی: محمد نسیم کاسگنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بینک کے اندر چپراسی، چوکی داری وغیرہ کی ملازمت جائز ہے۔ اور وہ ملازمت ناجائز ہے، جس میں سودی حساب وکتاب لکھنا پڑتا ہو۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوا، ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاہدیہ، وقال: ہم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آکل الربا، ومؤکلہ، النسخۃ الہندیۃ، ۲/۲۷، بیت الأفکار رقم:۱۵۹۸، سنن الترمذي، باب ماجاء في آکل الربا، النسخۃ الہندیۃ ۱/۲۲۹، دار السلام رقم: ۱۲۰۶، سنن النسائي، الزنیۃ الموتشمات، النسخۃ الہندیۃ ۲۷/۲۳۸، دارالسلام رقم:۵۱۰۸)

(۲) بینک کا سودی حساب وکتاب باعث لعنت ہے اور اس عمل کی وجہ سے لعنت کا مستحق ہوجائے گا؛ لیکن ملازمین کو جو تنخواہ ملتی ہے، وہ بہرحال ان کے لئے حرام نہیں ہے؛ کیونکہ ان کی تنخواہ میں سود کا پیسہ نہیں آتا؛ بلکہ ان کی تنخواہ ایسی ہے، جیسے دیگر سرکاری ملازمین کی تنخواہ ہوتی ہے؛ اس لئے اس کے یہاں دعوت وغیرہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

أہدیٰ إلی رجل شیئًا، أو أضافہ إن کان غالب مالہ من الحلال فلابأس إلا أن یعلم أنہ حرام، فإن کان الغالب ہو الحرام ینبغي أن لا یقبل الہدیۃ، ولا یأکل الطعام إلا أن یخبرہ بانہ حلال ورثتہ، أو استقرضتہ من رجل، کذا في الینا بیع. (فتاوی عالمگیري، کتاب الکراہیۃ والإستحسان، الباب الثاني عشر

في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦، الفتاوى التاتار خانية، زكريا ١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ٧٣، رقم: ٩٦١٧، البنايه اشرفية ١٢/ ٢٠٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٦-١٨٧، مصري قديم ٢/ ٥٢٩، عيدن المسائل للسمر قندي، مطبع اسد بغداد ١/ ٤٧٨)

(۳) روزی روٹی کے لئے بینک کی ملازمت میں چپراسی اورکلرک وغیرہ کا عہدہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر وہ عہدہ قبول کرنا جائز نہیں ہے، جس میں سودی حساب وکتاب لکھنا پڑتا ہو۔ حدیث میں اس پر لعنت آئی ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ٢/ ٢٧، بيت الأفكار رقم: ١٥٩٨، سنن أبي داؤد، باب في آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٣، دارالسلام رقم: ٣٣٣٣، سنن ابن ماجه، التجارات، التغليظ في الربا، النسخة الهندية ٢/ ١٦٥، دار السلام رقم: ٢٢٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۹۰۲)

سودی نظام والے محکمہ کی ملازمت کرنے کا حکم

سوال [۹۰۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ڈاکخانہ میں سرکاری نظام کے تحت سرمایہ کاری ہوتی ہے، جو ماہانہ قسط کی شکل میں ۱/ ۲/ ۳/ ۴/ ۵/ سال کے لئے ہوتی ہے، جس پر ۳/ یا ۴/ فیصد سود ملتا ہے، یہ سود جمع کنندہ اوراس کے سرکاری ملازم ہیڈ کو بھی ۲/ فیصد ملتا ہے؛ اس لئے جمع کنندہ کا ملازم وسود کا لینا اورایسے سودی نظام والے محکمہ میں ملازمت کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عثمان ابن مرزا جی عبدالرحیم، کوکرپور سرائے کھجور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ڈاکخانہ میں سرکاری نظام کے تحت سرمایہ کاری میں جمع شدہ رقم پر جمع کنندہ کواسی طرح سرکاری ملازم کو جو۲/۳/۴/۵/ فیصد سود ملتا ہے، اس کا لینا اور ایسے سودی نظام والے محکمہ میں ملازمت کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۵/۱۴۷، ایضاح النوادر ۵/۱۴۹)

عن ابن مسعودؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وشاهديه، وكاتبه. (سنن الترمذي، باب ماجاء في آكل الربا، النسخة الهندية ۱/۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰٦)

عن عليؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال آكل الربوا، ومؤكله، وشاهديه، وكاتبه. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٦/۲٦۹، رقم: ۱۰۷۹۱، مسند أحمد بن حنبل ۱/۸۳، رقم: ٦۳٥، ٦٦۰، ٦۷۱، ۸٤٤، ۱۲۸۹، ۱۳٦٤، ۳۷۲٥، ۳۷۳۷، ٤۳۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۴۳۰)

سودی فنڈ یا بینک کی ملازمت کا شرعی حکم

سوال [۹۰۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اقتصادی اصلاحی اسکیم کے طور پر ایک ادارہ مسلم فنڈ نجیب آباد کے نام سے نجیب آباد ضلع بجنور میں قائم ہے، اس کے ایک شعبہ کا نام النجیب ملی موصل بنی فسٹ لمیٹیڈ ہے، اس کی ایک شاخ مرادآباد میں مصوری مارکیٹ پرنس روڈ میں بھی قائم ہے، یہ ادارہ اپنے بعض کھاتوں پر منافع دیتا ہے اور مقروض سے خرچہ لیتا ہے، جو ہر فیصد پر مقررہ تعداد میں ہوتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ مذکورہ بالا ادارہ سے وہ منافع لینا کھانا اور مقروض سے مقررہ فیصد خرچ

جوکہ اس وقت تیرہ روپیہ فی سیکڑہ ہے لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس ادارہ میں ملازمت کرنا جس کی تنخواہ مذکورہ بالا مد سے حاصل ہوتی ہے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) سنڈی کیسٹ بینک جوکہ حکومت ہند کا قومیایا ہوا بینک ہے، اس سے ملنے والے منافع کا کیا حکم ہے؟ کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کھانا جائز نہ ہو اور کوئی کھاتہ دار اپنے کھاتہ اور کتاب پر مندرج سود کی رقم کسی کو بلا ثواب کی نیت سے دینا چاہے، تو وہ رقم مقررہ ہی کھاتہ اور پاس بک سے نکال کر دینی ہوگی یا اتنی رقم اپنی جیب سے (کھاتہ سے الگ سے) اس سود کی رقم کی ادائے گی کی نیت سے نکال دے، تو بھی جائز ہوگا یا نہیں؟ جبکہ بینک والے سب رقم یکجا رکھتے ہیں اصل اور سود کی رقم الگ الگ نہیں رکھتے۔

المستفتی: مطلوب احمد، بچھرایوں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیرہ روپیہ فی سیکڑا سودی معاملہ ناجائز اور حرام ہے، اور ایسے فنڈ یا بینک کی ملازمت بھی جائز نہیں ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوا، ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاہدیہ، وقال: ہم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آکل الربا، ومؤکلہ، النسخۃ الہندیۃ، ۲/۲۷، بیت الأفکار رقم:۱۵۹۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۹/ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۱۸)

سودی کمپنی میں ملازمت کرنے والے کی تنخواہ حلال ہے یا حرام؟

سوال [۹۰۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام محمد جنید خاں ہے، میں ضلع بارہ بنکی میں رہتا ہوں، میں سہارا انڈیا

کے پیرابیکنگ ڈیویژن میں کام کرتا ہوں، سہارا انڈیا کمپنی کی شروعات ۱۹۷۸ء میں ہوئی تھی، جس میں لوگوں سے پیسے جمع کرانا اور میعاد پوری ہونے پر سود سمیت واپس کرنا تھا، کمپنی نے اس بزنس میں کافی ترقی کی اور بعد میں کمپنی نے دیگر بزنس بھی شروع کیں، جیسے لائف انشورنش، ہاؤسنگ پروجیکٹ، ہوٹل، ہسپتال وغیرہ میں اسی ڈویژن میں کام کرتا ہوں، جس میں پیسے کا لین دین ہوتا ہے، یعنی اس کی شکل بینک کی سی ہے، گذشتہ ۱۳؍ سالوں سے ملازمت کررہا ہوں، میرا کام کمپیوٹر پر کام کرنا ہے، جس کے عوض میں مجھے تنخواہ ملتی ہے، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری ملازمت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟

(۱) میری ملازمت جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر نہیں تو گذشتہ ۱۳؍ سالوں میں میں نے جو مال کمایا ہے، اس کا کیا استعمال ہے؟

(۳) جو رقم ہے اس سے کوئی روزگار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) میں اپنی ملازمت فوراً چھوڑ دوں یا نہیں؟

(۵) کیا پیر بینکنگ کے علاوہ کسی دوسرے ڈویژن میں ملازمت جائز ہے؟ مہربانی کرکے تفصیل سے مسائل کے بارے میں جانکاری دیں؟

المستفتی: محمد جنید خاں، صدیق نگر، بارہ بنکی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہاں پر دو باتیں الگ الگ طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے۔

(۱) جس طرح سود لینا اور دینا حرام ہے، اسی طرح سودی حساب وکتاب لکھنا بھی حرام اور باعث لعنت ہے؛ لہٰذا اگر آپ کا کام کمپیوٹر میں سودی حساب وکتاب لکھنا ہے، تو لعنت کے دائرہ میں آپ بھی داخل ہو جائیں گے اور جب تک حساب وکتاب لکھتے رہیں گے، تب تک مستحق لعنت رہیں گے۔

(۲) حساب وکتاب لکھنے کی محنت کا پیسہ یہ پیسہ آپ کے لئے حرام نہیں ہے؛ اس لئے

کہ یہ آپ کی محنت اور مزدوری کا پیسہ ہے؛ لہٰذا اب تک جو کمایا ہے اس کا استعمال آپ کے لئے جائز ہے اور چونکہ مستحق لعنت عمل ہوتا رہتا ہے؛ اس لئے ایسی ملازمت سے جہاں تک ہوسکے بچنے کی کوشش کرکے ہوٹل یا ہسپتال میں اپنا ٹرانسفر کرالیں یا کوئی دوسرا جائز روزگار تلاش کرلیں، اس میں پانچوں سوالات کے جوابات آچکے ہیں۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨)

عن محمدؒ: رجل إستاجر رجلاً ليصور له صوراً، أو تماثيل الرجال في بيت، أو فسطاطٍ فإني أكره ذلك، وأجعل له الأجرة. (هندية، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع في الإجارة، زكريا قديم ٤/٤٥٠، جديد ٤/٤٨٦، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٥/١٣٠، رقم: ٢٢٤٣١)

وإن إستاجره لينحت له طنبوراً، أو بربطاً، ففعل طاب له الأجر إلا يأثم به. (هندية، زكريا قديم ٤/٤٨٦، جديد زكريا ٤/٤٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴؍ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۱۹)	۱۴۳۱/۴/۱۴ھ

بینک سے حاصل شدہ زائد رقم کا حکم

سوال [۹۰۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے دس ہزار روپیہ بینک میں جمع کیا اور کچھ مدت کے بعد اس کو بیس ہزار روپیہ ملا۔ اب یہاں پر کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ سود ہے؛ اس لئے برائے کرم جواب تحریر فرمادیں۔ یہ جو دس ہزار روپیہ ملا یہ سود ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد رضوان الحق، نعیمی عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے زید کی اصل رقم کے علاوہ جو زائد دس ہزار روپئے ملے ہیں وہ سراسر سود کے ہیں؛ اس لئے کہ جمع شدہ رقم منافع کے ساتھ واپس آنے کا نام ہی سود ہے اور یہی زمانہ جاہلیت کا سود ہے، جس کی حرمت قرآن میں نازل ہوئی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرہ: ۲۷۵]

أما ربا النسيئة، فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا على شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ تحت تفسير رقم الآية:۲۷۵، من سورة البقره۷/۹۱، روح البيان ۲/۹۳، غرائب القرآن للنيساپورى ۲/۶۰، فقه السنة للسيد سابق ۳/۱۳۵- ۱۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵ / ۶۷۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵ / ۶ / ۱۴۲۱ھ

بینک میں جمع شدہ رقم کے سود کا حکم

سوال [۹۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہ جو ہندوستان میں بینک میں روپیہ جمع کر کے اس روپیہ پر بیاج ملتا ہے، وہ لینا مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس طریقے سے لیا جائے اور اس کو کہاں استعمال کیا جائے؟

المستفتی: محمد یعقوب، نگلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولاً تو جہاں تک ہوسکے بلاضرورت بینک وغیرہ میں رقم جمع ہی نہ کی جائے اور اگر جمع کردی ہے، تو اس پر ملنے والی فاضل رقم وہاں سے وصول کرلی جائے، چھوڑنا درست نہیں، اس کے بعد اگر حکومت کی طرف سے کوئی ناجائز اور جبری ٹیکس آپ کے اوپر لگا ہوا ہے، تو اس میں رقم کو استعمال کرلیں اور اگر کسی قسم کا ٹیکس نہیں ہے، تو پھر اس رقم کو بلانیت ثواب غرباء پر صدقہ کردینا واجب ہے۔

ویجب ردّہ لو قائما ورد مثلہ، أو قیمتہ لو مستھلکا. (شامي، کتاب البیوع، باب الربا، زکریا ۳۹۹/۷، کراچي ۱٦۹/۵، عزیز الفتاوی ٦٤۷/۱، فتاوی محمودیه ۲۰۳/٤، ڈابھیل ۳۸۱/۱٦، امداد المفتیین ۸۵۰/۲)

یردوا المال إلي أربابه، فإن لم یعرفوا أربابه، تصدقوا به. (هندیة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس عشر في الکسب، زکریا قدیم ۳٤۹/۵، جدید ٤۰٤/۵)

یردوا المال إلي أربابه، فإن لم یعرفوا أربابه، تصدقوا به؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (الموسوعة الفقهیة الکوتیة ۲٤٦/۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۲۳۵/۳۴)

سود حاصل کرنے کے لئے بینک میں رقم جمع کرنا

سوال [۹۰۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس خط کے ساتھ دو سوال۔

(۱) سود کے متعلق۔

(۲) یٰسین شریف کے ختم کے متعلق ارسال خدمت ہیں امید کہ مفصل جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

آج کل مدارس اسلامیہ، اوقاف دینیہ کی بڑی بڑی رقوم بینکوں میں کرنٹ کھاتہ میں جمع کی جاتی ہیں اور کرنٹ کھاتہ میں جمع شدہ رقم پر بینک سے سود نہیں ملتا، مگر اپنی ان رقوم سے بینک والے سودی کاروبار کے ذریعہ پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان رقوم کو بطور قرض دیگر لوگوں سے بہت زیادہ سود وصول کرتے ہیں تو بجائے اس کے کہ ہماری ان بڑی بڑی رقوم سے صرف بینک والے فائدہ اٹھائیں گے، اگر ہماری یہ رقم بینک سیونگ کھاتہ میں جمع کی جائے اور بینک سے جو سود ملے، اس سے غریب محتاج مسلمانوں کے لئے خرچ کیا جائے تو ہمارے ان مذہبی اداروں کی رقوم سے غریب مسلمانوں کو بھی بہت فائدہ ہوگا، تو کیا اس طرح بینک میں سیونگ کھاتہ میں پیسے جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

چونکہ عام طور پر سیونگ میں پیسے جمع کرنا ناجائز سمجھا جا رہا ہے، اور فتاوی کی کتابوں میں یہ مسئلہ بھی نظر سے گذرا ہے کہ بینک سے ملنے والا سود بینک میں نہ چھوڑنا چاہئے؛ بلکہ اس کو وصول کرلینا چاہئے۔ امید کہ تفصیلی جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسماعیل احمد عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سودی رقم حاصل کرنے کی نیت سے بینک میں رقم جمع کرنا ناجائز اور حرام ہے اور بنص حدیث مستحق لعنت ہے؛ اگرچہ سودی رقم سے غریبوں کی مدد کرنا مقصود ہو؛ بلکہ سودی رقم غریبوں کو دیتے وقت اگر ثواب کا ارادہ کیا جائے، تو ایمان کے چلے جانے کا خطرہ ہے؛ کیونکہ حرام چیز سے ثواب کی امید حرام کو حلال سمجھنے کے مرادف ہے، جو بہت خطرناک ہے؛ اس لئے غریبوں کی مدد کی نیت سے سودی رقم حاصل کرنے کے لئے بینک میں رقم جمع کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

رجل دفع إلى فقير من المال الحرام شيئًا يرجو به الثواب يكفر. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام، زكريا۳/ ۲۱۹، كراچي ۲/ ۲۹۲)

اس لئے بینک میں اس نیت سے رقم جمع کرنا جائز ہوتا ہے کہ وہاں محفوظ رہے گی، نہ کہ سود حاصل کرنے کے لئے اب اگر بلا اختیار بینک سے سود حاصل ہو جائے، تو اس حرمت سے بچنے کے لئے علاج یہ ہے کہ بلا نیت ثواب فقراء کو دیدیا جائے۔

ويريد أن يدفع مظلمة من نفسه فليس له حيله إلا أن يدفعه إلي الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۱۲۷)

ایف ڈی

سوال [۹۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک میں ایف ڈی آر پر بیاج جوڑ کر میعادی رقم دی جاتی ہے، اس کو لینا کیسا ہے؟

المستفتی: تفسیر احمد رشیدی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فکسڈ ڈپوزٹ (F.D.R) میں جو رقم جمع کی جاتی ہے، وہ اپنا مملوکہ سرمایہ ہوتی ہے، جو اپنے اختیار سے جمع کی جاتی ہے؛ لہٰذا اس پر جو اضافی رقم ملتی ہے وہ سود ہے اور اس کا استعمال جائز نہیں؛ البتہ اس رقم کو بینک سے نکال کر انکم ٹیکس اور بیع نامہ کی رجسٹری میں دینے کی گنجائش ہے، ورنہ نادار فقراء کو بلا نیت ثواب دینا لازم ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرہ: ۲۷۵]

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرى، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة، دارالفكر ۸/ ۲۷٦، رقم: ۱۱۰۹۲)

إذا كان عند رجل مال خبيث ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه......ويريد أن يدفع مظلمة عن نفسه فليس له حيلة الا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

ينبغي لمتصدق الحرام أن يزعم بتصدق المال تخليص رقبة و لا يرجوا الثواب منه. (العرف الشذي على هامش الترمذي ۱/ ۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۳۹)

بینک میں ایف ڈی کرانا

سوال [۹۰۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ روپیہ بینک میں جمع کردیا، اب وہ روپیہ پانچ سال کے بعد دوگنا ہوجاتا ہے، اسی طریقہ سے اس روپیہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اس شکل کو ایف ڈی کہا جاتا ہے، یہ شکل جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد افتخار سندھول، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک میں اس طرح روپیہ جمع کرنا کہ متعینہ مدت

کے بعد دوگنا یا کچھ بھی اضافہ کے ساتھ ملے، یہ صریح سود کی وجہ سے ناجائز ہے؛ اس لئے بینک میں ایف ڈی کرانا بھی جائز نہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۷۵)

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوا، ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاہدیہ، وقال: ہم سواء. (صحیح مسلم، باب لعن آکل الربا، ومؤکلہ، النسخۃ الہندیۃ، ۲/۲۷، بیت الأفکار رقم:۱۵۹۸، سنن الترمذي، باب ماجاء في آکل الربا، النسخۃ الہندیۃ ۱/۲۲۹، دار السلام رقم: ۱۲۰۶)

أما ربا النسیئۃ، فہو الأمر الذي کان مشہوراً متعارفاً في الجاہلیۃ، وذٰلک أنہم کانوا یدفعون المال علی أن یأخذوا علی شہر قدراً معیناً، ویکون رأس المال باقیاً، ثم إذا حل الدین طالبوا المدیون برأس المال، فإن تعذر علیہ الأداء زادوا في الحق والأجل، فہذا ہو الربا الذي کانوا في الجاہلیۃ یتعاملون بہ. (تفسیر کبیر للإمام الفخر الرازيؒ تحت تفسیر رقم الآیۃ:۲۷۵، من سورۃ البقرہ ۷/۹۱، روح البیان ۲/۹۳، غرائب القرآن للنسیاپوری ۲/۶۰، فقہ السنۃ للسید سابق ۳/۱۳۵- ۱۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۴۲۵)

فکس ڈپازٹ کرانے کا حکم

سوال [۹۰۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں، میرے چھ چھوٹے بچے ہیں، میرے پاس تھوڑا سا روپیہ ہے، قرض لینے والے پریشان کرتے ہیں، اگر کسی کو بطور قرض کے دیدیا جائے، تو وہ واپس نہیں کرتے اور اگر بغرض تجارت بھی کسی کو روپیہ دیدیا جائے، تب بھی ہمیں کچھ نہیں ملتا۔

دریافت طلب یہ ہے کہ اپنے روپیہ کو فکس ڈپازٹ میں جمع کرسکتی ہوں، جس سے آئندہ چل کر میں اپنے بچوں کی شادیاں آرام سے کرسکوں؟

المستفتی: مولانا وسیم احمد، استاذ جامع الہدیٰ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فکس ڈپازٹ میں اس نیت سے رکھنا جائز نہیں ہے کہ اس کی سودی رقم سے بچوں کی ضروریات پوری کرنا ہے؛ اس کے لئے جائز اور بہتر مشورہ یہ ہے کہ شہر سے باہر معمولی قیمت کی زمین خرید کر ڈال دیں ڈپوزٹ سے زیادہ پیسہ ہوتا جائے گا اور حلال طریقہ سے وہ پیسہ حاصل ہوگا، فکس ڈپازٹ کا زائد روپیہ حلال نہیں ہے، یہ زمانہ جاہلیت کے سود کی طرح ہے جو کہ حرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۷۶)

أما ربا النسيئة، فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا على شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ تحت تفسير رقم الآية:۲۷۵، من سورة البقره ۷/۹۱، روح البيان ۲/۹۳، غرائب القرآن للنسياپورى ۲/۶۰، فقه السنة للسيد سابق ۳/۱۳۵- ۱۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۰۸۸)

ایف ڈی کرانے اور اس پر ملنے والے روپے کا حکم

سوال [۹۰۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا چھوٹا کاروبار ہے، میرے یہاں یکے بعد دیگرے پانچ لڑکیاں پیدا

ہوئیں، میں نے ہر لڑکی کے نام پچیس ہزار روپیہ کی ایف ڈی کرادی تاکہ ان کی شادیوں کے وقت کوئی پریشانی نہ ہو۔ اب تین لڑکیاں شادی کے لائق ہوگئیں اور ایف ڈی کا وقت بھی پورا ہو رہا ہے۔ اب یہ رقم تین لاکھ کچھ ہزار روپیہ بنتی ہے، میں نے اپنے محلّہ کی مسجد کے امام صاحب سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تمہارے لئے جائز ہے۔

بریلوی مکتب فکر کی لکھی ہوئی ایک کتاب انہوں نے مجھے دکھائی، جس میں لکھا تھا کہ ہندوستان میں بینک سے سود لینا جائز ہے، اس میں احناف کی معتبر کتابوں کا حوالہ تھا، مجھے اس میں تردد ہوا میں نے پھر دیوبند کے فارغ التحصیل ایک عالم سے رجوع کیا، انہوں نے کہا کہ آپ اس کو لکھ کر بھیج دیں جو جواب آئے اس پر عمل کریں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں اس پیسہ کو لے کر اپنی بچیوں کی شادی میں صرف کرسکتا ہوں یا نہیں؟ اور اس سارے پیسوں کی مجھ پر زکوۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ اور اس میں جو رقم بچے اسکو میں کاروبار میں لگا سکتا ہوں یا نہیں؟ جواب باحوالہ عنایت فرمائیں۔

المستفتی: نبی احمد نواب خیل سرائے ترین سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایف ڈی کرانا شرعاً درست نہیں، اس پر مدت متعینہ میں جو کچھ رقم کا اضافہ ہوا ہے، وہ سب سود ہے، جس کا استعمال مسلمانوں کے لئے قطعاً جائز نہیں۔ قرآن وحدیث میں سود کھانے، نیز اس کے لین دین کا معاملہ کرنے والوں پر سخت ترین وعید آئی ہے؛ لہٰذا آپ مذکورہ حاصل شدہ رقم کو نہ بچیوں کی شادی میں استعمال کر سکتے ہیں اور نہ اپنے کاروبار میں؛ بلکہ اس رقم کا بلانیت ثواب فقراء کو دیدینا ضروری اور لازم ہے۔

نیز محلّہ کی مسجد کے امام صاحب نے ہندوستان میں بینک سے سود کے جواز کی جو بات کہی ہے وہ درست نہیں، احناف کی کسی بھی کتاب میں اس طرح کی صراحت نہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرۡبِى الصَّدَقَات. (البقرہ: ۲۷۶)

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب ماجاء في آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۲۷،بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، مشكوة شريف ۲٤٤)

فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٤/ ۲٤٦)

آپ کے ذمہ اصل رقم جوتقریباً ایک لاکھ پچیس ہزار ہوتی ہے، کی زکاۃ بھی لازم ہے، اس کے علاوہ بقیہ مال حرام ہے، جس کے آپ مالک نہیں اس پر زکوۃ بھی لازم نہیں ۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۲۴؍ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
۱۴۲۱/۱۱/۱۹ھ	(فتویٰ نمبر:الف ۳۵؍۶۹۶۰)

کسی تنظیم کا فلاح و بہبود کے لئے رقم جمع کرکے سود حاصل کرنے کا حکم

سوال [۹۰۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک تنظیم مسلم ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے نام سے قائم ہوئی ہے، جس کے اغراض ومقاصد میں قوم کی خدمت کے تحت اصلاحی اور تعلیمی کاموں کوفروغ دینا ہے، تنظیم کا فنڈ سردست ممبرسازی وقوم کے مخلصین لوگوں سے تعاون وامداد عطیات وجمع امانت قابل واپسی سے حاصل ہوگا، اس رقم کے تحفظ اور ملک کی قانونی پابندیوں کے لحاظ سے یہ رقم کسی سرکاری نیشنلائزڈ بینک میں تنظیم کے نام سے بینک کھاتہ کھول کر جمع کرائی جائے گی، جس پر

بینک سے سود بیاج بھی ملے گا، بینک سے جو سود ملے گا، اس سود کو تنظیم کن کاموں میں استعمال کر سکتی ہے۔ تنظیم کے اغراض ومقاصد میں یہ کام شامل ہیں۔

(۱) غریب ومساکین کی امداد کرنا۔

(۲) ضرورت مندوں وبیروزگاروں کو بنا سود قرض فراہم کرنا۔

(۳) غریب نادار بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرنا۔

(۴) غریب نادار ضرورت مندوں کی تیمارداری اوران کے علاج کے لئے مدد کرنا اور سہولیات مہیا کرانا۔

مندرجہ بالا مقاصد کو پورا کرنے کے لئے دیگر اخراجات بھی سامنے ہیں، جیسے دفتر کے لئے کرائے پر یا تنظیم کے نام جگہ خرید کر آفس قائم کرنا، فرنیچر، اسٹیشنری اوردفتر کے دیگر اخراجات ودفتری ملازمین کی تنخواہ وغیرہ۔ کیا تنظیم بینک میں تنظیم کا کھاتہ کھول سکتی ہے اور بینک کے کھاتہ پر ملے سود کو کن مقاصد میں خرچ کر سکتی ہے؟

برائے مہربانی اسلامی دائرہ میں رہتے ہوئے اوروقت اور ملک کے حالات کو دیکھتے ہوئے رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: عہدیداران، مسلم ڈیولپمنٹ، آرگنائزیشن، نجیب آباد، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تنظیم کا مقصد قوم کی فلاح وبہبود کے نام پر بڑی مقدار میں روپیہ حاصل کر کے بینک میں فکس ڈپازٹ کرادینا ہے تاکہ اس کے آمدہ سود سے غریبوں وغیرہ کے تعاون کا انتظام کیا جائے، اگر واقعہ ایسا ہی ہے، تو نہ تو اس مقصد سے تنظیم بنانا جائز ہے اور نہ اس ارادے سے روپئے اکٹھے کرنے کی اجازت ہے اور ایسے روپئے سے جو سود آئے اس سے غریبوں کا تعاون بھی جائز نہیں ہے؛ اس لئے ایسی سود خور تنظیموں کو بند کردینا لازم ہے؛ چونکہ

غریبوں کا تعاون محض مستحب ہے اور سود لینا قطعاً حرام ہے؛ لہٰذا کسی مستحب کام کے لئے حرام کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں۔

نیز اگر عام مسلمانوں کو یہ پتہ چل جائے کہ یہ تنظیم سود لے کر اس کو عوام پر خرچ کرتی ہے، تو کوئی بھی مسلمان کبھی بھی اس کا تعاون کرنا پسند نہیں کرے گا۔

درء المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتناءه بالمأمورات. (الأشباه والنظائر، زكريا ٢٦٤، قواعد الفقه اشرفي ٨١، رقم: ١٣٣)

درء المفاسد أولى من جلب المنافع، أي إذا تعارض مفسدة ومصلحة قدم رفع المفسدة؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتناءه بالمأمورات. (شرح المجلة رستم اتحاد ٣٢/١، رقم المادة: ٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۶۰/۴۰)	۱۴۳۵/۶/۵ھ

یتیم بچوں کے مستقبل کی خاطر ایف ڈی کرانے کا حکم

سوال [۹۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد میں امام تھا، اس کی کچھ رقم بینک میں تھی، پھر ایک حادثہ میں زید کا انتقال ہو گیا اور پسماندگان میں ایک بیوی دو چھوٹی بچیاں اور ایک بچہ ماں کے پیٹ میں چھوڑا، کچھ احباب کے مشورہ سے بینک میں جمع شدہ رقم کو بچوں کے مستقبل کی خاطر ایف ڈی میں ڈال دیا گیا، اور بچوں کے تاؤ کو اس کا ولی بنا دیا گیا۔

یاد رہے کہ زید کے انتقال کے بعد بچوں کا خاطر خواہ کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے،

توسوال یہ ہے کہ اس ایف ڈی کی رقم کو بچوں کے نکاح وغیرہ میں اور دیگراخراجات میں صرف کرنا شرعاً کیسا ہے؟ نیز ممنوع ہونے کی صورت میں اگر استعمال کی کوئی صورت بنتی ہے، تو مطلع فرمائیں۔

المستفتی: حافظ شیر علی، مدرس مدرسہ اعزاز العلوم ویٹ، غازی آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایف ڈی میں جو اصل رقم بچوں کے نام جمع کی گئی ہے، وہ رقم اگر بچوں کو تقسیم کرنے کے بعد ہر بچہ کو اتنی مقدار ملتی ہے، جس مقدار پر زکوۃ واجب ہوجاتی ہے، تو پھر ایف ڈی کی زائد رقم کو بچوں کے نکاح وغیرہ دیگر اخراجات میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ ایف ڈی میں اصل رقم سے جو زائد رقم ملتی ہے، وہ صریح سود ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے اور اس کا بلا نیت ثواب فقیروں کو دیدینا ضروری ہے اور اگر وہ رقم تقسیم کرنے کے بعد ہر بچہ کو اتنی مقدار ملتی ہے، جس پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی اور ان بچوں کے پاس کوئی سرمایہ بھی نہیں ہے، تو وہ بچے خود فقیر ہیں؛ لہٰذا وہ زائد رقم ان بچوں کے لئے استعمال میں لانے کی گنجائش ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ٢/ ٢٧، بيت الأفكار رقم: ١٥٩٨، سنن أبي داؤد، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٣، دارالسلام رقم: ٣٣٣٣، مشكوة شريف، ٢٤٤)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمة عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ لكن لايريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور قديم ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية ١/ ٣٥٩، تحت رقم

الحديث: ٥٩، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، شامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، تبيين الحقائق، مكتبه امداديه ملتان٦/٢٧، زكريا٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۶۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۸ھ

فقراء کو سودی رقم دینے کی غرض سے بینک میں روپئے جمع کرنے کا حکم

سوال [۹۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں مسلم فنڈ کا منیجر ہوں، بینک میں دو طرح کے کھاتے ہوتے ہیں: سیونگ، کرنٹ۔ سیونگ میں سود ملتا ہے اور کرنٹ میں سود نہیں ملتا ہے۔ میں سیونگ میں روپیہ جمع کرتا ہوں اور حاصل شدہ سود فقراء کو تقسیم کر دیتا ہوں، جس سے فقراء کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، تو میرا سیونگ کھاتہ میں پیسہ جمع کر کے فقراء کی خوشنودی حاصل کرنا کیسا ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالکریم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حفاظت کی غرض سے اگرچہ سیونگ وکرنٹ دونوں طرح کے کھاتوں میں رقومات جمع کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن محض فقراء کی خوشنودی کی نیت سے قصداً سود حاصل کرنے کے لئے سیونگ کھاتہ میں روپیہ جمع کرنا درست نہیں، اگر فقراء کے ساتھ خیر خواہی کا ارادہ اور خواہش ہو، تو اپنی حلال اور پاکیزہ کمائی کے ذریعہ فقراء کی مدد کریں، فقراء کو بہانا بنا کر سود حاصل کرنے کی غرض سے مذکورہ صورت کو اختیار کرنا درست نہیں۔ باقی یہ مسئلہ اپنی جگہ ہے کہ اگر کسی کے پاس سود کی رقم ہو، تو بلانیت ثواب فقراء اور محتاجوں کو دیدینا چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۹/ ۲۸۱، جدید زکریا ۹/ ۲۷۸)

وهو الحرام مطلقاً فإن علموا أربابه ردوه عليهم وإلا تصدقوه.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره فصل في البيع، كراچي ٦/٣٨٥، زكريا ٩/٥٥٤، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۷۱؍۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶؍۴؍۱۴۲۲ھ

بے سہارا شخص کو گذارے کے لئے بینک میں روپئے جمع کر کے سود حاصل کرنے کا حکم

سوال [۹۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ہے، ان کے کئی لڑکے ہیں اور باپ صحت کی حالت میں ہے، لڑکے ان کی کوئی بھی خبر گیری نہیں لیتے یعنی کوئی بھی لڑکے نہ ان کو کھانا دیتے ہیں اور نہ ان کو پہننے کو کپڑا وغیرہ، دیتے ہیں، ہاں ان کے پاس کچھ زمین ہے، جس کی قیمت تقریباً ۲۰؍ ہزار روپئے کی ہے، اگر اس زمین کو بیچ کر بینک میں جمع کر دیں اور اس کی جو رقم سود یا منافع کی شکل میں ملے، تو ان کے لئے استعمال کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہیکہ اگر اس پیسہ کو کسی کام میں شرکت کے طور پر دے بھی دیا جائے، تو آج کل کے دور میں اصل رقم کا ملنا تو درکنار، تو منافع کی کیا امید رکھی جائے اور دوسرے یہ کہ ان کے لڑکے کو معلوم ہونے پر لڑ مر کر ان سے روپئے چھین لیں گے، تو آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلائیں کہ وہ شخص کون سی صورت اختیار کرے کہ ان کا گذر بسر بآسانی ہو جائے اور شرعاً ان کے لئے کوئی ممنوع بھی نہ ہو۔

المستفتی: محمد نذیر الدین، مونگیری، انجیر والی مسجد بھٹی اسٹریٹ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ان کے لئے ایسی صورت میں یہ شکل اختیار کرنا ضروری ہے کہ مذکورہ زمین فروخت کرکے اس کی قیمت سے اپنا گذارا کریں، سود حاصل کر کے اس سے گذارہ ہرگز جائز نہیں ہے، اگر مناسب شرکت کا معاملہ ہوجائے، تو ٹھیک ورنہ رأس المال ہی سے گذارا کریں۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمة عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور قديم ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، شامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۲۵)

سودی رقم حاصل کرنے کی غرض سے بینک میں رقم جمع کرنے کا حکم

سوال [۹۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر ایک سن رسیدہ آدمی ہے، میری زیر ملکیت ایک مکان ہے، جو میری رہائش کے کام آتا ہے اور تقریباً پندرہ بیگھہ قطعہ آراضی ہے، جو فی الحال مقدمہ بازی کی زد میں ہے، میرے تین بیٹے ہیں، جو مالی حیثیت سے اچھے ہیں؛ لیکن ان میں سے کوئی بھی میری اور میری اہلیہ کی کفالت کے لئے راضی نہیں ہے کاروبار اور مزدوری کے لئے بھی قوی جواب دے چکے ہیں؛ لہٰذا ان سب باتوں کے پیش نظر بندہ کے ذہن میں یہ

صورت آرہی ہے کہ بندے کے پاس جونقدی روپئے ہیں، ان کوکسی بینک میں جمع کردیا جائے اوراس کی اضافی رقم کو(جوآمدنی کے حوالے سے بینک والے دیتے ہیں) اپنی اوراہلیہ کی ذاتی ضروریات میں کام میں لایا جائے، آیااس اضافی رقم کومیرے لئے اس شکل میں استعمال میں لانا جائز ہوگا یانہیں؟

المستفتی: صغیراحمد،جھبوکا نالہ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک میں پیسہ جمع کرکےاس کےاوپر جوزائدرقم بطورنفع کے بینک کی طرف سے دی جاتی ہے،وہ سود ہے،اس کواپنے استعمال میں لانادرست نہیں اوراس ارادہ سے بینک میں پیسہ جمع کرنا بھی جائزنہیں۔

قال اللّٰہ تعالی: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً .

[آل عمران: ۱۳۰]

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شریف، با ب لعن آكل الربا، ومؤكلـه، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن النسائي، الزنية الموتشمات، النسخة الهندية ۲/ ۲۳۸، دارالسلام رقم: ۵۱۰۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۹؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۸/ ۹۶۸۱)

بیوہ عورت کا میراث کی رقم بینک میں رکھ کرسود حاصل کرنا

سوال [۹۰۱۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بیوہ عورت ہمارے اپنے وراثت میں ملے ہوئے پیسے بینک میں رکھ کر

اس کا بیاج کھاتی ہے؛ کیونکہ وہ تنہا اپنی بیٹی کے ساتھ رہتی ہے، کمانے والا کوئی نہیں ہے، تو اس کے لئے بیاج کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فاروق دستگیر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے حاصل شدہ سودی رقم حرام ہے؛ اس لئے مذکورہ بیوہ عورت کے لئے بہتر یہی ہے کہ وراثت سے ملی ہوئی رقم کے ذریعہ سے چھوٹی موٹی ایسی تجارت کرے، جس میں نقصان کا خطرہ کم ہو، پھر تجارت کے حلال نفع سے اپنا گذارا کرے اور ساتھ میں اس بات کا بھی خیال رکھے کہ دھوکہ اور فریب دینے والے لوگوں کے ہاتھوں میں رقم نہ پہونچنے پائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً . [آل عمران: ۱۳۰]

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. الآية [البقرہ: ۲۷۵]

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸)

عن قتادة في هذه الآية " يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ، قال: التجارة رزق من رزق اللّٰه، حلال من حلال اللّٰه لمن طلبها بصدقها وبرها. (السنن الكبري للبيهقي، باب إباحة التجارة، دارالفكر ۸/۸٦، رقم:۱۰۵۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۶۰۲/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۷/۸ھ

شادی کے لئے بینک میں سودی کھاتہ کھولنا

سوال [۹۰۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل جو بینک میں لڑکی کے نام سے اس کی شادی تک کے لئے رقم جمع کرتے ہیں، اور اس طرح بینک میں پندرہ سال کے لئے دو ہزار یا بائیس سو روپے سالانہ جمع کرتے ہیں، صرف شادی کی نیت سے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ پندرہ سال کے بعد وہ پورے ساٹھ ہزار یا زیادہ روپے دیتے ہیں، تو اس طرح پالیسی بینک کی صحیح ہے یا نہیں؟ کیا مسلمان ایسا کر سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد ذاکر حسین، سکریٹری، مسجد جامع شاہی مزرعہ، نیرپی ٹی ایل ایس، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شادی کے لئے بینک کے سودی کھاتے میں رقم جمع کرانا حرام ہے اور اس میں سے جو زائد پیسہ آتا ہے، وہ صریح سود ہے، اس کا استعمال قطعاً جائز نہیں ہے، فقیروں کو بلا نیت ثواب صدقہ کر دینا لازم ہے، یا انکم ٹیکس کے نام سے جو روپیہ دیا جاتا ہے، اس میں استعمال کرے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۲۰۳/۴، ڈابھیل ۳۸۱/۱۶)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه.

(كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره فصل في البيع، زكريا ۵۵۳/۹، كراچي ۳۸۵/۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۴۶/۳۴)

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲۷/۲، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن ابن ماجه، التجارات، التغليظ في الربا، النسخة الهندية

۲۷/۱٦٥، دارالسلام رقم: ۲۲۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۸۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۱٦ھ

بیٹی کے نام سے بینک میں جمع شدہ رقم کے سود کو شادی میں خرچ کرنا

سوال [۹۰۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ اپنی مالی کمزوری کی وجہ سے کچھ پیسہ بیٹی کے نام سے بینک میں جمع کردیتے ہیں اور وقت مقررہ پر دس روپیہ کے عوض میں بیس روپئے ملتے ہیں، وہ بیٹی کی شادی میں جہیز ونقد دیتے ہیں اور اگر جہیز نقد نہ دیں، تو بیٹی کی شادی میں بہت مشکل مسئلہ پیش آتا ہے۔

المستفتی: محمد صلاح الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک میں دس روپئے جمع کرنے پر وقت مقررہ پر جو مزید دس روپئے دیتے ہیں وہ صریح سود ہے، ان پیسوں کو شادی کے موقع پر جہیز میں خرچ کرنا یا نقد دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۴۳)

الربا في الشرع عبارة عن فضل مال لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال. (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع فما يجوز بيعه و ما لا يجوز الفصل السادس في تفسيرالربا و أحكامه، زكريا جديد۳/۱۱۸، قديم۳/۱۱۷، هداية اشرفي ۳/۷۸)

فإما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده على مالكه، ويريد أن يدفع مظلمة عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور قديم ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية ۱/۳٥۹، تحت رقم الحديث: ٥۹، هندية، زكريا قديم ٥/۳٤۹،

جدید ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، شامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق، مكتبه امداديه ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۱۴/۹۵۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۳/۱۴۲۹ھ

زکوۃ کی رقم کی ایف ڈی کرانا

سوال [۹۰۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند اشخاص نے مل کر بمد زکوۃ مجھے ایک رقم معقول دی، اس واسطے کہ میں ایک مکان برائے رہائش خریدوں؛ لیکن مکان کی خریداری میں وہ رقم ناکافی ہے، ایسی صورت میں کرایہ کا مکان ہی ہوسکتا ہے؛ لیکن سائل کی اس قدر آمدنی بھی نہیں ہے کہ کرایہ ادا کرسکے، کچھ حضرات نے یہ تجویز رکھی ہے کہ رقم کو بینک میں فکس ڈپازٹ کی شکل میں جمع کردیا جائے، اور اس کے سود سے کرایہ کی ادائے گی ہوجایا کرے۔

(۲) تو کیا زکوۃ دہندہ کی زکوۃ ادا ہوجائے گی؟

(۳) سائل کا اس قسم کا عمل مطابق شرع ہوگا؟

المستفتی: چمن بیگم، تمبا کو اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: لوگوں سے بمد زکوۃ رقم وصول کرکے اس کو سود حاصل کرنے کے لئے ڈپازٹ کرانا سخت حرام اور مستحق لعنت ہے۔ نیز سودی رقم سے اپنے رہائشی مکان کا کرایہ ادا کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا،

ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸)

(۲) زکوۃ دہندگان کو اگر یہ حرکت معلوم نہیں ہے، تو ان کی زکوۃ ادا ہوجائے گی اور پوری ذمہ داری ڈپازٹ کرانے والے پر ہوگی۔ نیز اگر ایک شخص نے پانچ چھ ہزار روپیہ دیدیا ہے، تو اب آپ مد زکوۃ کا مصرف نہیں رہے۔ آپ کے لئے زکوۃ لینے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

نیز زکوۃ دہندگان کے لئے بھی اب آپ کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے، جان بوجھ کر پھر آپ کو زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ مزید اس پر ڈپازٹ کرانا سخت حرام ہے۔

(۳) سائل کا یہ عمل شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ (ایضاح النوادر ۱/۱۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵؍ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۷۰۹)	۱۴۲۹/۳/۵ھ

مدرسہ کی رقم کو فکس ڈپازٹ میں رکھنا

سوال [۹۰۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کی کچھ رقم جو زکوۃ وغیرہ کی ہے، اس کو مدرسہ ہی کے فکس ڈپازٹ یعنی پانچ سال کے لئے بینک میں جو دوگنی رقم ہوجاتی ہے، اس میں جمع کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ایسا ہوسکتا ہے، تو زائد جو رقم ملی اس کا استعمال مدرسہ کے کن کن کاموں میں ہوسکتا ہے؟

المستفتی: بشیر احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ کی زکوۃ کی رقم فکس ڈپازٹ میں رکھنا ہرگز جائز نہیں ہے، اور ڈپازٹ میں رکھنا سودی کاروبار ہے۔ نیز اس میں زکوۃ دہندگان کے ساتھ خیانت بھی ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۹۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۳/ ۱۴۱۵ھ

جمع شدہ رقم پر ساڑھے تین فیصد زائد ملنے والی رقم کا حکم

سوال [۹۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک اسکول کا گورمنٹ مدرس ہے اور چونکہ گورمنٹ مدرس کے لئے یہ شرط ہوتی ہے کہ وہ آر ڈی کے نام پر ڈاکخانہ میں پیسہ جمع کرے اور وہ جمع کیا جاتا ہے کہ اس کے بغیر تنخواہ نہیں نکلتی ہے اور ہر مہینہ کی قسط جمع کرانے میں اگر دیر ہو جائے، تو ۱۰؍ فیصد جرمانہ بھی پڑتا ہے، اور تین سال کے بعد وہ روپیہ واپس لے لیا جاتا ہے اور دوسری آر ڈی شروع ہو جاتی ہے، تو ایسی صورت میں جمع کئے گئے روپیوں پر ساڑھے تین فیصد اضافی رقم ملتی ہے، تو کیا مجبوری کے طور پر جمع کی گئی رقم میں اضافی رقم جائز ہے؟ یا وہ اضافی رقم کسی مدرسہ یا مسجد میں صرف کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کا صحیح مصرف کیا ہے؟ یا وہ اپنے استعمال میں لائی جا سکتی ہے اور رقم جمع کرنے میں جو دیر ہوئی ہے اور ۱۰؍ فیصدی جرمانہ دیا ہے، تو کیا وہ جرمانہ کی رقم اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں؟

المستفتی: سالار پور، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اصل جمع کردہ رقم پر جو اضافی رقم ملتی ہے، وہ شرعاً سود کے دائرہ میں داخل ہے؛ لہٰذا اسے بینک سے نکال کر انکم ٹیکس،

سیل ٹیکس اور رجسٹری کی اسٹامپ فیس وغیرہ میں داخل کردیا جائے تو جائز ہے؛ اس لئے کہ مال حرام میں حکم شرعی یہی ہے کہ کسی بھی عنوان سے اصل مالک کو پہنچا دیا جائے ورنہ بلانیت ثواب مستحق زکوۃ فقراء پر تقسیم کرنا لازم ہوگا۔ اور وقت پر قسط جمع نہ کرنے کی صورت میں جرمانے کے عنوان سے دی ہوئی رقم کے بدلہ میں جو اضافی رقم ملتی ہے، اسے بینک سے نکال کر اپنے استعمال میں لانا جائز ہے؛ اس لئے کہ وہ اپنا ہی پیسہ ہے۔

لومات الرجل وكسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولىٰ بهم ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره فصل في البيع، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۳۲۵)

این آئی اے میں جمع شدہ رقم پر اضافی رقم کا حکم

سوال [۹۰۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یوپی حکومت سے ملحق مدارس اسلامیہ کے اساتذہ کو حکومت کی جانب سے چھ مہینہ کے لئے این آئی اے کرانا ضروری ہوتا ہے اور این آئی اے کا مطلب یہ ہے کہ ہر مہینہ جو تنخواہ ملتی ہے، مدرس اس کو اپنے قبضہ میں لیتا ہے، پھر اس کے بعد مثلاً ایک ہزار روپیہ این آئی اے کے نام سے جمع کرتا ہے جو کہ ضروری ہے اور چھ مہینہ کے بعد اس کو جمع

شدہ رقم سے زائد رقم ملتی ہے، تو کیا یہ زائد رقم کا لینا درست ہے؟ سود تو نہیں ہے؟ جبکہ ایک جگہ سے جواز، دوسری جگہ سے عدم جواز کا فتوی آیا ہے، جو بھی ہو محقق بیان فرمائیں۔

المستفتی: مولوی محمد منور، ادری، مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدارس کی تنخواہ پر قبضہ کرنے سے پہلے حکومت تنخواہ ہی میں سے کاٹ لیتی ہے، تو اضافہ شدہ رقم جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ یہ سود کی تعریف کے دائرہ میں نہیں؛ کیونکہ شریعت میں سود کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ملکیت کا پیسہ دینے کے بعد پھر وہ پیسہ مع اضافہ کے واپس آجائے، اور جب مدرس نے اس پیسہ پر قبضہ نہیں کیا، تو اس پر ملک تام حاصل نہیں ہوئی؛ اس لئے اس پر جو اضافہ مل رہا ہے، وہ ایسا ہے جیسا کہ مدارس اسلامیہ میں پرائیویڈنٹ فنڈ جس طرح اس سے ملنے والا اضافہ جائز ہے، اسی طریقہ سے یہ بھی جائز ہے اور اگر یہ شکل نہیں ہے؛ بلکہ مدرس پہلے پوری تنخواہ پر قبضہ کر لیتا ہے، پھر قبضہ شدہ رقم میں سے متعین مقدار این آئی اے کے نام سے جمع کرتا ہے، تو اس پر جو اضافہ ملے گا وہ مدرس کے لئے حلال نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ قبضہ کے بعد ملک تام حاصل ہو چکی، پھر اپنی ملکیت کا پیسہ جمع کر رہا ہے، تو اس پر یہ اضافہ مل رہا ہے؛ اس لئے سود کے دائرہ میں داخل ہے، ممکن ہے کہ جن علماء نے جائز لکھا ہے، وہ پہلی صورت کو مدنظر رکھا ہو اور جن علماء نے ناجائز لکھا ہو، وہ دوسری صورت کے پیش نظر ہو۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰، فتاوی رحیمیہ ۱۴۷/۵، جدید زکریا ۱۵۲/۷، احسن الفتاوی ۲۶۰/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳ رصفر المظفر ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۵۲۱/۳۶)	۱۴۲۳/۲/۲۴ھ

کاروبار میں لمٹ کرانے پر سود دینا

سوال [۹۰۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مدعی کو کاروبار کے لئے بینک سے لمٹ کرانا ہے، جس پر مدعی کو سود دینا ہوگا، کیا کاروبار میں لمٹ کرانا اور اس پر سود دینا جائز ہے؟

المستفتی: عاصف بھائی، بٹھی محلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح سود لینا حرام ہے، اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے، بس اتنا فرق ہے کہ سود لینے میں حرام کام دو ہیں۔ پہلا سود لینا، دوسرا سود کھانا۔ اور اس رقم کو اپنے استعمال میں لانا اور سود دینے میں صرف سود دینا کا گناہ ہوگا، کھانے کا نہیں۔ اپنے پاس حرام مال نہیں آیا۔ بہرحال دینا بھی فعل حرام ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۱۶۵/۳۳)

پوسٹ میں کھاتہ کھلانے پر ملنے والی زائد رقم کا حکم

سوال [۹۰۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم مدرسین کو R. D. پوسٹ میں رقم جمع کرنے کا کھاتہ خوشی سے اور کبھی سرکار کے حکم کے تحت کھولنا پڑتا ہے؛ لہٰذا جو زائد رقم یعنی ۵۰؍روپئے ماہوار کی کتاب کے تین ہزار جمع ہوتے ہیں اور چار ہزار ملتے ہیں، اس زائد رقم ایک ہزار کا خرچ کس مد میں کریں؟

المستفتی: رفیق ماسٹر، نزد درگاہ مسجد قاضی پورہ، چمن گاؤں سوامی، امراوتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو رقم زائد ملے گی وہ واجب التصدق ہے، وہ آپ حضرات کے لئے حلال نہیں ہے۔

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والإستئجار على المعاصي و الطاعات، أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملك يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۱۳۵)

(۳) مسلم فنڈ

مسلم فنڈ کی ملازمت کی شرعی حیثیت

سوال [۹۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلم فنڈ میں ملازمت کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم فنڈ میں جبکہ اس میں سودی حساب وکتاب نہ ہوتا ہو اور اسلامی اصول وضوابط کی پابندی ہوتی ہو، تو اس میں ملازمت جائز ہے؛ البتہ سودی حساب وکتاب لکھنے کی ملازمت جائز نہیں ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي، باب ماجاء في آكل الربا، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۶، سنن ابن ماجه، التجارات، التغليظ في الربا، النسخة الهندية ۲/ ۱۶۵، دارالسلام رقم: ۲۲۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۶۳)

مسلم فنڈ کے خرچہ اخراجات کے لئے ایف ڈی کرانا

سوال[۹۰۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلم فنڈ کے نام سے کمیٹی بنا کر لوگوں سے یہ کہہ کر روپیہ جمع کرانا اور کچھ رقم سرکاری بینکوں میں ایف ڈی آر کرا کر اس رقم سے کاغذوں کا خرچہ و ملازمین کی تنخواہ دینا اور امانت گروی رکھ کر اور اس پر کاغذوں کے خرچہ کے نام سے کچھ فیصدی لینا یہ سب جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد بنیانگر، دہرادون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم فنڈ کی رقم کی بینک میں ایف ڈی کرا کر اس سے سود کی رقم حاصل کر کے کاغذوں کے خرچ اور ملازمین کی تنخواہ میں دینا ناجائز اور حرام ہے؛ البتہ کاغذوں اور ملازمین کی تنخواہ کے لئے فارم اور پاس بک کو امانت کی رقم رکھنے والے کے ہاتھ فروخت کیا جائے، تو جائز اور درست ہے، اسی طرح سامانوں کی حفاظت کے لئے جو لاکر رکھے جاتے ہیں، اس کا کرایہ مستقل امانت رکھنے والوں سے وصول کیا جا سکتا ہے اور یوں اس رقم سے تنخواہ وغیرہ کی ضرورت پوری کرنا بھی جائز ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۶۱ تا ۱۷۶)

وقال أبو يوسف لا يكره هذا البيع؛ لأنه فعله كثير من الصحابة وحمدوا على ذالک ولم يعدوه من الربوا حتى لو باع كاغذة بألف يجوز ولايكره. (فتح القدير، كتاب الكفالة، زكريا ۷/ ۱۹۸، دارالفكر ۷/ ۲۱۲، كوئٹه ۶/ ۳۲۴، شامي، مطلب في بيع العينه، زكريا ۷/ ۶۱۳، كراچي ۵/ ۳۲۵-۳۲۶، درالحكام شرح درالأحكام ۲/ ۳۰۴)

قال اللہ تعالیٰ: وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ . [البقرة: ٢٨٢]

المودع إذا شرط الأجرة للمودع على حفظ الوديعة صح ولزم عليه.

(هندية، كتاب الوديعة، الباب الثالث في شروط يجب إعتبارها في الوديعة، زكريا قديم ٤/٣٤٢، جديد ٤/٣٥٤، بدائع الصنائع، كتاب الرهن، بيان ما ينعزل به العدل)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۴۹۹)	۱۷/۴/۱۴۳۵ھ

سودی کاروبار کرنے والے مسلم فنڈ میں ملازمت

سوال [۹۰۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں مسلم فنڈ نجیب آباد والوں کی برانچ بڑھا پور میں ملازمت کرتا ہوں، جس میں سودی کاروبار ہوتا ہے، سودی لین دین کی شکل مندرجہ ذیل ہے۔

سود لینے کی صورت یہ ہے کہ سونے چاندی کے زیورات پر روپیہ دے کر اس پر خرچ بطور دس پرسینٹ کے حساب سے لیا جاتا ہے، مکان گاڑی زمین پر بھی لون لیا جاتا ہے، اس کے اندر سود بائیس پرسینٹ لیا جاتا ہے، سود دینے کی صورت یہ ہے کہ فنڈ میں تین طرح کے سودی کھاتے ہیں، فکس اس پر بارہ پرسینٹ دیا جاتا ہے، ایف ڈی اس پر دس پرسینٹ دیا جاتا ہے اور بینک میں بھی فنڈ کھاتہ ہے، جس میں فکس اور ایف ڈی دونوں کھاتے ہیں، فکس اور چالو دونوں کھاتوں سے سود حاصل ہوتا ہے، یعنی چالو کھاتہ پر چار پرسینٹ سود لیا جاتا ہے۔

نیز دفتر کے کرمچاریوں کو جو تنخواہ دی جاتی ہے، وہ سب اسی رقم میں سے دی جاتی ہے، تو کیا میں اس حالت میں اس بینک کے اندر نوکری کرسکتا ہوں؟ اس طرح سود کا لین دین کرنا کیسا ہے درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں مذکور مسلم فنڈ میں سودی معاملہ کی وجہ سے ملازمت کرنا جائز نہیں ہے اوراس میں روپیہ کا لین دین بھی درست نہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا، ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاہدیہ، وقال: ہم سواء. (صحیح مسلم، باب لعن آکل الربا، ومؤکلہ، النسخۃ الہندیۃ، ۲/۲۷، بیت الأفکار رقم:۱۵۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۴/۵۹۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱/۱۴۲۰ھ

مسلم فنڈ کا فارم کے نام پر قرضدار سے رقم وصول کرنا

سوال [۹۰۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مسلم فنڈ نام کا ایک ادارہ ہے، جومسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے قائم کیا گیا ہے، فنڈ کی بابت درج ذیل امور میں قرآن حکیم اور احادیث رسول کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

(۱) فنڈ سے امانت رکھنے کے بعد جوقرض لیا جاتا ہے، اس پر فنڈ کے ذریعہ ایک ہزار روپیہ پر ہر چھ ماہ کے لئے چھیاسٹھ روپیہ مطالبہ فارم کے نام پر وصول کیا جاتا ہے، اس طرح دو ہزار کے لئے چھیاسٹھ روپیہ کا دوگنا یعنی فی ہزار روپیہ پر چھیاسٹھ روپیہ لیا جاتا ہے، قرضدار اگر چھ ماہ میں روپیہ ادا نہ کر پائے، تو اس فارم پر ایک سو بتیس روپیہ فی ہزار روپیہ وصول کیا جاتا ہے، اس روپیہ سے ہی فنڈ کے کارکنان کی تنخواہ ودیگر اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔

براہ کرم اس مسئلہ میں فرمائیں کیا اس طرح فنڈ کو روپیہ لینا جائز ہے؟ اور پھر اس طرح

کی شرط کے ساتھ فنڈ سے قرض لینا جائز ہے؟ اس طرح سے لئے گئے روپیہ سے کیا کسی تعلیمی ادارہ یعنی دینی تعلیم کا کام چلایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر یہ درست نہیں ہے، تو ایسا انتظام کرنے والے لوگوں کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۳) ایسے شخص کا کسی بھی اسلامی ادارہ کا ذمہ دار اور اس کی امانت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

نوٹ: آج کل قومی سطح کے بینکوں کے ذریعہ جو قرض عوام کو دیا جاتا ہے، اس کا سود بھی تقریباً چھیاسٹھ روپیہ فی ہزار چھ ماہی بیٹھتا ہے، یہ بات بھی فتوی لکھتے وقت براہ کرم ذہن میں رکھیں۔

المستفتی: محمد یوسف ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم فنڈ میں بطور امانت کوئی چیز رکھ کر قرض لیتے ہوئے، مذکورہ طریقہ پر چھیاسٹھ روپیہ فی ہزار چھ ماہی مطالبہ یا معاہدہ فارم کے نام پر وصول کرنا فنڈ کے لئے جائز ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر آیت مداینت میں معاملہ قرض کے معاہدہ نامہ لکھوانے اور اس کے اخراجات کا ذمہ دار مستقرض کو قرار دیا ہے اور اجرت کتابت کی مقدار متعین نہیں فرمائی ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ: وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ. [البقرة: ۲۸۲)

البتہ قرض کی مدت ختم ہونے پر معاملہ کا اختتام کر دیا جائے اور قرض خواہ سے کہہ دیا جائے کہ اپنے زیورات (یا جو بھی چیز بطور امانت فنڈ میں جمع ہے) واپس لے لیا جائے اور قرض ادا کر دیا جائے اور اگر اس کے پاس ادا کرنے کے لئے کوئی چیز نہ ہو، تو وہ کہیں سے قرض لے کر دیدے، پھر دوبارہ معاملہ شروع کیا جائے؛ لیکن پہلا معاملہ ختم کئے بغیر فارم وہی رہے اور اسی فارم پر تجدید کر کے فارم قرض کی قیمت از سر نو لی جائے، یہ درست نہیں ہے۔

اب رہی یہ بات کہ آج کل بین الاقوامی سطح پر بینکوں کا جو سودی نظام ہے، تو وہ در حقیقت بینک سے قرض شدہ نفس رقم کے مقابلہ میں ہوا کرتا ہے، یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے؛ اس لئے کہ حدیث شریف میں ایسے قرض کے معاملہ کو سود قرار دیا گیا ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۶۵، فتاوی محمودیہ ۲۲۶/۴، ڈابھیل ۳۴۳/۱۶)

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، دارالفكر ۸/۲۷۶، رقم: ۹۲-۱۱)

عن علي رضـ قال: كل قرض جر منفعة فهو ربا. (كنز العمال، كتاب الدين والسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٦/٩٩، رقم: ١٥٥١٢، جامع الأحاديث الكبير للسيوطي ٦/٤٣٨، رقم: ١٥٨٢١)

يستحق القاضي الأجر على كتب الوثائق، والمحاضر، والسجلات قدر ما يجوز لغيره كالمفتي. قال ابن عابدين: قال في الجامع الفصولين: للقاضي أن يأخذ ما يجوز لغيره (إلى قوله) كثقاب اللآلي مثلاً لا يأخذ الأجر على قدر مشقته، فإنه لا يقوم بمؤنته. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة، مطلب في أجرة القاضي والمفتي، زكريا ٩/١٢٧، كراچي ٦/٩٣)

(۳/۲) یہ طریقہ جواب نمبر ۱/ کے مطابق ہو، تو درست ہے؛ لہٰذا ایسے کام کرنے والے حضرات ذی رائے متدین تجربہ کار مستقل مزاج اور قادر علی النظم ہوں، تو ان کو کسی اسلامی ادارہ کا ذمہ دار بنایا جا سکتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱۶۱/۷، جدید ڈابھیل ۵۴۷/۹)

قال العلائي فلو مأمونا لم تصح تولية غيره. (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في عزل الناظر، زكريا ٦/٥٨٠، كراچي ٤/٣٨٢)

قال ابن عابدين: قال في الاسعاف: و لا يولي إلا أمين قادر بنفسه.

(الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، زكريا ٦/٥٧٨، كراچي ٤/٣٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۶؍۵۳۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۱۱؍۱۴۱۸ھ

سودی رقم سے ملازم کی تنخواہ

سوال [۹۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلم فنڈ جس میں عوام وخواص رقم اور زیورات جمع کرتے ہیں، جس کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی نقد رقم مسلم فنڈ میں جمع کرتا ہے، تو مسلم فنڈ اس کو کوئی بیاج یا سود کی رقم نہیں دیتا؛ بلکہ عین رقم واپس کرتا ہے، اور اس کے برخلاف اگر کوئی شخص مسلم فنڈ سے قرض لیتا ہے، اور اس کے عوض زیورات گروی رکھتا ہے، تو فنڈ والے یوں کہہ کر کہ زیورات کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے، کچھ فیصد اجرت لیتے ہیں اور پھر اسی رقم سے ملازمین کی تنخواہ کا بندوبست کرتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ ایسی شکل میں جبکہ بیاج اور سود کی رقم سے ملازمین کی تنخواہ کا انتظام ہو، تو ملازمت کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد طیب تجویدی، میوانوادہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسلم فنڈ کے لئے زیورات وغیرہ رہن اور گروی رکھنا اور اس کی حفاظت کی اجرت لینا، حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک جائز نہیں؛ لہٰذا غریبوں کو قرض دینے کے لئے مسلم فنڈ چلانے کے واسطے امام ابویوسفؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے۔

نیز فارم کی فروختگی اور اس کی خانہ پوری کی اجرت کے نام سے لینا بھی جائز ہے؛

لیکن فیصد کے اعتبار سے لینا درست نہیں ہے، ہاں البتہ فارموں میں الگ الگ نمبر قائم کیے جائیں کہ فارم نمبر اتنا، اتنی قیمت کا ہے اور فارم نمبر فلاں، فلاں قیمت کا ہے، اس طرح کی گنجائش ہے اور بیاج کے نام سے لینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۶۵تا ۱۷۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/صفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۴۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۸ھ

مسلم فنڈ میں قرض کی مدت پوری ہونے کے بعد دوبارہ فیس وصول کرنا

سوال [۹۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے مسلم فنڈ بچھرایوں (النجیب) سے یہ سوچ کر قرض لیا (جیسا کہ سنا تھا) کہ یہاں بغیر سود کے قرض دیا جاتا ہے، اپنی بیوی کا زیور رکھ کر قرض لیا؛ لیکن جب زیور لینے گیا، تو انہوں نے 3% کا سود لیا، تو کیا کسی مسلم ادارے کو ایسا کرنا جائز ہے؟ کیا کسی مسلمان کو ایسے ادارے سے قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر سخاوت حسین صدیقی، جے پی نگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم فنڈ کے لئے پہلی مرتبہ خانہ پوری کے وقت فیس لینا جائز ہے، اس کے بعد دوبارہ زیورات کی واپسی کے وقت یا واپسی میں تاخیر ہونے کی وجہ سے کسی قسم کا پیسہ لینا جائز نہیں، اگر لیں گے تو وہ سود ہے؛ لہٰذا مسلم فنڈ النجیب میں بھی فارم کی خانہ پوری کے وقت کے علاوہ دیگر مواقع میں زیورات کی واپسی کے وقت یا سالہا سال کی تاخیر کی وجہ سے دوبارہ فارم کی خانہ پوری کے واسطے فیس لینا ناجائز اور حرام ہے؛ اس لئے کہ مدت پوری ہونے کے بعد دوبارہ فیس کے نام سے پیسہ وصول کرنا قرض کی

ادائے گی میں تاخیر کی بناء پر سود میں اضافہ کرنے کے مرادف ہے، جو زمانۂ جاہلیت کے سودی معاملہ کے حکم میں ہے، جس کی شریعت نے ہرگز اجازت نہیں دی ہے۔

أما ربا النسيئة، فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا على شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ تحت تفسير رقم الآية: ۲۷۵، من سورة البقرة ۷/ ۹۱، روح البيان ۲/ ۹۳، غرائب القرآن للنيسابورى ۲/ ۶۰، فقه السنة للسيد سابق ۳/ ۱۳۵ - ۱۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۴/ ۱۴۲۰ھ

(۴) باب کاروبار میں سود کی شکلیں

سودی کاروباری ملعون ہیں

سوال [۹۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سود کی حرمت قرآن سے ثابت ہونے کے باوجود دین کے اہم ترین مرکزوں میں سودی لوگوں کے تعاون کو بلا خوف وخطر لیا جانے لگا، تو کیا سود کی حرمت کا خوف انسانوں کے اندر باقی رہے گا؟ یا ختم ہوجائیگا؟ اس لئے آپ سے ہماری گزارش ہے کہ ان مسائل پر شریعت حقہ کی روشنی میں نہایت تفصیل کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد قمر ٹانڈہ بادلی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خوف انسانوں میں باقی رہے گا یا نہیں؟ ان لوگوں سے دریافت فرمائیں، جو سودی کاروبار کرتے ہیں کہ ان کو خوف کا تجربہ ہورہا ہوگا، رہا اس کا حکم وانجام سو آنحضور ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے، اس کے کاغذات لکھنے والے اور اس کا گواہ بننے والے، سب پر لعنت فرمائی ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم آکل الربوا، ومؤکله، وکاتبه، وشاهدیه، وقال: وهم سواء. (صحیح مسلم، باب لعن آکل الربا، ومؤکله، النسخة الهندیة، ۲/ ۲۷، بیت الأفکار رقم: ۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، باب في آکل الربا ومؤکله، النسخة الهندیة ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍ ۶۲۲۳)

سودی لین دین عقد تجارت ہے یا مضاربت؟

سوال [۹۰۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ۵۰۰۰/ روپئے بینک میں جمع کیئے، بینک کی طرف سے زید کو ۷/سال یا ۸/سال کے بعد ۱۰۰۰۰/ روپئے ملیں گے، تو یہ ۵۰۰۰/ روپئے جو زید کو زائد ملے، اس کے لئے جائز ہیں یا نہیں؟ دلیل میں وہ یہ پیش کرتا ہے کہ حکومت میرے روپئے سے تجارت کرتی ہے، اس کو جو منافع ہوتا ہے، اس میں سے دیتی ہے۔

المستفتی: بشیر احمد، بھوجپوری، سکرہٹہ خورد (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک میں رقم جمع کرنے کا جو طریقہ رائج ہے، اس میں شرعی عقد تجارت یا مضاربت کی کوئی صورت صادق نہیں آتی؛ اس لئے جو زائد رقم حاصل ہوتی ہے، وہ مال خبیث اور حرام ہے، اس کو صدقہ کردینا واجب ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فأما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والإستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه (إلى قوله) يجب عليه أن يصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديده/ ۵/۴۰۴، شامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، الموسوعة الفقهية الكوتية ۳۴/۲۴۶، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحر الرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۳۶۵)

مسلمانوں کا ہندؤں کے ساتھ سودی کاروبار کرنا

سوال[۹۰۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلموں ہندؤں وغیرہ سے سود کا لینا اور دینا کیسا ہے؟ جواب میں پیدا ہونے والے امور کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔

المستفتی: سعید احمد کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلموں ہندؤں وغیرہ سے بھی سود لینا اور دینا دونوں نا جائز اور حرام ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۲۴۰/۴، جدید ڈابھیل ۳۷۷/۱۶، امداد الفتاوی ۱۵۷/۳)

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَـا اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اتَّقُوۡا اللّٰهَ وَذَرُوۡا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبَا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُؤۡمِنِيۡنَ. [سورة البقره: ۲۷۸]

ولا بين حربي، ومسلم مستأمن، ولو بعقد فاسد، أو قمار.

(الدر مع الرد، کتاب البيوع، باب الربا، زكريا ۷/ ۴۲۲-۴۲۳، كراچي ۵/۱۸۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۰۹/۲۳)

کاروبار میں لگی ہوئی سٹہ کی رقم کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال[۹۰۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سٹہ کا روپیہ کاروبار میں لگا ہوا ہے، اس کے پاک ہونے کی کوئی

صورت ہے یا نہیں؟ اس کے استعمال کا کیا طریقہ ہے؟

المستفتی: طفیل احمد، نوبت خاں، امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جتنی رقوم کاروبار میں لگائی گئیں ہیں، ان کی بقدر رقوم اصل مالک کو واپس دینے سے انشاء اللہ پاک ہو جائے گا، اگر مالک تک رسائی کسی بھی طرح ممکن نہ ہو تو اتنی مقدار فقراء کو دیدیجئے۔

يرد المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. (هندية، كتاب الكراهية والإستحسان، الباب الخامس عشر في الكسب، زكريا جديد ٥/٤٠٤، قديم ٥/٥٤٩)

لو مات رجل وكسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة يتورع الورثة ولا يأخذوا منه شيئاً، وهو أولى لهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، زكريا ٧/ ٦٠، امدادية ملتان ٦/٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵۹/۲۳)

سٹے میں جیتی ہوئی رقم کاروبار میں لگانا

سوال [۹۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سٹہ میں جیتی ہوئی رقم کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس رقم کو اپنے کاروبار میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: طفیل احمد، نوبت خاں، امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے کاروبار میں لگانا حرام ہے؛ بلکہ اس کے مالک کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر مالک تک رسائی ممکن نہ ہو، تو فقراء کو بلانیت ثواب دیدینا واجب ہے۔

صرح الفقهاء بان من اكتسب مالا بغير حق (إلى قوله) يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك و إلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، الموسوعة الفقهية الكوتية ۳۴/۲۴۶، شامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/۳۵۹)

نفع میں رقم کی مقدار کو متعین کرنا

سوال [۹۰۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے خالد کو ایک لاکھ روپیہ دیا، خالد نے اس سے کپڑا خریدا اور زید وخالد میں یہ طے ہوا کہ یہ ایک لاکھ اپنی جگہ باقی رہے گا، اور جو نفع ہوگا، اس میں سے ۴۰۰/ روپیہ ہفتہ زید کو دے گا، بقیہ نفع اپنے پاس رکھے گا، تو شرعاً یہ شکل جائز ہے؟

(۲) اگر زید اس نفع کے پیسہ کو لے لے، تو اب اسے واپس کرنا ضروری ہوگا یا نہیں؟ کیا حکم ہے؟

المستفتی: حافظ محمد حنیف، لال مسجد، سرائے ترین، سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) یہ معاملہ شرعاً عقد مضاربت میں داخل نہیں ہے اور نہ ہی عقد شرکت میں؛ لہٰذا اس طرح کی شرط جائز نہیں ہے؛ ہاں البتہ اگر اس طرح شرط لگائی جاتی کہ نفع میں سے ثلث یا نصف کوئی ملا کرے گا، تب جائز ہوتا؛ لہٰذا یہ معاملہ شرعاً جائز نہیں ہے اور اس طرح کا روپیہ لینا شرعاً سود میں داخل ہے اور دیئے ہوئے روپئے قرض کے حکم میں ہیں اور قرض کے بدلے نفع حاصل کرنا سود ہے اور سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورة البقرہ: ۲۷۵]

إلا بالمال الذي تصح به الشركة، وهو أن يكون رأس المال دراهم، أو دنانير، عندهما رحمهما الله، أو فلوساً رائجة، عند محمدؒ وبما سواه لا يجوز وبه قالت الأئمة الثلاثة ونص في الذخيرة أنه إجماع. (البناية، كتاب المضاربة، اشرفيه ۱۰/ ۴٦)

(۲) جب زید نفع کے پیسے لے لے، تو اس صورت میں اس رقم کو اصل مالک کی طرف لوٹانا لازم ہے، اور مالک نہ ہونے کی صورت میں اس کے وارثین کو دیدیا جائے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۴ھ

ایک لاکھ قیمت طے ہونے کے بعد ایک لاکھ بیس ہزار لینا

سوال [۹۰۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے کمپنی سے ایک لاکھ روپیہ کی زمین خریدی، کمپنی نے رقم پاکر زمین کا بیع

نامہ ہمارے پاس بھیج دیا، اب کمپنی پانچ سال کے لئے زمین اپنے پاس رکھتی ہے، تا کہ اس میں کچھ کام کر کے اس سے فائدہ اٹھائے، اب اگر ہم اس آمد میں سے ایک فیصد حصہ اپنے نام سے لیں تا کہ پانچ سال کے بعد ہمیں وہ رقم مل جائے، یعنی ایک لاکھ کے ایک لاکھ بیس ہزار، تو کیا یہ زیادہ رقم لینا ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ کمپنی پانچ سال کے بعد بائع سے یہ کہہ دیتی ہے کہ یہ زمین لے لو یا ایک لاکھ کے عوض ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ لے لو، تو کیا یہ زیادتی کی رقم لے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شریف احمد، نصیر پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کا لینا تو جائز ہے، مگر ایک لاکھ کے عوض ایک لاکھ بیس ہزار لینا جائز نہیں ہے، بیس ہزار سود کے دائرہ میں داخل ہے؛ اس لئے یہ طریقہ جائز نہیں ہے۔

الربا: هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه. (هداية، كتاب البيوع، باب الربا، اشرفي ۷۸/۳)

الربا في الشرع عبارة عن فضل مالٍ لا يقابله عوض في معاوضة مالٍ بمالٍ. (هندية، الفصل السادس في تفسير الربا و آحكامه، زكريا جديد ۱۱۸/۳، زكريا قديم ۱۱۷/۳)

الربا: هو الفضل الخالي عن العوض المشروط في البيع. (المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۰۹/۱۲) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۵۵۹/۳۳)

تاخیر کی وجہ سے قیمت زیادہ وصول کرنا

سوال [۹۰۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۷۵/روپیہ کیلو نقد کوئی چیز ہے، ادھار پر وہ چیز ۸۰/روپیہ میں دی جارہی ہے، دو ماہ کے لئے، اگر دو ماہ کے اندر روپئے نہ دیئے تو شرط یہ ہے کہ جتنے دن لگیں گے، اسی حساب سے روپئے بڑھتے جائیں گے۔

(۲) ایک صورت یہ ہے کہ ۷۰/روپیہ کیلو نقد والی چیز ایک ماہ پر ادھار ۷۵/روپیہ میں دیتے ہیں؛ لیکن یہ معلوم ہے کہ ایک ماہ کے اندر روپیہ ادا نہیں کرے گا، تو دو ماہ پورے ہونے پر ۸۰/روپیہ دینا ہوگا اور اگر ایک ماہ میں ادا کردیا تو ۷۵/روپیہ رہے گا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کا معاملہ شرعاً سودی معاملہ ہے؛ اس لئے جائز نہیں اور زمانہ جاہلیت کے سودی کاروبار میں سے ایک اس طرح بھی تھا، جس کا سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

وذٰلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا على شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ تحت تفسير رقم الآية: ۲۷۵، من سورة البقرة ۷/ ۹۱، روح البيان ۲/ ۹۳، غرائب القرآن للنيسابوری ۲/ ۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۰۳)

شیئرز بازار میں پیسہ لگانا

سوال [۹۰۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شیئرز بازار میں پیسہ لگانا جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں ریٹ گھٹتا بڑھتا ہے، اور وہ پیسہ لے کر بینک سے سود لیتے ہیں، سب ایک جگہ کرتے ہیں اور ہم نے یہ بھی سنا ہے، جو کاروبار اپنے سامنے نہیں ہوتا جائز نہیں اور نہ ہم کوئی محنت کر رہے ہیں، نہ وقت دے رہے ہیں، سب کچھ وہ ہمارے پیسے سے کر رہے ہیں۔

المستفتی: انتظار حسین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل کے زمانہ میں جو شیئرز بازار چل رہا ہے، وہ سٹہ کی شکل ہے اور کسی نہ کسی درجہ میں بات وہیں پہونچ جاتی ہے جہاں پر سٹہ کی حرمت پائی جاتی ہے؛ اس لئے شیئرز بازار میں پیسہ لگانا جائز نہیں ہے۔

وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه ويجوز، أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵۷۷، كراچي ۶/ ۴۰۳، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۸/ ۱۴، رقم: ۹۴۸۶، تبيين الحقائق، امدادية، ملتان ۶/ ۲۲۷، زكريا ۷/ ۴۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۵۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۵ھ

سودی کاروبار والے بینک اور کمپنی کا شیئرز خریدنا

سوال [۹۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ (۱) ایک کمپنی دوسری چھوٹی بڑی کمپنیوں کو سودی قرض دیتی ہے، کیا ہم اس طرح کی کسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کر سکتے ہیں؟ صرف شیئرز کی تجارت۔

(۲) کیا کسی بھی طرح کی چھوٹی بڑی حکومتی وغیر حکومتی بینک کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے؟

(۳) ٹی وی، وی سی آر، اور شراب بنانے والی کمپنی کے شیئرز کی تجارت جائز ہے؟

(۴) ایک کمپنی جو غریبوں کو گھر بنا لینے کے لئے سودی قرض دیتی ہے، ایسی کمپنیوں کی شیئرز کی تجارت جائز ہے؟

یادرہے کہ جدید دنیا کی دور میں شیئرز کی تجارت کا معاشیات واقتصادیات پر گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے معاملہ اور موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مسلم معاشرہ اور سوسائٹی کو کسی حد تک اجازت دی جاسکتی ہے؟ یا امیر وغریب کی کچھ تفریق ممکن ہے؟

(۵) نفلی نماز میں ایک آدمی قرأت کرتا ہے، اس طرح قریب والا اس کی فسر فسر، سی سی، سوسو، کی آواز بھی سنتا ہے، بسا اوقات سورت کا تعین بھی کرسکتا ہے، کیا ایسی نفل دن یارات کی جائز ہے یا نہیں؟ آہستہ پڑھنے پر مصلی کو قرأت نہ کرنے کا اور قرأت کرنے پر جہر کا ہونا معلوم ہوتا ہے، کیا اس طرح کی نماز میں کوئی خرابی آتی ہے یا صحیح و درست ہے؟ نمبر وار جواب لکھتے جائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد موسیٰ قاسمی، دارالعلوم احمد نگر خانقاہ عالمگیر، احمد نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) جس کمپنی میں سودی کاروبار اور سودی قرض کی لین دین ہوتی ہے، اور آپ کو ازخود اچھی طرح اس کا علم بھی ہے تو آپ کے لئے شیئرز خریدنا اور اس میں شریک ہونا شرعاً جائز نہیں ہے؛ کیونکہ ایسی صورت میں اکل ربوا یا موکل ربوا میں شامل ہونا لازم آتا ہے، خاص کر جب کمپنی مسلمانوں کی ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳، سنن الترمذي، باب ماجاء في آكل الربا، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۶)

(۲) سرکاری یا غیر سرکاری بینک جس میں سودی کاروبار ہوتا ہے، اس میں شرکت اوراس کا شیئرز خریدنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے اس کی ممانعت ثابت ہے۔

(۳) شراب کی کمپنی میں بھی شرکت جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس کا روپیہ بالکل مال حرام ہے، جوملکیت کے دائرہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الله حرم الخمر وثمنها. (سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، النسخة الهندية ۲/ ۴۹۳، دارالسلام رقم: ۳۴۸۵)

عن عبد الله بن عباسؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثمن الخمر حرام. الحديث (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۲/ ۱۰۲، رقم: ۱۲۶۰۱)

والسابع حرمة الانتفاع بها؛ لأن الانتفاع بالنجس حرام؛ ولأنه واجب الاجتناب وفي الانتفاع به اقتراب. (هداية، كتاب الأشربة، اشرفي ۴/ ۴۹۴، الموسوعة الفقهية الكوتية ۴۰/ ۱۰۸)

قال الله تعالىٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْن. [المائده: ۹۰]

وی سی آر اور ٹی وی کی کمپنی میں شرکت کرنا مکروہ ہے۔

(۴) ایسی کمپنی جس کا کاروبار قرض دے کر سود لینے کا ہے، تو ایسی کمپنی کا شیئرز خریدنا اوراس میں شرکت ہرگز جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرۡبِي الصَّدَقَاتِ. [البقرة:٢٧٦]

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨، سنن ابن ماجه، التجارات التغليظ في الربا، النسخة الهندية ٢/١٦٥، دارالسلام رقم: ٢٢٧٧)

(۵) اس طرح فسر فسر کرنا جس سے دوسرے نمازیوں کو خلل ہوسکتا ہے، کراہت سے خالی نہیں ہے؛ لیکن کبھی کبھی ایسی آواز پیدا ہوجانا کہ بغل والا سن لے اور بغل والے کو خلل بھی نہ ہو، تو مکروہ بھی نہیں ہے؛ البتہ بہتر یہی ہے کہ بغل والے کو بالکل سنائی نہ دے۔

عن أبي قتادةؓ، قال: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: يقرأ في الركعتين الأخيرتين من الظهر، والعصر بفاتحة الكتاب، وسورة سورة ويسمعنا الآية. (صحيح البخاري، باب القرأة في العصر، النسخة الهندية ١/١٠٥، رقم:٧٥٣، ف:٧٦٢)

الإسرار وهو اسماع النفس في الصحيح . (مراقي الفلاح)

عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يقرأ في الركعتين الأخيرتين بفاتحة الكتاب و يسمعنا الآية، أحيانا ولأن اليسير من الجهر، والإخفاء لايمكن الاحتراز عنه لا سيما عند مبادي التنفسات. (طحطاوي على المراقي قديم ١٣٨، دارالكتاب ديوبند ١/٢٥٣) **فقط واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۴۲۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۱۲؍۱۴۱۵ھ

شیئرز کی خرید وفروخت اور شیئرز کمپنی میں حصہ داری

سوال [۹۰۴۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شیئرز مارکیٹ جس کا کاروبار ہر وقت اعلیٰ پیمانے پر چل رہا ہے، اس میں جو کمپنیاں اپنی اشیاء پارٹس، پرزے، مشینری بنا کر مارکیٹ میں فروخت کررہی ہیں، یعنی جو جائز چیزیں تیار کر کے بازار میں فروخت کررہی ہیں، ان کے شیئرز کی خرید وفروخت یا ان میں حصہ داری شرعی اعتبار سے درست ہے یانہیں تشفی بخش جواب دیں۔

(۲) اگر کوئی مسلم کمپنی اپنے پاس خود کے پروجیکٹ کارخانے میں اور ان میں عوام کا سرمایہ لگا کر مشارکت کے طور پر نفع ونقصان کی بنیاد پر کاروبار کرتی ہو، تو اس سے ملا ہوا منافع جائز ہوگا یانہیں؟

المستفتی: عبدالمجید قاسمی، الفہد گروپ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر جائز کاروبار ہے تو اس کی اشیاء کا خریدنا اور اس میں حصہ دار بن جانا شرعی طور پر جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۰۲)

تجوز هذه الشركة بين كل من كان من أهل التجارة......فتجوز هذه الشركة بين الرجال والنساء، والبالغ، والصبي، والمأذون في التجارة والمسلم والكافر. (هندية، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان، زكريا جديد ۲/۳۲٦، قديم ۲/۳۱۹)

(۲) جو شکل آپ نے سوال نامہ میں ذکر فرمائی ہے، اگر واقعی یہی شکل ہے اور اس میں کوئی ناجائز کاروبار نہیں ہوتا ہے، تو شرعی طور پر جائز اور درست ہے؛ کیونکہ یہ شرعاً شرکت عنان کے دائرہ میں داخل ہے۔

أما شركة العنان فهي أن يشترك اثنان في نوع من التجارات برٍ،

أو طعامٍ، أو يشترکان في عموم التجارات. (هندية، كتاب الشركة، الباب الثالث في شركة العنان، زكريا جديد ٢/ ٣٢٥، قديم ٢/ ٣١٩)

مگر اس طرح جائز طریقہ سے شیئرز کا معاملہ ہندوستان میں ہمارے علم میں بہت ہی کم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۱۸ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
۱۸/۱/۱۴۱۸ھ	(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۱۳۷)

سودی ادارہ کے شیئرز خریدنا

سوال [۹۰۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک مقامی بینک ہے جو کہ ایک سودی ادارہ ہے اور گاہک سے سودی لین دین کرتا ہے، حال میں ادارہ ہذا کی انتظامیہ نے اپنے ادارے کے حصص فروخت کرنے کا اعلان کیا؛ چونکہ راقم نے بھی کچھ حصص براہ راست بینک انتظامیہ سے خرید لئے میں نے بینک ہذا کے یہ حصص اس لئے نہیں خریدے کہ میں بینک کے کاروبار میں شریک رہوں تاکہ تناسب کے حساب سے نفع ونقصان مین حصہ دار بن جاؤں؛ بلکہ میرے ذہن میں صرف یہ بات تھی اور ہے کہ آئندہ کچھ عرصہ میں یہاں حصص کے بھاؤ بڑھ جائیں گے تاکہ میں زیادہ قیمت پر یہ حصص فروخت کو ڈالوں۔ آپ سے عرض ہے کہ کیا شرعی طور پر ایسے ادارے کے حصص خرید کر زیادہ قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ ادراہ ہذا کی شاخیں ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں بھی ہیں۔

المستفتی: نثار احمد، ہندوارہ، کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا سودی ادارہ جس کے سودی کاروبار سے آپ

مطلع ہو چکے ہیں، اس کے شیئرز کا خریدنا آپ کے لئے جائز نہیں ہے، اگر خرید لیا ہے، تو اول فرصت میں اس سے الگ ہو جانے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۴۹۱)

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳، سنن الترمذي، باب ما جاء في آكل الربا، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۶۴۷)

سودی لین دین والی کمپنی یا بینک سے شیئرز خریدنا

سوال [۹۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے یہاں بینک کے حصص یعنی (شیئرز) خریدے ہیں؛ چونکہ بینک ایک سودی ادارہ ہے، اور گاہک سے سود کا لین دین ہوتا ہے، اس معاملہ میں بینک کی طرف سے ہمیں سالانہ ایک (Bonus) چیک ملتا ہے، یہ چیک ہمیں بینک سے اس حصے میں نفع یا نقصان کی بنیاد پر دیا جاتا ہے، اس بات کو مدنظر رکھ کر میں نے یہ فیصلہ لیا کہ آپ صاحبان سے اس معاملہ میں شرعی رائے پوچھ لیں کیا یہ نفع یعنی (Bonus) ہمارے لئے حلال ہے؟

نوٹ: یہ حصص (شیئرز) ہم نے براہ راست بینک انتظامیہ سے خریدے ہیں۔

(۲) چونکہ اس سال بینک حکام نے یہ فیصلہ لیا ہے کہ جس کے حصص یہاں ہیں وہ دو گنے کر دیئے جائیں گے، مثلاً ایک ہزار کے دو ہزار وغیرہ، تو کیا دوگنی رقم ہمارے لئے حلال ہے۔

(۳) کتاب ایضاح النوادر کی روشنی میں صفحہ ۲۰۲/حصہ اول کے مطابق ہمیں لکھیں:
چونکہ اگر اس معاملہ میں آپ کی رائے منفی ہو، تو میں یہ حصص بیچنے کے لئے تیار ہوں، مگر یہاں پھر ایک شرعی مسئلہ آتا ہے کہ ہم نے یہ حصص 25% کے حساب سے خریدے تھے؛ چونکہ آج بینک حکام نے اس کی قیمت 38% فی حصص کر دی ہے، اس معاملہ میں آپ حضرات بتائیں کہ میں حصص سابقہ قیمت 25% کے حساب سے بیچ ڈالوں یا کہ موجودہ ریٹ 38% کے حساب سے مہربانی کر کے ان تینوں مسئلوں کا تفصیلی طور پر شریعت کی روشنی میں فیصلہ دیں تاکہ خداوند قدوس کی عدالت میں کسی قسم کی پشیمانی اٹھانی نہ پڑے۔

المستفتی: آزاد سلیم صوفی، ہنڈواڑہ، کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سودی لین دین کرنے والی کمپنی یا بینک کا شیئرز جائز نہیں ہے؛ جبکہ اس کا کوئی واضح جائز کاروبار نہ ہو؛ لہٰذا سودی ادارہ سے جو حصص آپ نے خریدے ہیں، ان کو آپ -/25 کے حساب سے فروخت کر دیں اور -/38 کے حساب سے فروخت کریں گے، تو اصل سے زائد فقراء کو صدقہ کر دیں۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: آکل الربوا، ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاھدیہ، وقال: وھم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آکل الربا، ومؤکلہ، النسخۃ الہندیۃ، ۲/۲۷، بیت الأفکار رقم: ۱۵۹۸، سنن ابن ماجہ، التجارات، التغلیظ في الربا، النسخۃ الہندیۃ ۲/۱۶۵، دارالسلام رقم: ۲۲۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۳۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۷/۱۴۱۸ھ

سودی بانڈ کی خرید وفروخت

سوال[۹۰۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بانڈ ایسا ہے، جو ان ڈاکخانوں سے ڈھائی ہزار -/2500 روپئے میں خریدا جاتا ہے، اور پانچ سال کی مدت کے بعد ڈاکخانہ اسے پانچ ہزار -/5000 روپئے میں خریدتا ہے، اس طرح جو ڈھائی ہزار -/2500 روپئے منافع ہوتا ہے، وہ کسی صاحب حیثیت کے لئے جائز ہے؟ (یہ منافع بھی بینک انٹرسٹ کی طرح ہے)

المستفتی: محمد حنیف محلّہ طویلہ اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: جی ہاں یہ بھی بینک کے سود کی طرح ہے، اس کا استعمال بھی ناجائز ہے اور اس کا حکم بھی زمانہ جاہلیت کے سود کی طرح ہے۔

وأما ربا النسيئة، فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا على شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ، تحت تفسير رقم الآية: ۲۷۵، من سورة البقره۷/۹۱، روح البيان ۲/۹۳، غرائب القرآن للنيسابوري ۲/۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵رشعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۳۴۵)

اندراوکاش پتر کی بیع وشراء اور زائد رقم کا حکم

سوال [٩٠٤٧]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکار نے ترقی کے لئے اندراوکاش پتر کے نام سے یہ اسکیم نکالی ہے کہ جوصاحب اپنا روپیہ ڈاکخانے میں جمع کریں، توان کو پانچ سال کے عرصے سے پہلے وہ روپیہ کسی قیمت پر نہیں مل سکتا، پانچ سال کے عرصہ کے بعد دوگنا روپیہ اس دی ہوئی رسید کے ذریعہ مل جائے گا۔ اوراس رسید کی ذمہ داری سرکار نے نہیں لی ہے، اگروہ رسید چوری ہوجائے یا جل جائے یا دیمک لگ جائے یا گم ہوجائے یا اور کسی طریقہ سے ضائع ہوجائے، تواس کی ذمہ داری سرکار نے کچھ نہیں لی ہے، توکیا اس طرح پیسہ دے کر لینا صحیح ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ بالا کا جواب دیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: افسر علی، محلّہ پیرغیب، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوزائد رقم ملتی ہے وہ حلال نہیں ہے، اس کو وہاں سے نکال کرنا دار وفقراء کو بلانیت ثواب دیدینا لازم ہے۔ نیز مذکورہ غرض سے ڈاکخانہ میں رقم جمع کرنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

صرح الفقهاء بان من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والإستئجار على المعاصي والطاعات، أوبغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه (إلى قوله) ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، هكذا في الهندية، زكرياقديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، شامي، زكريا ٩/٥٥٣،

کراچي ٦/٣٨٥، الموسوعة الفقهية الكويتية٣٤/٢٤٦، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، کوئٹه٨/٢٠١، زكريا ٩/٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۰۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۱۱/ ۱۴۱۰ھ

نقد اور ادھار خریداری ایک ساتھ ہوتو؟

سوال [۹۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیچنے والا اپنے سامان کے بارے میں کہتا ہے کہ نقد لوگے تو ۵/ ہزار روپیہ اور ادھار لوگے تو ۶/ ہزار روپیہ یہ ایک ہی عقد میں تفرق صفقہ ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ درست نہیں ہے، تو درست ہونے کی متبادل شکل کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بائع نے اپنے سامان کے متعلق مشتری کو نقد وادھار دونوں کی الگ الگ قسمیں بیان کردیں، مثلاً نقد میں ۵/ ہزار، ادھار میں ۶/ ہزار، تو یہ عقد واحد میں تفرق صفقہ ہے، تو جس صورت پر بھی عاقدین مجلس عقد میں راضی ہوجائیں، تو وہ بیع جائز اور درست ہوگی؛ کیونکہ عاقدین کے اتفاق کی وجہ سے ثمن کی جہالت ختم ہوگئی جو کہ مفسد بیع ہے؛ اس لئے ایسا معاملہ کرنا درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۲۳۱، قسطوں پر خرید وفروخت سے متعلق شرعی احکام ۱۱۱، امداد الفتاوی ۳/۲۰، فتاوی عثمانی ۳/۱۱۵)

قد فسر بعض أهل العلم قالوا بيعتين في بيعة أن يقول أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة و بنسيئة بعشرين و لايفارقه على أحد البيعتين، فإذا فارقه على أحدهما، فلا بأس إذا كانت العقدة على واحدٍ منهما. (ترمذي شريف، باب ما جاء في النهي عن بيتعين ١/٢٣٣)

ثم الإنسان في العادة يشتري الشيئ بالنسيئة بأكثر مما يشتري بالنقد. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۳/ ۹۳)

وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا، أو بالنقد بكذا، أوقال إلى اشهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم–وهذا إذا افترقا على هذا فإن كان يتراضيان بينهما و لم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأتما العقد عليه فهو جائز؛ لأنهما ماافترقا إلا بعد تمام شرط صحة العقد. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۳/ ۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۹۰)

قسط وار اصل قیمت سے زائد قیمت میں گاڑی خریدنا

سوال [۹۰۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قسط وار گاڑی خریدنا کیسا ہے؟ یعنی گاڑی کی قیمت ہے، ایک لاکھ تیس ہزار روپئے اور خریدتے وقت صرف پچاس ہزار روپئے دیتے ہیں اور باقی ۷۰/ ہزار کو اور ۲۰/ ہزار زیادہ کر کے کل ڈیڑھ لاکھ روپیہ کمپنی کو ۲۰/ مہینہ میں دے کر معاملہ ختم کرتے ہیں۔ کیا یہ ۲۰/ ہزار روپئے سود میں داخل ہوگا یا نہیں؟

براہ کرم تمام سوالوں کا جواب جلد از جلد دلائل کیساتھ تحریر فرما کر روانہ فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: جنرل سیکٹری بھنگنا ماری انچلیک دینی تعلیمی بورڈ (آسام)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قسط وار گاڑی کی خریداری کی جو شکل سوال نامہ

میں ذکر کی گئی ہے، وہ شرعاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ گاڑی کی اصل قیمت ایک لاکھ تیس ہزار روپئے ہے، پھر قسط وار ڈیڑھ لاکھ کی وصولیابی میں زائد رقم سود میں داخل ہوگی؛ اس کے جواز کی متبادل شکل یہ ہے کہ معاملہ طے کرتے وقت گاڑی کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپئے متعین کر لی جائے اور پچاس ہزار روپئے یک مشت نقد ادا کر دیئے جائیں اور بقیہ ایک لاکھ روپئے قسط وار ادا کرتے رہیں، تو ایسی صورت میں یہ معاملہ شرعاً جائز اور درست ہو جائے گا۔

قال الله تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا . [سورة البقرہ: ۲۷۵]

سلعة يكون ثمنها مائة دينار نقداً، وبمائة و خمسين إلى أجل أن هذا جائز . (كتاب الحجة على أهل المدينة ۲/ ۶۹۴)

البيع مع تأجيل الثمن و تقسيطه صحيح . (شرح مجله، رستم مكتبه اتحاد ۱/ ۱۲۴، رقم المادة: ۲۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۱ھ

قسط وار (فائننس) پر گاڑی کی خریداری کی متبادل شکل

سوال [۹۰۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قسط وار خریداری کا کیا حکم ہے؟ اگر نقد خریدی جائے تو چیز سستی ملتی ہے، اور قسط وار خریدی جائے، تو مہنگی ملتی ہے، مثلاً گاڑی خریدی جائے، تو وہ نقد دس لاکھ کی ہے، اور پانچ سالہ قسط پر خریدی جائے، تو ۱۲/ لاکھ کی ہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عمیر قاسمی، ہاپوڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قسط وار خریداری زائد قیمت کے ساتھ اس شرط

کے ساتھ جائز ہے کہ جب دونوں عقد کے وقت ایک قیمت پر رضامند ہو جائیں یعنی ادھار اور قسط وار زائد رقم کی تعیین ہو جائے کہ قسط وار اتنی قیمت میں یہ چیز دی جائے گی، تو یہ شکل جائز اور درست ہے۔ (فتاوی عثمانی ۳/۱۱۵)

البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح. (شرح المجلة ١/١٢٤، رقم المادة: ٢٤٥)

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة، وقد فسر بعض أهل العلم قالوا: بيعتين في بيعةٍ أن يقول أبيعك هذا الثوب بنقدٍ بعشرةٍ، وبنسيئةٍ بعشرين لا يفارقه على أحد البيعين، فإذا فارقه على أحدهما، فلابأس إذا كانت العقدة على واحد منهما. (ترمذي شريف ١/٢٣٣)

وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا، أو بالنقد بكذا، أوقال إلى أشهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم–وهذا إذا افترقا على هذا فإن كان يتراضيان بينهما و لم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وإنما العقد عليه فهو جائز؛ لأنهما ماافترقا إلا بعد تمام شرط صحة العقد. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٣/٨)

رجل باع على أنه بالنقد بكذا وبالنسيئة بكذا، وإلى شهر بكذا، وإلى شهرين بكذا لم يجز كذا في الخلاصة. (هندية، كتاب البيوع، الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع والتي لاتفسدة، زكريا قديم ٣/١٣٦، جديد ٣/١٣٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۹۸)

قسطوں پر گاڑی خریدنا

سوال [۹۰۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو نقد گاڑی نہیں لے سکتے، قسط پر لیتے ہیں، جس میں سود بھی شامل رہتا ہے، کسی اور مد کا سود جو قسط میں واجب الادا رہے بھرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شفیع احمد، الاعظمی الرقاع

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح خریداری میں حرمت سے بچنے کے لئے بہترین شکل یہی ہے کہ اگر نقد خریدنے میں مثلاً اسی ہزار کی ملتی ہے، اور قسطوار ادا کرنے میں ۸۵/ ہزار دینا پڑتا ہیں، تو سودی معاملہ سے حفاظت اس طرح ہوسکتی ہے، کہ قسطیں پانچ سال میں پوری ہوسکتی ہیں، تو بوقت خریداری یوں معاملہ طے کیا جائے کہ ادھار خرید میں ۸۵/ ہزار روپیہ شی کی قیمت ہے اور نقد میں ۸۰/ ہزار ہے؛ اس لئے کہ نقد کے مقابلہ میں ادھار میں قیمت زیادہ کرنے میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں ہے، تو اس طرح معاملہ جائز اور درست ہوجائے گا۔

ألایری أنه یزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفي ۳/ ۷۴، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۰/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۷۳۸، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۱۲، مصري قديم ۲/ ۷۸، شرح المجلة رستم مكتبه اتحاد ۱/ ۱۱۴-۱۱۵، رقم المادة: ۲۴۵-۲۴۶)

نیز اگر لون وسودی شرط پر معاملہ کیا جائے تو شرعی طور پر معاملہ فاسد ہوجاتا ہے، اس کا فسخ لازم ہوجاتا ہے، پھر بھی اگر ناجائز معاملہ کرلیا ہے، اور سودی جو شئی خریدی گئی ہے، وہ حکومت سے خریدی ہے اور سودی رقم حکومت کے بینک میں جمع ہوجاتی ہے، تو بینک سے حاصل شدہ سود کو اس سود میں دیدینا جائز ہے؛ اس لئے کہ مال حرام میں اصل حکم یہی ہے کہ کسی بھی عنوان سے اصل مالک کو واپس کردیا جائے۔

ویجب علیه أن یرده علی مالکه إن وجد المالک. ((بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامیة، ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، هندیة، زکریا قدیم ۵/ ۵۴۹، جدید ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۴/ ۲۴۶، شامي، زکریا ۹/ ۵۵۳، کراچي ۶/ ۳۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۵۳)

۱۵؍ سو روپیہ یا ۳؍ ہزار میں گاڑی ملنے والی اسکیم کا حکم

سوال [۹۰۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک اسکیم کے تحت اشیاء کی فروختگی کی جاتی ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ مذکورہ اسکیم کے تحت چار سو ممبر بنائے جاتے ہیں اور یہ اسکیم تیس ماہ میں پوری ہوتی ہے، مثلاً ایک موٹر سائیکل کی قیمت پینتالیس ہزار روپیہ رکھی گئی ہے، تو ہر ممبر ہر مہینہ پندرہ سو روپیہ جمع کرے گا، اس طرح ۳۰؍ ماہ میں پینتالیس ہزار روپیہ جمع ہو جائیں گے اور کمپنی ہر ممبر کو ایک گاڑی دیدے گی، مگر اس میں ممبروں کا فائدہ یہ ہے کہ ہر ماہ تمام ممبروں کے نام قرعہ ڈالا جائے گا۔

اب پہلے مہینے میں جس ممبر کا نام نکل آئے گا، اس کو گاڑی مل جائے گی اور اب وہ ممبر باقی ماہ کی قسطیں جمع نہیں کرے گا، گویا اس کو صرف پندرہ سو روپیہ میں گاڑی مل گئی۔ اگلے ماہ پھر بقیہ ممبروں کے نام قرعہ ڈالا جائے گا، پھر جس کا نام نکل آئے گا، اس کو گاڑی مل جائے گی اور اس طرح اس ممبر کو صرف تین ہزار روپیہ میں گاڑی مل گئی، بقیہ قسطیں جمع نہیں کرے گا، اس طرح پورے تیس مہینے تک قرعہ کے ذریعہ ایک ایک گاڑی نکلتی رہے گی اور جس مہینے میں جس نمبر کی گاڑی نکل آئے گی بقیہ ماہ کی قسطیں اب وہ جمع نہیں کرے گا،

اس طرح تیس ممبر کو گاڑی مل جائے گی اور باقی ممبران کو بھی تیس ماہ کے بعد ہر ایک کو گاڑی مل جائے گی، مگر پہلے تیس ممبروں کو کچھ چھوٹ سے گاڑی ملے گی اور بقیہ ممبران کو پورے پینتالیس ہزار روپیہ میں گاڑی پڑے گی، ہاں بقیہ ممبران کا فائدہ یہ ہے کہ وہ قسط وار گاڑی بھی حاصل کر لیتے ہیں اور کسی طرح کا کوئی سود بیاج بینکوں کی طرح اس میں دینا نہیں پڑتا اور سود کی لعنت سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

نیز اس اسکیم میں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تیس مہینے کے بعد ہی گاڑی ملے گی، اگر کوئی ممبر یہ چاہے کہ اس کو پہلے مہینے میں یا جب بھی گاڑی چاہتا ہے، تو اس کو گاڑی مل جائے گی، مگر آدھی قیمت ابھی ادا کرنی پڑے گی، ہاں بقیہ آدھی قیمت قسطوار جمع کرتا رہے گا؛ البتہ اگر قرعہ میں نام نکل آتا ہے، تو جس مہینے میں نام نکلا ہے، اتنے مہینے کی قسط جمع کر کے کمپنی باقی روپئے واپس کر دے گی، کمپنی کا مقصد اس طرح کے کاروبار سے اپنے کاروبار کے ساتھ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو فائنانس پر گاڑی نکالنے پر جو سود دینا پڑتا ہے، اس سے بچایا جائے اور جبکہ اس طرح گاڑی بھی فائننس کے مقابلہ میں سستی پڑ جاتی ہے، اور سود بھی دینا نہیں پڑتا، ہاں کمپنی کو اس میں یہ فائدہ ہے کہ وہ ہر گاڑی پر پانچ ہزار روپیہ زیادہ قیمت لگاتی ہے۔ تو کیا اس طرح کاروبار درست ہے یا نہیں؟

نیز اس میں جو قرعہ والی شکل ہے، اس کو بھی وضاحت سے تحریر فرمادیں کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر کسی ایسی بات کی وجہ سے جس کی اصلاح ہو سکتی ہے، عدم جواز نکلتا ہو، تو اس کی اصلاح فرمادیں۔

المستفتی: قطب الدین، گلبرگہ، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ از اول تا آخر بغور پڑھا گیا ہے، سوال نامہ میں جس اسکیم کا ذکر ہے اس میں جوا اور سٹہ کی شکل ہے؛ اس لئے کہ جن لوگوں کو

صرف پندرہ سو روپیہ میں یا تین ہزار روپئے میں یا پینتالیس ہزار روپیہ میں چالیس ہزار کی گاڑیاں مل رہی ہیں، وہ مکمل سٹہ کی شکل ہے اور اسی کے لالچ میں لوگ اس اسکیم میں شریک ہوتے ہیں، جن لوگوں کا نام نکلتا ہے، وہ کم پیسے میں گاڑی ملنے کی وجہ سے خوش ہوجاتے ہیں اور جن لوگوں کا نام نہیں نکلتا ہے، وہ خوش نہیں ہوتے ہیں، اگرچہ آخر میں پورے پیسے دینے کے بعد ان کو بھی گاڑی مل جاتی ہے، مگر وہ لوگ ہر قسط کے موقع پر اپنے آپ کو نامراد سمجھتے ہیں اور اس اسکیم میں نام نکالنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے، وہ جائز قرعہ اندازی کے دائرہ میں داخل نہیں ہے؛ اس لئے کہ حقوق مالیہ میں قرعہ اندازی اس وقت جائز ہوتی ہے کہ جب تمام امیدواروں کا حصہ برابر ہو اور سب کو فوری طور پر اپنا اپنا حصہ مل رہا ہو، مگر اس کی جہت کی تعیین کے لئے قرعہ اندازی کی جاتی ہے، مثلاً جائیداد کی تقسیم میں جانب شمال اور جانب جنوب یا جانبین کے بیچ کا حصہ ہو اور قرعہ اندازی کے ذریعہ سے ہر ایک کا حصہ متعین کیا جائے کہ جانب شمال یا جانب جنوب میں یا بیچ میں ملے گا، تو ایسا کرنا جائز ہے، مگر حقوق مالیہ میں ایسا جائز نہیں ہے کہ ایک کو ملے اور دوسروں کو نہ ملے یا ایک کو کم قیمت میں ملے اور دوسروں کو زیادہ قیمت میں ملے، یہ تعلیق الملک علی الخطر ہے اور تعلیق الملک علی المخاطرہ کا نام شریعت میں جوا اور سٹہ ہے، جو قطعاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے سوال نامہ میں ذکر کردہ اسکیم سٹہ کے دائرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

وأما الميسر فقدروى عن عليؓ أنه قال: الشطرنج من الميسر وقال عثمان وجماعة من الصحابة، والتابعين النرد. وقال قوم من أهل العلم القمار كله من الميسر وأصله من تيسير الجزور بالاجتماع على القمار فيه، وهو السهام التي يجيلونها فمن خرج سهمه استحق منه ما توجبه علامة السهم فربما اخفق بعضهم حتى لا يخطي بشيئ وينجح البعض فيخطى بالسهم الوافر، وحقيقته تمليك المال على المخاطرة وهو أصل

في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار كالهبات، والصدقات، وعقود البياعات ونحوها، إذا علقت على الأخطار بأن يقول قد بعتك إذاقدم زيد ووهبته لک إذا خرج عمر؛ لأن معنى اليسار الجزور، أن يقول من خرج سهمه استحق من الجزور، كذا فكان استحقاقه لذلک السهم منه معلقاً على الخطر. (أحكام القرآن للجصاص، سورة المائدة، باب تحريم الخمر، زكريا ۲/ ۵۸۲، سهيل اكيڈمي لاهور ۲/ ٤٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۵۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۴ھ

فی سلی ہر مہینہ دو روپیہ زائد کی شرط سود ہے

سوال [۹۰۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید تانبا پیتل کی سلی کا کام کرتا ہے اور سلی کا بھاؤ دوسو روپیہ ہے؛ لیکن خالد جو کہ خریدار ہے کہتا ہے: کہ میں ادھار خریدوں گا اور ادھار میں سلی کی قیمت دوسوبیس روپیہ طے ہوئی اور یہ طے ہوا کہ دو ماہ میں یہ پیسے ادا کرنے ہوں گے، اگر دو ماہ میں ادا نہ کئے تو فی سلی دو روپیہ پر ہفتہ بڑھ جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ دو ماہ میں عدم ادائے گی کی صورت میں یہ جو ہفتہ واری فی سلی دو روپیہ بڑھنا طے ہوا ہے، تو یہ زید کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ یہ سلی کی قیمت ہوگی یا سود ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دو ماہ میں سلی کی قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں زید نے اپنے لئے ہفتہ واری ہر سلی پر جو دو روپے لینا طے کیا ہے، تو یہ پیسہ اس کے لئے

حلال نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ سلی کی قیمت نہیں؛ بلکہ سود ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۲۳۳، جدید فقہی مسائل ۲۶۰/۴، ایضاح النوادر ۳۰)

وأمّا ربا النسيئة، فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذٰلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهرٍ قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدينُ طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا، الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ، تحت تفسير رقم الآية:٢٧٥، من سورة البقرة٧/ ٩١، روح البيان ٢/ ٩٣، غرائب القرآن للنيساپوري ٢/ ٦٠)

وذلک اعتياض عن الأجل وهو حرام روي أن رجلاً سأل ابن عمرؓ فنهاه عن ذلک، ثم سأله. فقال: إن هذا يريد أن أطعمه الربا، وهذا لأن حرمة ربا النساء ليست إلا لشبهة مبادلة المال بالأجل. (العناية على فتح القدير، كتاب الصلح، باب الصلح عن الدين، زكريا٨/ ٤٤٧، دارالفكر٨/ ٤٢٦، كوئٹه ٧/ ٣٩٦)

وكان ربوا الجاهلية في الديون أن يكون للرجال على الرجل الدين، فإذا حل قال له: أتقضي أم ترىٰ؟ فإن قضاه أخذه وإلا زاده في الحق وزاده في الأجل. (المدوّنة الكبرىٰ ٥/ ١٨، بحوالة جديد فقهي مسائل ٤/ ٢٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۰۳)

زندہ بکرے کو تول کر فروخت کرنا

سوال [۹۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید ایک بکرا زندہ فروخت کرنے کے لئے لایا، مشتری نے اس کی قیمت لگائی؛ لیکن بائع کو وہ قیمت پسند نہیں آئی، مشتری نے کہا کہ اس کو زندتول کر فروخت کردے، بائع نے کہا کہ لے لے؛ چنانچہ مشتری نے اس زندہ بکرے کو تول کر لے لیا، تو کیا یہ صورت صحیح ہے کہ نہیں؟ اگر صحیح ہے تو براہ کرم جواب مع الدلائل تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

نوٹ: یہ بکرہ قربانی کے لئے لیا گیا ہے۔

المستفتی: محمد عمر غفرلہ قاسمی، مدرسہ اسلامیہ عربیہ پرائمری نجیب آباد، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بکرے کو نوٹ کے عوض میں وزن کرکے خریدا ہے، تو شرعاً جائز ہے، اس میں ربوا یا سود لازم آنے کے لئے کوئی علت موجود نہیں؛ لہٰذا اس کی قربانی میں کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی۔

کما جاز بيع لحم بحيوان ولو من جنسه؛ لأنه بيع الموزون بما ليس بموزون. فيجوز كيف ما كان بشرط التعيين. (الدر مع الرد، كتاب البيوع، زكريا ۷/۴۱۴، كراچي ۵/۱۷۹، حاشية چلپي، امدادية ملتان ۴/۱۹۱، زكريا ۴/۴۶۰، فتح القدير، دارالفكر ۷/۲۷، كوئٹه ۶/۱۶۷، زكريا ۷/۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۵۳۷)

فنڈ میں زیور رکھ کر ماہانہ تین روپیہ بغیر عوض کے دینا

سوال [۹۰۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر محلّہ کے چند مسلمان مل کر ماہانہ، یا ہفتہ واری ایک فنڈ بنالیں اور کسی ضرورت مند کا زیور رکھ کر فی ماہ تین روپیہ طے کر کے اس فنڈ سے اس کی ضرورت پوری

کریں، تو یہ سود ہوگا یا نہیں؟ اگر سود ہوگا تو دفتر میں کام کرنے والے کی تنخواہ کہاں سے دی جائے اور اگر سود نہیں، تو قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل بیان فرمائیں۔

المستفتی: علیم الدین، محمد علی، سرجن نگری، مدرس مدرسہ باب العلوم، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماہانہ تین روپیہ جمع کرنے کی شرط کے ساتھ ناجائز اور حرام ہے، یہ مسلم فنڈ کی شکل بھی نہیں ہے، اس کے بغیر اگر فنڈ نہیں چل سکتا ہے، تو اس طرح فنڈ قائم کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا اور ماہانہ تین روپیہ وصول کرنا زمانۂ جاہلیت کے سود کے مشابہ ہے۔

وأمَّا ربا النسيئة، فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذٰلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهرٍ قدراً معيناً، فيكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدينُ طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا، الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ، تحت تفسير رقم الآية:٢٧٥، من سورة البقرة ٩١/٧، روح البيان ٩٣/٢، غرائب القرآن للنيسابوري ٦٠/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۵۶۳/۲۵)

آڑھت والوں کا ایک معاملہ (فائنانس) کا شرعی حکم

سوال [۹۰۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لفظ فائنانس ہے، انگلش کا ہمارے گاؤں میں بہت ہی شور وزور سے اس کا رواج چل رہا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شہر سے آڑھت والے گاؤں میں آتے ہیں

اور وہ گاؤں والوں کو دس بیس ہزار روپیہ دیتے ہیں، کیلے کی کھیتی کرنے کے لئے اس شرط پر دیتے ہیں کہ فصل کٹنے کے بعد ہمارے یہاں پہونچنی چاہئے؛ لہٰذا گاؤں والے فصل یعنی کیلے کو پہونچاتے ہیں، پھر آڑھت والے اپنی آڑھت پر فصل کو بیچ کر کمیشن جتنا ہوتا ہے، یعنی مقرر شدہ رقم لے لیتا ہے اور بقیہ روپئے فصل والے کو سپرد کر دیتے ہیں اور ایڈوانس جو روپئے فصل والے کو سپرد کر دیتے ہیں اس کو دو تین دفعہ میں یا ایک ہی دفعہ میں کاٹ لیتا ہے، جیسے جیسے فصل پہونچتی رہتی ہے، وہ اپنی رقم وصول کرتا رہتا ہے۔

نیز آڑھت والے کے ایڈوانس روپئے دینے کے بعد فصل والے کسی اور کو فصل نہیں دے سکتے ہیں، دوسرے کو دینے کی صورت میں آڑھت میں پیداور پہونچانے پر مقید کرلیا؛ لہٰذا یہ اور بات ہے کہ وہ پوشیدہ طور پر دوسری جگہ فصل سیل کر دیتا ہے، تو ایسی صورت میں شریعت کیا یہ اجازت دیتی ہے اور ایسے طریقے سے لین دین کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبد الستار، متعلم دورۂ حدیث مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو رقم آڑھت والے دیتے ہیں وہ چونکہ کھیتی ہی کرنے کے لئے دیتے ہیں اور اس وقت باقاعدہ خرید وفروخت نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے دی ہوئی رقم شرعاً قرض کے دائرہ میں داخل ہے، اور جب کھیتی تیار ہو جاتی ہے، تو آڑھت والے بازار کے مناسب بھاؤ پر مالکان سے پیداوار خرید لیتے ہیں اور اپنی سابقہ دی ہوئی رقموں سے قیمت کو مجرا کر لیتے ہیں، تو اس طرح کا معاملہ شرعاً جائز اور درست ہے بشرطیکہ مالکان کو یہ بھی اختیار ہو کہ خود پیداوار کا مناسب بھاؤ مقرر کریں۔

ولو أعطاه الدارهم وجعل يأخذ منه كل يوم خمسة أمناء ولم يقل في الابتداء اشتريت منک يجوز وهذا حلال، وإن كان نية وقت الدفع الشراء؛ لأنه بمجرد النية لا ينعقد البيع وإنما ينعقد البيع الآن بالتعاطي، والآن المبيع معلوم فينعقد البيع صحيحاً. (شامي، كتاب البيوع، مطلب البيع

بالتعاطي، زكريا ۳۱/۷، كراچي ٤/٥١٦، البحرالرائق، كوئٹه ٥/٢٧٤، زكريا ٥/٤٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٩/٤٤)

اوراگر آڑھت والوں کواپنی دی ہوئی رقم کی مقدار کی وصولی میں کوئی تردد نہ ہوتو مالکان کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے سے روکنے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۱/ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۴۰۶)

کمپنی میں دس ہزار جمع کر کے بیس ہزار لینا

سوال [۹۰۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے ملک میں بہت سی کمپنیاں ہیں جو کہ عوام الناس سے روپیہ جمع کراتی ہیں اور کام کرتی ہیں، بہت سی کمپنیاں بھاگ بھی گئی ہیں اور اب ایک کمپنی پلس کے نام سے چل رہی ہے، وہ عوام سے دس ہزار روپئے لے کر سات سال میں اس کے بیس ہزار روپئے دیتی ہے، اور اس کے کام کرنے والوں کو بھی اسمیں حصہ ملتا ہے۔

دوسرا طریقہ اس کے کام کرنے والے یہ بتاتے ہیں کہ ہر چھ ماہ میں ایک قسط پچیس سو روپیہ یا چھتیس سو روپئے کی جمع کراتی ہے، پھر وہ آٹھ یا دس سال میں اس کے دوگنے یا کم و بیش دلانے کو کہتے ہیں، اس میں نفع ہی ہے، اس صورت حال میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بیاج ہوا اور کچھ لوگ منع کرتے ہیں کہ بیاج نہیں ہوا ہے؟

المستفتی: علیم الدین، قصبہ سرجن نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں دس ہزار روپیہ دے کر سات سال بعد بیس ہزار لینا سود کے دائرہ میں داخل ہوکر اپنے دیئے ہوئے دس ہزار پر مزید دس ہزار کا جو اضافہ آرہا ہے، وہ حرام ہے۔ دوسری صورت بھی سود کے دائرہ میں داخل ہے۔

قال الله تبارک وتعالیٰ في کتابه العزیز: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً. [سورة العمران: ۱۳۰]

الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه. (هداية، کتاب البیوع، باب الربوا، اشرفي ۷۸/۳، هندية، زکریا قدیم ۱۱۷/۳، جدید ۱۱۸/۳، المبسوط للسرخسي، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۰۹/۱۲)

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم آکل الربوا، ومؤکله، وکاتبه، وشاهدیه، وقال: وهم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آکل الربا، ومؤکله، النسخة الهندية، ۲۷/۲، بیت الأفکار رقم:۱۵۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۸۱۵/۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۵/۱۴۲۶ھ

پرائیویٹ کمپنی کا کم روپے لے کر کچھ مدت بعد زیادہ روپے دینا

سوال [۹۰۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں کچھ پرائیویٹ کمپنیاں بینک کی شکل میں کچھ اسکیمیں چلاتی ہیں اور لوگوں سے کم رقم لے کر زیادہ رقم دیتی ہیں، مثلاً زید نے ہر مہینہ دوسو روپیہ چھ سال تک جمع کئے، تو زید کی جمع شدہ رقم چھ سال میں چودہ ہزار چار سو روپئے ہوئی؛ لیکن کمپنی نے زید کو اٹھائیس ہزار آٹھ سو روپئے دیئے، یعنی جمع شدہ رقم کا دوگنا اور اگر دوگنا نہیں، تو بہر حال جمع شدہ رقم سے زائد کمپنی نے زید کو ادا کئے اور اس کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ زید نے ماہانہ دوسو روپیہ کر کے چھ سال تک جمع کئے اور ابھی تین سال تک ہی جمع کئے تھے کہ زید کا انتقال ہوگیا۔ اب بھی کمپنی زید کے وارث کو اٹھائیس ہزار آٹھ سو روپیہ ادا کرے گی، تو کیا شرعاً یہ تمام صورتیں جائز ہیں؟

المستفتی: محمد انوار الحق قاسمی، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں ذکر کردہ دونوں صورتوں میں جو زائد رقم ملتی ہے، وہ بیاج اور سود ہے؛ لہٰذا وہ زید کے لئے حرام ہے۔

عن علي قال: كل قرض جر منفعة، فهو ربا. (كنز العمال الدين والسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٦/٩٩، رقم: ١٥٥١٢، جامع الأحاديث الكبير للسيوطي ٦/٤٣٨، رقم: ١٥٨٢١)

وأما ربا النسيئة: فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا على شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ، تحت تفسير رقم الآية: ٢٧٥، من سورة البقره٧/٩١، روح البيان ٢/٩٣، غرائب القرآن للنيسابوري ٢/٦٠)

وربا النسيئة هو فضل الحلول على الأجل في المطعومات والثمنية في الأثمان. (بدائع الصنائع، زكريا ٤/٤٠٧، كراچي ٥/١٨٧، تحفة الفقهاء، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۹۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۷ھ

کمپنی فینوسینل ہیلتھ کیر سروس میں شرکت

سوال [۹۰۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کمپنی فینوسینل ہیلتھ کیر سروس کے نام سے چلتی ہے، جس میں منسلک ہونے کے لیئے جسٹریشن فیس -/300 روپئے ہے، ہر ماہ ہزار روپئے بیس مہینے تک جمع کرنے ہوں گے، جب بیس ہزار روپیہ جمع ہوجائیں تو ۹؍سال بعد چالیس ہزار روپئے کمپنی دے گی۔

مزید ایک لاکھ کا انشورنش بھی ملے گا، ایک سال میں کمپنی بیس ایسے ٹوکن دے گی، جس سے متعینہ ہسپتال میں ڈاکٹرس کے یہاں علاج کروانے پر ڈاکٹری فیس معاف ہوجائے گی، ڈاکٹرس کمپنی سے فیس وصول کر لیتے ہیں، سال میں ایک مرتبہ پندرہ ہزار روپیہ میڈیکل خرچ کمپنی خود دے گی، منسلک بغیر ڈپازٹ کے کسی بڑے ہسپتال میں شریک ہوسکتا ہے، پندرہ سو روپئے زائد جمع کرنے پر قلب کے مریض کا علاج مفت ہوگا، اگر ہم ممبرس تیار کریں تو سات فیصد نفع ہم کو حاصل ہوگا۔ کیا اس کمپنی کا ممبر بننا اور اس کے لئے ممبرس تیار کرنا اور اس سے مذکورہ فوائد حاصل کرنا ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد انعام الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ کمپنی کا ممبر بننے کے بعد اس میں بیس ہزار روپئے جمع کر دیں گے، تو نو سال میں چالیس ہزار روپئے اور ایک لاکھ کا انشورنش اور دیگر منافع جو حاصل ہوں گے، یہ سب شرعاً سود ہے؛ لہٰذا اس کمپنی کا خود ممبر بننا اور دوسروں کو اس کا ممبر بنانا اور اس سے مذکورہ فوائد حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: الرِّبَا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورۃ البقرہ: ۲۷۵]

والحاصل أن الربا حرام. (شامي، كتاب الحقوق، قبيل باب الحقوق في البيع، زكريا ۷/ ٤٢٤، كراچي ٥/ ١٨٧)

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: وهم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ١٥٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ؍ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۲۶۶)

کمپنیوں کی ممبر سازی کی شرعی حیثیت

سوال [۹۰۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک تنظیمی کمپنی ہے، جس کا کام براہ راست کمپنی سے مال حاصل کر کے گاہکوں کے لئے فراہم کرنا ہے، فراہم کرنے کی شکل یہ ہے کہ جو شخص اس تنظیمی کمپنی سے چھتیس ہزار روپئے کا سامان خریدے گا، تو یہ کمپنی اس مذکورہ گاہک کو اپنا پریوار بنالیتی ہے اور پریوار بناکر اس کے ذمہ کچھ کام سپرد کر کے بہت سی سہولیات سے مالا مال کرتی ہے، مثلاً اس کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ کمپنی کا پرچار کر کے گاہکوں کو فراہم کرے، تو گاہک کے دو کام ہوئے، ایک مال شروع میں حاصل کر کے کمپنی کا ممبر بن جانا ہے۔ دوسرا کام پرچار کرنا ہے، مثلاً اگر زید نے تنظیمی کمپنی کا ممبر بن کر عمرو کو ممبر بنایا، تو زید کو صرف عمرو کے ممبر بننے سے ۵۰۰/ روپیہ ملے گا اور ایک ممبر بنانے سے تنظیمی کمپنی زید کو ترقی دیتی ہے، یعنی ایک ہزار ملنے لگتے ہیں، ایک حد تک زید کو نفع ملتا رہتا ہے۔

نیز اگر زید کے بنائے ہوئے ممبر بھی دوسرے ممبر فراہم کریں تو بھی زید کو کچھ رقم ملتی ہے، مثلاً زید نے عمرو کو ممبر بنایا، تو زید کو ۵۰۰/ روپئے حاصل ہوئے، اور اگر عمرو نے خالد کو ممبر بنادیا تو عمرو کو ۵۰۰/ روپئے ملیں گے؛ لیکن ساتھ ساتھ زید کو بھی کچھ رقم ملے گی۔

واضح رہے کہ یہ کمپنی جو اپنے گاہکوں کو ممبر بنانے اور پرچار کرنے پر روپیہ دیتی ہے، وہ روپئے ہوتے ہیں، جس کے اندر بظاہر سود و ربوا کی کوئی شکل نہیں ہوتی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ عام طور سے اصل کمپنی سے مال صوبہ کا راجیہ وکریتا حاصل کرتا ہے، مثلاً کمپنی نے ایک چیز ۵۰/ روپیہ میں تیار کی تو یہ کمپنی راجیہ وکریتا کو دس روپئے نفع لے کر کل ساٹھ روپیہ میں دیتی ہے، اور ہر سیلر دس روپیہ نفع لے کر ۸۰/ روپیہ میں دوکاندار کو دیتا ہے، اور دوکاندار دس روپیہ فی شئ کے لیتے ہیں، تو اب عام گاہکوں کے ہاتھ میں مال پہونچتے پہونچتے سو روپئے ہوجاتے ہیں؛ لیکن یہ جو تنظیمی کمپنی ہے، وہ اصل کمپنی سے ۵۰/ روپیہ میں

تیار ہوئی چیز کو ساٹھ روپیہ میں لے کر اپنے خاص گاہک یعنی پریوار کو ۷۰/روپیہ میں دیتی ہے، اب یہ جو واسطے بنے ہیں ان کے اور راجیہ وکریتا کے اور ہم سیلر وغیرہ کے پیسے بچا کر قسطوں میں یہ تنظیمی کمپنی ان ہی ممبروں میں تقسیم کردیتی ہے۔ نیز یہ جو روپیہ ممبروں کے پاس پہونچتا ہے، حکومت انکم ٹیکس بھی حاصل کرلیتی ہے، یعنی حکومت سے بھی کوئی چیز رہتی نہیں ہے، نیز یہ تنظیمی کمپنی اپنے کسی ممبر یعنی پریوار کے مرنے پر ایک لاکھ روپئے دیتی ہے اور یہ بھی وہ پیسے ہوتے ہیں جو قسطوں میں تھے، ممبروں میں ماہانہ تقسیم ہوتے ہیں، اس سے ایک ایک روپیہ بچا کر مرنے والے کو دے دیا جاتا ہے، نیز ان باتوں سے ممبر کو شروع ہی میں آگاہ کردیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک ایک روپیہ جو کاٹے جاتے ہیں وہ بھی ان کی اجازت سے۔ بہرحال رشوت ربوا، کی کوئی شکل بظاہر نظر نہیں آرہی ہے؛ لہٰذا شرعی حکم مسئلہ مذکورہ میں کیا ہے؟ جواب سے تشفی بخشیں۔

المستفتی: محمد یوسف، شریف نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس تنظیمی کمپنی کا سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے، اس طرح کی کمپنیوں کے متعلق اس سے پہلے بھی کئی سوالات آچکے ہیں اور اس کمپنی کے طریقۂ کار کو پورا سمجھنے کے بعد جوابات بھی لکھے جاچکے ہیں، اس کمپنی میں شرکت اور کمپنی سے منافع وصول کرنے کے بارے دو حیثیتیں الگ الگ ہیں۔

(۱) پہلی حیثیت تو یہ ہے کہ کمپنی سے سامان خریدنا اور پھر کمپنی کا پریوار اور ایجنٹ بننا اور پھر اس کے منافع میں سے کمپنی کو کچھ دینا اور لینا شریک کار کے لئے صرف دو بطن تک جائز ہے۔

پہلا بطن خود شریک ہونے والا، دوسرا بطن شریک ہونے کے بعد دوسروں کو ممبر بنانے کے نتیجے میں اس کو منافع میں سے ممبر سازی کی اجرت کے طور پر متعین رقم ملنا یہاں تک جائز ہے، اس کے بعد دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس شریک اور ممبر نے جن لوگوں کو ممبر

بنایا ہے، اگران لوگوں نے تیسرے ممبر کے لوگوں کوممبر بنایا ہے، اوراس ممبر سازی کے نتیجے میں کمپنی براہ راست ممبر بنانے والوں کو جومنافع دیتی ہے،یعنی دوسرے درجہ کے ممبروں کو منافع یا کچھ دینا درست نہیں ہے۔ اور نہ پہلے درجہ کے ممبروں کے لئے لینا درست ہے؛ اس لئے کہ دوسرے درجہ کے ممبروں نے جومحنت کی ہے،اس محنت میں پہلے درجہ کے ممبروں کی محنت شامل نہیں ہے؛ اس لئے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی اورسوال نامہ میں یہ بات واضح کر کے پیش کی گئی ہے کہ پہلے درجہ کے ممبروں کو دوسرے درجہ کے ممبروں کی ممبر سازی کے نتیجے میں جو کچھ ملتا ہے، وہ سود اور ربوا نہیں ہے،تو یہ بات صحیح ہے کہ وہ حقیقی سود اورربوانہیں ہے،مگر دوسرے درجہ کے ممبروں نے جوممبر سازی کی ہے،تو جوکچھ ملتا ہے وہ ان ہی کا حق ہے، پہلے درجہ کے ممبروں کا اس میں کوئی حق نہیں ہے؛اس لئے اس میں ان کا کوئی حق متعلق نہیں ہےاوران کو جوملتا ہےوہ عقودفاسدہ کےنتیجہ میں ملتا ہے جوجائزنہیں ہے۔

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه، اشرفي ۱۱۰، رقم: شرح المجلة، رستم اتحاد ۱/ ۶۲، رقم المادة: ۹۷، هندية، زكريا قديم ۲/ ۱۶۷، جديد ۲/ ۱۸۱، شامي، زكريا ۶/ ۱۰۶، كراچي ۴/ ۶۱، البحرالرائق، زكريا ۵/ ۶۸، كوئٹه ۵/ ۴۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱/ ۱۱۲، ۲۸/ ۲۶۴، ۳۷/ ۳۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۰؍شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۱۰/۳۸)	۱۱/۸/۱۴۲۷ھ

کمپنی سے دوکان کی خرید وفروخت کی ایک ناجائز شکل

سوال [۹۰۶۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کمپنی جوکہ زمین کی خریدوفروخت کا کاروبار کرتی ہے،اس کاروبار کو کرنے کے لئے پیسہ عوام سے جمع کراتی ہے اور مجھ سے کمپنی نے سات سال کے دس ہزار

روپئے جمع کرائے ہیں اور میرے نام سے دوسو اسکوائر گز زمین رجسٹری کردی ہے، سات سال کے لئے کمپنی نے معاہدہ کرایا ہے، تو اس زمین کا استعمال سات سال تک کمپنی اپنے طریقہ سے کرے گی، سات سال پورے ہونے پر میں چاہوں، تو زمین لے سکتا ہوں، کسی دوسرے شخص یا کسی اور کمپنی کو فروخت کرسکتا ہوں۔ میں چاہوں تو اس کمپنی کو ہی جس نے پیسہ جمع کرایا ہے، چوبیس ہزار چھ سو روپیہ میں فروخت کرسکتا ہوں، میں نے چوبیس ہزار چھ سو روپئے میں اس کمپنی کو ہی زمین فروخت کردی ہے، مجھے سات سال میں چودہ ہزار روپیہ کا منافع ہوا، یہ منافع میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟ شرعی جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: سلیم احمد، میر پور، موہن چک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دس ہزار روپیہ جمع کرکے آپ زمین کے خریدار بن گئے ہیں، تو یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ زمین کی مقدار کتنی ہے؟ کس شہر میں ہے؟ کس جگہ ہے؟ اگر آپ کو تمام چیزوں کی نشاندہی حاصل ہوگئی ہے اور سات سال کے بعد آپ کو وہ زمین مل گئی ہے، تو آپ اس کے مالک ہیں، چاہے اسی کمپنی کے ہاتھ فروخت کریں یا دوسرے کے ہاتھ جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے۔ اور اگر زمین کی نشاندہی مکمل طریقے سے نہیں ہوئی ہے، کس شہر میں کس علاقہ میں کس جگہ میں یہ تفصیلات آپ کو معلوم نہیں؛ بلکہ یہ سب باتیں فرضی ہیں، اس کے بعد آپ اسی کمپنی سے فروختگی کے لئے فرضی کاغذات بنا کر اسی کمپنی کو ۲۴؍ ہزار ۶؍ سو میں فروخت کرتے ہیں، تو محض یہ فرضی معاملہ ہے، اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا؛ لہٰذا دس ہزار سے جو زائد رقم اس کمپنی سے ملے گی، وہ سود اور حرام ہے، اور یہ بات محض فرضی ہے کہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرسکتے ہیں، یہ عمل کے دائرے میں نہیں ہے، ہاں البتہ اگر عملاً متعدد واقعات پیش آچکے ہیں کہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کئے جاچکے ہیں اور زمین بھی متعین ہے، تو جائز ہوسکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز فروخت کی جاتی ہے، فروخت کرنے والے کا قبضہ اس چیز پر لازم ہے اور غیر متعین شئ پر قبضہ ممکن نہیں اور نہ ہی

مقدور التسلیم ہوتی ہے اور بیع کے جائز ہونے کے لئے خود فروخت کرنے والے کا قبضہ اور مشتری کو قبضہ دینے کے لئے حوالہ پر قدرت دینا لازم ہے اور فرضی امور میں یہ معاملے نہیں پائے جاتے ہیں۔

فإن كانت كبيرة لا يجوز؛ لأنه غير مقدور التسليم. (عنايه، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، زكريا ٦/ ٣٧٦، كوئٹه ٦/ ٤٩١، دارالفكر ٦/ ٤٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۸۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۲۴ھ

ممبر شپ بنانے میں انعام کا حکم

سوال [۹۰۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک تجارتی کمپنی کا نام R.M.P. ہے، یہ کمپنی مختلف سامان فروخت کرتی ہے، مثلاً موٹر سائیکل، گھڑی، لباس، فرنیچر وغیرہ یہ کمپنی ممبر بناتی ہے، اور ہر ممبر کو ہر سامان کی فروختگی پر 500 روپئے انعام دیتی ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ مثلاً زید نے اس کمپنی سے ایک گھڑی 7000 سات ہزار روپئے کے عوض خریدی تو محض خریدنا ہی ممبری ہے، ممبری فیس علیحدگی نہیں ہے۔ اب اگر زید اس کمپنی سے کچھ آمدنی وانعام حاصل کرنا چاہے، تو دو آدمیوں کو (راشد وشاکر) کو کمپنی کا کوئی سامان خریدنے پر آمادہ کرے اگر دو آدمیوں کی تشکیل کر کے کمپنی کا دو سامان فروخت کر سکا، تو ہر سامان کے عوض زید کو -/500 روپئے انعام ملے گا؛ لہٰذا دو سامانوں کے عوض -/1000 ایک ہزار روپیہ انعام ملے گا، پھر راشد اور شاکر اگر دو دو آمیوں کو ممبر بنا کر کوئی سامان فروخت کر سکے، تو زید کا انعام -/2000 دو ہزار ہوگا اور راشد وشاکر کا ایک ہزار انعام ہوگا۔ اسی طرح انعام کا سلسلہ آٹھ واسطہ تک چلتا رہے گا، آٹھ واسطے کے بعد زید کا انعام بند ہو جائے گا۔

واضح رہے کہ اس کمپنی سے مال خریدنے کے لئے ممبر سازی شرط نہیں؛ بلکہ اختیاری ہے، انعام حاصل کرنا ہو، تو ممبر بنائے، انعام حاصل کرنا نہ ہو، تو ممبر نہ بنائے۔

اب سوال یہ ہے کہ زید وغیرہ ممبران کو جو ہر سامان کی فروختگی پر پانچ سو روپئے انعام ملتا ہے، یہ انعام لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شہید اللہ ہاوڑوی، مدرسہ شرف العلوم کیتھن، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں کمپنی کا طریقۂ کار غور سے پڑھ کر سمجھ لیا گیا ہے، اس طریقہ کار میں زید کے لئے صرف راشد اور شاکر کو سامان خرید وا کر ممبر بنانے کے عوض میں پانچ پانچ سو روپئے (کل ایک ہزار روپئے) جو ملے ہیں وہی جائز ہیں، اس کے بعد راشد اور شاکر جن لوگوں کو ممبر بنا کر انعام حاصل کریں گے، وہ راشد و شاکر کے لئے تو جائز ہے؛ لیکن اس کے نتیجے میں کمپنی کی طرف سے زید کو جو دو ہزار ملیں گے، وہ زید کے لئے جائز نہیں؛ اس لئے کہ اس میں زید کی محنت کا کوئی دخل نہیں، اسی طرح نیچے تک کسی بھی ممبر شپ کے نتیجہ میں زید کے لئے انعام درست نہیں ہے اور پہلی ممبر شپ میں جو اس کو ملا ہے، اس کو انعام نہیں کہا جا سکتا؛ بلکہ ممبر بنوانے کی اجرت ہے، جو پہلے ہی سے طے ہے، کمپنی کا یہ طریقہ کار اگرچہ بالکل ایم وے کی شکل نہیں ہے، مگر اس سے ملتی جلتی ایک اسکیم ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۲۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۴۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۳ھ

بینک سے سود لینے کے مشابہ صورت کا حکم

سوال [۹۰۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ دو شخص آپس میں یہ معاہدہ کرتے ہیں کہ محنت ایک شخص کی اور پیسہ دوسرے شخص کا، معاملات میں جہاں تک ہماری معلومات ہے، اس طرح تجارت کرنے میں دونوں فریق کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کون سا دھندہ یا تجارت کی جارہی ہے؟ اور کتنا منافع ہورہا ہے، اس میں منافع کی تقسیم فیصد کے حساب سے ہوتی ہے کہ ایک رقم کی تخصیص کی جاتی ہے، اگر تجارت میں پیسہ لگانے والے شخص کو ایک معقول رقم فکس کردی جائے، تو وہ سود ہوگا کہ نہیں؟ اس بارے میں شرعی معلومات دیجئے۔

المستفتی: محمد اسلم کرن، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تجارت کے منافع میں سرمایہ کار کیلئے ایک رقم کی تخصیص کردی جائے، تو یہ جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ ممکن ہے بالکل ہی نفع نہ ہو اور کمپنی کو نفع کے بجائے نقصان اٹھانا پڑے؛ لہٰذا یہ بھی بینک کے سود کے مشابہ ہوکر ناجائز ہوگا؛ کیونکہ شرکت کے لئے یہ ضروری ہے کہ نفع ونقصان دونوں میں ساجھے داری ہو۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۰۶)

اعلم أنهما إذا شرطا العمل عليهما، وإن تساويا مالا ونفاوتا ربحاً جاز عند علمائنا الثلاثة خلافا لزفر، والربح بينهما على ماشرطا وإن عمل أحدهما. (شامي، كتاب الشركة، مطلب في توقيت الشركة رواتيان، زكريا ٦/٤٨٤، كراچي ٤/٣١٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/٦١)

وقال الشامي: تحت قوله: والهلاک على مالكه الخ بخلاف مالو هلک بعد الخلط؛ لأنه يهلک على الشركة لعدم التميز عن الإتقان.

(شامي، كتاب الشركة، مطلب فيما يبطل الشركة، زكريا ٦/٤٨٨، كراچي ٤/٣١٥)

وفي الدر المختار: وماهلک من مال المضاربة يصرف إلى الربح؛ لأنه تبع وإن قسم الربح وبقيت المضاربة، ثم هلک المال، أو بعضه تراد الربح؛ ليأخذ المالک رأس المال وما فضل بينهما. (الدر المختار مع الشامي، كتاب المضاربة،

قبیل فصل في المتفرقات، زکریا۸/ ٤٤٥، کراچي ٥/ ٦٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۵۷)	۱۴۲۰/۵/۱۴ھ

پگڑی میں سودی رقم دینا

سوال [۹۰۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے ایک مکان میں غیر مسلم کرایہ دار آباد ہے، اب اپنا ذاتی مکان لے کر اس میں رہائش اختیار کرلی ہے، اور اس مکان میں بھینس رکھ کر دودھ کا کاروبار کرلیا، مالک مکان کو اپنے بچوں کے لئے مکان کی سخت ضرورت ہے، مالک نے غیر مسلم کرایہ دار سے مکان خالی کرنے کی بات چیت کی، کرایہ دار اس قدر کثیر رقم پگڑی کی مانگ رہا ہے، جو اصل میں سے دینا مشکل ہے، ہمارا بینک میں سود جمع ہے، بینک کا سود اور پگڑی دونوں حرام ہیں، حرام کا روپیہ غیر مسلم کرایہ دار کو حرام پگڑی میں دیا جاسکتا ہے، اگر مطلوبہ رقم کم رہ جائے تو نیت کرکے سود کی رقم میں اور دی جاسکتی ہے؟

المستفتی: محمد شفیع، تاجر عطر وتیل ۲۱۵۲/ ترکمان دروازہ، دہلی ۱۱۰۰۰۲

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے کرایہ دار کو قبضہ دیتے وقت اس طرح یکمشت رقم نہیں لی ہے، تو شرعی طور پر اب کرایہ دار سے خالی کرانے کے لئے پگڑی کے نام پر اس طرح بھاری رقم دینا آپ پر شرعی طور پر لازم نہیں ہے۔ یہ جبری رشوت کے دائرہ میں داخل ہوگا اور رشوت میں بینک سے حاصل شدہ سودی رقم دینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ مال حرام میں اصل حکم یہی ہے کہ کسی بھی عنوان سے، اصل مالک کو پہونچادیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو بلا نیت ثواب فقراء کو دیدینا واجب ہوجاتا ہے، ہاں البتہ اگر اسی کرایہ دار

سے آپ کا سودی معاملہ ہوتا ہے اور کرایہ دار پر آپ کے لئے سودی رقم لازم ہوئی، تو اس سودی رقم کو پگڑی کے نام سے اسی کرائے دار کو دینا جائز ہوسکتا تھا؛ لہٰذا بینک سے حاصل شدہ سودی رقم کرائے دار کو مکان خالی کرانے کی غرض سے پگڑی میں دینا جائز نہ ہوگا۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمة عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور قديم ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۳۲۵۱)

سودی لین دین کرنے والے بھائی کے ساتھ رہن سہن

سوال [۹۰۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ممبئی میں میں نے مدرسہ شاہی سے شائع ہونے والے رسالہ ندائے شاہی کو لیا تھا، بہت پسند آیا، اللہ تعالیٰ ترقی عطا کرے۔ آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے؛ اس لئے میں آپ کے پاس خط لکھ رہا ہوں امید ہے آپ مجھ ناکارہ کے خط کا جواب ضرور دیں گے۔ ضروری عرض یہ ہے کہ ہم دو بھائی ہیں، والد والدہ ہم لوگوں کے ساتھ ہیں، بھائی کی شادی ہوگئی ہے، میری شادی ابھی نہیں ہوئی ہے۔

1982 میں بھائی نے یہاں بیڑی کا کاروبار شروع کیا اور 1988 میں بھائی نے پرانا ٹرک لیا، ٹرک میرے نام سے ہے، ٹرک میں ایسا ہوتا ہے، مثال کے طور پر کسی نے ڈیڑھ لاکھ کا پرانا ٹرک لیا، گاڑی لینے والے کے پاس اگر ڈیڑھ لاکھ روپیہ ہے، تب تو کیش دے کر لے گا، اگر اس کے پاس پچھتر ہزار یا ایک لاکھ روپیہ ہے، اس کے بعد جتنا پیسہ اس کے پاس کم پڑ رہا ہے،

اتنا پیسہ وہ کسی فائنینسر سے بیاج پر پیسہ لے گا، اسی طرح سے ڈیڑھ لاکھ پورا کرے گا تب گاڑی اس کے نام سے ہوگی؛ جبکہ ہم لوگوں کو معلوم ہے کہ بیاج پر پیسہ لینا دینا دونوں حرام ہیں؛ حالانکہ بھائی سے میں نے کہا کہ یہ جائز نہیں ہے، تو پھر بھائی خفا ہو گئے، میں نے بھائی سے کہہ دیا کہ بھائی گاڑی لے لیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، یہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ جس سے بھائی نے گاڑی لی، اس کو کتنا پیسہ کیش دیا؟ کتنا باقی رکھا؟ اس بات کا مجھے علم نہیں ہے۔ خیر بھائی جان مجھے فائینینسر کے یہاں لئے گئے، جو بیاج پر پیسہ دیتے ہیں، وہاں مجھے ڈھیر سارے دستخط کرنے پڑے، تب فائینینسر لوگ پیسہ دیتے ہیں، پچاس ساٹھ ہزار جو بھی بھائی نے لیا، اس بات کا مجھے اچھی طرح سے دھیان نہیں ہے، پچاس ہزار لیا کہ ساٹھ ہزار۔ خیر جتنا بھی لیا ہو، اس کے بعد گاڑی میرے نام سے ہوگئی، فائنینسر لوگ بیاج کے ساتھ ہفتہ باندھ دیتے ہیں کہ اتنے دن میں آپ کو اتنا پیسہ بھرنا پڑے گا، میں کوشش کرتا ہوں کہ رزق طیب ہو، حلال رزق کھائیں، ماں باپ ساتھ ہیں، کس طرح سے حلال رزق حاصل کریں، بھائی کے ساتھ رہ کر مجھے کس طرح سے زندگی گذارنی ہے؟ شریعت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ جلد سے جلد اس کا جواب دیں۔ مجھے کس طرح سے خرچ کرنا چاہئے اور ضروریات میں شریعت میں جو حکم ہو، آپ میرے پاس خط لکھیں تاکہ میں اپنے قدموں کو جمائے رکھوں۔ اللہ کے فضل سے بیڑی کا کاروبار بھی ہے۔ جواب جلد دیجئے گا آپ کی مہربانی ہوگی۔

المستفتی: حارث احمد، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی معاملہ میں سود لینے والے، دینے والے، اس کے معاہدے لکھنے والے، اس معاملہ میں گواہ بننے والے، سب پر اللہ کے پیارے پیغمبر ﷺ نے لعنت کی ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: آکل الربوا، ومؤکلہ، وکاتبہ، وشاهدیہ، وقال: هم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آکل الربا،

ومؤكله، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨)

اورٹرک خریدنے کے لئے سود پر پیسہ لینے والے بھی لعنت میں شامل ہوں گے؛ لیکن سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو اصل معاملہ ہی کا علم نہیں ہے؛ چہ جائیکہ خود معاملہ کریں؛ اس لئے مذکورہ معاملہ میں مستحق لعنت آپ کے بھائی صاحب ہی ہوں گے۔ اور جب تک سودی پیسہ دیتے رہیں گے لعنت ہوتی رہے گی۔ اب رہا خریدے ہوئے ٹرک کا مسئلہ اور آئندہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی تو وہ سب شرعاً آپ کے بھائی صاحب کی ملکیت میں ہوگی نہ کہ آپ کی ملکیت میں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۳۶)

وبيع التلجئة: في ما ألجئ إليه الإنسان بغير اختياره وذلك أن يخاف الرجل السلطان، فيقول لآخر أني أظهر أني بعت داري منك وليس ببيع في الحقيقة وإنما هو تلجئة. (شامي، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة، زكريا ٧/٥٤٢، كراچي ٥/٢٧٣، هندية، زكريا قديم ٣/٢٠٩، جديد ٣/١٩٦، المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ٢٤/١٢٢)

نیز وہ آمدنی بھی حلال ہوگی؛ کیونکہ آپ کے بھائی صاحب نے سود لیا تھا اور نہ ہی سودی آمدنی سے ٹرک خریدا؛ بلکہ اپنی کمائی سے سود دیا ہے، جو کہ لینے والے کے حق میں حرام ہے؛ لہٰذا دینے والے کے لئے دینا حرام ہے اور لینے والے کے لئے لینا بھی حرام ہے اور حاصل شدہ سود بھی حرام ہے۔ اب اگر آپ کو اپنے بھائی صاحب کے ساتھ رہنا ہے، تو اس سودی وناجائز معاملات میں شرکت نہ فرمائیں، ورنہ لعنت میں آپ بھی شریک ہوں گے؛ البتہ جائز معاملات میں شرکت کرنا درست رہے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۳۳۸)

(۵) باب پرائیویڈنٹ فنڈ

ملازم کے لئے مالک کے واسطے سے آئی ہوئی سودی وغیر سودی رقم کا حکم

سوال [۹۰۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ادارہ کا ذمہ دار یا فرم وکارخانہ کا مالک اپنے ملازموں کی تنخواہوں سے پرائیویڈنٹ فنڈ کے نام سے ہر ماہ ایک مخصوص مقدار میں رقم کاٹتا ہے، اور اتنی ہی رقم اپنی جانب سے شامل کرتا ہے، پھر ملازموں کی تنخواہ سے ہر ماہ جمع شدہ رقم کو بینک میں جمع کردیتا ہے، اس کے نکالنے اور داخل کرنے کا اختیار ذمہ دار یا مالک کو رہتا ہے، اس کے دستخط سے نکلتی ہے اور اسی کے دستخط سے جمع ہوتی ہے، کوئی ملازم ادارہ یا فرم سے الگ ہوجاتا ہے، تو وہ ذمہ دار یا مالک جمع شدہ فنڈ اور فنڈ پر اضافہ سود ملازم کو حساب سے دیتا ہے اور ہر ملازم جانتا ہے کہ اس میں اصل رقم جو تنخواہ سے کٹی تھی وہ کتنی ہے، ادارہ یا فرم نے جو لگائی ہے وہ کتنی ہے؟

سوال طلب امر یہ ہے کہ بینک نے جو سودی رقم ہم کو مالک کے واسطہ سے دی ہے، کیا ہمارے لئے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ بینک کی دی ہوئی سودی رقم اگر ہمارا جائز حق ہے، تو کیا ادارہ یا فرم کے مالک کو اس رقم کو روک لینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: (مولانا) عبدالناصر (صاحب) مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ملازم کے لئے اصل رقم اور منجانب بینک جو اضافہ ہوا ہے، وہ دونوں حلال ہیں اور تیسری رقم جو سود میں ملی ہے، وہ حلال نہیں ہے، اس کو انکم ٹیکس، سیل ٹیکس وغیرہ کے عنوان سے سرکار کو واپس کردے اور اگر یہ نہ ہوسکے تو فقراء کو بلا نیت ثواب دیدے۔

ویجب علیه أن یرده علی مالکه إن وجد المالک وإلا ففي جمیع الصور یجب علیه أن یتصدق مثل تلک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامیة، ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، هندیة، زکریاقدیم ۵/۳۴۹، جدید ۵/۴۰۴، شامي، زکریا ۹/۵۵۳، کراچي ۶/۳۸۵، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۴/۲۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍ ۱۱؍ ۱۴۲۰ھ

ملازم کی بونس اور فنڈ کا حکم

سوال [۹۰۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر نے ۲۰؍ سال تک سرکاری ملازمت کی دوران ملازمت ہر ماہ میں اس کے ۱۰۰؍ روپئے کٹ جاتے تھے، جب وہ رٹائر ہوا، تو حکومت کٹے ہوئے روپئے میں سے فی ماہ ۲۰۰؍ روپئے کے حساب سے دینے لگی، کچھ سالوں میں اس کے روپیہ کی مقدار پوری ہوگئی، پھر بھی حکومت اس کو دیتی رہی، یہاں تک کہ یہ روپئے کٹے ہوئے روپئے سے دوگنے ہوگئے، تو زائد جو رقم مل رہی ہے، اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد، بھوجپوری، سکرہٹہ خورد، بھوجپور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ زائد رقم شرعی طور پر سود میں داخل نہیں، اس کو لے کر اپنے مصرف میں لانا شرعاً جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۴/ ۲۱۹، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۳۹۳، ایضاح النوادر ۱/ ۱۴۹، امداد الفتاوی ۳/ ۱۴۸، نظام الفتاوی ۱/ ۲۱۳)

وتستحق بإحدی معاني ثلاثة: إما بشرط التعجیل، أو بالتعجیل من غیر شرط، أو باستیفاء المعقود علیه. (هدایة، کتاب الإجارة، باب الأجر متی

یستحق، اشرفي ۳/ ۲۹٤، هندیة، زکریا قدیم ٤/ ٤۱۳، جدید ٤/ ٤٤۳، البحر الرائق، زکریا ۷/ ۵۱۱، کوئٹه ۷/ ۳۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۳۶۴)

این ایس سی و بونس کا حکم

سوال [۹۰۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک اسکول میں مدرس ہے، اور تنخواہ گورنمنٹ سے ملتی ہے، تنخواہ سال میں چار قسطوں میں ملتی ہے، ہر ایک قسط تین مہینہ کی ہوتی ہے، آخری قسط جو مارچ میں ملتی ہے، وہ پہلی تین قسطوں سے زیادہ ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہیکہ درمیان سال میں جو مہنگائی گورنمنٹ بڑھاتی ہے، وہ ساری مہنگائی اور بونس کی رقم بھی اسی قسط میں جڑی ہوئی ہوتی ہے، اس وجہ سے آخری قسط کی رقم زیادہ ہوجاتی ہے، زید کا فنڈ نہیں کٹتا اس کے لئے گورنمنٹ کچھ رقم این ایس سی (N.S.C) بناتی ہے، این ایس سی کی رقم گورنمنٹ چھ سال سے پہلے نہیں دیتی ہے، چھ سال کے گذرنے کے بعد وہ رقم دوگنا دیتی ہے ۲۰۰؍ روپیہ کی (N.S.C) بنی تو چھ سال کے بعد ۲۰۰؍ کے بجائے چھ سو روپیہ دیتی ہے۔

تنخواہ کی تفصیل	تنخواہ	مہنگائی	انیر رقم سہایتا	بونس	مجموعہ	N.S.C.	واجب الاداء
	200/-	50/-	50/-	150/-	450/-	200/-	250/-

مان لیجئے کہ زید کی کل تنخواہ -/450 روپیہ ہوئی گورنمنٹ نے پوری رقم اسکول کو بھیج دی اور یہ ہدایت کردی کہ 200 روپیہ کی .N.S.C بنا ہے، تو اسکول والے 200 روپئے کاٹ کر باقی رقم زید کو دیتے ہیں اور بعد میں 200 روپئے کی .N.S.C بنوا کر دیتے ہیں، تنخواہ کے وقت زید قبض الوصول پر یہ لکھتا ہے کہ مجھے 250 روپیہ وصول ہوئے اور بعد میں جب N.S.C ملتی ہے، تو لکھتا ہے کہ 200 کی N.S.C وصول ہوئی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح سے N.S.C بنوا کر دیں، تو آڈٹ (Audit) یعنی حساب چیک ہوتے وقت اعتراض ملتا ہے۔ واضح رہے کہ اگر اسکول کا منیجر رقم دیدے، مگر پوری رقم تبھی دے گا، جب آپ 200 روپیہ کی N.S.C بنوا کر اس کو دکھا دیں اور اس کے نمبرات لکھوادیں، پہلے لوگ پوری رقم لیتے تھے، اور این ایس سی نہیں بنواتے تھے؛ اس لئے منیجر خود گورنمنٹ کے حکم کے مطابق رقم کاٹ کر این ایس سی بنواتا ہے۔

خلاصہ: معلوم یہ ہوا کہ پوری رقم ملازم کے قبضہ میں آسکتی ہے، مگر این ایس سی بنوانا لازم اور ضروری ہے۔ مذکورہ صورت میں N.S.C کا کیا حکم ہے؟ دوگنی رقم ایک مدت کے بعد لینا درست ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں مدلل جواب ارسال فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: ودود الحیؒ، مدرسہ ضیاء العلوم، قلی بازار، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تنخواہ کے جس حصہ پر ملازم کا قبضہ نہ ہو، وہ ملازم کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا جب بعد میں بوقت قبضہ اس پر اضافہ ملے گا، وہ سود نہ ہوگا؛ بلکہ حکومت اپنے قانون کے تحت تنخواہ کے جزء پر اضافہ کر کے اپنے ملازم کو دیتی ہے، جو ملازم کے لئے حلال و پاک ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۴/۲۲۰، جدید ڈابھیل ۱۶/۳۹۴، امداد الفتاوی ۳/۱۴۸، ۳/۱۴۹، کفایت المفتی ۸/۹۳، جدید زکریا مطول ۱۱/۲۷۵، فتاوی احیاء العلوم ۱/۲۷۲)

قوله: بالتعجيل أو بشرطه، أو بالاستيفاء، أو بالتمكن يعني لا يملك الأجرة إلا بواحد من هذه الأربعة، والمراد أنه لا يستحقها المؤجر إلا بذلك.

(البحرالرائق، كتاب الإجارة، زكريا ۷/ ۵۱۱، كوئٹه ۷/ ۳۰۰، هداية، اشرفي ۳/ ۲۹۴، هندية، زكريا قديم ۴/ ۴۱۳، جديد ۳/ ۴۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ ۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ (فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۴۷۹۸)	الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/ ۵/ ۱۴۱۷ھ

بینک کے ملازم کے لئے پینشن کا پیسہ حلال ہے یا نہیں؟

سوال [٩٠٦٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو بینک کی ملازمت سے رٹائرڈ ہونے کے بعد پینشن ملتی ہے، تو اس کے لئے یہ پینشن کا پیسہ حلال ہے یا نہیں؟ اوراس کے گھر کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: سعد اللہ بھاگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اب رٹائرڈ ہونے کے بعد جو اسکو پینشن کا پیسہ مل رہا ہے، وہ بلا شبہ جائز ہے؛ اس لئے کہ پینشن حکومت کی جانب سے ایک طرح کا تعاون اورعطیہ ہے، جس کے لینے میں کوئی حرج نہیں؛ لہٰذا اس کے گھر کا کھانا بھی حلال ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ٨/٩٧، جدید زکریا مطول ١١/٢٨٠، آپ کے مسائل ٧/٣٦٩، فتاوی عثمانی ٣/٣٩٥)

اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان. قال بعضهم: يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام قال محمدؒ: وبه نأخذ مالم نعرف شيئًا حراماً بعينه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا، والضيافات، زكريا قديم٥/٣٤٢، جديد ٥/٣٩٦)

والصّدقة على الغلنيين هبة. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت٣/٤٩٨)

أن عمر بن الخطابؓ كان يعطيه العطاء ولايزكيه. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن٦/٥٢٨، رقم:١٠٥٦٩)

عن محمدؒ قال: رأيت الأمراء إذا أعطوا العطاء زكوه. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن٦/٥٢٨، رقم: ١٠٥٧٠)

وكانت الصدقة لغني استحساناً؛ لأنه قد يقصد بالصدقة على الغني الثواب. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۰۹، مصري قديم۲/ ۳٦۷، البناية، اشرفية ۱۰/ ۲۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۰۲)

حکومت کا ملازم کے بارہ سو روپئے جی آر پی فنڈ میں جمع کرلینا

سوال [۹۰۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت کے ذریعہ ہر ماہ تقریباً قریب بارہ سو روپئے جی آر پی فنڈ کے نام سے کاٹا جاتا ہے، وہ پیسہ یعنی کل رقم ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد مع سود کے دیا جائے گا، اس رقم کو لینا کیسا ہے؟

المستفتی: تفسیر احمد رشیدی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تنخواہ کا جو حصہ لازمی طور پر سرکاری قانون کے مطابق وضع کیا جاتا ہے، اور ملازمت سے علیحدگی کے وقت مزید اضافہ کے ساتھ وہ رقم واپس ملتی ہے، یہ اضافی رقم سود میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ اصل مشاہرہ کا ہی حصہ ہے؛ اس لئے کہ سود اس اضافی رقم کو کہا جاتا ہے، جو اپنے اختیار سے جمع کردہ اپنی مملوکہ رقم کی واپسی کے وقت ملتی ہے اور جی آر پی فنڈ میں ملازم اپنے اختیار سے اپنی رقم جمع نہیں کرتا؛ بلکہ تنخواہ کا ایک حصہ ملازم کی ملکیت میں آنے سے پہلے جی آر پی فنڈ کے عنوان سے روک لیا جاتا ہے؛ اس لئے یہ رقم سود کے حکم میں نہیں ہے، اسی طرح بڑے مدارس میں بھی پرائیویڈنٹ فنڈ کے نام سے کچھ پیسہ روک لیا جاتا ہے اور علیحدگی کے وقت اضافہ کے ساتھ ملتا ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ. [البقرہ: ۱۷۳]

الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أوباستيفاء المعقود عليه. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني متى تجب الأجرة وما يتعلق به من الملك وغيره، زكريا قديم ٤/ ٤١٣، جديد ٤/ ٤٤٣، اللباب ٢/ ٩٦، هداية، اشرفي ٣/ ٢٩٤، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٣٠٠، زكريا ٧/ ٥١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۱۲/ ۱۴۳۱ھ

یکمشت ملنے والے فنڈ میں سود نہیں ہوتا

سوال [۹۰۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب ملازمت کے بعد سرکاری یا غیر سرکاری ملازم کو جمع شدہ فنڈ یکمشت دستیاب ہوتا ہے، تو وہ فنڈ مکمل ملازم کی اپنی جمع شدہ رقم پر کسی گونہ اضافہ کے ساتھ ہوتا ہے، اس فاضل رقم کو اپنے اوپر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عثمان، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سرکاری یا غیر سرکاری ملازم سے جو فنڈ کاٹا جاتا ہے، وہ ملازمت ختم ہونے کے بعد جب یکمشت مل جاتا ہے، تو اصل اور اضافہ دونوں جائز اور حلال ہیں، اس میں کوئی سود نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سود نام ہے، اپنی ملکیت کا پیسہ دوسرے کو دیا جائے اور وہ پیسہ مع اضافہ کے واپس آجائے، تو اضافی رقم سود کہلاتی ہے، اور جمع فنڈ کی صورت میں فنڈ کی رقم چونکہ ملازم کے قبضہ میں نہیں آتی ہے؛ اس لئے شرعی طور پر ملازم اس کا مالک نہیں ہوتا ہے، جب آدمی اس رقم کا مالک ہی نہیں ہوا ہے، تو اس کے اوپر اضافہ شدہ اس ملازم کے حق میں سود نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس کی ملکیت کی رقم پر سود میں اضافہ نہیں

ہوا ہے، اس وجہ سے پرائیویڈنٹ فنڈ مع اضافہ کے ملازم یا ملازم کے ورثاء کے لئے جائز اور حلال ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۳۱، احسن الفتاوی ۴/۲۶۰، ایضاح المسائل ۱۰۷)

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلٰثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة فإنه يملكها، وكما يجب الأجر باستيفاء المنافع، يجب بالتمكن من استيفاء المنافع، إذا كانت الإجارة صحيحة. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني متى تجب الأجرة وما يتعلق به من الملك وغيره، زكريا قديم ٤/٤١٣، جديد ٤/٤٤٣، هداية، اشرفي ٣/٢٩٤، البحر الرائق، كوئٹه ٧/٣٠٠، زكريا ٧/٥١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۸ھ

حکومت کا اصل معاوضہ پر اضافی رقم دینا سود نہیں

سوال [۹۰۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ۱۹۸۱ء میں تھوڑی سی زمین بھینسیہ گاؤں کے نزدیک خریدی تھی تقریباً چالیس روپیہ فی میٹر کے حساب سے گورنمنٹ نے اسی زمین پر زبردستی قبضہ کرلیا اور یہ اعلان کیا کہ یہ زمین جن لوگوں نے خریدی تھی اپنے بیع نامے لے کر آجائیں اور گورنمنٹ سے اس کا معاوضہ لے لیں، اب گورنمنٹ اسی زمین کا معاوضہ پانچ سو چھپن روپیہ فی میٹر کے حساب سے دے رہی ہے؛ لیکن گورنمنٹ نے اس زمین کے معاوضے کے ساتھ سود بھی شامل کر لیا ہے، معاوضے کی تفصیل اس طرح ہے۔

زمین کا معاوضہ	200	دوسو روپیہ فی میٹر
سود	356	تین سو چھپن روپیہ فی میٹر
کل میزان	556	پانچ سو چھپن روپیہ فی میٹر

رہا زمین کی اصل قیمت کا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ کو کوئی ضرورت مند 600 سو روپئے فی میٹر بھی خرید سکتا ہے، اور جس کو ضرورت نہیں ہوگی وہ 100 سو روپئے میٹر بھی نہیں خریدے گا، گورنمنٹ اتنی بیوقوف نہیں ہے کہ وہ کم قیمت کی زمین کو پانچ سو چھپن روپیہ فی میٹر خرید لے، گورنمنٹ کو یقیناً اس میں فائدہ ہوگا، یہاں ایک بات اور واضح کردینا چاہتا ہوں کہ گورنمنٹ بغیر سود کے کوئی لین دین نہیں کرتی، جب وہ کسی کو روپیہ ادا کرتی ہے، تو سود کے ساتھ ادا کرتی ہے اور جس سے روپیہ وصول کرتی ہے، اس سے بھی سود کے ساتھ اپنا روپیہ وصول کرتی ہے، اب یہ تحریر فرمادیجئے کہ گورنمنٹ سے پانچ سو چھپن روپیہ 556 فی میٹر اس زمین کا معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں یہ روپیہ ہمارے لئے حلال ہوگا یا حرام؟

المستفتی: ایم اے خاں، فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حکومت کے قبضہ کرتے وقت آپ کے اور حکومت کے درمیان کوئی قیمت طے نہیں ہوئی تھی، اور نہ ہی حکومت نے قیمت طے کرنے کے بعد آپ کو کچھ دیا ہے اور اب 556 روپیہ فی میٹر کے حساب سے حکومت نے اس کے بعض جزء کا نام سود رکھا ہو تو وہ سود نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ شرعاً سود کی تعریف میں داخل نہیں ہے۔ نیز روپیہ اور زمین میں سود لازم آنے کی شرط بھی نہیں پائی جاتی ہے۔

وإذا عدم الوصفان الجنس والمعنى المضموم إليه حل التفاضل والنسأ لعدم العلة المحرمة، والأصل فيه الإباحة. (هداية، كتاب البيوع، باب الربا، اشرفي ۷۹/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ رمحرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۶۵)

پرائیویڈنٹ فنڈ

سوال [۹۰۷۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ نے لکھا ہے کہ گورنمنٹ سروس کرنے والے کے لئے اگر جیون بیمہ کی رقم گورنمنٹ زبردستی اس کی تنخواہ سے کاٹے تو اس جمع شدہ رقم کا سود جائز ہے، اسی طرح گورنمنٹ ہماری تنخواہ سے کم سے کم سوا آٹھ پرسینٹ پرائیویڈنٹ فنڈ کے نام پر کاٹتی ہے، تو کیا اس سوا آٹھ پرسینٹ پر جو سود ملے گا، وہ جائز ہوگا؟

(۲) کچھ لوگ اس وجہ سے کہ انکم ٹیکس نہ لگ جائے اپنا پرائیویڈنٹ فنڈ زیادہ کٹوانے لگتے ہیں اور کچھ لوگ پرائیویڈنٹ فنڈ؛ اس لئے زیادہ کٹواتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ ان کی رقم جمع ہوجائے تاکہ رٹائرمنٹ ہونے پر وہ کام آئے؟

(۳) یا اس لئے زیاہ سے زیادہ کٹواتے ہیں کہ اگر نوکری کے درمیان اچانک بیماری کی وجہ سے پیسوں کی ضرورت پڑجائے یا کوئی خوشی کرنا پڑجائے، تو ضرورت کے حساب سے پیسہ نکال سکیں اور یہ بات بھی مدنظر رہے کہ اپنے فنڈ میں سے نکالے گئے پیسے پر سود جمع نہیں کرنا پڑتا ہے اور نہ ہی اس نکالی گئی رقم پر ہمیں سود ملے گا، ایسی صورت میں اگر سوا آٹھ پرسینٹ سے زیادہ ہم فنڈ کٹوائیں تو رٹائرمنٹ پر جو یک مشت رقم پر سود لگ کر ہمیں ملے گا، کیا وہ جائز ہوگا؟

المستفتی: محمد عمیر قاسمی، ہاپوڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) پرائیویڈنٹ فنڈ میں کاٹی ہوئی رقم پر جو اضافہ ملتا ہے، وہ شرعی طور پر سود نہیں ہے، وہ حلال ہے؛ اس لئے کہ فنڈ میں جو رقم تنخواہ سے کاٹ لی جاتی ہے، اس پر ملازم کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس میں ملازم کی حقیقی ملکیت

کا ثبوت نہیں ہوتا ہے اور شریعت میں سود اس کو کہا جاتا ہے، جو حقیقی ملکیت کی چیز پر اضافہ ملتا ہے، اس کی وضاحت اس ناکارہ کی کتاب ایضاح المسائل ۱۰۷ پر موجود ہے۔ نیز ایضاح النوادر ۲/۳۱ میں بھی ہے۔

(۲) اس طرح ٹیکس کی بچت کے لئے ازخود فنڈ کٹوانا تو جائز ہے، مگر اس پر جو اضافہ ملے گا وہ سود ہوگا، اس کا بلانیت ثواب صدقہ کردینا لازم ہوگا۔ نیز انکم ٹیکس میں دینا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۰۰)

(۳) اس طرح جمع کرانا اور وصول کرنا جائز ہے؛ لیکن اگر جمع کرنے کے بعد نکالنے کی ضرورت نہ پڑے اور رٹائرمنٹ کے وقت اس پر اضافہ مل جائے، تو وہ بھی سود کے حکم میں ہے، اس کو اپنے تصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ بلانیت ثواب فقراء کو دیدے یا انکم ٹیکس وغیرہ میں دیدے۔

فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور قديم ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية ۱/۳۵۹، تحت الرقم الحديث: ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۶۹۶)	۶/۱/۱۴۱۴ھ

پرائیویڈنٹ فنڈ کا حکم

سوال [۹۰۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماہ رواں کے ندائے شاہی میں مفتی صاحب نے انشورنس کے بارے میں مفصل اور مدلل مضمون شریعت کی روشنی میں قلمبند فرما کر عوام کو روشناس فرمایا۔ **جزاک الله خير الجزاء.**

اس میں ایک شکل سرکاری ملازمین کو درپیش ہے، براہ کرم اس کے بارے میں بھی مفتی صاحب موصوف سے درخواست ہے کہ شرعی حکم سے مطلع فرما کر مشکور وممنون فرمائیں۔

سرکاری ملازمین کی تنخواہ سے ہر ماہ زبردستی سرکار ایک رقم انشورنس کے نام سے وضع کرلیتی ہے، جو رٹائر ہونے کے بعد کل رقم مع سود واپس مل سکے گی، انتقال کی صورت میں (رٹائرمنٹ سے قبل) ملازم کے ورثاء کو ایک مقررہ رقم ادا کی جاتی ہے، تنخواہ سے رقم ملازم کی تنخواہ کے اسکیل کے اعتبار سے وضع کی جاتی ہے، اور اسی کے اعتبار سے انتقال کی صورت میں معاوضہ کی رقم کا تعین ہوتا ہے۔

المستفتی: زاہد عمر، کلیر شریف، ہریدوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری ملازم اگر اپنی مرضی سے کسی انشورنس کمپنی میں حصہ لے کر تنخواہ میں سے کٹوا کر انشورنس کمپنی میں داخل نہیں کرتا ہے؛ بلکہ حکومت اپنی مرضی سے تنخواہ سے کاٹ کر انشورنس کمپنی میں داخل کردیتی ہے، اور بعد میں انشورنس کمپنی حکومت کی طرف سے مع اضافہ کے ملازم یا اس کے ورثاء کو دیدیتی ہے، تو اس میں سود کی شکل لازم نہیں آتی ہے اور یہ فنڈ کاٹنے کے حکم میں ہوگا؛ اس لئے کہ سود اس کو کہا جاتا ہے، کہ انسان اپنی ملکیت میں آئی ہوئی رقم جمع کردے اور پھر مع اضافہ کے پوری رقم مل جائے اور ملکیت میں داخل ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے اور یہاں ملازم کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے تنخواہ سے کٹی ہوئی رقم ملازم کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی؛ اس لئے اضافہ شدہ رقم کو انعام ہی میں شمار کیا گیا ہے، اس وجہ سے وہ رقم حلال اور جائز ہے سود نہیں۔

(مستفاد: جواہر الفقہ ۱/۳۸۵، جدید زکریا ۳/۲۷۶، امداد الفتاوی ۲/۴۴، احسن الفتاوی ۴/۲۶۰، فتاوی احیاء العلوم ۱/۲۳۷، ایضاح المسائل ۱۰۷)

وتستحق بإحدى معاني ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل من غير شرط، أو باستيفاء المعقود عليه. (هداية، كتاب الإجارة، باب الأجر متى

یستحق، اشرفي ۳/ ۲۹٤، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤١٣، جديد ٤/ ٤٤٣، البحر الرائق، کوئٹه ۷/ ۳۰۰، زکریا ۷/ ٥١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۲۸۵۲)

پرائیویڈنٹ فنڈ کی شرعی حیثیت

سوال [۹۰۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عام مدارس میں پرائیویڈنٹ فنڈ کے نام سے جو فنڈ جمع ہوتا ہے، وہ شرعاً درست ہے یا نہیں اور اس کا مقصد کیا ہے؟

(۲) پرائیویڈنٹ فنڈ میں جو رقم مدرسہ داخل کرتا ہے، وہ مدرس وملازم کا حق ہے اور اس کا مالک مدرس وملازم ہے یا مدرسہ؟

(۳) مدرس کو درمیان ملازمت اگر کسی ضرورت کی بنا پر مثلاً تعمیر مکان دوا علاج یا شادی وغیرہ کی ضرورت پیش آجائے تو کیا ایسی صورت میں مدرس وملازم اپنے پرائیویڈنٹ فنڈ سے رقم لے سکتا ہے یا نہیں؟ مدارس کا کیا تعامل ہے؟ بالخصوص آپ کے ادارہ کا نظام کیا ہے؟

المستفتی: اساتذہ جامعہ روضۃ العلوم، ٹانڈہ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱/۲) مدارس کے اصول وضوابط منصوص نہیں؛ بلکہ عرف اور شرائط پر مبنی ہیں؛ لہٰذا **المسلمون عند شروطهم**. (صحیح البخاري، کتاب الإجارة، باب أجر السمسرة، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۳) کے تحت جن جن شرائط کے ساتھ ادارے کے قوانین بنائے گئے ہیں، ان کی پابندی لازم ہوتی ہے اور پرائیویڈنٹ فنڈ کا مسئلہ بھی عرف اور شرائط پر موقوف ہے، ان میں جن جن شرائط

وقیودات کی پابندی لازم کی گئی ہے، ان کی پابندی بھی ضروری ہے؛ لہٰذا قبضہ کرنے سے قبل مدرس فنڈ کا مستحق تو ہوتا ہے، مگر مالک نہیں ہوتا اور مالک نہ ہونے ہی کی وجہ سے جو رقم اس پر منجانب مدرسہ اضافہ کی جاتی ہے وہ حلال ہے اگر قبل القبض مالک ہوتا تو اضافہ شدہ جائز نہ ہوتا اور پرائیویڈنٹ فنڈ کا اصل مقصد کیا ہے، وہ تو ذمہ داران صحیح بتلا سکتے ہیں، شاید اس کا مقصد یہ بھی ہو کہ جب مدرس یا ملازم وفات پائے یا رٹائر ہو جائے، تو اس کے ورثاء کو یا اس کو کمزوری کی حالت میں کچھ رقم نقد اکٹھا مل جائے گی۔

نیز درمیان ملازمت میں ضابطہ کے مطابق کچھ رقم قرضہ فنڈ کے نام سے بھی لے سکتے ہیں۔

(۳) درمیان ملازمت اگر علاج معالجہ یا کسی اور غرض سے لینا چاہے، تو لینے کا جو ضابطہ ادراہ نے بنا رکھا ہے، اسی کی پابندی کے ساتھ لے سکتا ہے، ہمارے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ دو ثلث تک لے سکتے ہیں، پھر ایک خاص مقدار میں تنخواہ میں سے کاٹی جاتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍ ۴۶۲۵)	۲۲؍۱؍۱۴۱۷ھ

پرائیویڈنٹ فنڈ میں زائد رقم کی حلت

سوال [۹۰۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری ملازمین کو ڈاکخانہ اور بینک میں اپنے اکاؤنٹ رکھنے پڑتے ہیں، دوران ملازمت مختلف فنڈوں میں ماہانہ تنخواہ میں سے لازمی طور پر کافی روپیہ کاٹ کر جمع کئے جاتے ہیں، بیمہ کمپنی کی معرفت بھی روپئے جمع کرنے پڑتے ہیں، ان سب میں اصل رقم کے

علاوہ ماہانہ یا سالانہ کچھ فیصدی زائد رقم ملتی ہے، جسے انٹرسٹ اور بونس کہتے ہیں، اس زائد رقم کو اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ملازمت سے سبکدوش ہونے پر سرکاری ملازمین کو اس سے جمع شدہ مختلف فنڈوں اور گریجوٹی وغیرہ ملا کر کافی رقم یکمشت مل جاتی ہے، جس میں سے اچھی خاصی رقم مثلاً پچیس ہزار روپئے اگر ڈاکخانہ میں مقررہ مدت کے لئے جمع کرادیا جائے، تو اس کے عوض میں رٹائرمنٹ ملازم کو مبلغ ڈھائی سو روپیہ ماہوار اس کی ماہانہ پینشن کے علاوہ مستقل طور پر ملتے رہیں گے، جو ملازم کی ماہانہ پینشن کی رقم ناکافی ہونے کی صورت میں مزید تقویت کے باعث ہوسکتے ہیں اور اصل رقم محفوظ رہتی ہے، اس طرح اپنی اصل رقم کو محفوظ رکھتے ہوئے یہ ماہانہ مزید رقم وصول کر کے اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے جلد از جلد نوازیں عنداللہ وعندالرسول ماجور ہوں۔

المستفتی: شمس الدین انصاری، صفدر منزل، سبزی بازار، جورا، رتلام (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو رقم تنخواہ میں سے کٹ کر فنڈوں میں جمع ہوجاتی ہے، اس پر جو زائد رقم ملتی ہے، وہ سود نہیں ہے، وہ سرکار کی طرف سے عطیہ وانعام ہے، یہی حکم بونس کا ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱۴۷/۵، جدید زکریا ۲۷۱/۹، نظام الفتاوی ۲۱۳/۱، امداد الفتاوی ۱۴۹/۳)

اور جو رقم ڈاکخانہ یا بینک یا بیمہ کمپنی میں جمع کردی جائے، اس پر زائد رقم سود ہے، اس کا استعمال حرام ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲۶۰/۴، فتاوی رحیمیہ قدیم ۱۹۰/۳، جدید زکریا ۲۷۲/۹)

اور جو رقم ملازمت سے سبکدوش ہونے پر بنام پنشن ملتی ہے وہ حرام نہیں ہے اور جو رقم از خود فنڈ یا ڈاکخانہ میں مقررہ طور پر جمع کرتا رہا، اس پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود ہے

اس کا استعمال حرام ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۴۷۱، فتاوی رحیمیہ قدیم ۳/۱۹۰، جدید زکریا ۹/۲۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۴۹۵/۲۵)

ملازم کا اختیاری پرائیویڈنٹ فنڈ کٹوانا

سوال [۹۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی سرکاری ملازم ہے، سرکاری ملازم کا ماہ بماہ جو P.F. کٹتا ہے، اوراس پر سرکار اپنی طرف سے جو رقم بڑھا کر دیتی ہے، وہ سود نہیں ہے چونکہ سود کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی؛ لیکن ملازم جبری P.F کے علاوہ اختیاری بھی کٹواتا ہے جو اس کے حق میں مفید ہوتا ہے اوراس پر سرکار اپنی طرف سے جو رقم بڑھا کر دیتی ہے وہ بقول حضرات علمائے کرام وارباب افتاء کے سود کے حکم میں ہے، سود کے نام سے جمع ہونے والی رقم بینک میں علیحدہ نہیں ہوتی؛ بلکہ فقط کاغذ پر ہی اس کا حساب وکتاب رہتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ملازم کے اختیاری کٹوتی میں بڑھنے والی رقم جو سود کے حکم میں ہے، وہ اگر فی الفور اپنی جیب سے حساب لگا کر مصرف سود میں دے تو کیا اس کی گنجائش ہے؟ اور وہ جو سرکار نے بڑھائی ہے، وہ اس کے اکاؤنٹ میں جمع ہوجائے، اور اس کو حلال تصور کیا جائے، تو شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: نثار احمد، کلا، خادم دارالافتاء دارالعلوم گودھرا (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پرائیویڈنٹ فنڈ کے نام سے سرکار جو رقم کاٹتی ہے، اور پھر ملازمت کے اختتام پر دوگنے اضافہ کے ساتھ وہ رقم ملتی ہے، تو ملازم کے لئے اصل

اوراضافہ سب حلال ہے؛ اس لئے کہ یہ سود کی تعریف میں داخل نہیں ہے؛ لیکن ملازم جورقم اپنے اختیار سے سود حاصل کرنے کی غرض سے اس فنڈ میں جمع کرتا ہے، تو اصل رقم پر اضافہ شدہ رقم سود کی تعریف شامل ہوجاتی ہے؛ اس لئے اصل رقم پر جو اضافہ ہوا ہے، وہ ملازم کے لئے سود کے دائرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور پھر اگر اس رقم کی وصولی سے یا سود کھاتہ سے اندراج ختم کرنے سے پہلے جیب خاص سے سودی رقم کی نیت سے غریبوں کو دیدے یا انکم ٹیکس میں دیدے، تو ایسا ہے جیسا کہ ذبح شدہ بکرے کا گوشت دوسروں کو دیدیا ہے اور اس کے عوض اپنے لئے مردار کا گوشت لے لیا ہے؛ لہٰذا جیب خاص سے حلال پیسہ سود کی نیت سے پہلے دیدینے سے ملنے والا سود حلال نہیں ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۵۹)

قوله: الحرام ينتقل أي تنتقل حرمته وإن تداولته الأيدي وتبدلت الأملاك. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعيين الدراهم في العقد الفاسد، زكريا ۷/ ۳۰۰، كراچي ۵/ ۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍ ۷۹۷۰)

دستور مدرسہ کے خلاف پرائیویڈنٹ فنڈ وصول کرنا

سوال [۹۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک دینی مدرسہ ہے، اس میں ملازمین و مدرسین صاحبان کو علاوہ تنخواہ (ماہانہ مشاہرہ) کے راحت کے طور پر فنڈ بھی دیا جاتا ہے، جتنا مدرسہ پرائیویڈنٹ فنڈ کے نام سے دیتا ہے، اتنا ہی مدرس وملازم کی تنخواہ سے وضع کرکے کل جمع کرلیا جاتا ہے، مدرسہ کے دستور میں بطور شرط یہ دفعہ ہے کہ جاری ملازمت کے دوران دس سال کے اندر اندر فنڈ نکالنے کا حق نہ ہوگا، اگر دس سال سے قبل کوئی صاحب اپنا فنڈ واپس لینا چاہیں تو کیا ان کو تنخواہ سے

وضع شدہ اور مدرسہ سے جمع شدہ کل فنڈ ادا کیا جائے؟

(۲) یا ملازم کی تنخواہ سے وضع شدہ فنڈ واپس کر دینا بھی صحیح ہوگا؟

(۳) اگر کوئی ملازم دستور مدرسہ کی شرط کے خلاف کل فنڈ وصول کرنا چاہتا ہے، تو اس کا یہ فعل کیسا ہے؟ جواب سے نواز کر مہربانی فرمائیں۔

المستفتی: محمد فاروق، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارس اسلامیہ کے اکثر اصول عرف پر مبنی ہیں، نصوص پر نہیں؛ لہٰذا جو اصول عرف اور رواج کے مطابق ہیں، اس میں عرف کی رعایت کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ شریعت نے مسلمانوں کے عرف کا بھی بڑا لحاظ رکھا ہے اور پرائیویڈنٹ فنڈ کا ضابطہ بھی عرف ہی کے مطابق ہے، اور اس میں جن جن شرطوں کو مشروط قرار دیا گیا ہے، ان کی رعایت بھی ملازمین پر لازم ہے؛ لہٰذا دستور مدرسہ کے خلاف فنڈ وصول کرنے کا حق بھی کسی ملازم کو نہ ہوگا۔

الثابت بالعرف کالثابت بالنص. (قواعد الفقہ، اشرفي ۷۴، رقم: ۱۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۴۵۹۶)

ملازم کے جمع شدہ فنڈ پر جو زائد رقم ملے اس پر اشکال وجواب

سوال [۹۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگست ۱۹۹۱ء کے رسالہ ندائے شاہی میں آپ نے فنڈ کے بیاج کو عطیہ گورنمنٹ بتا کر جائز قرار دیا ہے، میرے ناقص خیال میں یہ فتوی فنڈ کی صحیح صورت حال نہ

معلوم ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے، اور صورت حال آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں امید ہے کہ اس پر نظر ثانی فرمالیں گے۔

(۱) بعض محکموں میں پینشن نہیں دی جاتی ہے، فنڈ کاٹ کر گورنمنٹ اپنے حساب سے جمع کرتی رہتی ہے اور رٹائر ہونے والے ملازم کو پوری رقم جو اس کے فنڈ کی ہے اور جو گورنمنٹ نے اپنی طرف سے جمع کی ہے دیدی جاتی ہے؛ لیکن رقم جو گورنمنٹ کے پاس جمع رہتی ہے، اس پر بھی سود دیا جاتا ہے، جیسے روڈ ویز کے ملازموں کی پینشن نہیں ہے، ان کے لئے یہ صورت ہے۔

(۲) اور جن محکموں میں پینشن ہوتی ہے، اور اس میں فنڈ کاٹا جاتا ہے، اس میں گورنمنٹ اپنی طرف سے کچھ جمع نہیں کرتی ہے؛ بلکہ جو جمع ہوتا ہے، اس پر سالانہ سود دیا جاتا ہے۔ ہر ملازم کے پاس سالانہ ایک چھپا ہوا فارم ہوتا ہے، اسے بھر کر بھیج دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۱۹۸۹ء میں ایک ملازم کا فنڈ سال بھر کا 600 روپئے ہوا، تو اس کا فارم بھر کر یوں آئے گا ۱۹۸۹ء میں 600 جمع ہوئے 25/00 سود کل رقم 625۔

۱۹۹۰ء میں جو فارم بھر کر روانہ کیا جاوے گا وہ یوں ہوگا، سابق رقم 625/00 اس سال جمع کی رقم 600/00 سود 50/00 کل رقم 1275۔

۱۹۹۱ء کے فارم 1275/00 اس کے سابق 600/00 اس سال کے سود 75/00 کل رقم 1950/00۔ امید کہ آپ اس پر غور فرمالیں، جو میری سمجھ میں آیا تحریر کر دیا ہے، آگے آپ مفتی ہیں۔

المستفتی: عبدالجلیل، محلہ ولی پورہ، بسی کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت والا کی یاددہانی اور سرکاری ضابطوں پر آگاہی کا بہت بہت شکریہ، رسالہ ندائے شاہی میں حضرت والا کی نظر سے فنڈ کے متعلق

جوفتویٰ گذرا ہے، وہ ان تمام سرکاری ضابطوں پرغور کرنے کے بعد لکھا گیا ہے، جوحضرت والا نے تحریرفرمایا ہے، شریعت اسلامی میں سود اور بیاج کے ثبوت کے لئے یہ شرط ہے کہ آدمی اپنی ملکیت کی رقم جمع کردے، پھر اس کے بدلہ میں رأس المال مع اضافہ سود کے واپس مل جائے، تو زائد رقم شرعاً سود میں داخل ہوتی ہے، اور اگر اپنی ملکیت کی کوئی رقم جمع نہیں کی ہے، اور ملکیت کی رقم جمع کئے بغیر اگر زائد رقم ملتی ہے، تو وہ شرعاً سود نہیں ہوا کرتی ہے اور سرکاری ملازمین اور کسی کمپنی کے ملازمین قبضہ کرنے سے قبل اپنی تنخواہوں کے مالک نہیں ہوا کرتے ہیں؛ لہٰذا قبضہ سے قبل تنخواہوں پر یا اس کے کسی جزء پر جو زائد کیا جاتا ہے، وہ شرعاً سود میں داخل نہیں ہوا کرتا ہے؛ اس لئے فنڈ کی زائد رقم پر سود کا وہم وشبہ نہ کرنا چاہئے۔

نیز اسی وجہ سے اکابر علماء واہل فتاوی نے اس کو جائز لکھا ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۲۱۹/۴، جدید ڈابھیل ۳۹۳/۱۶، کفایت المفتی ۲۸۹/۴، جدید مطول ۲۷۵/۱۱)

دارالعلوم دیوبند اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی اور دیگر بڑے بڑے مدارس میں بھی فنڈ کا سلسلہ جاری رکھا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹/ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵۵۲/۲۷)	۱۴۱۲/۲/۱۹ھ

پینشن کی اصل رقم لینا جائز اور اضافی لینا حرام ہے

سوال [۹۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے ایک بھائی مشترکہ سکنائی مکان کی مرمت تقسیم و متعلقہ عدالتی کارروائیوں کے سلسلہ میں جو خرچہ میری طرف سے ہوتا رہا اکثر وبیشتر مواقع پر مجھ کو یہ تسلی دیدیا کرتے تھے کہ آپ خرچ کردیجئے حساب ہوجائے گا، کبھی انہوں نے حساب کرکے دینے کی تکلیف نہیں کی، میں اپنی حماقت سے ہمیشہ ان کے قول پر اعتماد کرکے زیر بار ہوتا رہا،

اچانک سوتے ہوئے ان کا انتقال ہوگیا، ان کے بینک کھاتہ میں کچھ رقم ان کی پینشن کی نکلی اور کچھ اس رقم پر بینک کی طرف سے سود کی ہے، میرا جو مطالبہ ان کی طرف نکلتا ہے، کھاتے میں کل رقم سے بہت زیادہ ہے، میں نے عدالت سے ان کے کھاتے کی رقم حاصل کرنے کی اجازت حاصل کرلی ہے، کیا میں اپنے واجبات کے پیش نظر ان کے کھاتے کی کل رقم مع سود اپنے استعمال میں لاسکتا ہوں یا صرف خالص پینشن والا سرمایہ ہی اپنے صرف میں لایا جاسکتا ہے بقیہ غرباء ومساکین پر صرف کرنا ہوگا؟

المستفتی: تلخیص احمد قاضی ٹولہ، بیلداران، مرادآباد

التنقیح: (۱) جس بھائی کے بارے میں آپ نے لکھا ہے کہ ان کی طرف سے عدالتی کارروائی کرتے رہے، ان کے ورثاء میں کون کون ہے، ان کی تفصیل کیا ہے؟

(۲) کیا ان کے ورثاء میں سے ہر ایک نے آپ کو اجازت دیدی ہے، یا کس سے اجازت لی ہے؟ تفصیل تحریر کریں۔

(۳) کسی جان کار کو دارالافتاء بھیج دیں۔ تفصیلات کرکے استفتاء مرتب کرلیا جائے گا۔

کلیم اللہ غفرلہ

جواب تنقیح: (۱) وہ لاولد تھے، بیوی کی پہلے ہی وفات ہوچکی تھی، ایک بہن اور میں ایک بھائی ہی وارث ہیں، بہن میرے حق میں دستبرداری عدالت میں داخل کرچکی ہے۔

(۲) کوئی دیگر وارث یا دعویدار نہیں ہے۔

تلخیص احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تنقیح کی وضاحت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مرنے والا لاولد تھا، اور اس کی بیوی کا انتقال اس سے پہلے ہوگیا تھا، اس کے ورثاء میں صرف ایک حقیقی بھائی جو خود مستفتی ہے اور ایک حقیقی بہن ہے، تو ایسی صورت میں مرحوم کے وارث یہی دونوں بھائی بہن ہیں۔ اور سوال نامہ کے مطابق رہائشی مکان میں سائل نے مرحوم کی

اجازت سے خرچ کیا ہے کہ بعد میں جتنا خرچ ہو جائے، اس کا حساب لگا کر مجریٰ کرلیا جائے گا؛ لیکن مجریٰ کرنے سے پہلے مرحوم کا انتقال ہو گیا ہے، تو ایسی صورت میں اس کا جو ترکہ ہوتا ہے، اس ترکہ میں سے مجریٰ کرنے کی گنجائش ہے اور سود والا پیسہ نکال کر غریبوں میں صدقہ کردینا ضروری ہے اور جو مکان دادا الٰہی ہے، وہ تین حصوں میں تقسیم ہوکر بھائی کے لئے دو حصے اور بہن کے لئے ایک حصہ ہوگا۔

قد صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة (إلى قوله) ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، هندية، زكرياقديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، شامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، الموسوعة الفقهية الكوتية ۳۴/ ۲۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۰۲۸)

گاڑی کے انشورنس اور پرائیویڈنٹ فنڈ کا حکم

سوال [۹۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاڑی انشورنس کے سلسلے میں چند جزئیات، فقہی دلائل کی روشنی میں حل طلب ہیں۔

(۱) گاڑی کا انشورنس اگر جبری ہو اور ہر مہینہ قسط جمع کرنا ہو، تو اگر گاڑی کے نقصان کی تلافی کے لئے پبلک انشورنس کمپنی یا نیم سرکاری کمپنی جمع کی ہوئی رقم سے زائد رقم دے، تو اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کمپنی روپیہ نہیں دیتی ہے؛ بلکہ گاڑی ٹھیک کرادیتی ہے، جس میں جمع کردہ رقم سے زائد خرچ آتا ہے، تو یہ صورت جواز کی ہے یا نہیں؟

(۳) اگر ڈرائیور کے کسی عضو کو نقصان پہونچ جائے، یا مرجائے، تو اب انشورنس کمپنی جمع شدہ رقم سے زیادہ رقم دیتی ہے، تو اب ڈرائیور یا ڈرائیور کے وارثین اس زائد رقم کو لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کی دو صورت ہوسکتی ہیں۔

(الف) انشورنس کمپنی کے فارم پر ضمانت کی بات درج نہ ہو۔

(ب) کمپنی کے فارم پر ضمانت کی بات درج ہو، اب جو رقم کیس کرنے کے بعد ملتی ہے، اس کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) اگر میعاد پوری ہونے کے بعد مالک گاڑی کو زائد رقم دے، اس کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) سرکار تنخواہ کی پوری مقدار ملازم کو دیتی ہے اور پھر جبراً پرائیویڈنٹ فنڈ کے لئے جمع کرتی ہے، تو اس فنڈ میں جمع شدہ رقم سے زائد رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) کوئی جبر نہیں مگر پھر بھی ملازم پرائیویڈنٹ فنڈ میں رقم جمع کرتا ہے، تو اب جو زائد رقم سرکار کی طرف سے ملے، تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمیر قاسمی ہاپوڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) گاڑی کے انشورنس میں پبلک انشورنس کمپنی یا نیم سرکاری کمپنی رقم نہیں دیتی ہے؛ بلکہ وہ نقصان کی تلافی کرتی ہے، چاہے وہ جمع کی ہوئی رقم سے زائد ہو یا کم اس کا لینا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۵۰۹، ایضاح النوادر ۱/۱۴۳)

(۳) یہ لائف انشورنس ہی کی ایک قسم ہے، جو درحقیقت سودی معاملہ ہے؛ اس لئے جائز نہیں ہے۔ (فتاوی رحیمیہ قدیم ۲/۲۰۰، جدید زکریا ۹/۲۷۳، ایضاح النوادر ۱/۱۴۳)

(۴) میعاد پوری ہونے کے بعد اگر گاڑی صحیح وسالم رہتی ہے، تو جمع کی ہوئی رقم واپس نہیں ملتی ہے اور نہ ہی اس رقم پر زائد ملتی ہے، اس بارے میں صحیح معلومات آپ کو فراہم نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۴۳)

(۵) پرائیویڈنٹ فنڈ میں سے جو تنخواہ جبراً کاٹ کر جمع کیجاتی ہے، ملازم تنخواہ کے اس حصہ کا مالک نہیں ہوتا؛ اس لئے بعد میں اس پر اضافہ کے ساتھ ملازم کو جو ملتا ہے وہ جائز ہے سود نہیں ہے؛ اس لئے کہ سود اس کو کہا جاتا ہے، جو اپنی ملکیت کی جمع شدہ رقم پر زائد ملتی ہے، وہی سود ہوتا ہے، یہاں اپنی ملکیت کی کوئی رقم جمع نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے پرائیویڈنٹ فنڈ کا پیسہ جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱۴۷/۵، جدید زکریا ۲۷۱/۹، ایضاح النوادر ۱/۱۳۸)

(٦) اگر یہ بات صحیح ہے کہ پرائیویڈنٹ فنڈ پر جمع کرنا لازم نہیں قرار دیا ہے؛ بلکہ ملازم اپنی تنخواہ پوری حاصل کرنے پر قادر ہے، پھر بھی بخوشی تنخواہ کا کچھ حصہ پرائیویڈنٹ فنڈ کے نام میں کٹوا دیتا ہے، گویا کہ وہ حصہ اس کی ملکیت ہے، اس پر جو زائد رقم ملے گی وہ سود کہلائے گا۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱۴۷/۵، جدید زکریا ۲۷۳/۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۰۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۱۷ھ

(۶) بیمہ کے احکام

ایل آئی سی ایجنٹ بننا

سوال [۹۰۸۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایل آئی سی ایجنٹ بننا چاہتا ہوں، کیا یہ میرے لئے جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر سعید اکبر بارہ دری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایل آئی سی کمپنی میں سودی کاروبار ہوتا ہے؛ اس لئے اس کمپنی کا ایجنٹ بننا ازروئے شرع درست نہیں۔

عن عليؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وشاهديه، وكاتبه، ومانع الصدقة. (مسند أحمد بن حنبل ۱/۱۲۱، رقم: ۹۸۰، مشكاة ۲۴٦)

ومن هنا ظهر أن التوظف في البنوك الربوية لايجوز، فإن كان عمل الموظف في البنك ما يعين على الربا، كالكتابة، أو الحساب، فذلك حرام لوجهين: الأول: إعانة على المعصية، والثاني: أخذ الأجرة من المال الحرام. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة، والمزارعة، باب لعن آكل الربا، و مؤكله، اشرفية ۱/۶۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۰۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۷/۵ھ

جیون بیمہ کی کمپنی میں ملازمت کرنا

سوال [۹۰۸۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کمپنی ساڑھے پانچ سال کے لئے روپئے جمع کراتی ہے، گاہک کورقم اپنی سہولت کے اعتبار سے ماہانہ سہ ماہی، ششماہی، سالانہ کی قسطوں میں ادا کرنی ہوتی ہے، کمپنی اس رقم سے تجارت کرتی ہے، مارکیٹ میں لارنگ کے مسالے اورکئی طرح کی چیزیں تیارکرکے ایجنٹوں کے ذریعہ بیچتی ہے۔اورگاہک کے نام پررقم کی مناسبت سے زمین خریدتی ہے، جس کی رجسٹری کچھ مدت گذرجانے پرڈاک کے ذریعہ گاہک کے گھرآجاتی ہے تاکہ گاہک کو اطمینان آجائے کہ میراپیسہ کام میں لگ گیا، کمپنی اس زمین میں ساڑھے پانچ سال کے لئے پیڑپودے لگاتی ہے اوردرمیان میں اس زمیں سے فصل بھی لیتی ہے ساڑھے پانچ سال کی مدت پوری ہوجانے پر چاہے گاہک اپنی زمین لے لے، جہاں کمپنی نے خریدی یا کہ اس زمین کی قیمت اورنفع لے لے، گاہک کو پوراحق حاصل ہے،اگراس مدت میں گاہک کسی حادثہ کاشکارہوجاتا ہے،جس سے اس کاایک ہاتھ یا دونوں ٹانگیں یادونوں ہاتھ جاتے رہیں، تو ساڑھے پانچ سال میں جمع ہونے والی رقم کا ڈیڑھ گنا کا آدھامل جائے گااوراگرموت واقع ہوگئی،تو ساڑھے پانچ سال میں جمع ہونے والی کل رقم کا ڈیڑھ گنا اورجتنی قسطیں جمع ہوئی ہیں وہ مل جائیں گی اور کھاتہ بندکردیاجائے گا۔ مثلاً ۲۵۰۰۰/ روپیہ کا ڈیڑھ گنا ۳۷۵۰۰/روپیہ ہوا، کمپنی میں شامل ہرایک آدمی کا بیمہ دوماہ پورے ہوجانے کے بعد وجود میں آتا ہے۔دوماہ سے قبل حادثہ ہونے پرکمپنی کی طرف سے بیمہ کی رقم جوزائد ہوتی ہے نہیں ملے گی۔ ۲۵۰۰۰/ ہزار کی اسکیم پر مدت پوری ہوجانے پرکمپنی کی طرف سے گاہک کو ۴۰۳۰۰/روپیہ کا ڈرافٹ مل جائے گا۔ مدت پوری ہونے پر ملنے والی رقم متعین نہیں گھٹ بڑھ سکتی ہے، مثلاً اگر گاہک قسطوں کے درمیان میں جمع کرنا بندکردے،تو چونکہ گاہک نے

قسطوں کو درمیان میں روک دیا، تو کمپنی اس کا منافع بھی کاٹ دے گی ، گاہک کو کمپنی کے قوانین کے مطابق چلنا لازمی ہے،قوانین سے ہٹ کر چلنے پر گاہک کو نقصان بھی ہوسکتا ہے۔ کمپنی ایجنٹوں کے ذریعہ رقم جمع کرواتی ہے،جمع ہونے والی رقم کا ۱۵ر روپیہ اصل رقم سے اسی وقت کاٹ کر کمیشن رسید بھر کر باقی ماندہ رقم ایجنٹ کمپنی میں جمع کرا دیتا ہے، اس کمپنی میں ایجنٹ کو بھی ایک کھاتہ کھولنا ضروری ہے تاکہ کھاتہ نمبر پر اس کو کمیشن مل سکے، یہ سلسلہ یکے بعد دیگرے ۱۲ر لوگوں تک عہدوں کے اعتبار سے چلتا ہے۔ ۱۱ر لوگوں کا کمیشن ایجنٹ سے بہت کم ہوتا ہے جوکہ وہیں کٹ کر ان کے کھاتہ میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور مہینہ پورا ہونے پر واؤچر کے روپ میں ان کو دیدیا جاتا ہے۔ کیا ان صورتوں میں کمپنی میں رقم جمع کرنا یا اس کمپنی میں رقم رکھوانا یا اس کمپنی میں کام کرنا درست ہے؟

المستفتی: عظیم الدین قاسمی، پختہ سرائے ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال کے ہر پہلو پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ مذکورہ کمپنی کا کاروبار جیون بیمہ سے متعلق ہے اور اس کی جو شکلیں سوال نامہ میں لکھی گئی ہیں، ان کے ہر پہلو پر بھی اچھی طرح غور کیا گیا ہے کہ یہ شرعی طور پر سود اور ربو کے دائرہ میں داخل ہے، جو قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔

قال اللّٰہ تعالی: يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرۡبِى الصَّدَقَاتِ. [البقرہ:۲۷۶]

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اتَّقُوۡا اللّٰهَ وَذَرُوۡا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبَا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُؤۡمِنِيۡنَ ○ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَأۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ. [البقرہ: ۲۸۷-۲۷۸]

نیز حضور ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے، سودی حساب وکتاب کرنے والے، سودی معاہدہ لکھنے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوا،

ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، باب في آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ٤٧٣، دارالسلام رقم: ٣٣٣٣، سنن الترمذي، باب ماجاء في آكل الربا، النسخة الهندية ١/ ٢٢٩، دارالسلام رقم: ١٢٠٦، مشكاة ١/ ١٤٤)

لہٰذا اس کمپنی میں رقم جمع کرنا، کرانا اور اس میں کام کرنا سب ممنوع اور ناجائز ہے۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۱۳۳، احسن الفتاوی ۷/ ۲۴، جواہر الفقہ ۲/ ۱۸۱، جدید زکریا ۴/ ۵۲۴، کفایت المفتی ۸/ ۷۶، جدید مطول ۱۱/ ۲۷۰، محمودیہ ۶/ ۳۰۸، رحیمیہ ۲/ ۲۰۰، جدید ۹/ ۲۶۴، امداد الفتاوی ۳/ ۱۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۸۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

جیون بیمہ اور انشورنس کمپنی میں کام کرنے کا حکم

سوال [۹۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان کے لئے زندگی کی بیمہ پالیسی خریدنے کے تعلق اور اس پر ملنے والے کمیشن کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایک مسلمان کا بطور انشورنس ایجنٹ کا کام کرنا اور پھر بطور اجرت اس پر ملنے والے کمیشن کو ذریعہ آمدنی بنانا اس طرح کی کمائی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر عشرت جاوید انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیون بیمہ کرانا قطعی طور پر ناجائز اور حرام ہے، اس کے لئے اسلامی شریعت میں کسی طرح کی کوئی وجہ جواز کی نہیں ہے اور اس کے بدلے میں

ملنے والی زائد رقم جس کو آپ نے کمیشن کہا ہے، وہ سود ہونے کی وجہ سے مال حرام ہے اور یہ زمانہ جاہلیت کے سود کے مشابہ ہے؛ لہٰذا اس کا لینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۳۳-۱/۱۳۴، امداد الفتاوی ۳/۱۶۱، فتاوی رحیمیہ ۲/۲۰۰، محمودیہ ۶/۳۰۸، کفایت المفتی ۸/۷۶-۸۴، جدید مطول ۱۱/۲۵۶، جواہر الفقہ ۲/۱۸۱، احسن الفتاوی ۷/۲۴، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/۲۵۶)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا - يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِى الصَّدَقَاتِ. [البقرة: ٢٧٥-٢٧٦]

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم: ١٥٩٨، سنن النسائي، الزنية والموتمشات، النسخة الهندية ٢/٢٣٨، دارالسلام رقم: ٥١٠٨، مشكاة شريف ١/٢٤٤)

(۲) بطور ایجنٹ انشورنس کا کام کرنا اور اس پر کمیشن لینا یہ سودی کاروبار ہے کسی صورت میں جائز نہیں ہے؛ لہٰذا اس کو ذریعہ معاش بنانا ناجائز اور حرام ہے۔ قرآن کریم اور احادیث میں اس کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۲۷، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/۲۵۸)

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِى الصَّدَقَاتِ ط يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ. [البقرة: ٢٧٧-٢٧٨]

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم: ١٥٩٨، سنن ابن ماجه، التجارات، التغليظ في الربا، النسخة الهندية ٢/١٦٥، داراسلام رقم: ٢٧٧، مشكاة شريف ١/٢٤٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۳/۶۷۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۶/۱۴۲۱ھ

جیون بیمہ کمپنی کا ایجنٹ بننا

سوال [۹۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں سرکاری اور پرائیویٹ کمپنیاں مثلاً ایل آئی سی، پرلس اورسہارا وغیرہ بچت اسکیمیں چلاتی ہیں اور انشورنس یعنی بیمہ وغیرہ بھی کرتی ہیں، جن کا طریقہ کارمثال کے طور پر یہ ہے کہ کمپنی کے ایجنٹ کے ذریعہ زید کے پچاس ہزار روپیہ (50000) کا کھاتہ ساڑھے پانچ سال کی مدت کے لئے کھولا جاتا ہے،زید قسطوار ہر سال نو ہزارایک سوروپیہ جمع کرتا ہے،ساڑھے پانچ سال مدت پوری ہونے پر یہ اصل رقم ۵۰۰۰۰/روپیہ ہوجاتی ہے۔اب اس اصل رقم کے ساتھ تیس ہزار منافع ملاکر کل ۸۰/ ہزار روپیہ کی رقم کمپنی کی طرف سے زید کو دی جاتی ہے۔

نیز کمپنی کی طرف سے اس اسکیم پر بیمہ بھی چلتا ہے،اگر اتفاقاً مدت اسکیم کے دوران زید کی حادثاتی موت ہوجاتی ہے،تو ۵۷/ہزار بیمہ کی رقم بھی کمپنی کی طرف سے زید کو دی جاتی ہے، تو کیا ہندوستان کے موجودہ ماحول میں؛ جبکہ مسلمانوں کے جان و مال محفوظ نہیں ہیں، اس طرح کی اسکیموں میں شامل ہونا جائز ہے؟ اگر ہے تو کیا اصل رقم کے ساتھ اضافہ شدہ رقم زید اپنے ذاتی استعمال میں لاسکتا ہے یانہیں؟ اگر نہیں تو پھر اسکے مصارف کیا ہیں؟

نیز کمپنی کی طرف سے اس ایجنٹ کو جس نے زید کا پچاس ہزار کا کھاتہ کھولا ہے ۱۲/ فیصد محنتانہ حاصل کرنا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: حکیم ایم ایچ صابر، جوہر کلینک، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روپئے جمع کرنے کی پالیسی مکمل ہونے کے بعد پچاس ہزار روپئے پر تیس ہزار روپئے جو منافع ملے گا وہ شرعی طور پر صریح سود میں داخل ہے؛

اس لئے تیس ہزار روپئے ناجائز اور حرام ہیں۔

نیز چونکہ یہ معاملہ صاف طور پر سودی معاملہ ہے؛ اس لئے اس کا ایجنٹ بننا بھی قطعاً جائز نہیں ہے۔ اور حدیث شریف میں سود کھانے والے، سود دینے والے، اور اس کے بیچ میں پڑکر اس کو لکھنے والے اور اس معاملہ میں گواہ بننے والے سب پر لعنت آئی ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨)

لہٰذا اگر کسی نے ایسا معاملہ کرلیا ہے، تو اس اصل رقم پر جو زائد ملی ہے، اس کو واپس کمپنی کو دیدینا چاہئے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، شامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۴۷۲/۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱/۲۷ھ

تکافل کی شرعی حیثیت

سوال [۹۰۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مشہور کمپنی ''بجاج الائنز'' (BAJAJ ALLIANZ) اپنے زیر اہتمام اس میں ملازمت کرنے والے بعض مسلمانوں کی گذارش پر مختلف عربی وغیر عربی ملکوں میں چلنے والے ''تکافل انشورنس'' جو بتصریح مذکورہ افراد، اسلامی اصولوں اور شرعی ضوابط پر مبنی ایک انشورنس پالیسی وکمپنی ہے، جس کی ایک فائل بزبان انگریزی (جو ملیشیا میں چلائے جانے والے اس کاروبار پر مشتمل ہے، ہمارے پاس ۱۵۰ رصفحات پر مشتمل موجود ہے) کے طرز پر ہندوستان میں اسلامی اصولوں پر مبنی ایک تکافل انشورنس شروع کرنا چاہتی ہے، اور اس کارروائی کو انہی مسلمان ملازموں کے حوالے کیا ہے؛ لہٰذا یہ لوگ اس کو یہاں کے قانون کے تحت اس طرح ڈھالنا چاہتے ہیں کہ شرعی قوانین کی بھی رعایت ہو، جب یہ مسئلہ ہمارے سامنے لایا گیا، تو ہم لوگوں نے غور کر کے کافی محنت کے بعد ان کی پالیسی کو سمجھا؛ چونکہ انہوں نے کوئی مرتب میاٹر نہیں دیا تھا؛ بلکہ ایک منتشر مواد تھا، پھر ان کی دی گئی تصریحات کو مدنظر رکھ کر ایک سوال نامہ مرتب کیا گیا اور یہی طے پایا کہ ہندوستان بھر کے بڑے بڑے مدارس کے ارباب افتاء سے اس سلسلہ میں فتاوی طلب کئے جائیں، اس کے بعد ہی انہیں کوئی تفصیلی جواب فراہم کیا جائے؛ چنانچہ مختصر تفصیلات کے ساتھ آپ حضرات مفتیان کرام کی خدمت میں سوال نامہ ارسال کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ جلد غور فرما کر جواب شافی ووافی ومدلل سے نوازیں گے۔ نیز یہ بھی گذارش ہے کہ اگر کوئی شق ایسی ہو، جس کی شرع شریف میں کوئی گنجائش نہ پاتے ہوں، تو براہ کرم اس کے نعم البدل اور اس کے تغیر کی راہ بھی بتادیں۔

نوٹ: اصل سوال نامہ سے قبل اس کمپنی کی کچھ تفصیلات پیش خدمت ہے۔

نمبر ۱ بنیادی مقصد: متوفی کے عیال کو مالی ومادی تحفظ ونفع پہونچانا،

حصہ داروں اور شرکاء اسکیم (پالیسی ہولڈرس) کی باہمی رضا مندی سے۔

نمبر ۲ طریقہ کار: (۱) ہر پالیسی ہولڈر سے سالانہ (یا سہ ماہی جیسی قسط طے ہو) ایک معتدبہ رقم وصول کی جاتی ہے، ایک مدت مقررہ تک، پھر اس کو چند معینہ شرائط کے ساتھ کمپنی تجارت میں لگاتی ہے اور بطریق مضاربت پالیسی ہولڈرس کو نفع نقصان میں شریک کرتی ہے، یعنی کمپنی اور پالیسی ہولڈر کے درمیان ۵۰% (پچاس پچاس فیصد) تقسیم ہوگا۔

(۲) اس سالانہ یا سہ ماہی وصول کی جانے والی رقم (جس کو پریمیم کہتے ہیں) میں سے کوئی ۵۰% فیصد رقم الگ کر لی جاتی ہے، اس کو کمپنی چند اخراجات میں خرچ کر کے بقایا زائد از ۳% رفیصد رقم کو آپریٹیو فنڈ (جس کو امدادی فنڈ بھی کہتے ہیں) میں محفوظ رکھ لی جاتی ہے، عنقریب اس فنڈ کا استعمال سامنے آئے گا۔ بقیہ ۹۵% رفیصد پریمیم تجارت میں لگائی جاتی ہے۔

نمبر ۳ فوائد: (۱) **سم اشورڈ:** پالیسی ہولڈر یا گاہک مختلف میعاد کے لئے پالیسی لیتا ہے، مثلاً دس سالہ، بیس سالہ، تیس سالہ وغیرہ، ان میعادوں کی پریمیم بھی الگ الگ ہوتی ہے، مثلاً سالانہ دس ہزار روپئے، یا پندرہ ہزار روپئے وغیرہ۔ اہم فائدہ یہ ہے کہ ان پالیسی ہولڈرس کے لئے ایک تیقنی رقم کا وعدہ کیا جاتا ہے، جس کو ''سم اشورڈ'' کہتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً دس سال کے لئے جس نے پالیسی لی وہ اگر سالانہ دس ہزار روپئے بھر رہا ہے، تو اس کی دس سالہ میعاد پوری ہوگی یا نہیں۔ ہوگی تو دو صورتیں ہیں۔ اگر میعاد پوری ہوگئی، تو اس کی جمع کردہ رقم ایک لاکھ ہو جائے گی، اب اس شخص کو ایک لاکھ روپئے مع اس پر حاصل شدہ دس سالہ منافع یا نقصان ہر حال میں واپس کر دئے جائیں گے؛ لیکن اگر میعاد پوری ہونے سے قبل ۹ رسال یا اس سے کم میں مرگیا، تو اس کو پورے ایک لاکھ روپئے دیئے جائیں گے اور جمع کردہ رقم سے زائد ایک خطیر رقم متوفی کے عیال داروں کو دی جائے گی اور جن کو دی جائے گی وہ شرعی وارثت کی تقسیم کے لحاظ سے وارثین کو دی جاتی ہے، نہ کہ نامزد وارث کو۔

کمپنی والوں کا کہنا ہے کہ جو زائد رقم کمپنی نے ڈالی ہے وہ ہر گاہک سے وصول کردہ ۵% رفیصد میں سے دی جاتی ہے اور یہی وہ امداد ہے، جس کا کمپنی نے تمام گاہکوں کے ساتھ ان کی رضامندی سے معاہدہ کیا ہے۔

دوسرا فائدہ: حج بینیفٹ کا ہے، اس کے لئے علیحدہ رقم جمع کی جائے گی اور اس کو مکمل کاروبار میں لگایا جائے گا اور ایسی جگہ اس کو لگانے کی کوشش ہوگی جہاں نفع ہی نفع ہو، نقصان نہ ہو، اگر نقصان ہو بھی تو بالکل کم ہو، پھر معینہ شرائط کے ساتھ اس کو پالیسی ہولڈر کو حج کے لئے دی جائے گی۔

نمبر ٤ شرائط و ضوابط: (۱) پالیسی حاصل کرنے کے لئے داخلہ کی عمر کم از کم صفر (یعنی نومولود بچہ) اور زیادہ سے زیادہ عمر ۶۰ رسال کی ہو، قبل از ولادت اور ۶۰ر سال کے بعد پالیسی نہیں دی جائے گی اور پالیسی جاری رہنے کی آخری عمر ۷۰ رسال ہے۔

(۲) حکومت ہند کے قانون کے تحت گاہک کو ''سم اشورڈ'' کی کم از کم سطح ضرور لینی ہوگی اور کم از کم سطح یہاں کے قانون کے حساب سے پہلی پریمیم کا پانچ گنا ہے، یعنی سالانہ دس ہزار بھر رہا ہے، تو سم اشورڈ کم از کم ۵۰۰۰۰ ر روپئے ہوگا اور زیادہ سے زیادہ سطح مدت پالیسی کے بقدر یعنی اگر پالیسی بیس سال کے لئے لی ہے، تو ۲۰ رگنا، تیس سال کے لئے لی ہے، تو ۳۰ رگنا لینے کی اجازت ہوگی اور کمپنی کی طرف سے صرف چالیس سال تک کے لئے پالیسی لینے کی اجازت ہے، اس سے زیادہ کے لئے نہیں دی جائے گی۔ چالیس سال مکمل ہونے پر بہر حال پالیسی ختم کرنا ہوگا۔

نوٹ: سم اشورڈ کو'' ڈیتھ بینیفٹ بھی کہتے ہیں۔

(۳) ڈیتھ بینیفٹ ملنے کے بعد چند شرائط ہیں:

(۱) کم از کم عمر ۸ رسال کی ہو (پھر بحث ہونے پر پندرہ سال تک بڑھادی گئی) اس سے کم عمر والا لڑکا مرنے پر اس کو ڈیتھ بینیفٹ نہیں ملے گا؛ کیونکہ اس عمر کو رسک فیکٹر سمجھا گیا ہے۔

یعنی اس عمر کا لڑکا والدین کے کام آنے کا متوقع ہے (اور اس کے مرنے سے والدین کا ظاہری سہارا گویا ٹوٹ گیا) اس سے کم عمر والے سے ایسی توقع کم ہے۔ (اس عمر سے علماء کو اتفاق نہ ہو، تو اس عمر کو تبدیل کیا جا سکتا ہے)۔

(۲) سالانہ پریمیم اگر دو سال سے کم میں بند کردی اور اس کے بعد پریمیم کا سلسلہ جاری نہیں رکھا، پھر دو چار سال کے بعد انتقال ہو گیا، تو ''ڈیتھ بینیفٹ نہیں ملے گا؛ کیونکہ دو سال مکمل پریمیم نہ جاری رکھنے پر پالیسی ختم ہو جاتی ہے۔

(۳) اگر دو سال مسلسل پریمیم بھر کر پھر بند کر دیا، تو پالیسی ختم نہیں ہوتی، جاری رہتی ہے۔ اب چند سال بعد مر گیا، تو ''ڈیتھ بینیفٹ'' ملے گا۔

(۴) ڈیتھ بینیفٹ ملنے کے لئے یہ شرط ہے کہ پالیسی جاری رہے۔

(۵) پالیسی لینے کے ایک دن بعد بھی مر گیا تو بھی ڈیتھ بینیفٹ ملے گا؛ کیونکہ پالیسی جاری رہتی ہے۔

(٦) دو سال مسلسل پالیسی جاری رکھنے کے بعد بند کردے، تو پالیسی اس وقت تک جاری رہتی ہے، جب تک کہ پالیسی ہولڈر کے کھاتے میں ادنیٰ رقم باقی رہے؛ اس لئے کہ جب تک پالیسی جاری رہتی ہے، اس وقت تک جمع کردہ رقم سے ہر ماہ/ہر سال'' کو آپر ٹیو فنڈ'' یعنی امدادی فنڈ کے لئے معینہ رقم نکالی جاتی رہی گی، خواہ پریمیم بھر رہا ہو یا نہ بھر رہا ہو۔ پھر ادنیٰ رقم باقی رہنے تک کسی بھی وقت بقایا پریمیمس (قسطیں) ادا کر کے پالیسی جاری رکھ کر ڈیتھ بینیفٹ حاصل کر سکتا ہے۔

(۷) دو سال مسلسل پریمیم نہ بھرنے کی صورت میں جب پالیسی ختم ہو کر ڈیتھ بینیفٹ سے محرومی ہوتی ہے، تو اس صورت میں اصل جمع کردہ رقم ضبط نہیں ہوتی؛ بلکہ اپنے نقصانات کی تلافی کر کے بقیہ رقم پالیسی ہولڈر کے حوالے کر دے گی، مگر فوراً نہیں بلکہ کچھ تاخیر سے۔

نمبر ۵ تکافل انشورنس کمپنی کے ذرائع کسب: تکافل کمپنی

اپنے گاہکوں سے وصول کردہ رقوم کو شیئرز میں تبدیل کر کے ایسی کمپنیوں اور اداروں میں لگاتی ہے جہاں کے کاروبار سودی نہ ہوں۔ حرام اشیاء کی فروخت نہ ہوتی ہو اور غیر شرعی طریقہ کار کم سے کم ہو، پھر اس سرمایہ کاری سے حاصل شدہ منافع، تکافل کمپنی اور اس کے شرکاء کے درمیان نصف نصف بانٹے جائیں گے اور یہ منافع پالیسی ہولڈر کے حساب میں جمع ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ ذیل کے شرائط انہوں نے مقرر کئے ہیں:

(۱) پالیسی ہولڈرس سے اکٹھا کی گئی رقم ایسے کاروبار میں ہی لگائی جائے گی جس کی اسلامی قانون اجازت دے گا۔

(۲) ایسے اداروں میں تجارت کے لئے نہیں دی جائے گی جہاں شراب، جوا، سود، خنزیر کا گوشت وغیرہ حرام اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

(۳) جتنی رقم بھی کاروبار میں لگانا ہے، اس کے یونٹس (یعنی شیئرز) خریدے جائیں گے، مثلاً دس روپئے کا ایک یونٹ تو ایک لاکھ روپئے کے دس ہزار یونٹ ہوئے

(۴) یہ یونٹ کھلے بازار میں فروخت نہیں کئے جائیں گے۔

(۵) بیمہ کی ساری رقم یونٹ میں نہیں دی جاتی؛ بلکہ ایک بڑی رقم لگائی جائے گی بقیہ محفوظ رکھی جاتی ہے۔

(۶) بیمہ کمپنی اس یونٹ کی مالک ہوگی، گاہک اس کا مالک نہیں ہوتا کہ جب چاہے اس کو فروخت کر سکے۔

یہ تمام تفصیلات اصل سوال نامہ سے قبل پیش خدمت کر دینا ضروری تھا۔ اب اصل سوال نامہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے، جس کو انشورنس پالیسی (L.I.C) اور تکافل اسلامک انشورنس کمپنی کے مابین موازنہ کر کے مرتب کیا گیا ہے تاکہ جواب میں سہولت ہو۔

(۱) الف (L.I.C) بیمہ کمپنی اپنے شریک اور گاہک کو ایک معینہ مدت کے بعد اس کی جمع کردہ رقم اس کو یا اس کے پسماندگان کو واپس کرتی ہے، ساتھ ہی ایک خطیر رقم

بطور سود دیتی ہے، جس کو وہ بونس (منافع) قرار دیتی ہے، علماء نے اس کو سود کہا ہے، چاہے نام بدل جائے۔

(ب) تکافل پالیسی میں جمع کردہ رقم کے ساتھ جو رقم مستزاد دی جاتی ہے، وہ بطریق مضاربت حاصل شدہ منافع تنصیفاً بین الشریک وبین کمپنی دیئے جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ صورت اور انشورنس پالیسی کے عدم جواز کی مذکورہ صورت دونوں ایک ہیں اگر ہیں تو کیسے اگر نہیں ہیں تو تکافل کا کیا حکم ہے؟

(۲) (الف) بیمہ کمپنی میں یہ صورت ہے کہ بیمہ شدہ شخص یا بیمہ شدہ شئ وقت معینہ موہومہ سے پہلے تلف ہو جائے، تو اتنی رقم ملے گی اور اس کے بعد تلف ہو، تو اتنی رقم ملے گی؛ جبکہ تلف ہونے کا وقت نامعلوم ہو، علمائے کرام نے اس کو یہ کہہ کر قمار کی حدود میں داخل فرمایا ہے کہ حوادث کا حال معلوم نہیں واقع ہوں گے یا نہیں؟ یا کب اور کیسے؟ ایسی مبہم ونامعلوم چیز پر نفع ونقصان کو معلق کرنے کا نام ہی قمار ہے۔

(ب) تکافل انشورنس پالیسی میں بیمہ شدہ شخص وقت موہومہ سے پہلے انتقال کر جائے، تو تیقنی رقم (یعنی سم اشورڈ) دی جائے گی۔ اور اگر متوقع وقت پر یا بعد میں مرے تو جمع کردہ رقم مع اس کے منافع یا نقصان کے دی جائے گی۔ اتنی بات ضرور ہے کہ پہلی صورت (وقت متوقعہ سے پہلے مرے) میں تیقنی رقم یا جمع کردہ رقم مع منافع ونقصان میں سے جونسی زیادہ ہو، وہ دی جائے گی۔ اور دوسری صورت میں صرف جمع کردہ رقم مع منافع یا نقصان دی جائے گی۔

سوال یہ ہے کہ (۱) کیا سم اشورڈ یعنی ایک گیارنٹی رقم کا وعدہ کرنا (جبکہ یہ بطور تعاون کے ہو، گاہکوں کی رضامندی سے نہ کہ بطور سود کے) شرعاً درست ہے یا نہیں؟ حوالہ جات کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) تکافل کی جو صورت یہاں ذکر کی گئی، کیا یہ بھی قمار کی حدود میں داخل ہو کر حرام

قرار دی جائے گی؟ اگر ہاں تو اصلاح کی کیا صورت ہوگی؟

(۳) (الف) انشورنس کمپنی میں یہ اصول وقانون ہے کہ جو شخص کچھ قسطیں) تین سال سے پہلے) بیمہ پالیسی کی جمع کر کے باقی قسطیں بند کر دے تو اس کی جمع کردہ رقم سوخت ہو جاتی ہے۔ علمائے دین نے اس کو ناجائز فرمایا ہے۔

(ب) تکافل میں دو سال مسلسل پریمیم نہ بھرے، تو پالیسی ختم ہو جائے گی اور اسکے مرنے پر اس کو ڈیتھ بینیفٹ نہیں ملے گا؛ لیکن اس کی جمع کردہ رقم سوخت نہیں ہوگی؛ بلکہ کمپنی اپنے نقصانات کی تلاقی کر کے بقیہ رقم پالیسی ہولڈر کو لوٹا دے گی۔

سوال یہ ہے کہ تکافل کے مذکورہ طریقہ کار اور الف میں ذکر کردہ انشورنس کی صورت میں کیا فرق ہے؟ کیا تکافل کی اس صورت پر الف میں مذکورہ شرعی حکم لگایا جائے گا؟ اگر ہاں تو تکافل کی کس شق کو بدل کر اس حکم شرعی سے بچا جاسکتا ہے؟

(۴) (الف) انشورنس کمپنی کی جانب سے دیئے جانے والے سود کو کمپنی امداد باہمی قرار دے کر جائز سمجھتی ہے۔ علمائے امت نے اس کے تبرع واحسان اور امداد باہمی ہونے سے انکار فرماتے ہوئے ذیل کی وجوہات بیان فرمائی ہیں:

(۱) تبرع اور احسان پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، یہاں (L.I.C) میں عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ جبراً وصول کیا جاتا ہے۔

(۲) کمپنی کو براہ راست کسی غریب مصیبت زدہ سے کوئی ہمدردی نہیں ہے کہ وہ اس مد میں کچھ خرچ کرے؛ بلکہ وہ ایک تجارت ہے، جو اس نظریہ پر قائم ہے کہ عادۃ حوادث کا اوسط بہت کم رہتا ہے اور کمائی کا اوسط زیادہ۔

(۳) بیمہ کو امداد باہمی کہنا ایک دھوکہ ہے؛ بلکہ بیمہ اور سٹہ سے آنے والی نحوست کو پوری قوم پر ڈالنے کا ایک خوبصورت حیلہ ہے۔

(۴) جو نقصان خالص ایک ذات پر پڑنے والا تھا، اس کو بیمہ کے ذریعہ پوری قوم

کے سرڈال دیا اور نقصان سے بچنے کے لئے سٹہ کا بازار گرم کیا، جب ذرا نقصان ہوا، تو اپنی بلا دوسرے کے سرڈال کر خود کو نقصان سے بچا کر بے باق ہوگیا، اس کو بڑی ہوشیاری سے باہمی امداد کا عنوان دیا گیا۔

(ب) تکافل میں جو رقم اصل رقم سے زائد حاصل ہوتی ہے وہ بطریق مضاربت حاصل شدہ منافع ہوتے ہیں، جس کو اسلامی اصول (یعنی نفع ونقصان میں شرکت) پر مبنی کیا گیا ہے، رہا معاملہ سم اشورڈ (ڈیتھ بینیفٹ) کا جو مدت مقررہ سے پہلے مرنے پر دیا جاتا ہے، تو وہ امداد باہمی کے طور پر دیا جاتا ہے، جس کے لئے ایک خاص فیصد ہر گاہک کے پریمیم سے کاٹا جاتا ہے اور اس کو امدادی فنڈ میں رکھا جاتا ہے، جس کی تمام گاہکوں سے ابتدا میں ہی رضامندی لے لی جاتی ہے۔ اور یہ معمولی فیصد ہوتا ہے، جس کے لئے رضامندی میں تامل نہیں ہوتا۔

اب سوال یہ ہے کہ: (۱) انشورنس میں ملنے والے سود کو امداد باہمی نہ مان کر علماء کرام نے جن وجوہ سے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، کیا وہ وجوہات تکافل کے مذکورہ نظام میں بھی پائی جاتی ہیں؟

(۲) کیا ان وجوہات سے اس کو بھی ناجائز کہا جائے گا؟ یا جواز کی کوئی ایسی وجہ اس میں پائی جاتی ہے، جس کو ترجیح دی جاسکتی ہے؟

(۳) اگر بدستور اس میں بھی وجوہ عدم جواز پائی جاتی ہیں، تو ان کی نشاندہی فرمائیں اور ان کے ازالہ کی صورت اور متبادل طریقہ کو واضح فرمائیں تاکہ اس نظام تکافل کو اسلامی اصولوں پر ڈھالنے میں آسانی ہو۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکافل کی حقیقت اور سوال نامہ پر بار بار غور کر کے دیکھا گیا تکافل وانشورنس پر جو تقابلی سوال کئے گئے ہیں، ان کو بھی تقابلی انداز سے دیکھا گیا بین الاقوامی تاجروں کی ایک خصوصی میٹنگ بلا کر ان کے سامنے پوری تحریر بار بار پڑھ کر

سنائی گئی اور پوری طرح حقیقت حال سے روشناس ہونے کی کوشش کی گئی آخر کار نتیجہ یہی نکلا کہ لائف انشورنس کی بہت سی قسمیں ہیں، تکافل اسکیم لائف انشورنس کے اقسام میں سے کسی نہ کسی قسم سے مل جاتی ہے؛ البتہ کہیں کہیں حیثیت اور نوعیت میں معمولی معمولی فرق بھی ہے اوراس معمولی فرق کی وجہ سے تکافل کی شکل سود اور قمار سے بالکلیہ پاک ہوکر جواز کے دائرہ میں کسی طرح داخل نہیں ہوتی ہے، کئی روز تک بار بار سائل کی تحریر پر غور کیا گیا ہے، جیسا کہ سائل نے تکافل اسکیم کو مضاربت میں شامل ہونے پر کافی زور دیا ہے، اس پر بھی بار بار غور کیا گیا ہے، مگر مضاربت کی تمام شرطیں تکافل اسکیم میں پائی نہیں جاتی ہیں؛ اس لئے تکافل اسکیم لائف انشونس کی ایک قسم ہے، جس میں کہیں قمار کی شکل ہوتی ہے اور کہیں سود کی شکل پائی جاتی ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں ذکر کردہ تکافل اسکیم مضاربت یا شرکت کے دائرہ میں داخل نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے اوراس کے عدم جواز کے اکثر دلائل وہی ہیں جو لائف انشورنس کے عدم جواز پر ہوتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۶۱۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۱/۱۴۲۵ھ

جیون بیمہ

سوال [۹۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ادھر چند سالوں سے فرقہ پرست عناصر نے پورے ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف جو زہر پھیلا دیا ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، اسلام دشمن تمام تنظیمیں اس بات پر متحد ہو چکی ہیں کہ ملک میں نہ کوئی مسلمان باقی رہے، اور نہ مسلمانوں کا تذکرہ اس مقصد کے لئے منظّم طور پر مسلمانوں کی عزت وآبرو اور جان و مال کو نقصان پہنچایا جاتا ہے،

مسلمان عام طور پر اپنی جان و مال دوکان اور تجارت کے تحفظ کے لئے پریشان ہیں، ان حالات کے پیش نظر درج ذیل مسائل میں شرعی رہنمائی فرمائیں۔

(۱) ہندوستان کے موجودہ حالات میں کیا جان و مال کا انشورنس درست ہے؟

(۲) بعض ایسے شہر ہیں جو متواتر فساد کے زد میں ہیں، نہیں کہا جاسکتا کہ کب کیا ہو جائے اور بعض شہر میں قدرے سکون کا ماحول ہے۔ کیا ان دونوں طرح کے شہروں کا ایک ہی حکم ہے یا کوئی فرق؟

(۳) کسی نے لائف انشورنس یا مال کا انشورنس اگر فساد زدہ شہروں میں کرالیا اور اتفاق سے اس کی جان و مال فساد کے زد میں آگیا، اس صورت میں انشورنس کمپنی کی جانب سے جمع کردہ رقم سے زائد رقم دی جاتی ہے، کیا اس کا لینا درست ہے؟ اور کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکومت کی جانب سے تحفظ میں سستی اور کوتاہی کا جرمانہ ہے؟

(۴) بعض لوگ لڑکی کی شادی، لڑکوں کی تعلیم و تربیت اور اس جیسے دوسرے بہتر مقاصد کے لئے انشورنس کراتے ہیں تاکہ بعد میں زمانہ کی بڑھتی ہوئی مہنگائی پریشان کن ثابت نہ ہو، کیا یہ درست ہے؟

(۵) سرکاری ملازمت یا بیرون ملک سفر کے وقت اگر انشورنس کرانا ضروری ہو، تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: تنظیم عالم قاسمی، دارالعلوم حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سائل نے دو ایسی چیزوں کو مخلوط کر کے پوچھا ہے، جن میں سے ایک کا تعلق دوسرے سے نہیں ہے، جیون بیمہ بالکل الگ چیز ہے اور املاک کا بیمہ اس سے الگ بالکل دوسری چیز ہے۔

لوگ عام طور پر ان دونوں چیزوں کو خلط ملط کر کے سوال کرتے ہیں، جس کا کوئی صحیح

حاصل نہیں نکلتا۔ اور سائل نے بھی اس سوال میں ایسا ہی مخلوط کر کے سوال کیا ہے؛ اس لئے لائف انشورنس سے متعلق الگ سے بحث یا سوال کرنا چاہئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لائف انشورنس میں جو رأس المال جمع ہوتا ہے، وہ باقی رہتا ہے، اس کی بقاء میں کوئی خطرہ نہیں اور رأس المال کی مقدار کے اوپر سود کے اضافہ کے ساتھ اس کا ملنا یقینی ہے؛ اس لئے لائف انشورنس کی شکل صریح سود کی ہے، فسادات کو بنیاد بنا کر لائف انشورنس کی قطعاً اجازت نہیں ہوگی اور املاک کا بیمہ اس سے الگ بالکل دوسری شئی ہے، چاہے گاڑی کا بیمہ ہو یا دوکان، فیکٹری اور مکان وکاربار کا بیمہ ہو یہ سب الگ چیز ہے، ان اشیاء اور املاک کے بیمہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ چھ مہینے یا سال بھر یا زیادہ مدت کے لئے بیمہ کرایا جاتا ہے، اور متعینہ فیس ادا کرنی ہوتی ہے اور جو فیس ادا ہوجاتی ہے، وہ کبھی واپس نہیں آتی، جب مدت ختم ہوجائیگی اور درمیان میں کوئی حادثہ وغیرہ پیش نہ آئے، تو جمع شدہ رقم ہاتھ سے نکل جاتی ہے، اس رقم کے عوض میں کچھ نہیں ملتا، نہ رأس المال واپس ملتا ہے، نہ اس پر اضافہ سود ملتا ہے، تو ایسے حالات میں لائف انشورنس اور املاک کا بیمہ دونوں کو مخلوط کر کے ایک ساتھ بحث کرنا یا سوال کرنا یا مسئلہ کا جواب دینا کسی طرح درست نہیں؛ لہٰذا لائف انشورنس کے بارے میں ہم نے اوپر حکم شرعی لکھا ہے کہ فسادات کو بنیاد بنا کر اس کو جائز قرار دینا درست نہیں ہے، فسادات میں مرنے میں جیون بیمہ والوں کو ہندوستانی قانون کے مطابق کچھ نہیں ملتا، ان کو نقصان کا شکار قرار دے دیا جاتا ہے؛ اس لئے لائف انشورنس کو بنیاد بنانا لاحاصل ہے، ہاں البتہ املاک کا بیمہ ایسا بیمہ ہے، جس کو سودی معاملہ نہیں قرار دیا جاسکتا ہے؛ اس لئے کہ یہ سود کی تعریف میں داخل ہی نہیں؛ کیوں کہ سود اس کو کہا جاتا ہے، جس میں جمع شدہ رقم اضافہ کے ساتھ واپس آجائے، یہاں ایسی شکل نہیں ہے؛ بلکہ املاک کی صرف ضمانت کی فیس ادا کی جاتی ہے، اس تلافی کو کمپنی کی طرف سے ایک قسم کا تعاون بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور املاک کے بیمہ میں فیس ادا کرنے کے بعد حادثہ کا پیش آنا نہ آنا امر متردد فیہ ہے؛ اس لئے اس کو قمار کے مشابہ قرار دیا

جاسکتا ہے۔ اور قمار کے مشابہ ہونے کے باوجود ضرورت اور حاجت کی وجہ سے املاک کے بیمہ کی گنجائش قرار دی جاسکتی ہے۔

الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه والنظائر قديم ١٤٠، قواعد الفقة اشرفي ٨٩، رقم: ١٧٠، شرح المجلة رستم اتحاد ١/٢٩، رقم المادة: ٢١، ايضاح النوادر ١/١٤٤)

نوٹ: (سوال کے ساتھ بہت سارے علماء اور مفتیان کرام کے دستخط کے ساتھ جیون بیمہ کے جواز پر ایک فہرست بھیجی گئی تھی، جسے حذف کر دیا گیا ہے)

سائل نے بیمہ کے متعلق علماء کے دستخط کی جو فہرست منسلک کی ہے، اس کے پیچھے بہت سارے تضاد اور تناقضات ہیں، جس کی پوری وضاحت ہم نہیں کرنا چاہتے، بس اتنی بات بتادیتے ہیں کہ ان دستخط کرنے والے بہت سے علماء اور مفتیان نے اس فتوی سے رجوع کرلیا ہے، اور احقر کے نام کے ساتھ اسی میں نوٹ موجود ہے اور احقر کے ساتھ اور علماء شامل تھے، جن کے نام اسی فہرست میں ایک زمانہ تک آتے رہے؛ لیکن اب نہیں آتے اور اس میں جو دستخط ہیں وہ اعظم گڈھ کے سیمنار میں صرف کمرہ کمرہ جا کر کے مذکورہ علماء سے کرائے گئے۔ اور اس سیمنار میں مسئلہ انشورنس کو نہ موضوع بحث بنایا گیا اور نہ ہی سیمنار ہال میں ضمنی طور پر بھی کوئی بحث ہوئی تھی، ہاں البتہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں اس کو موضوع بحث بنایا گیا تھا، مگر کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا؛ بلکہ عدم جواز کی بات غالب رہی؛ اس لئے یہ فہرست کسی حیثیت کی مالک نہیں اور اس فہرست کے ذریعے سے دنیادار لوگوں نے اب تک بہت ناجائز فائدہ اٹھایا؛ حالانکہ اس فہرست کے اکثر بڑے بڑے علماء نے اپنی رائے سے رجوع کا اعلان کر دیا ہے، اس تحریر سے سوال نمبر ۱/۲/۳ کے جوابات آگئے۔

اور سوال نمبر ۴ میں لڑکی کی شادی کے لئے جو بیمہ کا ذکر کیا گیا ہے، وہ جیون بیمہ کی شکل ہے، سائل سے سوال ہے کہ سائل نے جواز کی بنیاد فساد کو بنایا ہے، تو لڑکی کی شادی میں

کون سے فساد کو بنیاد بنایا جائے؟ ظاہر ہے کہ یہ لاحاصل بات ہے اور یہ جیون بیمہ کی شکل ہے، جس میں صریح سود لازم آتا ہے جو شرعاً جواز کے دائرہ میں نہیں آتا۔

اور سوال نمبر ۵/میں سرکاری ملازمت یا بیرون ملک سفر کے وقت انشورنس کی بات لکھی ہے، اگر سرکاری ملازمت میں جیون بیمہ پر مجبور کیا جاتا ہے، تو مجبوری میں بیمہ کرالے اور بعد میں جو اضافی رقم ملے گی، وہ بینک کے سود کی طرح اپنے اوپر خرچ نہ کرے؛ بلکہ سرکاری ٹیکس وغیرہ میں واپس کردے، ورنہ نہتے فقیروں کو بلانیت ثواب دے دے۔

اور بیرون ملک سفر کے وقت انشورنس کا کیا مطلب ہے؟ سائل کو اسے صاف واضح کرنا چاہئے تھا، اگر سائل کا مطلب یہی ہے کہ ہوائی جہاز کے ٹکٹ کے ساتھ ساتھ انشورنس بھی ضمنی طور پر ہوجاتا ہے، جس کی خود سفر کرنے والے کو خبر نہیں ہوتی، سفر کرنے والا یہی سمجھتا ہے کہ ہمارا ٹکٹ اتنے میں ملا ہے؛ اس لئے اس طریقہ سے ہوئی جہاز کا ٹکٹ خریدنا جائز اور درست ہے، اس موضوع پر علماء نے الگ سے بحث وتمحیص کے ساتھ مسائل لکھے ہیں، اس پر ایک وضاحتی نوٹ انوار رحمت ۳۵۴ سے ۳۵۷ تک میں موجود ہے، موقع ہو تو سائل وہاں سے دیکھ لے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۱۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۹ھ

لائف انشورنس

سوال [۹۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اسکول کے تُھرو (توسط سے) لائف انشورنس کرایا ہے، رلائنس کمپنی کا ۱۶/سال کا ہے، ۱۶/سال کے بعد مجھے جو پیسہ ملے گا، وہ میرے لئے جائز ہے یا نہیں؛ لیکن اس کو ختم کرنے میں مجھے کوئی بھی پیسہ واپس نہیں مل رہا ہے ابھی میں نے ایک

قسط جمع کی ہے؛ لہٰذا مجھے جواب سے نوازیں ۱۶؍سال کے بعد اس پیسہ کا جو منافع مجھے ملے گا وہ میرے لئے جائز ہیں یا نہیں؟

المستفتی: جاوید اختر، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لائف انشورنس کرایا ہے، اس کی مدت پوری ہونے پر جمع شدہ رقم پر جو زائد پیسہ ملے گا وہ سود ہوگا، اس کو اپنے استعمال میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا، اس کو یا تو جہاں سے آیا ہے وہیں واپس کر دیا جائے یا نادار فقیروں میں بلا نیت ثواب تقسیم کر دیا جائے۔

عن علي قال: كل قرض جر منفعة، فهو ربا. (كنز العمال الدين والسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٦/٩٩، رقم: ١٥٥١٢، جامع الأحاديث الكبير للسيوطي ٦/٤٣٨، رقم: ١٥٨٢١)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد (إلى قوله) **يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء.** (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، شامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديده ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۰۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۳/۱۷ھ

جیون بیمہ کا حکم

سوال[۹۰۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان کے پرخطر ماحول اور آئے دن فسادات کی وجہ سے ہر وقت مسلمانوں کی جان و مال کا خطرہ لاحق رہتا ہے، تو کیا اس ماحول کے پیش نظر جان کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ضیاء العلوم، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جان کا بیمہ قطعاً ناجائز اور حرام ہے، خواہ جیون بیمہ فسادات کے اندیشہ سے کیا جائے یا کسی اور دوسری وجہ سے؛ اس لئے کہ یہ سود، قمار، اوررشوت پر مشتمل ہے، جو سراسر ناجائز وحرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۳۴، محمودیہ ۶/۳۰۸، جدید ڈابھیل ۱۶/۳۸۹، رحیمیہ ۲/۲۰۰، جدید زکریا ۹/۲۷۳، امداد الفتاوی ۳/۱۶۱، کفایت المفتی ۸/۷۶-۷۷، جدید مطول ۱۱/۲۳۹)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا . [سورة البقرہ: ۲۷۵]

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، باب في آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳)

عن عبد الله بن عمرو قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي. (سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية ۲/ ۵۰۴، دارالسلام رقم: ۳۵۹۰، سنن الترمذي، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، النسخة الهندية ۱/ ۲۴۸، دارالسلام رقم: ۱۳۳۷)

اور فسادات میں تو رکشہ اور ٹھیلہ والے مارے جاتے ہیں، انہیں خود اپنے گذارے کے لئے پیسے نہیں ملتے، تو وہ بیمہ کہاں سے کرائیں گے۔ اب رہے بیمہ کرانے کی استطاعت کے لوگ تو وہ لوگ فسادات کے موقع پر کوٹھیوں اور بالا خانوں میں رہتے ہیں، وہ کبھی گاڑیوں سے نیچے بھی نہیں اترتے، فسادات سے ان کا کوئی تعلق نہیں، تو ایسے لوگوں کو فسادات میں جان کی حفاظت کے لئے بیمہ کی اجازت دینا ایسی بات ہے، جیسے کسی سے یہ کہا جائے کہ پیر سے نہ چلے؛ بلکہ سر سے چلا کرے اور فسادات کو بنیاد بنا کر جب سے جیون بیمہ کا مسئلہ اٹھا ہے، تب سے ہمارے علم کے مطابق سرمایہ دار لوگوں نے کئی کئی کروڑ روپئے کا جیون بیمہ کرا رکھا ہے، جو قطعاً ناجائز اور حرام ہے اور ہر وقت اللہ کی طرف سے اس کی لعنت اور عذاب کا خطرہ ہے۔ اب رہی فسادات میں لوگوں کی دوکان، مکان اور اموال کی بربادی کا مسئلہ تو اس کے لئے اموال کی بیمہ کرانے کی اجازت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۶۷۱/۳۵)	۱۴۲۱/۵/۲۰ھ

جیون بیمہ کرانے کا حکم

سوال [۹۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جیون بیمہ کرانا کیسا ہے؟ جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد دانش، دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جیون بیمہ کا معاملہ کسی بھی نیت اور مصلحت سے ہو جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ جیون بیمہ اپنی شکل وصورت کے اعتبار سے قمار، جوا اور سود ہے؛ کیونکہ بیمہ کرانے والا کب انتقال کر جائے گا اور اسے کتنی زائد رقم ملے گی اور اگر کسی مجبوری

سے رقم جمع کرنے کا سلسلہ بند ہو جائے تو پچھلی جمع شدہ ساری رقم سوخت ہو جاتی ہے، یہ سب امور مخاطرہ یعنی اس معاملہ کے قبیل سے ہیں، جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہو اور شریعت میں اسی کو قمار کہتے ہیں، جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۳۳، فتاوی رحیمیہ ۲/۲۰۰، جدید زکریا ۹/۲۷۳)

إن القمار من القمر الذي يزداد تارة وينقص أخرىٰ وسمىٰ القمار قمارا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإسبتراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ۹/۵۷۷، كراچي ۶/۴۰۳، المحيط البرهاني،المجلس العلمي ۸/۱۴، رقم: ۹۴۸۶، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۶/۲۲۷، زكريا ۷/۴۶۶، معارف القرآن ۱/۴۷۶)

اب قمار اور سود کی حرمت کے سلسلہ میں نص شرعی ملاحظہ ہو۔

قال الله تعالىٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِيْ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ. [سورۂ مائدة: ۹۰-۹۱]

عن ابن مسعودؓ عن أبيه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وشاهديه، وكاتبه، وقال: هم سواء. (سنن أبي داؤد، باب في آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳، صحيح مسلم، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، مشكاة شريف ۱/۲۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۹۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۴ھ

جیون بیمہ کا شرعی حکم

سوال [۹۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ حالات میں جبکہ فسادات عام ہیں، کرنیل گنج گونڈہ کا فساد ہمارے سامنے ہے، آدمی کا سب کچھ پھونک دیا گیا، دوکان لوٹ لی گئی اور پھونک دی گئی، اسی طرح گاڑیاں جیپ وغیرہ پھونک دی گئیں جوان کے لئے روز کا سہارا تھیں، فساد کے بعد آدمی اس زمین کو اپنے اوپر تنگ پاتا ہے، گذر بسر کے لئے ظاہر طور پر اس کے پاس روزی کا اور بچوں کا پیٹ پالنے کا کوئی ظاہر سہارا نہیں ہے، تو موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کاروبار کا، دوکان کا، گاڑیوں کا انشورنس اور بیمہ کرانا جائز ہوگا؟

اسی طرح فساد کے دوران اکثر قتل کی واردات سامنے آئیں ہیں، اسی حالیہ فساد میں بہت سے ایسے گھر دیکھنے میں آئے کہ گھر کے ذمہ دار مرد شہید کر دئے گئے۔ اب گھر میں صرف اس کی بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، مزدوری کر کے وہ مرد بچوں کا پیٹ پالتا تھا، اب شہید ہو جانے کے بعد بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے اس بیوہ عورت کے پاس کوئی سبیل نہیں ہے، تو کیا موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے آدمی اپنی زندگی کا بیمہ کرا سکتا ہے اور اگر نہیں کرا سکتا ہے، تو پھر یہ بیوہ عورت اور اس کے بچوں کا مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ اور روزی وغیرہ ساری ضروریات ان کی کیسے پوری ہوں گی؟ جبکہ حالت یہ ہے کہ پریشانی کے وقت کوئی کام آنے والا نہیں ہوتا ہے۔

المستفتی: مفتی نعمت اللہ، عباسی جنرا سٹور، چوک گونڈہ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سائل کا مقصد نفس بیمہ کے جواز اور عدم جواز سے متعلق معلوم کرنا ہے؛ اعذار اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیمہ

جیسا ناجائز معاملہ جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ بیمہ کے عدم جواز کی علت یہی ہے کہ وہ سود اور قمار میں داخل ہے، جس کی تفصیل اپنی جگہ موجود ہے اور ربوا اور قمار کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ. [سورۂ مائدۃ: ۹۰]

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورة البقرہ: ۲۷۵]

اور حضرات فقہاء امت نے ایسی حرام چیزوں کا استعمال مباح ہونے کے لئے اصول وضابطہ **الضرورة تبيح المحظورات. الأشباه والنظائر قديم ۱۴۰** مقرر فرمایا ہے۔ اور ضرورت کے پانچ درجات ہیں: ۱. ضرورت ۲. حاجت ۳. منفعة ۴. زینت ۵. فضول۔

اور ضرورت سے مراد ایسی ضرورت و پریشانی ہے کہ اگر حرام چیز استعمال نہ کی جائے، تو جان کا خطرہ ہے، تو ایسی حالت میں بقدر ضرورت حرام چیز استعمال کر کے جان بچانے کی اجازت اور حکم ہے اور حاجت سے مراد ایسی ضرورت و پریشانی ومشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، تو ایسی حالت میں حرام چیز کا استعمال اور حرام کام کو اختیار کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

اور سوال نامہ کی درج شدہ صورتیں حاجت کے تحت داخل ہیں اور ضرورت منصوص کے تحت داخل نہیں ہیں؛ اس لئے مذکورہ حالات میں ہماری تحقیقات کے مطابق بیمہ اور انشورنس کا اختیار جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے ضرورت کے اندر عند المخمصہ کی قید لگائی۔

وههنا خمسة مراتب: ضرورة، وحاجة، ومنفعة، وزينت، وفضول. فالضرورة بلوغه حداً إن لم يتناول الممنوع هلك، أو قارب، وهذا يبيح تناول الحرام، والحاجة كالجائع لو لم يجدها يأكله لم يهلك غير أنه يكون في جهد، ومشقة، وهذا لا يبيح الحرام. (حموي على الأشباه قديم ۱۴۰)

ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة. (الأشباه والنظائر قديم ۱۴۰، قواعد الفقه، اشرفي ۸۹)

نیز ایسے حالات میں رزق کا مالک رازق حقیقی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۲۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۵/ ۱۴۱۱ھ

کیا جیون بیمہ کرانا جائز ہے؟

سوال [۹۰۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ابھی کچھ دنوں پہلے اسلامی فقہ اکیڈمی کے حوالہ سے مفتیان کرام کا فیصلہ اخبار میں شائع ہوا تھا کہ ہندوستان کے حالات کے پیش نظر بیمہ کرانے کی اجازت مسلمانوں کو دی جاتی ہے، ہم نے تو اخبارات میں نہیں پڑھا؛ البتہ بہت سے حضرات اس سلسلہ میں معلومات کرنے آرہے ہیں اور اسلامی فقہ اکیڈمی کے حوالہ سے مفتیان کرام کی اجازت اخبار کے حوالہ سے دے رہے ہیں، ہم باشندگان سیڈھا اور نہٹور کے علماء نے دارالافتاء جامعہ قاسمیہ کے فیصلہ آنے پر عوام کو خاموش کر دیا ہے؛ اس لئے آں محترم سے درخواست ہے کہ اس سلسلہ میں تفصیل سے واضح فرمادیں کہ اسلامی فقہ اکیڈمی کا کیا فتوی ہے؟ اور ہم لوگ بیمہ جان ومال کاروبار وغیرہ کا کراسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: باشندگان سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کاروبار، فیکٹری، فرم، گاڑی وغیرہ املاک کا بیمہ کرانے کی گنجائش ہے، اس میں جو فیس جمع ہو جاتی ہے، وہ نہ واپس ملتی ہے اور نہ ہی اس پر سود ملتا ہے؛ ہاں البتہ خدانخواستہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے، تو کمپنی کی طرف سے نقصان کی تلافی کا تعاون کیا جاتا ہے اور جیون بیمہ جس کو لائف انشورنس کہا جاتا ہے، اس میں جمع شدہ رقم بھی واپس ملتی ہے اور اس پر ضابطہ کے مطابق اضافہ سود بھی ملتا ہے؛ اس لئے لائف انشورنس جس کو جیون بیمہ کہا جاتا ہے قطعاً جائز نہیں ہے اور فسادات کو بنیاد بنا کر اس کے جواز پر بات کرنا

مسلمانوں کوسود کی دعوت دینا ہے اور یہ بنیاد بھی لا حاصل ہے؛ اس لئے کہ فسادات میں رکشہ والے، ٹھیلہ والے، مزدور پیشہ غریب لوگ مرتے ہیں، ان کو روز کی کمائی سے اپنی گذر بسر مشکل ہو جاتی ہے، وہ بیمہ کی پالیسی کہاں سے پوری کرسکیں گے اور جو لوگ کروڑ پتی ہیں، وہ سڑک پر اترتے ہی نہیں ہیں، اور کروڑ پتی ہی جیون بیمہ کراتے ہیں؛ اس لئے فسادات کو بنیاد بنا کر صریح حرام اور سود کو مسلمانوں میں عام کرنا ہے، جو سخت خطرناک اقدام ہے۔

اب رہی فقہ اکیڈمی کی بات، درحقیقت ۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ میں مختلف قیودات کے ساتھ فسادات کو بنیاد بنا کر بیمہ سے متعلق دارالعلوم دیوبند سے ایک فتوی لکھا گیا تھا، لوگوں کے درمیان سے ساری قیودات وشرائط حذف ہوگئیں اور جیون بیمہ کی حلت کی شہرت ہوگئی، مگر جب بعد میں ان کے نقصانات سامنے آئے، تو دارالعلوم دیوبند کے اہم اساتذہ اور مفتیان کرام نے اس سے رجوع کرلیا اور ۳۱/ اکتوبر تا ۲/ نومبر ۱۹۹۲ء کو اعظم گڈھ میں فقہ اکیڈمی کی طرف سے ایک فقہی سیمینار ہوا اور علماء کے کمرہ کمرہ جا کر اس فتوی پر دستخط کرائے گئے، جس میں فسادات کو بنیاد بنا کر جیون بیمہ کو جائز قرار دیا گیا تھا، مگر ہم لوگوں نے اس کی سخت مخالفت کی اور بعد میں دستخط کرنے والے اہم علماء اور مفتیان کرام نے اس فتوی سے رجوع کرلیا، اور اب پھر دس بارہ سال کے بعد اخبار میں یہ مسئلہ پھر شائع کیا گیا ہے، اس کے بعد سے ہم لوگوں سے بار بار معلوم کرتے رہے، ہم اس کو صاف لفظوں میں ناجائز بتلاتے ہیں اور یہ ناجائز ہی ہے، اگر دارالعلوم دیوبند کا حوالہ کوئی دیتا ہے، تو براہ راست دارالعلوم سے رجوع کرلینا چاہئے۔

نوٹ: بعد میں دارالعلوم دیوبند سے بھی اس فتوی سے رجوع کا اعلان کیا گیا۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۶۱۱)	۱۴۲۹/۵/۱۸ھ

جیون بیمہ کے بارے میں سبیل السلام حیدرآباد کے سیمینار کی تجویز کا شرعی حکم

سوال [۹۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہ جو فتویٰ میں آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں کیا یہ آپ کی طرف سے تصدیق شدہ ہے؛ چونکہ فتوی کے پیج نمبر۱۰ر پر مولانا شبیر احمد قاسمی، مدرسہ امدادیہ، شاہی مرادآباد کا نام نامی اسم گرامی بھی لکھا ہوا ہے، کیا اس پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ کیا بیمہ کرانا جائز ہے؟ کیا بیمہ کرانے کی ایجنسی لی جاسکتی ہے؟

المستفتی: نفیس احمد انصاری، دھام پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں فقہی سیمینار کی جو تجویز پیش کی گئی ہے، اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۹۱ء میں دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں لائف انشورنس کے متعلق سیمینار منعقد ہوا، جس میں احقر از اول تا آخر شریک رہا اور پاکستان سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ بھی سیمینار میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے، کافی بحث وتمحیص کے بعد لائف انشورنس کے جواز پر علماء نے اتفاق نہیں کیا، جس کی وجہ سے وہاں پر یہ تجویز منظور نہیں ہوسکی، پھر اس کے ایک سال کے بعد اکتوبر ۱۹۹۲ء کو اعظم گڈھ میں فقہی سیمینار منعقد ہوا، جس میں انشورنس کے موضوع کو سیمینار ہال میں قطعاً نہیں لایا گیا اور نہ ہی اس موضوع پر کسی قسم کی بحث ہوئی؛ بلکہ سیمنار میں شرکت کرنے والے علماء اور مفتیان کرام الگ الگ کمروں میں مقیم تھے، صرف دو تین آدمیوں نے کمرے کمرے جاکر علماء سے دستخط کروائے، جس میں اثبات ونفی سے متعلق جواز اور عدم جواز سے متعلق غور کرنے کا بھی کسی کو موقع نہیں ملا تھا، اور اکثر لوگوں نے ایک دوسرے کے دیکھا دیکھی دستخط کردیئے۔

جب یہ ایجنڈا ہمارے کمرے میں آیا، تو احقر نے صاف لفظوں میں یہ کہا کہ فسادات کو بنیاد بنا کر لائف انشورنس کو جائز قرار دینا قطعاً جائز نہیں، اگر ہم سے دستخط کراؤ گے تو ہم اختلافی نوٹ لکھیں گے، اور جو ہمارے کمرے میں علماء تھے، انہوں نے بھی دستخط نہیں کیے، پھر سیمینار کے ذمہ دار حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب مرحوم نے براہ راست ہم سے بات کی کہ آپ اپنا اختلافی نوٹ نیچے لکھئے، تو ہمارا جملہ یہ تھا کہ ''ہم نے اوپر لکھنے کو کب کہا ہے ہم نیچے ہی لکھتے ہیں'' چنانچہ ہم نے صاف لفظوں میں اختلافی نوٹ یہ لکھا کہ ''فسادات کو بنیاد بنا کر لائف انشورنس کو جائز قرار دینا ہم درست نہیں سمجھتے ہیں اور اس کو ہم ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں، ہاں البتہ املاک کا بیمہ جائز اور درست ہے'' یہی ہمارا اختلافی نوٹ تھا، مگر تجویز میں جہاں ہمارا نام لکھا گیا ہے کہ مذکورہ حضرات کے نزدیک املاک کا بیمہ جائز ہے؛ حالانکہ املاک کا بیمہ موضوع بحث ہی نہیں تھا؛ بلکہ اہمیت کے ساتھ لائف انشورنس اور جیون بیمہ سے متعلق بحث تھی، اس کی طرف تجویز کے اندر اشارہ بھی نہیں کیا گیا۔

نیز دارالعلوم دیوبند کے جن مفتیان کرام کا نام اس تجویز کے اندر موجود ہے، انہوں نے اپنی اس رائے اور دستخط سے رجوع کرلیا ہے اور فی الحال سیمینار کے جو صدر ہیں (حضرت اقدس مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم) نے بھی لائف انشورنس کے جواز سے متعلق جو لکھا گیا تھا، اس سے رجوع فرمالیا ہے اور ان حضرات کے رجوع کا اعلان رسالہ ''بحث ونظر'' میں شائع بھی ہو چکا تھا، مگر یہ تجویز کا پرچہ اس کے باوجود بھی مسلسل ملک کے اندر گھوم رہا ہے، ایک ایک دو دو سال کے وقفہ کے بعد اسی تجویز کو بنیاد بنا کر اخبارات میں بھی جواز کا اعلان ہوتا رہتا ہے، اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ہے، جن حضرات نے اس تجویز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، اللہ پاک ان کو معاف فرمائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۷۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۶/۲۹ھ

جیون بیمہ کے جواز کی تجویز کا حکم

سوال [۹۰۹۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۳۰/ اکتوبر ۱۹۹۲ء تا ۲/ نومبر ۱۹۹۲ء کو اعظم گڈھ (یوپی) میں منعقدہ فقہی سیمینار میں زکوۃ کا مسئلہ چھایا رہا۔ سیمینار کو جامعۃ الرشاد میں جس کے مہتمم مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب ہیں، منعقد کیا گیا، اس سیمینار میں ملک بھر کے تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مدارس اور دارالعلوم کی نمائندگی کرتے ہوئے تقریباً دوسو جید مسلم علماء وفقہاء کرام نے شرکت کی۔ اس موقع پر اس سیمینار میں شریک علماء وفقہاء میں عراق سے تشریف لائے ڈاکٹر محروس المدرس، جامعۃ الأزہر قاہرہ (مصر) کے پروفیسر ڈاکٹر علی الجمعہ اور کویت سے تشریف لائے مولانا بدرالحسن قاسمی شامل ہیں۔

ہندوستان میں ہورہے فرقہ وارانہ تشدد کے پیش نظر جان و مال (جائیداد) کے بیمہ (انشورنس) کرانے کے سلسلے میں حیدرآباد میں منعقدہ چوتھے فقہی سیمینار میں اس مسئلہ کے زیر بحث آنے کے بعد اس پر کوئی فیصلہ لئے بغیر مسئلہ کو اگلی نشست میں بحث کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں حیدرآباد میں منعقدہ چوتھے فقہی سیمینار میں تمام ضروری معلومات کو جمع کرنے کے لئے ایک خصوصی کمیٹی کی تشکیل دی گئی تھی، اعظم گڈھ میں منعقدہ پانچویں فقہی سیمینار میں یہ موضوع زیر بحث آیا اور اس مسئلہ پر فیصلہ سنایا گیا۔

فرقہ وارانہ فسادات کے پیش نظر جان و مال (یعنی جائیداد) کا بیمہ (انشورنس)

حیدرآباد میں منعقدہ چوتھے فقہی سیمینار میں موجود حالات میں ہندوستان میں فسادات کے ذریعہ مسلمانوں پر ہورہے مسلسل جانی و مالی حملوں اور سرکاری افسران کی جانب سے مسلمانوں کی حفاظت کرنے کی بنیادی ذمہ داری سے غفلت برتنے اور کئی مواقع پر فسادات میں سرکاری افسران کی طرف سے ان فرقہ وارانہ تشدد میں براہ راست

شمولیت کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف ہونے والے حملوں کی حوصلہ افزائی کے پیش نظر اور مسلمانوں کو ان فسادات کے نتیجہ میں ہونے والے جانی و مالی نقصانات کا معاوضہ دینے میں سرکاری مشنریوں کی عدم دلچسپی وغیرہ جیسے مسائل زیر بحث آئے۔ اس مسئلہ پر طویل بحث کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ اس تعلق سے ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دی جائے، جو اس مسئلہ کی تہہ میں جاکر اس سلسلے میں تمام معلومات کو حاصل کرے اور اپنے جائزہ کو رپورٹ کی شکل میں اگلے فقہی سیمینار میں بحث کے لئے داخل کرے، اس سلسلے میں فقہی سیمینار کی چوتھی رپورٹ کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

1960ء میں مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ کی جانب سے بیمہ (انشورنس) کی حمایت میں فیصلہ لئے جانے اور حال ہی میں دارالعلوم دیوبند سے جاری کئے گئے تازہ فتوی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس مسئلہ پر مزید تحقیقات کے لئے تشکیل کردہ کمیٹی نے اپنی سفارشات انشورنس کے حمایت میں پیش کی تھیں۔

اس کے پیش نظر اعظم گڈھ میں منعقدہ پانچویں فقہی سیمینار میں یہ مسئلہ اس طرح حل کیا گیا:

حالانکہ اسلام میں بیمہ (انشورنس) کی بالکلیہ اجازت نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں سٹہ بازی اور قیاسیات اور سود وغیرہ جیسی چیزیں شامل ہیں؛ لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات میں فرقہ وارانہ تشدد کے نتیجہ میں مسلمانوں کے جان و مال اور کاروبار کو لاحق خطرات کے پیش نظر چند ضروری شرائط کے ساتھ فرقہ وارانہ فسادات جان اور مال کی بیمہ کرانے کی اجازت دی گئی ہے۔

اس اہم مسئلہ پر مندرجہ ذیل اہم فقہاء اور مفتیان نے اپنے دستخط ثبت کئے ہیں۔

(۱) مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، پٹنہ
(۲) مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مفتی دیوبند
(۳) مولانا مفتی نعمت اللہ، مفتی دیوبند
(۴) مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی، دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے سوالنامہ میں حیدرآباد اوراعظم گڈھ کے دونوں سیمیناروں کے مختصر خاکہ کا حوالہ دیکر تحریر فرمایا ہے۔ راقم الحروف شبیر احمد قاسمی نے ان دونوں سیمیناروں میں از اول تا آخر شرکت کی اور دونوں کے لئے مقالے بھی لکھے، حیدرآباد دارالعلوم سبیل السلام میں تین دن تک اسی موضوع پر بحث چلی اور آخر میں تجویز پاس کرنے کے لئے خصوصی میٹنگ کی تشکیل دی گئی، اوراس خصوصی تجویز کمیٹی میں راقم الحروف بھی شروع سے آخر تک شریک رہا۔ بحث چل ہی رہی تھی کہ اسی اثناء میں مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی نے لائف انشورنس سے متعلق انگریزی کا ایک قانونی پرچہ پیش کیا، جس میں اس بات کی صراحت تھی کہ فسادات میں مرنے والے کو لائف انشورنس سے کچھ نہیں ملتا؛ اس لئے کہ فسادات میں مرنے والوں کو دنگا فساد اور نقض امن پیدا کرنے والا شمار کیا جاتا ہے۔ اس بات پر درمیان سے حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحبؒ اسی وقت فوراً مجلس سے اٹھ گئے، اس کے بعد حیدرآباد میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی اور صرف اتنی بات ہوئی کہ اسے اگلے سیمینار کے لئے چھوڑ دیا جائے، اس کے بعد تحقیقی کمیٹی کیا بنی ہے، ہم کو اس کی خبر نہیں ہوسکی۔ پھر اس کے بعد پانچواں فقہی سیمینار اعظم گڈھ میں جامعۃ الرشاد میں ہوا۔

جس میں دارالعلوم دیوبند کے بھی متعدد اساتذہ اور مفتیان کرام موجود تھے، اس سیمینار میں شروع سے آخر تک مجمع میں انشورنس کے مسئلہ کو موضوع بحث کہیں بھی نہیں بنایا گیا، صرف اتنا ہوا ہے کہ اپنے طور ایک تجویز بنالی گئی اوراس تجویز کے بنانے والے کون کون حضرات تھے، یہ بھی واضح نہیں ہوا؛ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کی زیر قیادت یہ تجویز تیار ہوئی، وہ ان کے کمرہ میں یا سیمینار میں آنے سے پہلے تیار ہوئی ہوگی، مگر تین دن کی نشستوں میں سے کسی بھی خصوصی یا عمومی نشست میں اسے نہ رکھا گیا، اور نہ ہی اس کے متعلق بحث ہوئی؛ بلکہ سیمینار کے پروگرام

کے ایام میں ایک دن صبح کو دو آدمیوں نے مدعووین کے کمرہ میں جا کر اس تجویز پر دستخط کرائے، جب ہمارے کمرہ میں کرانے کے لئے آئے، تو راقم الحروف نے صاف الفاظ میں کہا: کہ ''فسادات کو موضوع بنا کر لائف انشورنس کو جائز قرار دینا قطعاً درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ فسادات میں رکشے، ٹھیلے والے مرتے ہیں، پیسہ والے لوگ شاذ و نادر زد میں آتے ہیں اور غریب لوگوں کو خود کھانے کے لئے نہیں ہے، وہ بیمہ کی پالیسی میں پیسہ کہاں سے جمع کریں گے'' اس وقت مفتی محی الدین صاحب بڑودہ یا مفتی عبدالقیوم صاحب گجرات وغیرہ، ہم چار پانچ آدمی ایک کمرہ میں تھے، سب نے یہ کہا کہ ہم اس شرط پر دستخط کریں گے کہ ہم اختلافی نوٹ لکھیں گے، تو اس پر ہم لوگوں سے دستخط نہیں کرائے گئے، اس کے بعد حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ نے راقم الحروف کو اپنے کمرہ میں بلایا اور فرمایا کہ آپ آخر میں نیچے نوٹ لکھیں اور راقم الحروف کے نوٹ کی عبارت یہ تھی: ''فسادات کو بنیاد بنا کر جیون بیمہ کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا ہے، ہاں البتہ املاک کے بیمہ کی گنجائش ہے'' پھر اس کے بعد یہ تجویز اخبارات میں آئی، مگر ہمارے لکھے ہوئے نوٹ کو مبہم بنا کر کے اس تجویز کو شائع کیا گیا، ہر دیکھنے والے نے اس تجویز کو دیکھا ہوگا، اس میں ہمارا نوٹ ہے ہی نہیں، صرف اتنا لکھا ہے کہ مذکورہ حضرات کے نزدیک املاک کا بیمہ جائز ہے، پھر ہم چار پانچ آدمیوں کے نام مذکور ہیں۔ یہ تھا جیون بیمہ کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں سیمیناروں کا حاصل۔

پھر کچھ دنوں کے بعد دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کرام نے رجوع کا اعلان فرمایا، پھر اس کے بعد مفتی ظفیر الدین صاحب جو اس وقت سیمینار کے صدر تھے، ان کی طرف سے رجوع اخبارات اور رسائل میں آیا اور حیدرآباد کے سیمینار سے پہلے جمعیۃ علماء کے سوال کے جواب میں دارالعلوم دیوبند نے جو جواز کا فتویٰ صادر کیا تھا، اس سے بھی دارالعلوم کے

مفتیان کرام اور اساتذہ نے رجوع فرمالیا ہے، ان سب حضرات کے رجوع کر لینے کے بعد مذکورہ تجویز کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۶۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱/۱۴۳۱ھ

L.I.C. اور اس جیسی پالیسیوں کا حکم

سوال [۹۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) L.I.C. اور اس جیسی پالیسیوں کا شرعی حکم کیا ہے۔

(۲) اگر کسی نے نافہمی میں ایل آئی سی کرلی ہے، تو اب وہ کیا کرے؟

(۳) ایل آئی سی میں جمع شدہ رقم پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر زکوۃ واجب ہے، تو وہ سال میں ایک مرتبہ نکالے گا یا مکمل جمع شدہ رقم وصول ہونے پر نکالے گا؟

(۴) میں ایک سرکاری ملازم ہوں میں ایل آئی سی اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ آج کل کے زمانہ میں بچوں کو اعلی تعلیم (ڈاکٹر، انجینیر نگ) حاصل کرانے کے لئے داخلہ فیس بھی زیادہ رہتی ہے، اور اسی طرح ڈونیشن جو فیس کے علاوہ دی جاتی ہے، وہ اتنی زیادہ رہتی ہے کہ میں اس کو ادا نہیں کرسکتا، تو کیا شریعت میرے لئے ایل آئی سی کو جائز قرار دیتی ہے؟

(۵) میں ایل آئی سی اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ آج کل کے دور میں گھر بنانے کے لئے قرض کی ضرورت پڑتی ہے، اور قرض جب ہم بینک سے لینے کے لئے جائیں گے، تو بینک والے ضمانت کے طور پر L.I.C پالیسی مانگتے ہیں؟

(۶) میں سرکاری ملازم ہوں سرکار ہماری سال بھر کی تنخواہ کا سال کے آخر میں موازنہ کرتی ہے، اگر ہماری تنخواہ سرکاری ٹیکس کے حد کو پار کرتی ہے، تو وہ ہم سے ٹیکس وصول کرتے

ہیں، اگر ہمارے پاس L.I.C پالیسی ہے تو سرکار ہم سے ٹیکس وصول نہیں کرتی ہے، تو کیا اس صورت میں سرکاری ٹیکس سے بچنے کے لئے L.I.C کر سکتے ہیں؟

(۷) آج کل کے دور میں کوئی بھی کام بغیر رشوت کے نہیں ہو رہا ہے، تو کیا ہم رشوت دے سکتے ہیں؟

(۸) اگر رشوت دے سکتے ہیں، تو کیا ہم رشوت میں سود کی رقم استعمال کر سکتے ہیں؟

(۹) ہمارے گاؤں میں بینک کا اکاؤنٹ بغیر .L.I.C کے نہیں مل رہا ہے اور پاسپورٹ کے لئے نیشنل بینک کا اکاؤنٹ ہونا ضروری ہے، تو کیا اس صورت میں L.I.C پالیسی کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں، تو کیا ہم کو بینک سے ملنے والے سود کو اس پالیسی میں استعمال کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: اسلم قاسم شیخ، بیلگام، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) .L.I.C جیسی پالیسیوں میں صریح سود ہوتا ہے، جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے؛ اس لئے ناجائز اور حرام ہے اور جو واپسی میں اضافی رقم ملتی ہے، اس کا استعمال حرام وناجائز ہے۔

(۲) جس شخص نے نافہمی میں .L.I.C کر لی ہے، تو اگر اب وہ بقیہ قسطیں روکتا ہے، تو اس کا مال ضائع ہو جائے گا؛ لہٰذا جس صورت میں بھی اس کی جمع شدہ رقم واپس مل جائے وہ شکل اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

(۳) .L.I.C کی رقم اپنے اختیارات سے رکھی ہے، دوسروں کی ضرورت کے لئے بطور قرض نہیں رکھا ہے؛ اس لئے اس جمع شدہ اصل رقم کی زکوٰۃ نکالنی لازم ہے۔

(۴) اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلانا شرعاً نہ فرض ہے، نہ واجب؛ بلکہ حسب گنجائش اختیاری عمل ہے اور .L.I.C کے ذریعہ سے سود حاصل کرنا نص قطعی اور قرآن حکیم سے قطعی طور پر

حرام ہے، ایک حسب گنجائش اختیاری چیز کو حاصل کرنے کے لئے حرام کا ارتکاب کرنا قطعاً جائز نہیں، اگر آپ کے پاس اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے پیسوں کی گنجائش نہیں ہے، تو شریعت نے آپ کو اس کا مکلّف نہیں بنایا ہے؛ بلکہ حسب گنجائش جتنی تعلیم دلا سکتے ہیں دلائیں، اس کے بعد بچوں کو اپنی حیثیت کے اعتبار سے روزگار میں لگائیں۔

(۵) گھر کی تعمیر کے لئے بینک سے سودی قرض لینا جائز نہیں۔

(۶) سرکاری ٹیکس سے بچنے کے لئے .L.I.C کرانے کی گنجائش ہے؛ لیکن جب پالیسی پوری ہو جائے اور جمع شدہ رقم پر اضافی رقم حاصل ہو جائے، تو اس اضافی رقم کو اپنے کسی بھی استعمال میں لانا جائز نہیں، ہاں البتہ کسی بھی عنوان سے اس رقم کو سرکاری خزانہ میں واپس کر دینا جائز ہے، مثلاً انکم ٹیکس، سیل ٹیکس، رجسٹری اسٹامپ فیس وغیرہ کے عنوان سے سرکار کو واپس کر دینا جائز ہے۔

(۷/۸) سات اور آٹھ کا جواب دوسرے پرچہ میں ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۹) آپ نے جو لکھا ہے کہ پاسپورٹ کے لئے نیشنل بینک اکاؤنٹ ہونا ضروری ہے، یہ ہندوستانی قانون نہیں ہے؛ بلکہ پاسپورٹ کے لئے راشن کارڈ ہو یا آدھار کارڈ ہو یا پہچان پتر ہو، یہ چیزیں لازم ہوتی ہیں؛ لیکن نیشنل بینک کے اکاؤنٹ کی بات زائد ہے، جن لوگوں کے پاس نیشنل بینک کے اکاؤنٹ نہیں ہیں، ایسے ہزاروں لوگوں نے پاسپورٹ بنوائے ہیں، ہاں البتہ آپ سرکاری ملازم ہیں، اپنی سرکاری ملازمت کے سرٹیفکٹ سے بھی آپ کو پاسپورٹ مل سکتا ہے، اور ایل آئی سی کو کسی بھی دائرہ میں حاصل کرنے کے لئے جتنے بھی اعذار پیش کئے گئے ہیں وہ انتہائی کمزور اعذار ہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۳۲/۱ تا ۱۳۴، اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳۰۷/۳)

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَـا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ○ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِه. [البقرہ: ۲۸۷]

قال الله تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورة البقرة: ٢٧٥]

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ٢/ ٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨)

إن أخذه من غير عقد لم يملكه و يجب عليه أن يرده على مالكه وإن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٧٧، كراچي ٦/ ٣٨٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحر الرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، معارف القرآن ١/ ٤٧٦، جواهر الفقه قديم ٢/ ١٧٠، جديد ٤/ ٤٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۳۱۰/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۱/۱۴۳۴ھ

بیمہ کی کون سی صورت جائز ہے؟

سوال [۹۰۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیمہ پالیسی پر اسلامی نقطۂ نظر سے مسلم شخص کے لئے زندگی بیمہ، مکان، دوکان، بزنس وغیرہ کے معاملات میں کیا شرائط ہیں؟ دیکھا یہ گیا ہے کہ موجودہ سرکاری معاملات کے مدنظر موٹر کار یا اسکوٹر وغیرہ کا بیمہ لازمی کردیا گیا ہے۔ واضح طور پر اسلامی احکامات کی تفصیل سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد شریف ولد حاجی محمد رفیق، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندگی کا بیمہ صریح سود کی وجہ سے اور قمار کی وجہ سے شرعی نقطۂ نظر سے ناجائز اور حرام ہے، اور املاک کا بیمہ مکان، دوکان، بزنس وغیرہ کے معاملات میں ضرورت کی وجہ سے جائز ہے؛ اس لئے کہ املاک کے بیمہ میں سود نہیں ہوتا ہے اور جو فیس جمع ہو جاتی ہے، وہ واپس نہیں ملتی ہے اور شریعت کے اندر سود اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں دیا ہوا پیسہ واپس آنا ضروری ہے اور واپسی کے ساتھ ساتھ اوپر سے زائد پیسہ بھی ہو اور یہ بات یہاں موجود نہیں ہے، ہاں البتہ اس میں کچھ قمار کا شبہ موجود ہے کہ حادثہ پیش آجائے، تو کمپنی اپنی طرف سے پورے نقصان کی تلافی کرتی ہے اسے باہمی تعاون کہا جاسکتا ہے اور املاک کا بیمہ ضرورت کی وجہ سے گنجائش کے دائرہ میں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۲۷ تا ۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۷۶۰)

غیر اسلامی ملک میں رہ کر L.I.C. کرانا

سوال [۹۰۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک انشورنس کمپنی جس کا نام ''لائف انشورنس کارپوریشن آف انڈیا'' ہے، اسی میں میں ہوں، اس بار رمضان میں میری ملاقات ایک مفتی صاحب سے ہوئی، انہوں نے ہم کو آپ کا حوالہ دیا اور کہا کہ آپ اس معاملہ میں مفتیان کرام کو لکھئے وہ آپ کو پوری جان کاری دیدیں گے، اسی وجہ سے میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ بینک میں غیر اسلامی ملک میں رہ کر L.I.C. کروانا یا کرنا یا پھر اس میں ملازمت کرنا شریعت میں کیسا ہے؟

المستفتی: محمد افتخار اعظم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندگی کا بیمہ کرانا اور اس کا ایجنٹ بننا سود، قمار، اور رشوت کے لازم آنے کی وجہ سے ناجائز ہے اور غیر اسلامی ممالک میں بھی اسی ملک کے باشندہ کے لئے غیر مسلموں یا حکومت سے سود حاصل کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ لہٰذا آنجناب نے جو علت لکھی ہے کہ غیر اسلامی ملک میں رہ کر کے جائز ہے یا نہیں؟

یہ علت سود کے حلال ہونے کے لئے درست نہیں ہے، ہاں البتہ کسی دوسرے ملک کا باشندہ جو عارضی طور پر دارالحرب میں آتا ہے، اس کے لئے اس دارالحرب سے سود لینا صرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے؛ لہٰذا ہندوستان مسلمان جو برطانیہ یا امریکہ میں عارضی طور پر جاتے ہیں، پھر اپنے وطن مستقل طور پر واپس آجاتے ہیں، ان کے لئے برطانیہ یا امریکہ کا سود جائز ہوسکتا ہے؛ لیکن ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ہندوستان کی حکومت یا کمپنی یا غیر مسلم عوام سے سود لینا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۹۷، ۱۳۴)

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية، ٢/ ٢٧، بيت الأفكار رقم: ١٥٩٨، سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية٢/ ٤٧٣، دارالسلام رقم: ٣٣٣٣، سنن الترمذي، البيوع، باب ماجاء في آكل الربا، النسخة الهندية ١/ ٢٢٩، دارالسلام رقم: ١٢٠٦)

عن عبد الله بن عمرو قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي. (أبو داؤد، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية٢/ ٥٠٤، دارالسلام رقم: ٣٥٨٠)

ولا بين حربي ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد، أوقمار، ثمة. (در مختار،

كتاب البيوع، قبيل باب الحقوق، زكريا ۷/ ۴۲۲، كراچي ۵/ ۱۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۳۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۶ھ

ٹیکس سے بچنے کے لئے L.I.C کرانا

سوال [۹۰۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری مدارس کے بعض مدرسین انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے L.I.C. جیون بیمہ کراتے ہیں اور دوسروں کو ترغیب بھی دیتے ہیں۔ کیا L.I.C. کرانا اوراس کی ترغیب دینا جائز ہے؟ کیا L.I.C کے جواز کی کوئی شکل ہے، L.I.C. کرانے والے کا کیا حکم ہے؟ L.I.C. کرانے والے کا حج کرنا کیسا ہے؟ اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: شمشاد احمد اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: L.I.C. جیون بیمہ کرانے سے انکم ٹیکس کی واقعی بچت ہوتی ہے اور ظالمانہ ٹیکس سے پیسہ محفوظ ہوجاتا ہے، یہ بات اگر واقعی صحیح ہے، تو ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کی غرض سے جیون بیمہ کرانے کی اجازت ہے، مگر جمع شدہ پیسے پر جو زائد پیسہ واپس ملے گا، اس کو اپنے اوپر خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ انکم ٹیکس سیل ٹیکس کے عنوان سے سرکار کو واپس کردیں یا نادار فقراء کو بلانیت ثواب دیدیں۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مطبع سهارنپور ۱/ ۳۷، قديم مصري ۱/ ۱۴۸، جديد دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

وصرح الحنفية: بأنه إذا مات الرجل و كسبه خبيث (إلى قوله) فالأولیٰ لورثته أن يردوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، فصل في البيع، كراچي ۶/ ۳۸۵، زكريا ۹/ ۵۷۷، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحر الرائق، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، زكريا ۹/ ۳۶۹، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رمحرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ / ۹۴۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱ھ

جیون بیمہ کرانے والے کی امامت

سوال [۹۰۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد اپنے وصف کے اعتبار سے حافظ وقاری ہے، خالد نے جیون بیمہ کرایا، بیمہ کی شکل یہ ہے کہ آپ بیس سال میں قسط وار ۹ / ۱۰ ہزار روپئے جمع کریں گے، بیس سال تک آپ زندہ رہے، تو بھی پچاس ہزار روپئے ملیں گے اور ابھی ایک دو قسط جمع کی ہیں، اچانک کسی حادثہ فاجعہ یا بیمار ہوکر اپنی موت سے مرگئے، تو باقی قسطیں جمع نہیں کرنی پڑیں گی اور آپ کے وارثین کو پچاس ہزار روپئے مل جائیں گے، کیا اب یہ بیمہ کی شکل جائز ہے؟ اگر نہیں اور خالد کو معلوم بھی ہے کہ یہ شکل جائز نہیں ہے، تو کہتا ہے بہت مولوی لوگ کراتے ہیں سب جائز ہے۔ تو کیا ایسے شخص کو امام بنایا جاسکتا ہے؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے؟

المستفتی: عبدالقیوم، معصوم پوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیون بیمہ کی مذکورہ شکل سود ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے، اگر کسی نے کرابھی لیا ہے، تو زائد رقم بلانیت ثواب فقراء کو دینا لازم ہے، اپنے ذاتی صرفہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

نیز خود کے مرنے کے بعد ورثاء کے لئے بھی ذاتی صرفہ میں لگانا جائز نہیں ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آکل الربوا، ومؤکله، وکاتبه، وشاهدیه، وقال: هم سواء. (صحیح مسلم، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، ومؤکله، النسخة الهندیة، ۲/۲۷، بیت الأفکار رقم: ۱۵۹۸)

یجب علیه أن یرده علی مالکه إن وجد المالک، وإلا ففي جمیع الصور یجب علیه أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، یحیٰ سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامیة، بیروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹)

مسجد کی کمیٹی کا فریضہ یہی ہے کہ متبع شریعت اور متقی آدمی امام رکھیں۔ اب رہی خالد کے پیچھے نماز پڑھنا اور خالد کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ تو براہ راست واقعہ کی تفتیش کے بغیر مخصوص شخص پر حکم لگانا مناسب نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۴۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۴/۱۴۱۶ھ

انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بیمہ کرانے کی شرعی حیثیت

سوال [۹۰۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک سرکاری ٹیچر ہوں میرے اوپر انکم ٹیکس لگایا جاتا ہے، اسکول والوں

کی طرف سے ہی انکم ٹیکس بچانے کے لئے ہی ہمیں بینک میں پیسہ جمع کرانا پڑتا ہے، یا .L.I.C کرانی پڑتی ہے، اس پر جو ہمیں سود ملے گا، تو وہ ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور جو تھوڑا بہت انکم ٹیکس سرکار ہمارے اوپر لگاتی ہے، وہ ہر مہینہ ہماری تنخواہ میں سے کاٹ لیتی ہے، اگر ایسا پیسہ ناجائز ہے، تو ایسے پیسہ کو کہاں پر خرچ کریں؟ ایسے پیسہ پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: شبلی حبیب، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انکم ٹیکس ایک ظالمانہ اور جبری ٹیکس ہے، اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے بینک میں پیسہ جمع کرنا جائز ہے، اسی طرح اس جبری ٹیکس سے بچنے کے لئے جیون بیمہ کرانے کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن بہر دو صورت حاصل ہونے والی زائد رقم کا اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے؛ بلکہ اسے بلانیت ثواب فقراء پر تقسیم کرنا لازم ہے، اسی طرح اس زائد رقم کو انکم ٹیکس، سیل ٹیکس اور رجسٹری کے اسٹامپ فیس وغیرہ میں دینا بھی جائز ہے؛ کیونکہ حرام مال کو کسی بھی عنوان سے اس کے مالک تک پہنچانا لازم ہوتا ہے۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۹۹-۱۰۰، ۱۴۰)

إذا كان عند رجل مال خبيث، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مطبع سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

من اكتسب مالا بغير حق...... ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام......ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، قديم مطبع سهارن پور، مصري ۱/۱۴۸، جديد دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/۳۵۹)

صرح الحنفية: بأنه إذا مات الرجل و كسبه خبيث، كأن كان من بيع الباذق، أوالظلم، أو أخذ الرشوة، فالأولىٰ لورثته أن يردوا المال

إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، فصل في البيع، كراچي ۶/ ۳۸۵، زكريا ۹/ ۵۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱/۱۴۳۲ھ

ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لئے P.L.I. کی گنجائش

سوال [۹۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان غیر اسلامی ملک ہے، سرکاری مشینری کی جانب سے مالدار، تجار، ملازمین پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے، جس کا شرع اسلامی میں کوئی وجود نہیں ہے، مسلمان مذہبی فریضہ زکوۃ بھی ادا کرتے ہیں، اس طرح ان پر دوگنا بوجھ پڑ جاتا ہے؛ حالانکہ ان کی معاشی حالت پہلے ہی بہتر نہیں تھی؛ لہٰذا اگر کوئی شخص اس ملکی ٹیکس سے بچنے کے لئے کوئی ایسی تدبیر اختیار کرے، جو عموماً ملک کے چالاک لوگ اختیار کرتے ہیں، مثلاً پوسٹ آفس کی ماہانہ قسط پی ایل آئی P.L.I. کا حربہ اختیار کرے، تو کیا نوعیت اور کیا حیثیت ہوگی؟

نیز دس بیس سال یا معینہ مدت کے لئے رقم جمع کردینا جس پر وہ لوگ منافع بھی دیتے ہیں، جس کو عرف عام میں بونس کہا جاتا ہے، اس کا استعمال کیسا ہے؟ آیا خود استعمال کرسکتے ہیں؟

المستفتی: محمد نعمان، پنجاب وقف بورڈ، انبالہ کینٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ٹیکس میں اگر خطیر رقم دینی پڑتی ہے، تو اس جبری وظالمانہ ٹیکس سے حفاظت کے لئے پی ایل آئی کی گنجائش ہے تاکہ اس خطیر رقم کی حفاظت

ہو سکے؛ البتہ اس پر جو منافع بشکل سود حاصل ہوں، ان کو اپنے استعمال میں لانا قطعاً جائز نہیں؛ بلکہ بلانیت ثواب فقراء پر اس کا صدقہ کرنا لازم اور ضروری ہے۔

نیز بونس کا اپنے استعمال میں لانا قطعاً جائز نہیں؛ بلکہ بلانیت ثواب فقراء پر اس کا صدقہ کرنا لازم اور ضروری ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۴، فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/۱۳۶، ۵/۱۴۹، جدید زکریا ۹/۲۶۲)

إن حصله بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مطبوعه لكهنؤ ١/١٤٨، يحيىٰ سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩)

لو مات الرجل و كسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهوأولىٰ بهم ويردونها على أربابها، إن عرفوهم، وإلا تصدقوابها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٣٨٥، زكريا ٩/٥٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۹۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۱۱/۱۴۲۱ھ

جبری ٹیکس سے بچنے کے لئے جیون بیمہ کرانا

سوال [۹۱۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص سرکاری ملازم ہے، اس کو مکان کی سخت ضرورت ہے، اس کی تنخواہ میں سے فی الحال سالانہ ۳۵۰۰۰/ روپیہ حکومت ٹیکس کاٹ لیتی ہے، اور اپنا مکان نہ ہونے کی

وجہ سے حکومت سالانہ تیس ہزار روپیہ مکان کرایہ کے نام پر دیتی ہے؛ جبکہ اچھا مکان کرایہ کا اس سے زیادہ روپیہ کا ملتا ہے۔ نیز انکم ٹیکس سے بچنے کے ڈر سے جیون بیمہ کرالیا ہے، جس میں سالانہ اٹھارہ ہزار روپیہ جاتا ہے، جس سے مجھ کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ ملازم شخص حکومت کی اسکیم کے تحت اپنا ذاتی مکان خریدنے کے لئے بینک سے لون لے لے، تو انکم ٹیکس میں جو روپیہ جاتا ہے، اور حکومت جو کرایہ مکان کا دیتی ہے جو کہ اپنا مکان ہونے کے بعد بھی دیتی رہے گی، وہ روپیہ اور جیون بیمہ میں جو روپیہ جارہا ہے، یہ سب بچ جائیں گے اور اس کے بدلہ میں بینک کی قسط اتنی ہی مقرر کرلے، جتنا کہ اس کو سالانہ مذکورہ مدات میں خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اب چند سالوں میں اس کا اپنا ذاتی مکان ہوجائے گا، تو کیا ایسا کرنا اس ملازم کے واسطے جائز ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر علاء الدین، سیفی ڈپٹی گنج، تارہ بلڈنگ کے سامنے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی جیون بیمہ کرانے کی وجہ سے ٹیکس کی بچت ہوجاتی ہے، تو جبری ٹیکس سے حفاظت کی غرض سے جیون بیمہ کرانے کی گنجائش ہے، جیسا کہ روپیہ کی حفاظت کے لئے بینک میں پیسہ جمع کرنا جائز ہے؛ لیکن غیر اختیاری طور پر اس میں سود بھی جمع ہوجاتا ہے، اس کو نکال کر بلانیت ثواب فقیروں کو دیدینا لازم ہے، اسی طرح ٹیکس سے حفاظت کے لئے جیون بیمہ کرانے کی اجازت ہے اور اس کے ساتھ جو غیر اختیاری سود ملے گا، اس کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے نادار فقیروں کو بلانیت ثواب دیدینا لازم ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سود کے پیسے کو کسی بھی عنوان سے حکومت کو اسی طرح بینک کو واپس کردیا جائے، چاہے انکم ٹیکس کے نام سے ہو، چاہے سیل ٹیکس کے نام سے ہو اور چاہے سودی قرض کی واپسی کے وقت اس کے سود کے نام سے ہو کسی بھی عنوان سے واپس کردینا جائز ہے اور سوال نامہ میں یہ کہنا کہ بینک سے مکان خریدنے کے نام سے

سودی قرض اور لون لینے میں انکم ٹیکس معاف ہوجاتا ہے؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا انکم ٹیکس میں پیسہ دیا جاتا ہے، اتنا ہی قرض کے ساتھ سود بھی جاتا ہے، اب بینک نے انکم ٹیکس میں معافی لکھ دی اور قرض کے سود پر معافی کا نشان نہیں لگایا، اور یہ انکم ٹیکس پر معافی کا نشان لگانا صرف سودی قرض لینے کی وجہ سے ہوا ہے، تو اب آپ کی طرف سے قرض پر جو سود چڑھا ہے، اس کو واپس کرنے میں دو مقصد ہو سکتے ہیں۔

ایک مقصد یہ ہے کہ انکم ٹیکس ادا کرنا ہے، جس پر بینک نے معافی کا نشان لگا دیا ہے، اگر انکم ٹیکس ادا کرنے کا مقصد ہے، تو گویا آپ نے اصل قرضہ کے ساتھ ساتھ ٹیکس ادا کیا، سود ادا ہی نہیں کیا؛ اس لئے سود کا گناہ نہیں ہوگا۔ اور بینک کا انکم ٹیکس پر معافی کا نشان لگانا اور سود پر معافی کا نشان نہ لگانا خود اس کا اپنا فعل ہے۔

اور دوسرا مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ ٹیکس تو معاف ہوگیا، مگر قرض کے ساتھ سود دینا ہے، اس ارادہ سے اگر قرض کے ساتھ ساتھ سود دیں گے، تو آپ پر سود دینے کا گناہ ہوگا۔ ہم نے سوالنامہ سے جو کچھ سمجھا ہے وہی لکھا ہے، باقی اگر اندرونی معاملہ دوسرا ہو تو اس کے ہم ذمہ دار نہیں۔

الأمور بمقاصدها. (الأشباه قديم ۵۳)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۱۴۸، مطبع ندرة العلماء لكهنؤ، ۱/ ۳۷، مطبع سهارنپور ۱/ ۳۵۹، مطبع دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹)

لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهوأولىٰ بهم ويردونها على أربابها، إن عرفوهم، وإلا تصدقوابها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث

التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/ ٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍۷۹۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۲؍۱۴۲۴ھ

جانی، مالی بیمہ کا حکم

سوال [۹۱۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان کے موجود حالات میں جبکہ مسلمانوں کے جان و مال صنعت وتجارت غیر محفوظ ہیں، جان و مال کا بیمہ کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک شخص جو جیون بیمہ ایجنٹ ہے، وہ ایک پرچہ اسلامی فقہ اکیڈمی اعظم گڈھ (ہند) پانچواں سیمینار منعقدہ ۳۰؍ اکتوبر تا ۲؍نومبر ۱۹۹۲ء کا فیصلہ دکھاتا ہے، جس میں جان و مال کے بیمہ کی اجازت ہے، تو کیا بیمہ ہر دو کا کرا سکتے ہیں؟

المستفتی: محی الدین نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیون بیمہ اور اموال کا بیمہ دونوں بالکل الگ الگ چیز ہیں، اموال کے بیمہ میں سود بالکل نہیں ملتا؛ اس لئے کہ جمع کی جانے والی رقموں میں سے کوئی رقم مدت پر واپس نہیں ملتی ہے اور نہ ہی اس پر اضافہ ملتا ہے؛ البتہ صرف شبہ قمار ہے کہ اگر خدانخواستہ ہلاک ہو جائے گا، تو پورے نقصان کی تلافی کی جاتی ہے، اور عموم بلوی اور حالات کے تقاضہ کی وجہ سے شبہ قمار کی خرابی برداشت کر کے اموال کے بیمہ کی گنجائش قرار دیجاتی ہے؛ لیکن جان کے بیمہ میں صریح سود موجود ہے۔ نیز شبہ قمار بھی موجود ہے، تو اگر شبہ قمار کو ضرورت کی وجہ سے برداشت کرلیا جائے، تو صریح سودی معاملہ جس کو نص قطعی اور نص

قرآنی میں صاف حرام کہا ہے، اس کو فسادات کے احتمال اور جیون بیمہ سے فسادات کے سد باب کے کمزور احتمال کو جواز کی علت قرار دے کر ہرگز گنجائش کے دائرہ میں نہیں لایا جاسکتا ہے؛ لہٰذا جیون بیمہ کرالینا ہرگز جائز نہیں ہے اور سوال میں ذکر کردہ سیمینار میں احقر خود بھی شریک تھا، اور اس سیمینار میں انشورنس کے مسئلہ کو مجمع کے سامنے نہیں پیش کیا گیا، جس سیمینار کا ہر شریک شاہد ہے، تو یہ مسئلہ سیمینار کا فیصلہ کیسے بن گیا؟ البتہ جن کمروں میں الگ الگ طور پر شرکاء سیمینار کا قیام تھا، ان کمروں میں ایک آدمی نے جاکر الگ الگ دستخط لئے ہیں اور اس خاکسار سے بھی دستخط لئے گئے ہیں، مگر خاکسار نے صاف الفاظ میں نوٹ لکھا ہے کہ جیون بیمہ جائز نہیں اور اموال کا بیمہ جائز ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸، سنن أبي داؤد، باب في آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۳، دارالسلام رقم: ۳۳۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۳۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۲/ ۱۴۱۴ھ

دوکان کا بیمہ کرانا

سوال [۹۱۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے شہر کی آبادی ایک لاکھ کے قریب ہے، جس میں تیس فیصد آبادی مسلمانوں کی ہے، اس سے قبل ماضی میں دوبار فساد ہوچکا ہے، اس وقت بھی مسلمانوں کی تمام دوکانوں کو لوٹ لیا گیا تھا، اس شکل میں دوکان کا انشورنس جائز ہے

یا نہیں؟ دیگر صورت مثلا دوکان میں بجلی کے تار سے آگ لگ سکتی ہے، جس سے اگر دوکان تباہ ہوگئی، تو کیا اس شکل میں انشورنس جائز ہے؟

المستفتی: انیس احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان کے موجود حالات میں اگر دوکان اور دیگر املاک کی حفاظت کے لئے ان کے انشورنس کی ضرورت کا احساس ہو، تو ضرورت اور مال کی حفاظت کی غرض سے انشورنس کی گنجائش ہے، فسادات کو بنیاد بنانے کی ضرورت نہیں، بعض انشورنس کمپنی سے معلوم ہوا کہ فسادات میں نقصان ہونے کی صورت میں کمپنی ذمہ دار نہیں ہوتی؛ اس لئے فسادات کو بنیاد بنانا درست نہیں؛ ہاں البتہ حالات کے اعتبار سے ضرورت کے تحت دوکان، مکان، فرم، فیکٹری اور کاروبار کے انشورنس کی گنجائش ہے، اور ضرورت وخطرات صاحب معاملہ خود سمجھیں گے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۴۴)

الضرورات تبیح المحظورات. (الأشباه قديم، قواعد الفقه، اشرفي ديو بند ۸۹، رقم: ۱۷۰، شرح المجلة اتحاد ۱/۲۹، ماده: ۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۹۵)

چونے کی دوکان کا بیمہ کرانا

سوال [۹۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر کی مارکیٹ میں ایک چونے کی دوکان ہے، حالات کے پیش نظر کسی حادثہ کا پیش آجانا یا بجلی کے تار وغیرہ سے آگ لگ جانا کوئی امر مستبعد نہیں، تو اس شکل میں یا دیگر صورتوں میں دوکان کا انشورنس کرانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: انیس احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکان اور دیگر املاک کی حفاظت کی غرض سے بیمہ کرانا ہندوستان کے موجودہ حالات میں جائز اور درست ہے۔ نیز فسادات کے موقع پر جب فسادیوں کو معلوم ہوجاتا ہے کہ فلاں مکان یا فلاں دوکان کا انشورنس ہے، ان کو یہ سمجھ کر نقصان نہیں پہونچاتے ہیں کہ ان کو نقصان پہونچانے سے کوئی فائدہ نہیں؛ کیونکہ ان کو اس کا بدلہ مل جائے گا؛ اس لئے دوکان اور دیگر چیزوں کا انشورنس کرالینا جائز ہے۔

نیز فسادات کا خطرہ نہ ہو؛ لیکن دیگر کسی بھی طریقہ سے حادثہ کا خطرہ ہو، جیسا کہ بجلی کے تار کا سوال نامہ میں ذکر ہے، تو ان صورتوں میں بھی دوکانوں کا انشورنس کرانا جائز ہے۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۴۴)

الضرر یزال. (الأشباه قديم ۵/۱۳۹)

الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه والنظائر قديم ۱۴۰، قواعد الفقة اشرفي ۸۹، رقم: ۱۷۰، شرح المجلة اتحاد ديوبند ۱/۲۹، رقم المادة: ۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۴۸۹)

دوکان، مکان، کارخانہ وغیرہ کا انشورنس کرانا

سوال [۹۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل ہندوستان میں عمومی فتنہ وفساد کا دور چلتا رہتا ہے، جس میں مسلمانوں کی جان مال زد میں رہتی ہے، فسادات کے بعد عمومی طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے مسلمان کے خاندان کا اثاثہ؛ بلکہ نسلوں کی کمائی اور جائز روزی حاصل کرنے کا ذریعہ ختم ہوجاتا ہے، کیا ایسے حالات میں دوکان ومکان وکارخانہ یا جو بھی کاروبار ہو، اس کا انشورنس

کرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ دلائل کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: حبیب احمد ولد ڈاکٹر غلام کریم، خلیل آباد، بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیمہ میں ہلاکت کی صورت میں بیمہ کمپنی جو معاوضہ دیتی ہے، وہ صورۃً ہلاک شدہ مال کا عوض ہے، مگر حقیقت میں اس رقم کا عوض ہے، جو مالک ماہانہ، یا سالانہ داخل کرتا ہے؛ کیونکہ کمپنی کا اصل مقصود یہی رقم ہے، ورنہ مال ضائع کرنے سے ان کا کیا نفع ہوسکتا ہے، ؛ لہٰذا حقیقت کے اعتبار سے سود ہے جانبین میں مساوات نہ ہونے کی وجہ سے۔ اور قمار اور سود دونوں نص قطعی سے حرام ہیں؛ اس لئے جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۱۶۱)

قال اللّٰہ تعالیٰ: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. [المائدة: ۹۰]

وسمیٰ القمار قمارا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ۶/ ۴۰۳، زكريا ۹/ ۵۷۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيرووت ۸/ ۱۴، رقم: ۶ ۴۸ ۹، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۶/ ۲۲۷، زكريا ۷/ ۴۶۶)

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ر شوال المکرم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۳۱۱)

انشورنس بیمہ وجیون بیمہ کا حکم

سوال [۹۱۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انشورنس بیمہ، جیون بیمہ شرع کی رو سے کیسا ہے، ایک کتاب اسلامک فقہ اکیڈمی سے چھپی ہے، جس میں جواز کا فیصلہ ہے۔ آخر خلاصہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد جاوید قاسمی چاندپور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے شائع ہونے والا رسالہ ناقابل اعتبار ہے، جس وقت علماء کرام سے دستخط کرایا جارہا تھا، اس وقت احقر نے دستخط کرتے وقت ایک اختلافی نوٹ لکھا تھا، جس میں احقر کے ساتھ اور بھی علماء شامل ہوگئے، اور ہم نے صاف لفظوں میں لکھدیا تھا کہ فساد کو بنیاد بنا کر جیون بیمہ کو جائز اور درست قرار دینے کو ہم جائز نہیں سمجھتے؛ بلکہ وہ ناجائز اور حرام ہے، اس کے باوجود مذکورہ رسالہ میں ہمارے اس اختلافی نوٹ کو توڑ مروڑ کر اس طرح لکھا گیا کہ مذکورہ حضرات کے نزدیک املاک کا بیمہ درست ہے؛ جبکہ وہاں املاک کے بیمہ کی بحث ہی نہیں تھی، بحث تو صرف جیون بیمہ کے متعلق تھی، یہ رسالہ کے مرتب کرنے والوں کی طرف سے ایک علمی خیانت ہے، جس کا احقر نے ذمہ داران اعلی سے بارہا تذکرہ کیا؛ لیکن احقر کو اس کا کوئی جواب نہیں ملا، اور جیون بیمہ کو شرائط کے ساتھ جائز قرار دینے والوں کے روح رواں حضرت مولانا ظفیر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند نے اپنے سابق فتوی سے رجوع کا اعلان کرلیا ہے، جو رسالہ بحث ونظر اور راشٹریہ سہارا میں متعدد بار شائع ہو چکا ہے؛ لہٰذا مسلمان اس رسالہ سے دھوکہ نہ کھائیں اور جیون بیمہ کو ہرگز جائز نہ سمجھیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍ ۷۷۷۷)

املاک یا زندگی کا بیمہ کرانا

سوال[۹۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جیون بیمہ کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

املاک کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ دونوں کے بارے میں شرعی حکم تحریر فرمادیں۔ نوازش ہوگی۔

المستفتی: ریلائنس ایمان سرمایہ کاری منصوبہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لائف انشورنس، جس کو جیون بیمہ کہا جاتا ہے، صریح سود کے پائے جانے کی وجہ سے اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے؛ اس لئے مختلف حیلوں اور متردد فیہ اعذار کو بنیاد بنا کر اسے کبھی بھی جواز کے دائرے میں نہیں لایا جاسکتا ہے؛ چنانچہ ماضی میں ایسا ہی ہوا ہے کہ فسادات کو بنیاد بنا کر بعض بزرگوں نے لائف انشورنس کی گنجائش لکھی اور بعد میں رجوع بھی کرلیا ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیۃ ۲/۲۰۰، جدید زکریا ۹/۲۴۱، کفایت المفتی ۸/۶-۷۷، جدید زکریا مطول ۱۱/۲۳۹-۲۴۰، فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۶/۳۸۹-۳۹۲)

قرآن وحدیث کے نصوص ملاحظہ فرمایئے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورة البقرہ: ۲۷۵]

قال اللّٰہ تعالی: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ. [البقرہ: ۲۷۶]

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ.

[سورة البقرہ: ۲۸۷-۲۷۸]

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. [سورۂ مائدۃ: ۹۰]

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه. الحديث (مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨، أبو داؤد شريف، البيوع، باب في آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٣، دارالسلام رقم: ٣٣٣٣، مشكوة شريف ٢٤٤)

ولاخلاف بين أهل العلم في تحريم القمار. (أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب تحريم الميسر، زكريا ديوبند١/٣٩٨، سهيل اكيڈمی لاهور ١/٣٢٩)

الربوا هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي. (شامي، كراچي ٥/١٦٨، زكريا ٧/٤٠٠)

املاک کے بیمہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تین مہینہ کے لئے یا چھ مہینہ کے لئے یا سال بھر کے لئے بیمہ کرایا جائے، مثلاً گاڑی کا بیمہ تین مہینہ کے لئے یا چھ مہینہ کے لئے یا سال بھر کے لئے کمپنی میں متعینہ فیس متعینہ مدت کے لئے جمع کردی جائے اور مدت کے درمیان اگر کوئی حادثہ پیش نہیں آیا ہے، تو جمع شدہ فیس میں سے کوئی پیسہ واپس نہیں ملتا ہے، اسی طرح دوکان یا فیکٹری کا بیمہ کرالیا گیا، اس میں بھی متعینہ مدت میں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا ہے، تو جمع شدہ فیس میں سے کوئی پیسہ واپس نہیں ملتا ہے، اسی طرح سالہا سال گذر جائیں اور پیسہ جمع کرنے کا سلسلہ جاری رہے، تو آخر تک کوئی پیسہ واپس نہیں آئے گا، ہاں البتہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو کمپنی کی طرف سے نقصان کی تلافی کی جاتی ہے، اس کو ہم کمپنی کی طرف سے اپنے ایک آدمی کے لئے تعاون کے درجہ میں سمجھتے ہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی اسکول یا مدرسہ میں ضابطہ ہے کہ سالانہ داخلہ فیس اتنے روپیہ ہے اور ساتھ میں یہ بھی ہے کہ اگر وہ بیمار ہو جائے یا آپریشن ہو، تو اس بیماری کا علاج مدرسہ برداشت کرے گا؛ اس لئے کہ یہ مدرسہ کا ایک فرد بن چکا ہے، اسی طرح املاک کا بیمہ کرنے والا اس کمپنی کا ایک فرد بن چکا ہے اور حوادثات کے موقع پر کمپنی کی طرف سے یہ نقصان کی تلافی خصوصی تعاون

ہے، ہاں البتہ حوادث کا پیش آنا ایک امر متردد فیہ اور تعلیق الشیٔ علی الخطر ہے؛ اس لئے شبۃ القمار کی وجہ سے اصلاً ناجائز ہے، مگر ضرورت کی وجہ سے جائز کہا گیا ہے یہی اس احقر کی بھی رائے ہے؛ اس لئے ہم اس کی گنجائش سمجھتے ہیں اور اس میں کچھ شکلیں ایسی بھی ہوتی ہیں، جن میں تجارتی مال کے خریدار کے پاس پہونچانے کی ذمہ دار بھی بیمہ کمپنی بنتی ہے، ایسی صورت میں بیمہ کمپنی ان چیزوں کی شرعاً ذمہ دار بن جائے گی، جیسا کہ شامی کے اس طرح کے جزئیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔

لأن المال ليس في يد صاحب السوكرة؛ بل في يد صاحب المركب، وإن كان صاحب السوكرة، هو صاحب المركب يكون أجيرا مشتركا قد أخذ أجرة على الحفظ وعلى الحمل، وكل من المودع والأجير المشترك لا يضمن مالا يمكن الاحتراز عنه كالموت والغرق ونحو ذلك، فإن قلت: سيأتي قبيل باب كفالة الرجلين، قال لآخر: اسلك هذا الطريق فإنه آمن فسلك وأخذ ماله لم يضمن، ولو قال: إن كان مخوفاً وأخذ مالك فأنا ضامن ضمن، وعلله الشارح هناك بأنه ضمن الغار صفة السلامة للمغرور نصاًالخ أي بخلاف الأولىٰ فإنه لم ينص على الضمان بقوله: فأنا ضامن. (شامي، كتاب الجهاد، فصل في استئمان الكافر، مطلب فيا يفعله التجار من دفع ما يسمى سوكرة، زكريا ٦/ ٢٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۸۸۶)

جان و مال کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟

سوال [۹۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ آج کل بیمہ کمپنی کے ایجنٹ منسلک کتاب اسلامی فقہ اکیڈمی کا ہندوستان کے موجودحالات میں انشورنس کے جواز کے فیصلہ کے ذریعہ سیدھےسادھے مسلمانوں کوشریعت کاحکم بتاکر مطمئن کردیتے ہیں، جس کی وجہ سے مسلمان اپنی جان ومال کا بیمہ کرالیتے ہیں، اس سلسلہ میں شرعی حکم مطلوب ہے کہ آیاجان و مال کے بیمہ کی شرعاً کچھ گنجائش ہے یانہیں؟ منسلکہ کتاب کی کیا حقیقت ہے؟ کیا بیمہ کے جواز کے لئے وہ مستند ہے؟ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں؟

المستفتی: عبدالقادرعفی عنہ، خادم مدرسہ انصارالعلوم، سرائے رجب علی، نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی فقہ اکیڈمی کی طرف سے جوکتابچہ شائع ہواہے، وہ قابل اعتبار وقابل اعتماد نہیں ہے، جس وقت علماء سے دستخط کرائے جارہے تھے، اس وقت احقر بھی وہاں موجود تھا، چنانچہ ہمارے ساتھ اور بھی علماء شامل ہوئے، ان میں سے تین کا نام اس رسالہ کے اندر اختلافی نوٹ کےساتھ موجود ہے،اور ہم نے صاف لفظوں میں لکھ دیا تھا کہ فسادات کو بنیاد بنا کرجیون بیمہ کوجائز اور درست قرار دیاہے، ہم اس کو جائزنہیں سمجھتے ہیں، وہ ناجائز اورحرام ہے، ہمارے اس اختلافی نوٹ کو مذکورہ کتابچہ میں توڑ مروڑ کراس طرح لکھا کہ مذکورہ حضرات کےنزدیک املاک کا بیمہ درست ہے، خود اس عبارت میں بڑی غلطی یہ ہے کہ مذکورہ حضرات ان کوکہا جاتاہے، جن کا ذکر ماقبل میں گذرچکا ہو بعد میں جن کا ذکر ہوتاہے ان کے بارے میں ذیل کا لفظ کہا جاتاہے،خود اردو عبارت کی بھی یہی غلطی ہے۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ املاک کے بیمہ سے متعلق بحث ہی نہیں تھی؛ بلکہ بحث اور گفتگو جیون بیمہ سے متعلق تھی اور جیون بیمہ کے الفاظ کوحذف کرکے املاک کا بیمہ لکھدیا یہ موضوع سے ہٹ کر دوسری بات لکھنا ثابت ہوا، جواس رسالہ کے مرتب کرنے والوں کی طرف سے

ایک علمی خیانت ہے؛ چنانچہ احقر نے ذمہ دار حضرات سے بارہا اس بات کا تذکرہ کیا ہے، کہ ہمارا اختلاف املاک کے بیمہ سے تھا ہی نہیں۔ آپ نے اس نوٹ کو توڑ مروڑ کر کیوں لکھا؟ ہمیں اس کا جواب نہیں ملا۔

نیز جن شرائط کو بنیاد بنا کر جیون بیمہ کی گنجائش لکھی گئی تھی، ان شرائط کا عوام کے ذہنوں میں دور دور تک خیال بھی نہیں رہا ہے؛ بلکہ عوام یہ سمجھتے ہیں کہ علماء نے جیون بیمہ کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے، اور اخبارات میں بھی اسی طرح اعلان ہو چکا تھا۔ نیز شرائط کے ساتھ جائز قرار دینے والوں کے روح رواں حضرت مولانا ظفیر الدین صاحب، مفتی دارالعلوم دیوبند نے اس رائے سے رجوع کا اعلان فرما دیا تھا، اخبار راشٹریہ سہارا میں کئی مرتبہ اس رجوع کا اعلان ہوا، رسالہ بحث ونظر میں بھی ان حضرات کے رجوع کا اعلان ہو چکا تھا؛ اس لئے اس رسالہ کے ذریعہ سے مسلمان دھوکہ نہ کھائیں اور جیون بیمہ کو ہرگز جائز نہ سمجھیں۔ احقر اس رسالہ کے وجود سے متعلق اول سے آخر تک تمام رازوں سے واقف ہے؛ اس لئے صراحت کے ساتھ ہم اس کا اعلان کرتے ہیں کہ مسلمان اس رسالہ پر اعتماد نہ کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۷۶۶)

ہیلتھ انشورنس

سوال [۹۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سے پیچیدہ امراض اور (ایمرجنسی حالات) میں لاکھوں روپئے کے اخراجات آتے ہیں، گورنمنٹ ہاسپٹل میں ان سہولتوں کا فقدان ہے، تو پھر ایسے حالات میں ایک مسلمان کے لئے (ہیلتھ انشورنس) یا بینک کے ذریعہ لون لینا جائز ہے یا نہیں؟ زندگی

تو غریب امیر ہر ایک کی قیمتی ہوتی ہے۔

المستفتی: مفتی عتیق الرحمٰن، کامٹی، ناگ پور (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امراض کے آئندہ پیش آنے کے خطرہ سے سودی قرض لینا جائز نہیں۔ ہاں البتہ خطرناک مرض پیش آچکا ہے، اور اس کا علاج بڑی رقم کے بغیر ہو نہیں سکتا اور مریض کے پاس اس کا انتظام نہیں ہے، اور نہ ہی اس کو بغیر سود کے قرض حسن مل پایا ہے، تو ایسی صورت میں سود پر قرض لے کر اپنا علاج کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن یہ بات بھی خوب سوچ لیں کہ اس قرض کی ادائے گی سے پہلے سود پر سود نہ بڑھنے پائے، جس کا ادا کرنا انتہائی دشوار کن ہوجائے۔

يجوز للمحتاج الاستقرض بالربح. (الأشباه والنظائر قديم ۱٤۹، البحر الرائق، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ديوبند ٦/ ٢١١، كوئٹه ٦/ ١٢٦)

الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه والنظائر قديم ۱٤۰، قواعد الفقة اشرفي ۸۹، رقم: ۱۷۰، شرح المجلة رستم اتحاد ديوبند ۱/ ۲۹، رقم المادة: ۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۴۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

صحت کا بیمہ کرانا

سوال [۹۱۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ روپیہ سالانہ دے کر کوئی شخص اپنا اور اپنی بیوی بچوں کی صحت کا (صرف علاج کے خرچ کے لئے) بیمہ یہ سوچ کر کراتا ہے کہ خدانخواستہ کوئی خطرناک بیماری یا آپریشن کی حالت واقع ہونے پر پیسے کی تنگی کی وجہ سے اچھے علاج سے محروم نہ رہ جائے؛ جبکہ سرکاری

ہسپتال کے فری علاج پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہے، صحت کے بیمہ کے بارے میں یہ واضح رہے کہ بیمہ کرنے والی کمپنی کچھ روپیہ سالانہ لے کر کسی کی زندگی وصحت کی گارنٹی نہیں دیتی ہے، یہ ان کے فارم پر صاف صاف لکھا ہوتا ہے؛ بلکہ وہ کمپنی صحت کا بیمہ کئے ہوئے شخص کی اپنے طور پر پیسہ سے مدد بھی کرتی ہے تاکہ وہ بوقت ضرورت کمپنی کے بتائے ہوئے اچھے پرائیویٹ ہسپتال میں بنا پیسے کے علاج یا آپریشن کرا سکے اور علاج ومعالجہ پر ہوئے خرچ کا بھگتان کمپنی ہسپتال کو کرتی ہے، چاہے وہ شخص صحت مند ہو یا نہ ہو، اگر اس شخص یا اس کے بیوی بچے کو علاج کی ضرورت پیش نہ آئی، تو کمپنی میں جمع ہوا پیسہ اس شخص کو کبھی بھی واپس نہیں ملتا، وہ کمپنی کا ہو جاتا ہے، اس طرح کے بچے پیسہ سے ضرورت مند صحت بیمہ کئے ہوئے لوگوں کا علاج ہو جاتا ہے، تو کیا یہ صحت کا بیمہ کرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر وارث احمد، منگل بازار، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحت کا بیمہ اپنی شرائط کے اعتبار سے جوا اور قمار ہے، صرف ایک موہوم نفع کی بنیاد پر ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی؛ اس لئے کہ قمار کی کوئی بھی شکل قطعاً جواز کے دائرہ میں داخل نہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۳۰، احسن الفتاوی ۵/۲۵)

وقال الجصاص لاخلاف في أهل العلم في تحريم القمار، إن المخاطرة من القمار، قال ابن عباس رضـ المخاطرة قمار. (أحكام القرآن للتهانوي ١/ ٢٨١)

وقال قوم من أهل العلم القمار كله من الميسر (إلى قوله) وحقيقة تمليك المال على المخاطرة. (أحكام القرآن للجصاص، سورة المائدة، باب تحريم الميسر، زكريا ديو بند ٢/ ٥٨٢، سهيل اكيڈمی لاهور ٢/ ٤٦٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۹۷۷)

طبی اعتبار سے جیون بیمہ کرانا

سوال [۹۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص جیون بیمہ کرائے، تو کیا اس بیمہ کی ملی رقم اس کے بچوں کی پرورش کے لئے جائز ہوگی؛ جبکہ بیمہ کراتے وقت اس شخص کی نیت یہ تھی کہ وہ اپنی زندگی میں بیمہ کی میعاد پوری ہونے پر جمع ہوئی اصل رقم سے بڑھ کر جو پیسہ ملے گا وہ اس پیسہ کو اپنے ذاتی اور بیوی بچوں پر خرچ نہیں کرے گا؛ بلکہ اس روپیہ کو غریب نادار ضرورت مندوں اور محتاجوں کی ضرورت میں صرف کرے گا کبھی کبھی یہ باتیں اس طرح کے لوگوں کے دل ودماغ میں بھی آتی ہیں کہ جو لوگ علاج ومعالجہ کرانے سے مجبور ہوتے ہیں اور ڈاکٹر لوگ بھی اس طرح کا مشورہ ایسے لوگوں کو ضرورت سے زیادہ فکر وخوف کا غلبہ پیدا ہونے کی صورت میں علاج معالجہ کے طور پر دیئے ہیں، دلی سکون ودماغی توازن کو بنائے رکھنے کے لئے صرف طبی اعتبار سے بیمہ کرا سکتا ہے یا نہیں؟ نیت وہی ہے جو اوپر بیان کردی گئی ہے۔

المستفتی: ڈاکٹر وارث احمد، منگل بازار، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرام کام نیت کو درست کرنے کی وجہ سے حلال نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا کوئی بھی سودی معاملہ درج کردہ اعذار کی بنا پر جائز نہیں ہے، یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی عورت اولاد صالحہ کی آرزو اور نیت کرتی ہے اور اس کا شوہر ناکارہ ہے، مردانی قوت نہیں ہے اور اولاد صالحہ کی نیت سے کسی دوسرے مرد سے منھ کالا کرلیتی ہے، یہ عمل قطعی طور پر حرام ہے اور جیون بیمہ کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، جیسا کہ بدکاری اور شراب وخنزیر کی حرمت بھی نص قطعی سے ثابت ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۳۲، جواہر الفقہ ۲/۱۷۰، جدید زکریا ۴/۴۵۵)

قال اللہ تعالیٰ: اَلَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ الرِّبَا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ. [سورة البقرة: ۲۷۵]

وفي الآیة: یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ. [البقرة:۲۷۶]

قال اللہ تعالی: فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِه. [البقرة: ۲۸۹]

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم آکل الربوا، ومؤکله، وکاتبه، وشاهدیه، وقال: هم سواء. (صحیح مسلم، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، ومؤکله، النسخة الهندیة، ۲/۲۷، بیت الأفکار رقم:۱۵۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ / ربیع الأول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۹۷۹)

گاڑی کا انشورنس کروانا

سوال [۹۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستانیوں کے لئے گاڑی کا انشورنس بنوانا لازمی ہے، نہ بنوانے کی صورت میں گاڑیاں پکڑی جاتی ہیں، کیا یہ انشورنس بنوایا جاسکتا ہے؟

المستفتی: شمشاد احمد اعظمی، مؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گاڑی کا انشورنس کروانا جائز ہے، اسی طرح دوکانوں، فرموں اور فیکٹریوں کا انشورنس بھی جائز ہے، اس میں صرف انشورنس کے نام سے فیس جمع ہوتی رہتی ہے، جمع شدہ رقم واپس نہیں ملتی؛ البتہ بہت شاذ ونادر کوئی حادثہ پیش آجائے تو جو کچھ کمپنی کی طرف سے ملتا ہے وہ بطور تعاون سمجھا جائے گا۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۲۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رمحرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ ر ۹۴۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱ھ

انشورنس کی سودی رقم کا مصرف

سوال [۹۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے خالہ زاد بھائی تقریباً بیس سال پہلے ایک لاری سے ایکسیڈنٹ میں انتقال کر گئے، ان کے دوسرے بھائیوں نے انشورنس کمپنی پر مقدمہ دائر کردیا تھا، لاری کا انشورنس تھا؛ اس لئے انشورنس کمپنی پر مقدمہ دائر کیا۔ اب پندرہ یوم قبل کمپنی سے تقریباً ۱۹۲۰۰ روپیہ ملا ہے؛ کیونکہ یہ روپیہ کمپنی کی طرف سے کافی تاخیر سے ملا ہے؛ اس لئے جج صاحب کا فیصلہ ہے کہ کمپنی اس پر سود بھی دے۔ اب سود گیارہ ہزار وصول ہوا ہے، تو ایسی صورت میں معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ روپیہ کسی مدرسہ، مسجد یا کسی اور دینی ادارہ میں دیا جاسکتا ہے یا کسی یتیم بچی کی شادی میں اخراجات نکال کر جو رقم بچتی ہے وہ دیدی جائے، ہم اس روپیہ کو اپنی ذات پر خرچ کرنا نہیں چاہتے؛ اس لئے یہ معلوم کرنا ہے کہ تینوں مصرف میں سے کس مصرف میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: حسین احمد خاں، بٹوالی امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چونکہ انشورنس کمپنی سے جو روپیہ مع سود کے حاصل ہوا ہے، وہ مال مشکوک ہے؛ اس لئے مسجد یا مدرسہ میں نہ لگایا جائے؛ بلکہ تیسری صورت یعنی یتیم بچی کی شادی میں خرچ کردیا جائے؛ کیونکہ مسجد و مدرسہ میں مشتبہ مال لگانا ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۶/ ۹۹، جدید زکریا ۹/ ۱۰۸)

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثاً، ومالا سببه الخبيث، والطيب فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله.

(شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة الخ، قبيل مطلب في افضل المساجد، كراچي ۱/ ۵۸۸، زکریا ۲/ ۴۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍ ۴۶۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲؍ ۲؍ ۱۴۱۷ھ

ایل، آئی، سی، میں جمع شدہ رقم پر ملے سود کا مصرف

سوال [۹۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر ہم نے .L.I.C ۵۰۰۰۰؍ کی کرائی، تو دس سال بعد ہمیں ایک لاکھ ملیں گے، تو یہ پچاس ہزار روپیہ جو زائد ہیں کیا ہمارے لئے جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہیں، تو ہم اس روپیہ کو لے کر کن کاموں میں صرف کریں؟ اور بینک کے ملے ہوئے سود کو ہم کن کاموں میں صرف کر سکتے ہیں؟

المستفتی: شبلی حبیب، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایل، آئی، سی اور انشورنس میں اپنی جمع شدہ رقم پر جو زائد رقم ملتی ہے، وہ سود اور حرام ہے، اس کو اپنے اوپر خرچ کرنا جائز نہیں اور ایسے پیسے کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ کسی بھی عنوان سے جہاں سے آیا ہے، وہیں واپس کر دیا جائے؛ لہٰذا اگر یہ رقم سرکاری بینک سے آئی ہے، تو انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس میں دینا جائز ہے، اور اگر آپ کے اوپر ٹیکس واجب نہیں ہے، تو ان پیسوں کو بغیر نیت ثواب ایسے فقیروں کو دینا واجب ہے، جو وقت کے فاقے سے ہیں۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي (إلى قوله) ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، قديم مصري ۱/۴۸، مطبع سهارنپور ۱/۳۷، جديد دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

وإذا مات الرجل وكسبه خبيث، فالأولىٰ لورثته أن يردوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷ ؍ ۸۱۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴ ؍ ۶ ؍ ۱۴۲۴ھ

جیون بیمہ کے بدلے ملی رقم کو اپنی ضروریات میں صرف کرنا

سوال [۹۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید ہر ماہ جیون بیمہ میں روپئے جمع کرتا ہے، بیمہ دو سال کا ہے اور کمپنی ہر پانچ سال میں پانچ ہزار روپئے بونس دیتی ہے اور ۲۰ ؍ سال پورے ہونے کے بعد یہ رقم پانچ ہزار بونس کمپنی کاٹ لیتی ہے۔ کیا اس رقم سے بیت الخلاء بنوایا جاسکتا ہے اپنی ضروریات کے لئے؟ یا یہ رقم تلک میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ تلک لینا دینا مسلمانوں میں حرام ہے اور بونس سود ہے، تو حرام تلک میں حرام رقم استعمال کرسکتا ہے یا کسی غریب کو بلا نیت ثواب رقم کو دینا جائز ہے؟

(۲) ۲۰ ؍ سال پورے ہونے کے بعد چالیس ہزار روپئے کمپنی دیتی ہے، اپنی رقم جبکہ

بیس ہزار ہے، وہ بیس ہزار تو سود ہو گیا۔ یہ رقم کس چیز میں استعمال کرسکتا ہے؟ کسی غریب، یتیم لاوارث کو بلانیت ثواب دینا جائز ہے؟ کیا یہ رقم اپنی بھانجی کی تلک میں دینا جائز ہے؟ اور بیت الخلاء اپنی ضروریات کے لئے بنواسکتا ہے؟

المستفتی: روح اللہ، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولاً تو جیون بیمہ کروانا ہی شرعاً درست نہیں ہے اوراس کے بدلے میں ملنے والی زائد رقم سود ہونے کی وجہ سے مال حرام ہے؛ لہٰذا اس رقم سے اپنی ضروریات کے لئے بیت الخلاء بنوانا اوراس کو تلک وغیرہ میں دینا جائز نہیں؛ بلکہ بلانیت ثواب فقراء پر تقسیم کردینا واجب ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لا يريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مطبع لكهنؤ ١/١٤٨، مطبع سهارنپور ١/١٣٧، جديد دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث٥٩)

و إذا مات الرجل و كسبه خبيث، فالأولىٰ لورثته أن يردوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، محموديه ٢٠٣/٤، جديد ڈابهيل ٣٨٣/١٦، ايضاح النوادر ١/١٣٣، ١/٩٩، فتاوى رحيمية ٢/٢٠٠، جديد زكريا٩/٢٤١ و ٩/٢٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۲۵۴/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۲۰ھ

بیمہ اور ایف، ڈی، میں ملنے والی زائد رقم کا حکم

سوال [۹۱۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) میرے شوہر کا انتقال ہوگیا، ان کا بیمہ کیا ہوا ہے، اب آپ بتائیے کہ یہ پیسہ میرے اور میرے بچوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ میری دو بیٹیاں ہیں، دونوں جوان ہیں، اس میں ایک بیٹی بیمار ہے، اس کے لئے دوائیوں کا خرچ ہے، ایک بیٹا ہے، وہ چھوٹا ہے، اس حالت میں یہ پیسہ میرے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟

(۲) ہم نے اگر ایف ڈی کرائی بینک سے تو پانچ سال کے بعد اس کے پیسے لینے جائز ہیں یا نہیں؟

المستفتی: صالحہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بیمہ کرانے میں جو سود ملتا ہے، وہ شریعت میں جائز نہیں ہے؛ بلکہ ناجائز اور حرام ہے، غریب مسکین کو صدقہ کردینا لازم ہوتا ہے؛ لیکن اگر آپ انتہائی ضرورت مند ہیں اور آپ کا کوئی سہارا نہیں ہے، اور بیٹی کی بیماری کا خرچ زیادہ ہے، تو ایسی صورت میں آپ کو اور آپ کی بیٹی کو غریب مسکین کے درجہ میں قرار دے کر بیمہ کے پیسہ کو بیٹی کے علاج میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. [سورۂ مائدۃ: ۹۰]

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. [آل عمران: ۱۳۰]

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه

فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء . (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، طبع مصري ١٤٨/١، سهارنپور ٣٧/١، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ٣٥٩/١، تحت رقم الحديث: ٥٩)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع زكريا ٥٥٣/٩، كراچي ٣٨٥/٦)

(۲) جو ایف ڈی کرائی گئی ہے، جس کا پیسہ پانچ سال کے بعد ملے گا، اس میں جو سود ملے گا، وہ حلال نہیں ہے؛ بلکہ حرام ہے اور حرام مال میں اصل حکم یہ ہے کہ جہاں سے آیا ہے، اس کو کسی بھی عنوان سے وہاں واپس کر دیا جائے؛ لہٰذا اگر آپ پر انکم ٹیکس یا کوئی اور سرکاری ٹیکس لازم ہے، تو اس ٹیکس کے عنوان سے سرکار کے خزانہ میں جمع کر دینا جائز ہے، اسی طرح اگر کسی جائیداد کی خریداری کا اسٹامپ پیپر ہے تو اس میں بھی دینا جائز ہے؛ کیونکہ یہ پیسہ سرکاری خزانہ میں پہونچ جاتا ہے ورنہ سودی پیسہ بلا نیت ثواب فقراء میں تقسیم کر دینا لازم ہوتا ہے۔

ما حصل بسبب خبيث فالسبيل رده أي إلى أرباب الأموال.

(قواعد الفقه اشرفي ١١٥، منتخبات نظام الفتاوى ١٩٢/٣، ايضاح النوادر ٩٩-١٠١)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة......ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مطبع سهارنپور ٣٧/١، مصري ١٨٤/١، دارالبشائر الإسلامية بيروت ٣٥٩/١، تحت رقم الحديث: ٥٩)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مطبع

سهـارنپـور ۱/ ۳۷، دار البشائر الإسلامية بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۳۲/۴۰)

لائف انشورنس اور ایف ڈی کی اضافی رقم رشوت میں دینا

سوال [۹۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک مکان سات سال قبل خریدا ہے، جس میں پہلے ہی سے ایک کرایہ دار ہے، میں نے اس کرایہ دار سے مکان خالی کرنے کے لئے کہا، تو اس نے ایک نہ سنی مجھے مجبور ہو کر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا، کئی سال گذرنے کے بعد بھی ابھی تک تاریخیں پڑ رہی ہیں، مقدمہ قاعدے میں شروع بھی نہیں ہوا ہے، میں نے اس سلسلہ میں چھان بین کی تو معلوم ہوا کہ جج صاحب سے بات کرلو جتنا روپیہ وہ مانگیں، ان کو دیدو تمہارا کیس جلد از جلد شروع ہو جائے گا، اور فیصلہ بھی تمہارے حق میں ہوگا یا کرایہ دار سے بات کرلو جو وہ مانگے اس کو دے دو تو بھی آپ کا مکان خالی ہو جائے گا، تو کیا لائف انشورنس یا ایف ڈی میں زائد ملنے والی رقم کو اس مد میں لگا سکتے ہیں؟ کیا یہ عدالت کا اور کرایہ دار کا ظلم نہیں ہے؟

المستفتی: جمیل احمد، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لائف انشورنس یا ایف ڈی کے ذریعہ حاصل ہونے والی زائد رقم جو کہ سود ہے، رشوت میں دینا جائز نہیں؛ بلکہ بلا نیت ثواب اس کو غرباء پر صدقہ کرنا واجب ہے؛ لہٰذا حصول حق کے لئے اگر رشوت دینے پر مجبوری ہو، تو اپنے اصل مال سے دینے کی گنجائش ہے، مگر لینے والے کے لئے کسی حالت میں بھی لینا جائز نہیں۔

ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك.

(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، قديم مصري ۱/ ٤٨، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/ ۳٥۹، تحت رقم الحديث: ٥۹)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٤/ ۲٤٦)

قال في الشامي: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله، ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع. (كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/ ٤۲۳، زكريا ۹/ ٦۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۹۴۷)

پرائیویٹ بیمہ کمپنی کی سودی رقم حکومت کے ٹیکس میں دینا

سوال [۹۱۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ استفتاء نمبر الف ۴۳۵۱/۲ میں یہ بات رہ گئی تھی کہ ہمارے یہاں (ساؤتھ افریقہ) بینکیں سرکاری نہیں ہیں، نہ حکومت کا کچھ تعلق ہے، ان بینکوں کے بجائے لائف انشورنس کمپنیاں ہونی چاہئیں؟؛ لہٰذا اس صورت میں حکم شرعی مرحمت فرمادیں۔

المستفتی: محمد شعیب وارث، پوسٹ بکس ۳۳۹۳، ساؤتھ افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پرائیویٹ کمپنی میں بیمہ کراکے اس کی سودی رقم حکومت کے ٹیکس میں دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ انہیں کمپنی کو کسی بھی عنوان سے واپس کردینا یا نادار مسکین غریب کو بلانیت ثواب دینا واجب ہے۔

ویجب علیه أن یرده علی مالکه إن وجد المالک، وإلا ففي جمیع الصور یجب علیه أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، قدیم مصري ۱/ ۴۸، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامیة بیروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹)

لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل في البیع، امدادیة ملتان ۶/ ۲۷، زکریادیوبند ۷/ ۶۰)

البتہ حکومت کے جبری ٹیکس سے بچنے کے لئے جو بھی حیلہ اور پالیسی اختیار کرنا ممکن ہو، مثلاً کذب بیانی وغیرہ اختیار کرکے اپنا مال بچانے کی شرعی طور پر گنجائش ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۶)

الکذب مباح لإحیاء حقه، ودفع الظلم عن نفسه. (در مختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، زکریا ۹/ ۶۱۲، کراچي ۶/ ۴۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۹۹)	۱۴۱۶/۶/۱۸ھ

L.I.C کی رقم جہیز میں دینا

سوال [۹۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک گورنمنٹ ملازم ہوں، اگر L.I.C کروالیتا ہوں، تو انکم ٹیکس کی ادائے گی میں مجھے کچھ مراعات حاصل ہوجائیں گی، تو کیا اس مقصد سے L.I.C کرواسکتا ہوں؟ اور پھر L.I.C کی مدت پوری ہوجانے پر زائد رقم کو اپنے مصرف مثلاً لڑکی کی شادی کے جہیز وغیرہ میں استعمال کرسکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: عبد الودود انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: L.I.C کرانے کی وجہ سے اگر انکم ٹیکس کی ادائے گی میں کافی رقم بچ جاتی ہے، تو L.I.C کرالینے کی گنجائش ہے؛ لیکن بعد میں اصل رقم سے جو زائد رقم ملے گی، اس کو اپنی لڑکی کے جہیز میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ فقراء ومساکین پر صدقہ کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۹۹، فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/۱۳۶، جدید زکریا ۹/۲۶۲)

إن حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، قديم مصري ١/١٤٨، يحيٰ سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه.

(البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، كوئٹه ٨/٢٠١، زكريا ٩/٣٦٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۸۹۰/۳۶)	۱۴۲۴/۱/۲۸ھ

بیمہ کی رقم شرعی وارثین استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

سوال [۹۱۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے زندگی میں بیمہ کرایا تھا، اس کا انتقال ہوگیا، پھر لائف انشورنس کارپوریشن نے اس کے وارثوں کو ایک لاکھ روپیہ دیا؛ جبکہ زید نے اپنی حیات تک صرف اکیس ہزار روپیہ لائف انشورنس میں جمع کیا تھا، ایسا اس سبب سے لائف انشورنس کمپنی نے کیا کہ اس کا قانون بنایا ہوا ہے کہ درمیان مدت میں جمع کرنے والا

مرگیا، تو جتنی رقم جمع کرنے کو اس نے لکھایا تھا، وہ رقم اس کے وارثوں کو کمپنی دے گی، تو کیا یہ رقم وارثوں کو اپنے خرچ میں لانا جائز ہے؟

المستفتی: محمد فیاض، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وارثین صاحب نصاب ہیں، نادار فقیر نہیں ہیں، تو جمع شدہ سے زائد رقم کو ان کے لئے اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے؛ بلکہ اس کو بلانیت ثواب فقراء میں تقسیم کردینا واجب ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث (إلى قوله) فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مصري ١/١٤٨، يحيٰ سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩)

وإذا مات الرجل و كسبه خبيث، فالأولىٰ لو رثته أن يردوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۵/ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۳۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۵ھ

(۷) باب القمار

ہارنے والی ٹیم کا جیتنے والی ٹیم کو کھلانا پلانا

سوال [۹۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں کھلاڑیوں کی ۲ر جماعتوں نے کھیل میں یہ طے کیا کہ جو بھی ہار گیا، وہ جیتنے والے کو ۱۰۰ر روپئے دے گا، مقامی ایک عالم دین نے ان کو سمجھایا اور کہا کہ یہ تو جوا ہے، آپ لوگ ایسا کرلیں کہ ہارنے والا بھی اور جیتنے والا بھی سب مل کر کچھ کھا پی لیا کریں اور پیسے ہارنے والا ہی دیا کرے، اس طرح جیتنے والا اور ہارنے والا برابر کھانے میں شریک ہوں گے، معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ دوسرا طریقہ جو عالم صاحب نے بتلایا ہے درست ہے؟ یہ جوا تو نہیں؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن عالم صاحب نے دوسری شکل بیان کی ہے، اس میں اگر یہ قید نہ ہوتی کہ ہارنے والا ہی پیسے دیا کرے گا، تب جائز ہوتا، چاہے اس پیسے کو دونوں فریق مل کر کھائیں، ایک طرف سے پیسے کی بات آنے کی وجہ سے یہ بھی عدم جواز کے دائرے میں داخل ہوگیا۔

ولو قال: أحدهما لصاحبه إن سبقتني فلك علي كذا، وإن سبقتك فلاشيئ عليك فهو جائز؛ لأن الخطر إذا كان من أحد الجانبين لا يحتمل القمار. (بدائع الصنائع، كتاب السباق، زكريا ۵/ ۳۰٦، كراچي٦/ ۲۰٦)

إن شرط لمالٍ في المسابقة من جانب واحد. تحته في الشامية: بأن يقول أحدهما لصاحبه إن سبقتني أعطيتک كذا، وإن سبقتک لا آخذ

منک شیئًا-إلی قوله-ولا کذلک إذا شرط من جانب واحد؛ لأن الزیادة والنقصان لا تمکن فیهما؛ بل في أحدهما تمکن الزیادة، وفي الآخر الانتقاص فقط، فلا تکون مقامرة؛ لأنها مفاعلة منه. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، فصل في البیع، زکریا ۹/۵۷۷-۵۷۸، کراچي ۶/۴۰۳، تبیین الحقائق، امدادیة ملتان ۶/۲۲۷، زکریا ۷/۴۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۳۴/۳۸)

قرعہ اندازی کے ساتھ حج بیسی کا حکم

سوال [۹۱۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ء کو آپ کے دار الافتاء سے بتحریر آنجناب حج بیسی سے متعلق ایک استفتاء کا جواب (الف ۸۸۳۸) جاری ہوا، جس کے عدم جواز کی ایک وجہ حضور والا نے یہ رقم فرمائی کہ صورت مسئولہ میں قرعہ اندازی کا یہ طریقہ جوا، اور قمار کے مشابہ ہے، گستاخی معاف دارید، قرعہ اندازی کی صحیح صورت کیا ہے؟ آگاہ فرمائیں۔

نیز معارف القرآن ۳؍۴۷ مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ میں بعنوان (قرعہ اندازی کی جائز صورت) دو صورتیں تحریر کی ہیں:

(۱) جب سب کے حقوق مساوی ہوں اور حصے بھی سب کے مساوی تقسیم کردیئے گئے ہوں، پھر حصوں کی تعیین بذریعہ قرعہ اندازی کرلی جائے، مثلاً ایک مکان چار شریکوں پر تقسیم کرنا۔

(۲) یا کسی چیز کے خواہشمند ایک ہزار ہوں اور سب کے حقوق مساوی ہوں، مگر جو چیز تقسیم کرنی ہے وہ کل سو ہیں، تو اس میں قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے، ہمارا

طریقۂ قرعہ اندازی ہماری ناقص فہم کے مطابق مذکورہ دوسری صورت سے منطبق ہے۔

دوسری بات عرض معروض یہ کہ ہم حج بیسی کی یہ صورت صرف زیارت حرمین کے اشتیاق میں اختیار کررہے ہیں اور یہ مقصد وشوق عمرہ کے ذریعہ بھی پورا ہوسکتا ہے؛ لیکن ہم نے زمانہ حج میں اس کو پورا کرنا زیادہ مناسب سمجھا تاکہ حج جیسی اہم عبادت کا ثواب بھی حاصل ہوجائے؛ اس لئے سوال کے الفاظ دوبارہ اس طرح ملاحظہ ہوں۔

ہم نے بیس افراد تشکیل دیئے، فی ممبر سالانہ سات ہزار روپئے دس سال تک جمع کرتے ہیں، جس سے ہر سال ایک لاکھ چالیس ہزار روپئے جمع ہوتے ہیں اور بیس ممبروں میں دو، دو کی جوڑیاں بنائی ہیں، جوڑیوں کے نام قرعہ اندازی کرتے ہیں، جس جوڑی کے نام قرعہ آتا ہے، وہ اس رقم سے زیارت حرمین کو جاتے ہیں اور یہ صورت دس سال تک چلے گی، جس میں تمام ممبروں کا نمبر آجائے گا، اس کے شرائط حسب ذیل ہیں:

(۱) یکم ربیع الاول کو ہر ممبر پر ایک ہزار روپئے ادا کرنا لازم ہیں اور بقیہ رقم ختم شوال تک ادا کرنا لازم ہے۔

(۲) حج کرنے سے قبل کسی ممبر کے فوت ہونے کی صورت میں اب تک بھری گئی رقم اس کے ورثاء کی رضامندی کے ساتھ ان سے وصول کی جائیگی، ان کے بخوشی نہ دینے کے صورت میں تمام ممبران حج بیسی فوت ہونے والے ممبر کو اپنا حق معاف کرتے ہوئے اس کی بقیہ قسطوں کو اپنے اوپر تقسیم کرلیں گے۔

المستفتی: ممتاز احمد قاسمی، جودھ پور، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرعہ اندازی کے ساتھ حج بیسی کی جو شکل دس سالہ مدت کے درمیان کی پیش کی گئی ہے، اور اس کا جواب ۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ کو مدرسہ شاہی کے دارالافتاء سے جاری کیا گیا ہے، وہ صحیح اور درست ہے اور پھر سائل نے معارف القرآن

کے حوالے سے قرعہ اندازی کی دوشکلیں لکھ کراور قرعہ اندازی کے ذریعہ نام نکلنے والوں کوشکل ۲ رمیں شمار کرنے کی کوشش کی اور اسی سے متعلق دوبارہ شاہی کے دارالافتاء سے رجوع کیا ہے، آج کے سوال کے متعلق گزارش یہ ہے کہ آنجناب نے قرعہ اندازی کے ذریعہ نام نکلنے والوں کوحج میں بھیجنے کی یہ شکل لکھی ہے کہ بیس افراد تشکیل دے کرفی ممبر سالانہ سات ہزارروپئے دس سال تک جمع کریں گے، اور ہر سال قرعہ اندازی کے ذریعہ دوممبر کے نام نکلیں گے اوریہی دوممبرحج کو جائیں گے، ہرسال یہ سلسلہ جاری رہے گا اوردس سال تک ہر ممبر سات سات ہزارروپئے جمع کرتا رہے گا۔ سائل سے گذارش ہے کہ معارف القرآن کی دوسری شکل دوبارہ دیکھ لیں اوراپنے پیش کردہ قرعہ اندازی کی شکل کوبھی پھر دیکھ لیں، دونوں ایک ہیں یابالکل الگ الگ ہیں، دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے، معارف القرآن میں قرعہ اندازی کی دوسری شکل جولکھی گئی ہے، اس میں جن چیزوں کا قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کا ذکر ہے، وہ فوری اور فی الحال ہے، ایسا نہیں ہے کہ کسی کوکوئی حصہ آج مل رہا ہواور کسی کودو مہینے کے بعد، اور کسی کوسال بھر کے بعد، اور کسی کودس سال کے بعدمل رہاہو، جوکچھ بھی ملنا ہے وہ ایک ہی وقت میں ملنا ہےاور آنجناب نے جوقرعہ اندازی کی شکل پیش کی ہے، اس میں دس حصے ہیں، ہر حصے میں دوآدمی شریک ہوں گےاور ہرایک حصہ ایک ایک سال کے بعد دس سال میں دس حصے حاصل ہوں گے، دونوں میں بہت بڑافرق ہے۔

نیز اس قرعہ اندازی میں سات سات ہزار روپئے فوری طور پر نقد ملتے ہیں اوردوسرے سال چودہ ہزار جمع کر کے ساٹھ ہزار فوری طور پر نقد ملے گا، اسی طرح یہ سلسلہ چلتے چلتے دسویں سال میں جو دوآدمی رہ جائیں گے، ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ اپنا ساٹھ ہزار روپئے جمع کرنے کے بعد جائیں گے، توکسی کی یہ خواہش نہیں ہوتی ہے کہ پوراپیسہ جمع کرنے کے بعداس کا نمبر آئے؛ بلکہ ہرایک کی خواہش ہوتی ہے کہ معمولی حصہ جمع کرنے کے بعد دوسروں کے پیسوں سے فائدہ اٹھائے اورکس کا نام پہلے نکلے گا؟ کچھ پتہ نہیں، کون دوسروں

کے پیسوں سے فائدہ اٹھائیں گے، اور کون نہیں، کوئی خبر نہیں ہے اور معارف القرآن میں جو شکل پیش کی گئی ہے، اس میں جو حصے متعین ہیں اور فوری طور پر ملنے ہیں، چاہے کسی کو بھی مل جائیں؛ اس لئے سائل سے گزارش ہے کہ دوبارہ نظر ثانی فرمالیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۱۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/۱۴۲۷ھ

لاٹری کی حقیقت

سوال [۹۱۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اروناچل پردیش میں چند کمپنیاں ہیں، جن کا کاروبار یہ ہے کہ ان کے کارندے گھر گھر دوکان، دوکان؛ بلکہ فرد فرد کے پاس جا کر زبردستی انعام کے نام سے ایک رسید پانچ ہزار سے دس ہزار تک کی کاٹ دیتے ہیں اور جب انعام نکلتا ہے تو وہ خود ہی نکلا ہوا انعام آپ کے گھر بھی پہونچا دیتے ہیں اور اگر کوئی انعام نہیں نکلا تو روپے بھی واپس نہیں کرتے ہیں اور بوجہ مجبوری خواہی نخواہی رسید کٹوانی پڑتی ہے، تو کیا ایسی صورت میں کٹوائی ہوئی رسید پر اگر انعام آجائے، تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ کبھی کبھی انعام کی رقم بہت زیادہ ہوتی ہے، جس کی وجہ سے دل حریص ہوجاتا ہے اور اس کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا حضرت مفتی صاحب سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد اشتیاق، دیوریاوی، حال مقیم اورناچل پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ لاٹری ہے، جو جوا اور قمار ہی کے دائرہ میں داخل ہے، یہ عمل ناجائز اور حرام ہے، اس سے جو زائد پیسہ آئے گا، وہ قمار کا پیسہ ہے،

جو قطعی طور پر حرام ہے؛ اس لئے مسلمانوں کو اس سے بچنا لازم اور ضروری ہے۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۱۲۳، فتاوی محمودیہ ۲۴/ ۴۹۱، میرٹھ)

قال اللہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْن. [سورۂ مائدة: ۹۰]

قال ابن عباسؓ، إن المخاطرة قمار، وإن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة......إلى أن ورد تحريمه. (أحكام القرآن، للجصاص، سورة البقرة، باب تحريم الميسر، زكريا ۱/ ۳۹۸، سهيد اکیڈمی لاهور ۱/ ۳۲۹)

القمار من القمر الذي يزداد تارة وينقص أخرىٰ وسميٰ القمار قمارا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإسبتراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵۷۷، كراچي ۶/ ۴۰۳، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۸/ ۱۴، رقم: ۹۴۸۶، بتبيين الحقائق، امداديه ملتان ۶/ ۲۲۷، زكريا ۷/ ۴۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۱۵۱)

لاٹری کی ایک شکل

سوال [۹۱۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند مسلم نوجوانوں نے ایک اسکیم بنائی اور اس کی شکل یہ ہے کہ سو روپئے ماہوار کے حساب سے ممبر سازی کرتے ہیں اور ان کا نشانہ تقریبا دوسو ممبر بنانا ہے، اس حساب سے ہر ماہ بیس ہزار روپئے ہوں گے، اور ہر ماہ ایک ڈرا کرتے ہیں، جس میں تقریباً اٹھارہ

سوکا سامان بطور لاٹری نکالتے ہیں، جس ممبر کا بھی نام نکلتا ہے، وہ اسکیم سے خارج کردیا جاتا ہے، یہ سلسلہ اسی طرح پچیس ماہ تک چلتا رہے گا ،پچیس ماہ پورے ہونے کے بعد باقی ایک سو پچھتر ممبروں کو اٹھارہ سو روپئے کا مال پچیس روپئے میں دیا جائے گا،جس میں تقریباً سات سو روپئے کا فرق ہوگیا، آیا شریعت کی رو سے یہ جائز ہے یا نہیں؟ یہ اسکیم نوجوانان ملت بطور کاروبار چلارہے ہیں۔

المستفتی: محمد حسین اینڈ سنس ،ہوسپیٹل پی،او،سوار،رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لاٹری اوراسکیم کا یہ معاملہ شرعی طور پر قماراورسود میں داخل ہوکرنا جائزاورحرام ہے، قمار میں اس لئے داخل ہے کہ ہر شخص یہ سوچتا ہے کہ میرا نمبر پہلے آئے؛لیکن آئے گا یانہیں؟ اس میں تردد ہےاوراسی کا قمارنام ہے۔

تعليق الملك على الخطر. (قواعد الفقه اشرفي ١/٤٣٤، معجم لغة الفقهاء كراچي ٣٦٩)

اورسود میں اس لئے داخل ہے کہ بعض شرکاء کا جتنا جمع کیا جاتا ہے،اس سے زائد ملتاہے،توگویا کہ اس نے سود دیا ہے،اس وجہ سے یہ معاملہ جائز نہیں ہے۔

الربوا في الإصطلاح: هو الفضل الخالي عن العوض المشروط في البيع. (المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/١٠٩، عناية مع الفتح، كوئٹه ٦/١٤٦، دارالفكر ٧/٣، هداية، اشرفي ٣/٧٨، هندية، زكريا قديم٣/١١٧، جديد ٣/١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۳ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۴/ ۶۴۱۶)

لاٹری کی ایک ناجائز اور حرام صورت

سوال [۹۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لاٹری کی ایک صورت یہ ہے کہ دس آدمی ممبر ہیں، ان میں سے ہر ایک آدمی ۱۰۰۰/روپئے ہر ماہ جمع کرتا ہے، پھر ان دس میں سے ایک آدمی دس ہزار کو گیارہ ہزار میں خریدتا ہے، پھر ایک ہزار جو زائد خریدا ہے، وہ ایک ہزار ان دسوں میں تقسیم ہوتا ہے، آیا وہ صورت لاٹری کی فروغ تجارت کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد جسیم الدین، بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ صورت شرعاً ناجائز اور حرام ہے، نیز دس ہزار کو گیارہ ہزار میں خرید وفروخت کرنا صریح سود ہے، جس کی سخت وعید اور حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرہ: ۲۷۵]

وفي الحديث: عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، باب لعن أكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸)

وشرعًا: فضل خالٍ عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين. (تنوير الأبصار مع الرد، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ۷/۳۹۸ تا ۴۰۰، كراچي ۴/۱۹۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۴/ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۷/۲۴)

مٹکے کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟

سوال [۹۱۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مٹکے کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟ صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ اس کے چند نمبرات ہوتے ہیں اور اتنے ہی اس کے ممبر رہتے ہیں اور اس میں سے بعض نمبرات پر اسکیم والے حسب نمبر کچھ انعام رکھتے ہیں، جس کا ہر دن فیصلہ ہوتا ہے اور فیصلہ کے بعد وہ انعام بھی دیگر نمبرات میں بدل جاتا ہے اور اس اسکیم میں ممبران اپنی وسعت اور کمائی کے حساب سے ۵/ روپئے سے لے کر ہزار، ہزار تک کسی نمبر پر لگاتے ہیں، جس میں کبھی ۵/روپئے لگانے والوں کو ۵۰۰۰/ پانچ ہزار مل جاتے ہیں اور کبھی ہزار والوں کو ۵/روپئے ملتے ہیں اور یہ بھی ان گنے چنے اشخاص کو جن کے نمبرات آئے ہیں، ان کے علاوہ بقیہ ممبران کو کسی طرح کچھ نہیں ملتا؛ بلکہ پوری رقم انعام کے بعد اسکیم والوں کی ملک ہوتی ہے، اس سے اکثر لوگ اسکیم میں پوری طرح لٹ جاتے ہیں۔ آخر ماں اور بیوی کو لگا دینے کے سنگین واقعات بھی ہوتے ہیں؛ اس لئے عام لوگ اس اسکیم کو ’’جوے‘‘ سے یاد کرتے ہیں اور عوام کا سنجیدہ طبقہ اس تجارت کو برا اور گناہ کا کام سمجھتا ہے۔ نیز حکومت کے نزدیک یہ اسکیم جرم ہے۔

الغرض مٹکا چلانے والے مذکورہ صورت میں سے ہزاروں روپئے جو آمدنی پا رہے ہیں، اس طرح حاصل شدہ کمائی کو ان کا جائز اور دینی کام مثلاً مدرسہ کے طلبہ کی ضروریات کھانے وغیرہ میں یا مدرسہ اور مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے، تو اس کمائی کا صحیح مصرف کیا ہوگا؟

المستفتی: ابرار الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مٹکے اور نمبر لگانے کی جو شکل سوالنامہ میں درج

ہے، وہ قمار اور جوے کی ہے؛ اس لئے یہ حرام اور ناجائز ہے اور جو زائد رقم مل جائے، اس کو واپس کردینا واجب ہوگا۔

من اکتسب مالا بغیر حق، فإما أن یکون کسبه بعقد فاسد کالبیوع الفاسدة والاستئجار علی المعاصي والطاعات، أوبغیر عقد کالسرقة، والغصب، والخیانة، والغلول، ففي جمیع الأحوال المال الحاصل له حرام علیه (إلی قوله) یجب علیه أن یرده علی مالکه إن وجد المالک. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپورقدیم ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامیة بیروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، هندیة، زکریا قدیم ۵/۳۴۹، جدیده/۵/۴۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۳۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۳ھ

کمپنی والوں کا متعدد لوگوں سے روپئے لے کر یک مشت دوسرے کو قرض دینا اور اس سے زائد رقم لینا

سوال [۹۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کئی آدمی مل کر ایک دھندا جو بی سی کا کرتے ہیں، عورتیں بھی کرتی ہیں، یعنی بہت سے لوگ ایک کمپنی بناتے ہیں اور ہر ماہ دو ہزار یا چار ہزار روپیہ جمع کراتے رہتے ہیں، پھر سب ایک جگہ بیٹھ کر میٹنگ کرتے ہیں اور اس جمع رقم کو بولی لگا کر کوئی بھی آدمی پچاس ہزار کے ساٹھ ہزار اپنے نام چھڑا لیتا ہے یا ایک لاکھ کے بڑھا کر ایک لاکھ پچیس ہزار میں لے لیتا ہے، ایسی صورت میں یہ دھندا بھی سود میں شامل ہے یا تجارت میں؟

اس کمپنی میں ہندو بھی شامل رہتے ہیں؟ اصل رقم کمپنی میں جمع رہتی ہے اور لینے والا آدمی لی ہوئی رقم واپس زیادہ جمع کرتا ہے۔

المستفتی: حاجی ماسٹر علی محمد راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں پچاس ہزار کو ساٹھ ہزار میں یا ایک لاکھ روپیہ کو ایک لاکھ پچیس ہزار میں اپنے نام چھڑانا اور لینا یہ معاملہ سود میں داخل ہے؛ کیونکہ یہ صراحتاً نقد کے بدلہ میں نقد ہے جو زیادتی کے ساتھ لیا گیا ہے، جس کا سود ہونا ظاہر ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/۲۲-۲۳)

الربا وهو الفضل الخالي عن العوض المشروط في المبيع. (المبسوط، دارالکتب العلمية بيروت ۱۲/۱۰۹)

وهو في الشرع: عبارة عن فضل مالٍ لا يقابله عوض في معاوضة مالٍ بمالٍ. (هندية، كتاب البيوع، الباب التاسع، الفصل السادس، زكريا جديد ۳/۱۸۸، قديم۳/۱۱۷، وهكذا في الهداية، اشر في ۳/۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۳۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۷/۲۱ھ

سٹہ لگانا کیسا ہے؟

سوال [۹۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سٹہ لگانا کیسا ہے؟ اور اس کے ذریعہ حاصل شدہ رقم جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص بہت غریب ہو اور اس کے پاس کوئی حلال ذریعہ آمدنی نہیں ہے، تو کیا وہ سٹہ کھیل کر اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکتا ہے؟ اسی طرح کوئی مریض ہو، جس کے پاس حلال آمدنی

نہیں ہے، تو کیا وہ سٹہ کھیل کر اپنا علاج کراسکتا ہے، اسی طرح کوئی مقروض ہو، تو کیا وہ سٹہ کے ذریعہ حاصل شدہ رقم سے اپنا قرضہ ادا کرسکتا ہے؟

المستفتی: رضاءالاسلام، سہارنپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سٹہ کھیلنا، سٹہ لگانا صریح قمار اور جوا ہے، جس کی حرمت نص قطعی اور آیات قرآنی سے ثابت ہے؛ اس لئے سٹہ کھیلنا کسی بھی طرح جائز نہیں۔

نیز اس میں کیا گارنٹی ہے کہ تم کو مل ہی جائے گا اور جو کچھ ملے گا وہ قطعاً حرام ہے، جب ایسی حالت میں دینے کا نمبر آئے، تو تم کہاں سے لاکر دوگے۔

سوال نامہ میں اس ڈھنگ سے لکھا گیا ہے کہ تم کو مل ہی جائے گا، اگر یہی بات ہوتی کہ مل ہی جائے گا، تو کوئی بھی حرام خور کوئی دوسرا کام نہیں کرتا، سٹہ میں لگا رہتا۔

بہرحال نہ ملے تب بھی یہ فعل حرام ہے، سخت ترین عذاب الٰہی کا سبب ہے، اور اگر مل جاتا ہے، تو عذاب الٰہی کے ساتھ ساتھ ملنے والا پیسہ بھی ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ شراب اور خنزیر کا پیسہ حرام ہے؛ اس لئے سٹہ لگانا قطعاً جائز نہیں ہے، اور اس سے ملنے والا پیسہ بھی حلال نہیں ہے، جس کو ملا ہے، اس کو واپس کرنا واجب ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۶۴۶، جواہر الفقہ ۳۴۴/۲)

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. [سورۂ مائدۃ: ۹۰]

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ لكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، کتاب الطهارة ،

باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/ ۳۷، دار البشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٤/ ۲٤٦، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٦/ ۲۷، زكريا ۷/ ٦۰، البحر الرائق، زكريا ۹/ ۳٦۹، کوئٹہ ۸/ ۲۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۶۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۴ھ

سٹہ کی رقم سے بنائے گئے مکان کو سٹہ باز کے لئے ایصال ثواب میں دینا

سوال [۹۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص سٹہ کا کام کرتا ہے، اور اس نے اسی کی آمدنی سے مکان خریدے اور اس کے بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا۔ اب اس مرحوم کے خریدے ہوئے مکان کے کرایہ سے جو آمدنی ہوتی ہے، اس مکان کے کرایہ کی آمدنی کو کسی کار خیر یا مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے صدقہ جاریہ کے طور پر استعمال کر سکتے یا نہیں تاکہ مرحوم کی مغفرت کا سامان ہو جائے؟

المستفتی: شنو خاں، مقبرہ اول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سٹہ کے پیسہ کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ جن لوگوں کا پیسہ ہے انہیں کو واپس کر دیا جائے۔

يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/ ۳۷، دار البشائر الإسلامية بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

اور اگر واپس نہیں کیا ہے، اور اس پیسہ سے مکان خرید لیا ہے، تو غصب کے پیسے سے خریدے ہوئے مکان کے حکم میں ہوگا اور یہ مکان سٹہ باز کی ملکیت میں شمار تو ہوگا؛ لیکن اس

کے اوپر لازم ہے کہ مکان کے پیسوں کے بقدر مالکوں کو واپس کردے اور اگر مالکان تک رسائی ممکن نہ ہو تو اتنا پیسہ بلا نیت ثواب فقیروں کو حوالہ کردینا ضروری ہے اور سٹہ باز کے مرنے کے بعد بھی یہی حکم ہے کہ اس کے وارثین اس مکان کی قیمت کا پیسہ غریبوں کو صدقہ کردیں، اس کے بعد اس مکان کی آمدنی بلاکراہت حلال ہوگی اور ایصال ثواب میں خرچ کرنا بھی جائز ہوگا، اور کار خیر میں دینا بھی جائز ہوگا اور فقیروں غریبوں کو دینے سے پہلے ایصال ثواب کے لئے خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی سٹہ باز کو اس کا ثواب پہونچے گا۔

صرح الفقهاء بان من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أوبغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ لكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمة عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء، ولو أنفق على نفسه، فقد استحكم ما ارتكبه من الفعل الحرام، فيلزم عليه أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لا يريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه.

(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۴۷)

سٹہ کا پیسہ اجرت وغیرہ میں لینا

سوال [۹۱۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید پورے دن سٹہ کا کام کرتا ہے، یہی اس کا ذریعۂ معاش ہے، اس کے علاوہ کوئی اور کام نہیں ہے، اس کے یہاں بچوں کو دینی تعلیم پڑھا کر اجرت لینا کیسا ہے؟ تحفہ لینا، دینا، کھانا، پینا کیسا ہے؟ اجرت لے کر ذاتی کام میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا کسی اور کام میں آسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اشفاق، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سٹہ اور جوے کا پیسہ قطعی حرام ہے، بعینہ اس پیسے کو اجرت میں لینا منع ہے، ہاں البتہ زید جو سٹہ باز ہے، وہ کسی سے قرضہ لے کر کے اس کے بچوں کو پڑھانے والے کو اجرت دیدے یا تحفہ دیدے یا کھانا کھلائے، پھر اس کے بعد زید اپنے پیسے سے وہ قرضہ ادا کر دے، تو بچوں کو پڑھانے والے کے لئے قرضہ کے پیسے سے اجرت لینا اور قرض خواہ کو زید اپنے پیسے سے قرضہ ادا کر دے، تو اس کی گنجائش ہے۔ بعینہ سٹہ کا پیسہ اجرت میں لینا جائز نہیں۔

إذا أراد الرجل أن يحج بمال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج ويقضي دينه من ما له كذا في فتاوى قاضيخان. (هندية، كتاب المناسك، الباب الأول، زكريا جديد ۱/۲۸۳، قديم ۱/۲۲۰، قاضيخان، زكريا جديد ۱/۱۹۱، وعلى هامش الهندية ۱/۳۱۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳/۲۶۵، غنية الناس قديم۸، جديد اشرفية ديوبند ۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۹۱/۳۸)

جوااورسٹہ کی رقم غریبوں پرصرف کرنا

سوال [۹۱۳۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جوایا سٹہ سے جورقم ہاتھ آئی ہے، اس کوغریبوں پرصرف کرسکتے ہیں یانہیں؟ مدلل ومفصل جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: طفیل احمدومحمد سلیم الدیم، پورنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اولاً اصل مالک کوواپس کرنا واجب ہے، یہ ممکن نہ ہوتو فقراء اورغریبوں پرخرچ کرسکتے ہیں۔

یردوا المال إلی أربابہ، فإن لم یعرفوا أربابہ تصدقوا بہ؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبہ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، شامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۹/ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۳۵۹)

تجارت کی نئی اسکیم اورقمار کی مہذب شکل

سوال [۹۱۳۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک لکی ڈرا (قرعہ اندازی) کی اسکیم بناکر دوسوآدمیوں کواس کاممبر بنایااورممبر سے ممبرشپ کے لئے ۱۰/۱۰/روپئے لئے، قرعہ اندازی اوراس اسکیم کاطریقہ کار یہ ہے کہ ہرممبر ہرہفتہ ۲۰-۲۰ روپئے زید کودیتاہے اور ہرہفتہ قرعہ اندازی ہوتی ہے پہلے ہفتہ

کی قرعہ اندازی میں جس ممبر کا نام آ گیا اسے صرف ۳۰/روپے دینے پر تقریباً بارہ تیرہ سو کی ملکیت کا سامان مل گیا اسی طرح دوسرے تیسرے چوتھے اور بعد کے ہفتوں میں جن جن کا نام آیا انہیں ایک ہزار، ۹/سو، ۸/سو، ۷/سو، ۶/سو کی قیمت کا سامان ملتا ہے اور جس ممبر کا نام قرعہ میں آجاتا ہے اس ممبر کو اس کے بعد ۲۰/روپئے ہفتہ دینے نہیں پڑتے، یہ اسکیم سولہ ہفتہ کی ہے، آخری ہفتہ کی رقم ان لوگوں کو دینی پڑتی ہے جن کا نام پندرہویں ڈرا میں آیا نہیں، سولہویں ڈرا میں بقیہ ممبر کو ۱۰۰-۱۰۰ روپئے کی قیمت کا سامان ملتا ہے، جب کہ انہوں نے ۳۵۰ روپئے ادا کئے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کی اسکیم کے تحت رقم لینا اور سامان دینا اور اس طرح کی اسکیم میں شریک ہونا کیسا ہے؟ کیا شریعت مطہرہ میں اس طرح کی اسکیم چلا کر ایسی تجارت کرنے کی شریعت اجازت دیتی ہے اور اگر نہیں ہے، تو اس اسکیم کو قمار میں شمار کیا جائے گا؟

اس طرح کی اسکیم بنا کر اور اس مقصد کے تحت کہ اس سے حاصل شدہ رقم سے غریب طلبہ کو دینی اور دنیاوی تعلیم دی جائیں گی اور غرباء کی مدد کی جائے گی ایک ایسا ادارہ بھی چلاتا ہے جو عربی مدرسہ بھی چلاتا ہے اور اس مدرسہ کے بچوں کو اسی سے مدد بھی دی جاتی ہے تو کیا ان کا یہ عمل اور طریقہ کار صحیح ہے؟ اور کیا عربی مدارس میں اس طرح سے حاصل شدہ رقم کھانا درست ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد روشن علی ابن مرحوم شیخ اکبر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متعدد وجوہ سے یہ اسکیم ناجائز اور حرام ہے۔

(۱) یہ عقود شرعیہ میں سے کسی میں بھی داخل نہیں ہے نہ بیع میں، نہ سلم میں، نہ ہبہ میں، نہ شرکت میں، نہ مضاربت میں۔

(۲) جورقم قسطوار جمع ہوتی ہے وہ تمام ممبران کی مساوی ملکیت ہے قرعہ اندازی کے ذریعہ تمام ممبران کی ملکیت کا بلا معاوضہ ایک شخص کو مالک بنادیا جاتا ہے دیگر ممبران واقعی راضی نہیں ہوتے اور اگر ہوں تو مجبوراً کیونکہ ہر ایک کی تمنا اور لالچ رقم جمع کرنے میں یہ ہے کہ قرعہ میں میرا ہی نام نکل آوے اور یہ شرعاً قمار میں داخل ہے۔

(۳) شرکت میں اس لئے داخل نہیں ہے کہ اس میں نقصان ومنافع میں سب کا برابر شریک ہونا شرط ہے، مضاربت میں اس لئے داخل نہیں کہ اس میں جمع شدہ رقم رب المال کی ملکیت سے نہیں نکلتی نیز مضارب تصرفات میں رب المال کے تابع بھی ہوتا ہے جو یہاں مفقود ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱۲۲/۸، فتاوی رحیمیہ ۱۴۲/۶، امداد الفتاوی ۱۶۲/۴، فتاوی محمودیہ ۲۰۴/۴)

(۱) اس طرح کی اسکیم میں حصہ لینا اور اس میں شرکت کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

(۲) شرعاً یہ اسکیم قمار میں داخل ہے اس میں شرکت ہرگز جائز نہیں۔

قوله سبحانه تعالیٰ: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ. [سورة المآئده: ۹۰]

(۳) اس سے حاصل شدہ رقم مدارس اور دینی امور میں لگانا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ دینی امور اور مسجد ومدارس میں حلال مال لگانا لازم ہے حرام مال جائز نہیں ہے، نیز اس رقم کو قرعہ میں جیتنے والے کے لئے استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے؛ بلکہ واپس کردینا واجب ہے۔

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيها الناس! إن الله طيب، لا يقبل إلا طيبًا. (صحيح مسلم، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب الخ النسخة الهندية ۱/۳۲۶، بيت الأفكار ۱۰۱۵، مسند أحمد بن جنبل ۲/۳۲۸، رقم: ۸۳۳۰)

اما لو أنفق في ذلک مالاً خبيثًا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله لا يقبل الا الطيب الخ. (شامي، مطلب في أحكام المسجد زكريا ۲/۴۳۱، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء جديد دار البشائر الإسلامية بيروت ۱/۳۵۹، قديم مطبع سهارن پور ۱/۳۷، كراچي ۱/۶۵۸)

لكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٤/۲٤٦، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٦/۲۷، زكريا ۷/٦۰، البحر الرائق، زكريا ۹/۳٦۹، كوئٹه ۸/۲۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۰۹/ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۴۷۸)	۱۴۰۹/۱۱/۱۰ھ

کمیٹی کی ایک شکل اور اس کا حکم

سوال [۹۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دس آدمیوں نے مل کر ایک کمیٹی بنائی جس کے تحت انہوں نے یہ طے کیا کہ تمام لوگ ہر مہینے ایک ایک ہزار روپئے جمع کر لیا کریں گے، تو اس طرح سے ایک مہینے میں دس ہزار روپئے جمع ہو جائیں کے اور پھر قرعہ اندازی کریں گے، جس کا بھی نام آ جائے گا اس کو دس ہزار مل جائیں گے، اس کو جہاں چاہے استعمال کرے پھر یہی دس حضرات اگلے مہینے دس ہزار جمع کریں گے، تو جس کا نام پہلی مرتبہ یا اس سے پہلے نکل چکا ہے، اس کو چھوڑ کر قرعہ اندازی کریں گے؛ البتہ جس کا نام قرعہ اندازی میں پہلی مرتبہ میں نکل چکا تھا، اس کو آخر تک پیسے جمع کرنے ہوں گے، تو اس طرح ہر آدمی کو اس کے دس ہزار جو دس ماہ میں جمع ہوئے تھے مل جائیں گے، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے؟

المستفتی: محمد واصف، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس معاملہ میں سود نہیں ہے، مگر شبہۃ القمار ہے،

وہ یہ ہے کہ ہر ایک چاہتا ہے کہ میرا نام پہلے نکلے اور میں پہلے فائدہ اٹھاؤں یہی شبهة القمار ہے؛ لیکن یہ معاملہ اس شرط کے ساتھ درست ہوگا کہ اس میں باقاعدہ ایگریمنٹ اور ضمانت ہو اور بغیر اگریمنٹ اور ضمانت کے یہ معاملہ درست نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ جس کا نمبر شروع میں آگیا ہے، وہ پیسہ لیکر فرار ہو جائے، تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ یا آئندہ قسطوں کی ادائیگی سے مکر جائے، تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؛ اس لئے ضمانت اور اگریمنٹ لازم ہے؛ لہٰذا بغیر سرکاری ایگریمنٹ کے ایسا معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔

وذكر الناطفي: إن القرعة ثلاثة –إلى– والثالثة: لإثبات حق واحد في مقابلة مثله فيفرز بها حق كل واحد منهما وهو جائز.

(هندية، الباب الخامس في الرجوع عن القسمة واستعمال القرعة فيها زكريا قديم ٥/٢١٧، جديد ٥/٢٥٢، الفتاوى التاتارخانية زكريا ١٧/١٧٧، رقم: ٢٦٨٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۱۹۲/۴۰)

بسی کا حکم

سوال [۹۱۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیس آدمی ممبر بنے اور پانچ پانچ سو روپئے ہر مہینہ جمع کرنے کا پروگرام بنا اور یہ بات طے ہوئی کہ ہر ماہ قرعہ اندازی کر کے ایک ایک فرد اپنی ضرورت کے لئے وہ رقم لیتا رہے گا، کیا اس طرح کرنا شرعاً درست ہے اور دوسری شکل یہ ہے کہ کسی ایک ممبر نے سخت ضرورت کے پائے جانے کی بنا پر کہا کہ جو رقم دس ہزار روپیہ جمع ہے میں اس کو نو ہزار پر لے جا رہا ہوں، سارے ممبران منافع مان کر آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس ایک ہزار رقم کو آپس میں منافع سمجھ کر تقسیم کر لینا اور پھر اپنی ذاتی ضرورت میں خرچ کرنا کیا شرعًا جائز ہے؟ تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: ماسٹر صدیق عمر، عباسی جنرل اسٹور چوک گونڈہ (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی شکل میں اگرچہ سود لازم نہیں آرہا ہے؛ لیکن شبہۃ القمار ہے کہ ہر ایک شخص اسی امید پر اپنا پیسہ جمع کرتا ہے کہ اب کے میرا نام نکلے گا، نہیں نکلتا ہے بیس میں سے کسی ایک فرد کا نکلتا ہے، دوسرے لوگ مجبوراً مان لیتے ہیں: اس لئے اس شکل کو بھی ہم جائز نہیں سمجھتے۔

نیز اس میں سرکاری طور پر ایگریمنٹ نہ ہونے کی وجہ سے جن ممبروں کو پیسہ مل چکا ہے ان کے آخر تک باقی رہنے کی کوئی گارنٹی نہیں ہے اور جن لوگوں نے اس شکل کو جائز قرار دیا ہے اس سے ہم کو اتفاق نہیں ہے؛ اس لئے کہ قرعہ اندازی کا معاملہ وہاں جائز ہوتا ہے جہاں پر بالفعل سب کو حصہ ملنے والا ہو؛ البتہ حصہ کی تعیین کے بارے میں قرعہ اندازی کی جائے تو شرعاً جائز ہے اور یہاں پر ایسا نہیں ہے؛ بلکہ ہر مرتبہ غیر متعین طور پر صرف ایک شخص کا حصہ موجود ہوتا ہے جو قرعہ اندازی کے ذریعہ سے متعین ہوتا ہے؛ لہٰذا حقوق مالیہ میں جہاں سب کا حصہ بالفعل موجود نہ ہو اور سب کو فی الحال حصہ ملنے والا نہ ہو وہاں قرعہ اندازی درست نہیں ہے، اور سوال نامہ میں جو دوسری شکل ذکر کی گئی ہے کہ اس معاملہ میں شریک لوگوں میں سے کسی ایک شخص کو پیسوں کی زیادہ ضرورت ہو اور وہ اپنی باری آنے سے پہلے روپیہ لینا چاہ رہا ہو تو وہ کم پیسے لینے پر تیار ہو جائے اور باقی رقم بقیہ شرکاء آپس میں تقسیم کر لیں تو یہ شکل صراحۃً سود کی ہے اور قطعًا جائز نہیں ہے، اس میں شرکت کرنا بھی ناجائز ہوگا۔ (مستفاد: کتاب الفتاوی ۳۴۲/۵، معارف القرآن ۲۲۷/۳)

والحاصل أن الربا حرام. (در مختار مع الشامي، کتاب البیوع، باب الربا ۴۲٤/۷، کراچي ۱۸۷/٥)

تجري القرعة في مواضع منها الأول في تمييز المستحق إذا ثبت الاستحقاق ابتداء لمبهم غير معين عند تساوي المستحقين. (الموسوعة الفقهية الكويتية۳۳/۱۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رجمادی الأولیٰ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۹۵۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۶ھ

قرعہ اندازی کا حکم

سوال [۹۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ مل کر ایک کمیٹی بناتے ہیں اور ہر مہینے مثلاً سوسو روپئے جمع کرتے ہیں، پھر پرچیوں میں نام لکھتے ہیں، جس کا نام نکلتا ہے تو وہ رقم جو اس مرتبہ جمع ہوئی ہے اس کو مل جاتی ہے اور یہ آدمی آئندہ بھی ہر مہینے پیسے جمع کرتا رہتا ہے، اس طرح چند مہینوں میں ہر شخص کو اس کی جمع کی ہوئی پوری رقم بغیر کسی کمی اور زیادتی کے مل جاتی ہے تو یہ طریقہ سود یا جوا تو نہیں ہے؟

المستفتی: قمرالدین نہٹور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں قرعہ اندازی سے برابر سرابر رقم کا لین دین اصولاً تو جائز معلوم ہوتا ہے؛ لیکن قرعہ اندازی کی وجہ سے تملیک علی الخطر کا شائبہ پیدا ہونے کی بنیاد پر یہ معاملہ کراہت سے خالی نہ ہوگا؛ کیونکہ اس میں ایک طرح سے جوئے کی مشابہت پائی جارہی ہے۔

نیز آئندہ ہر شریک رقم جمع کرے گا اس کی بھی گارنٹی اور ضمانت لینا مشکل ہے اور ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں کہ جس کا نام نکل جاتا ہے وہ رقم لے کر غائب ہوجاتا ہے تو اس سے رقم واپسی کی کوئی صورت نہیں رہتی ہے؛ اس لئے اس کو اگرچہ جوا اور قمار نہیں کہا

جا سکتا؛ لیکن شبہۃ القمار ضرور ہے جو درجۂ کراہت سے نیچے نہیں؛ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ اس طرح کی اسکیموں میں شرکت نہ کی جائے۔

عن نعمان بن بشیرؓ، یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: الحلال بین والحرام بین وبینهما مشتبهات لا یعلمها کثیر من الناس فمن اتقی المشتبهات استبرأ لدینه وعرضه ومن وقع في الشبهات کراع یرعیٰ حول الحمیٰ یوشک أن یواقعها. (بخاري شریف، باب فضل من استبرأ لدینه النسخة الهندیة ۱/ ۱۳، رقم: ۵۲)

وحقیقة تملیک المال علی المخاطرة: وحواصل في بطلان عقود التملیکات الواقعة علی الأخطار الخ. (أحکام القرآن للجصاص، باب تحریم الخمر، سهیل اکیڈمی لاهور ۲/ ٤٦٥، زکریا ۲/ ۵۸۲)

لو کان الخطر من الجانبین جمیعًا ولم یدخلا فیه محلا لا یجوز؛ لأنه في معنی القمار. (بدائع الصنائع، کتاب السباق، زکریا ۵/ ۳۰٦، کراچي ٦/ ۲۰٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۷۱۵/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۸ھ

(۸) باب الرشوة

ہندوستان میں رشوت لینے دینے کا حکم

سوال [۹۱۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس بھارت دیش میں رشوت لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟ مع دلیل کے جواب دیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر رشوت دیئے بغیر اپنا حق واجبی حاصل نہیں ہوسکتا، یا رشوت نہ دینے سے مالی یا جانی نقصان کا خطرہ ہے، تو رشوت دے کر ظلم سے بچنے کی گنجائش ہے، ہر جگہ جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۴۲، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱۷/۵-۱۱۵/۹، ۳۳۹، جدید ڈابھیل ۴۵۵/۱۶-۴۵۶)

عن وهب بن منبه قال: ليست الرشوة التي يأثم فيها صاحبها، بأن يرشو فيدفع عن ماله ودمه، إنما الرشوة التي تأثم فيها أن ترشو تعطي ماليس لك. (السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر، بيروت ١٥/ ١٤٦، رقم: ٢١٠٦٩)

لا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه (وتحته في الشامية) دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له، ليس برشوة يعني في حق الدافع. (در مختار مع رد المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/ ٤٢٣، زكريا ٩/ ٦٠٧، البحرالرائق، كتاب القضاء،

کوئٹه ٦/٢٦٢، زكريا٦/١٤٤١، هندية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات، زكريا قديم ٤/٤٠٣، جديد ٤/٤٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۲۴/۵۵۲۴)

دفع ظلم اور حق کی وصولیابی کے لئے رشوت

سوال [۹۱۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد عارف ساکن مرادآباد بحیثیت استاد علی گڈھ یونیورسٹی میں ہوں، میرے پاس راشن کارڈ نہیں ہے، اس کے بنوانے کے لئے باضابطہ کارروائی کی جائے، تو بننا مشکل ہی نہیں؛ بلکہ ناممکن سا لگتا ہے؛ البتہ ۵۰/روپیہ رشوت دینے پر بن جانے کا غالب امکان ہے، آیا یہ رشوت اس صورت میں دینا مناسب ہے اور اگر ہے تو یہ رشوت سود کے پیسہ سے دی جائے، تو مناسب ہے یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر محمد عارف صدیقی، استاذ میکینکل انجیرنگ، علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رشوت کا لینا دینا دونوں حرام ہے، حدیث شریف میں آیا ہے۔

عن أبي سلمة بن عبد الرحمن عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار. (مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم، بيروت ٣/٢٤٧، رقم:١٠٣٧، المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ١/٥٥٠، رقم:٢٠٢٦)

البتہ دفع ظلم اور اپنا حق وصول کرنے کے لئے بحالت مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے، اس صورت میں صرف رشوت لینے والا گناہ گار ہوگا۔

ومنها إذا دفع الرشوة خوفا على نفسه، أو ماله، فهو حرام على آخذ

غير حرام على الدافع. (البحرالرائق، كتاب القضاء، كوئٹه ٦/٢٦٢، زكريا ٦/٤٤١، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٢٣، زكريا ٩/٦٠٧، هندية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات، زكريا قديم٤/٤٠٣، جديد ٤/٤٣١)

لیکن یہ رشوت سود کے پیسے سے دینا جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ سود حرام مال ہے اور حرام مال میں اولاً واجب اصل مالک کو واپس کرنا ہے اور اصل مالک تک رسائی ممکن نہ ہو، تو فقراء کو بلانیت ثواب دینا لازم ہوگا۔ بذل المجہود میں صراحت موجود ہے۔

واما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمة عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مصري ١/٤٨، مطبع سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۲۱۴)

مجبوری میں رشوت دینا

سوال [۹۱۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس اسلامیہ یوپی سرکار سے ملحق ہیں اور حکومت کی طرف سے انہیں تنخواہ ملتی ہے؛ لیکن سرکاری افسران کو رشوت دیئے بغیر تنخواہ کا وصول کرنا ناممکن ہے، تو کیا بدرجۂ مجبوری سرکاری افسران کو سود کا روپیہ دیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: مولوی بہاء الدین، مدرسہ دارالعلوم ادری، مؤ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سرکاری افسران کو رشوت دیئے بغیر جب تنخواہ کا

نکالنا مدرسین کے لئے ناممکن ہے، تو بدرجۂ مجبوری اپنی جیب خاص سے حلال پیسہ دینا جائز ہوگا، اس میں دینے والا گنہگار نہ ہوگا اور لینے والا حرام خور اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا؛ لیکن رشوت میں سود کا پیسہ دینا جائز نہیں اور سود کا پیسہ رشوت میں دینا؛ اس لئے جائز نہیں کہ سود کا پیسہ صرف دو جگہ دیا جا سکتا ہے۔

(۱) کسی بھی عنوان سے اصل مالک کو واپس کر دیا جائے اور جن آفیسروں کو رشوت دی جاتی ہے، وہ اصل مالک نہیں ہیں۔

(۲) اگر اصل مالک تک رسائی نہ ہو سکے، تو بغیر نیت ثواب فقیروں اور مسکینوں کو دیدینا لازم ہے اور رشوت لینے والے افسران فقیر اور مسکین بھی نہیں ہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۰۰)

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له، ليس برشوة يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٢٣، زكريا ٩/٦٠٧، البحرالرائق، كتاب القضاء، كوئٹه ٦/٢٦٢، زكريا٦/٤٤١، هندية، زكريا قديم ٤/٤٠٣، جديد ٤/٤٣١)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي (إلى قوله) ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ لكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه، ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، قديم مصري ١/١٤٧، مطبع سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴؍ صفر المظفر ۱۴۳۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۱۲۵۰۷)	۱۴۳۷/۲/۱۵ھ

مجبوراً رشوت دینے کا حکم

سوال [۹۱۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضلع جج کے یہاں ضلع جج اپنے خاص آدمی پی اے کے ذریعہ روپیہ لے کر ضمانت مظور کر دیتا ہے، ورنہ فریق ملزم کو ضمانت خارج ہونے کی صورت میں الہ آباد کورٹ سے ضمانت کروانی پڑتی ہے، اس سلسلہ میں زاہد پیشکار کے پاس کوئی فریق آتا ہے، تو جج کے پی اے کے پاس بھیج دیتا ہے۔ اب اگر وہ پی اے زاہد کے فریق بھیجنے پر زاہد کو کچھ روپیہ دیتا ہے، تو کیا یہ روپیہ زاہد کے لئے جائز ہے؟

فوج داری کے معاملات میں دوسرا فریق نہیں ہوتا، دوسرا فریق پولیس ہے، زمین جائیداد کے معاملات میں دو فریق ہوتے ہیں، ایک کا کام کرانے پر دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے۔

المستفتی: محمد انور پیشکار، ضلع جج، محلّہ نواب کا سگنج، کانشی رام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رشوت دیئے بغیر جج کی طرف سے ضمانت وغیرہ کسی بھی معاملہ میں اگر پریشانی ہوسکتی ہے، تو پریشانی کو دور کرنے کے لئے دفع مضرت کے طور پر رشوت دینا جائز ہے، دینے والا گنہگار نہ ہوگا اور لینے والے کے لئے پیسہ بھی حرام ہے، اور لینے والا گناہ گار بھی ہوگا۔ اور رشوت لینے میں جو لوگ بھی شامل ہوں گے، وہ سب گنہگار ہوں گے۔

عن عبد اللہ بن عمروؓ قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الراشي والمرتشي. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، النسخة الهندية ۱/ ۲۴۸، دارالسلام رقم:۱۳۳۷، سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية۲/ ۵۰۴، دارالسلام رقم: ۳۵۸۰،

سنن ابن ماجه، كتاب الأحكام، باب التغليظ في الحيف والرشوة، النسخة الهندية ١٦٧/١، دارالسلام رقم:٢٣١٣)

أما إذا أعطىٰ ليتوصل به إلى حق، أو ليدفع به عن نفسه ظلماً، فلابأس به. (مرقاة المفاتيح، كتاب الأمارة والقضاء، باب رزق الولاة وهداياهم، الفصل الثاني، امدادية ملتان ٢٤٨/٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۷۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۳۰ھ

ناجائز جگہ پرسودی رقم رشوت دینا

سوال [۹۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل دیکھا جارہا ہے کہ کسی تنازع کے سلسلے میں معاملہ تھانہ، کورٹ میں چلا جاتا ہے، جہاں پر روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے، تاکہ فیصلہ اپنے حق میں آجائے، ایسے موقعوں پر رشوت دینے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا جوکہ شرعا ناجائز ہے۔ تھانہ کے اخراجات اور کورٹ میں وکیلوں کو فیس اور جج کو رشوت وغیرہ دینے کے لئے بینک سے ملنے والی سود کی رقم کو بے دریغ وبے جھجک استعمال کیا جارہا ہے، اوران کو منع کرنے پر یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ناجائز پیسہ ناجائز جگہ استعمال کیا جارہا ہے، اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔

(۱) کیا سود کی رقم ایسے موقعوں پر استعمال کرنے کی شریعت اجازت دیتی ہے؟

(۲) اگر مسجد یا مدرسہ کا کیس کورٹ میں چل رہا ہو، تو وہاں پر سود کی رقم فیس دینے کے لئے یا رشوت دینے کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟

(۳) زید کا اگر کوئی ذاتی کیس کورٹ میں چل رہا ہو، تو کیا وہ سود کی رقم کورٹ کے اخراجات میں لگا سکتا ہے؟

المستفتی: امام الدین، جوئے، سابق صدر ضلع وقف کمیٹی کھر گون (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے حاصل شدہ رقم سودی کسی بھی عنوان سے سرکاری فنڈ میں واپس کرنا جائز ہے؛ لہٰذا انکم ٹیکس کے عنوان سے سیل ٹیکس کے عنوان سے، رجسٹری اسٹامپ فیس کے عنوان سے دینا جائز ہے؛ اس لئے کہ حرام مال کا حکم یہی ہے کہ کسی بھی عنوان سے اصل مالک کی ملکیت میں واپس چلا جائے۔ اور یہاں ایسا ہی ہے؛ لیکن سرکاری آفیسر کو رشوت میں دینے سے اور وکیل کو وکالت کی فیس دینے سے حکومت کے فنڈ میں جمع نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے یہ جائز نہیں ہے، چاہے مسجد اور مدرسہ کے کیس میں دیا جائے، یا کسی فرد کے اپنے ذاتی کیس میں دیا جائے، سب کا حکم یکساں ہے، ہاں البتہ دفع ظلم کے لئے رشوت میں ذاتی رقم دینے کی گنجائش ہے، ایسی صورت میں دینے والا گنہگار نہیں ہوگا، لینے والے کے لئے حرام ہوگا۔

ینبغي لمتصدق الحرام أن یزعم بتصدق المال تخلیص رقبته، ولا یرجو الثواب منه. (العرف الشذي، أبواب الطهارة، باب ماجاء لا تقبل صلوة بغیر طهور ۳/۱)

فكان الأخذ معصیة، والسبیل في المعاصي ردها. (هندیة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس عشر في الکسب، زکریا قدیم ۳۴۹/۵، جدید ۴۰۴/۵)

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده علیهم. (شامي، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالا حراما، کراچي ۹۹/۵ زکریا ۳۰۱/۷)

واما إذا کان عند رجل مال خبیث، فإما إن ملکه بعقد فاسد، أو حصل له بغیر عقد، ولا یمکنه أن یرده إلی مالکه، ویرید أن یدفع مظلمته عن نفسه فلیس له حیلة ......لأنه لو أنفق علی نفسه، فقد استحکم ما ارتکبه من الفعل الحرام. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مصري ۱۴۸/۱، جدید دارالبشائر الإسلامیة، بیروت ۳۵۹/۱، تحت رقم الحدیث: ۵۹)

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله،

ولاستخراج حق له، ليس برشوة يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/ ٤٢٣، زكريا ٩/ ٦٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ　　الجواب صحیح:
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ　　احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۹۹)　　۱۴۳۳/۱/۱۹ھ

مدت قیام بڑھا کر رشوت لینا

سوال [۹۱۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے غیر مسلم سے برائے مسافرین قیام ہوٹل خریدا، ان مسافرین میں سے بعض مسافر ایسے بھی قیام فرماتے ہیں، جو کمپنی کے ہوتے ہیں، ان مسافروں کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے قیام کی مدت کو مالک ہوٹل سے زیادہ کر کے لکھاتے ہیں۔ اور اس کے عوض بطور رشوت کے کچھ پیسے دیدیتے ہیں، جیسا کہ یہ معاملہ غیر مسلم مالک سے کرتے تھے۔ اب یہ زید سے بھی کرنا چاہتے ہیں؛ لہٰذا زید کو اس طرح مدت قیام کو بڑھا کر لکھنا اور ان سے زائد پیسہ بطور رشوت کے لینا دینا کیسا ہے؟ اگر یہ صورت ناجائز ہے، تو کوئی صورت جواز کی جو طرفین کے حق میں نکل سکتی ہو تحریر کریں۔

المستفتی: محمد غفران مدرس مدرسہ تعلیم القرآن، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید کے لئے کسی مسافر کے کہنے پر مدت قیام بڑھا کر لکھنا اور اس پر رشوت لینا ناجائز اور حرام ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

عن عبد الله بن عمرو رضـ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: الراشي والمرتشي. (ترمذي، أبواب الأحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي، النسخة الهندية ١/ ٢٤٨، دار السلام رقم: ١٣٣٧، سنن أبي داؤد، كتاب القضاء،

باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية ٢/ ٥٠٤، دار السلام رقم: ٣٥٨٠، سنن ابن ماجه، كتاب الأحكام، باب التغليظ في الحيف والرشوة، النسخة الهندية ١/ ١٦٧، دار السلام رقم: ٢٣١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۱۴/ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
۱۴۲۹/۸/۱۶ھ	(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۷۱۸)

کرایہ دار کا بیس ہزار روپیہ لے کر مکان خالی کرنا

سوال [۹۱۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مکان مالک اور کرایہ دار میں مکان خالی کرانے کے سلسلہ میں مقدمہ شروع ہوگیا، اور یہ سلسلہ کئی سال تک چلتا رہا، جس میں دونوں فریقوں کا وقت اور پیسہ برباد ہوتا رہا، بعدہ کرایہ دار نے مبلغ ۲۰۰۰۰/ ہزار روپیہ رشوت کا (بطور پگڑی) لے کر مکان خالی کردیا۔ کیا مکان مالک سے روپیہ لے کر مکان خالی کرنا جائز ہے؟ اور کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے؟

المستفتی: محمد رئیس، پریم نگر، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلاکسی عذر شدید کے کرایہ دار بغیر پگڑی (رشوت) مکان خالی نہیں کرتا ہے، اور بوقت کرایہ داری مالک مکان نے کرایہ دار سے یکمشت کوئی رقم بنام قبضہ دہی نہیں لی تھی، تو مذکورہ ۲۰۰۰۰/ ہزار روپیہ کرایہ دار کے حق میں رشوت اور حرام ہے، اس کا واپس کرنا لازم ہے، ورنہ وہ فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی۔

الرشوة لا تملك بالقبض الخ. (الدر المختار، كتاب الحظر و الإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/ ٤٢٣، زكريا ٩/ ٦٠٧)

ویکره تقدیم الفاسق کراهة تحریم. (صغیری، مطبع مجتبائي، دهلي ٢٦٤، حلبي کبیر، الأولی بالإمامة اشرفیه دیوبند ٥١٣، هدایة، اشرفي دیوبند ١٢٢/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۰۵۹)

مالک مکان کا کرایہ دار کو رقم دینا رشوت میں داخل ہے

سوال [۹۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مکان مالک اور کرایہ دار دونوں نے مل کر ایک شخص کے پاس تیس ہزار روپیہ جمع کئے اور یہ طے ہوا کہ اس مدت تک اگر کرایہ دار مکان خالی نہ کرے، تو کل رقم مالک مکان کو دیدی جائے اور اگر کرایہ دار طے شدہ مدت میں خالی کردے، تو کرایہ دار کل رقم لے جائے ۔کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

المستفتی: محمد رئیس، پریم نگر، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ رقم مالک مکان کی ہے، اوراس نے مجبور ہوکر یہ رقم جمع کردی ہے، اور مدت مقررہ پر کرایہ دار مکان خالی کرکے جمع شدہ رقم لے لے، تو یہ رشوت ہے، یہ کرایہ دار کے لئے حرام ہے، اور مالک مکان کے حق میں رشوت نہیں ہے، اور نہ ہی وہ گنہگار ہوگا۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له، لیس برشوة یعني في حق الدافع. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، کراچي ٤٢٣/٦، زکریا ٦٠٧/٩، البحرالرائق، کتاب القضاء، کوئٹه ٢٦٢/٦،

زکریا٦/ ٤٤١، هندية، زكريا قديم ٤/ ٤٠٣، جديد ٤/ ٤٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۰۵۹)

ٹھیکہ لینے کے لئے رشوت دینا

سوال [۹۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل ٹھیکداری کا حال یہ ہے متعینہ رقم میں سے سرکاری عملے کو ۱۰/ فیصد کے حساب سے دینا پڑتا ہے، اگر نہ دی جائے تو کام کی منظوری ہی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: مبارک حسین، مدرسہ بدر العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری کاموں کو ٹھیکے پر لینا اور پھر ٹھیکے دار کے لئے سرکاری کام کرا کر اپنے لئے کچھ بچا لینا جائز اور درست ہے، اور کام کی منظوری میں آفیسر لوگ اگر رشوت لیتے ہیں، تو مجبوری میں رشوت دینے سے ٹھیکیدار گنہگار نہیں ہوگا؛ بلکہ رشوت لینے والے آفیسر لوگ گنہگار ہوں گے۔ اور سرکار سے معاملہ طے کرنے کے بعد ٹھیکیدار کا سرکاری کام مکمل کر کے اپنے لئے بچا لینا ایک قسم کا تجارتی نفع ہے، جو شرعاً جائز اور درست ہے، جیسا کہ سڑک کی تعمیر اور روڈ کی مرمت وغیرہ کے لئے سرکاری کاموں کو ٹھیکے پر لیا جاتا ہے، اور ان کاموں کے حصول میں آفیسروں کو رشوت بھی دینی پڑتی ہے، یہ شرعاً جائز اور درست ہے، ایسے معاملات میں صرف آفیسر لوگ گنہگار ہوں گے، جنہوں نے رشوت لی ہے، ٹھیکیدار گنہگار نہیں ہوں گے۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/ ٤٢٣، زكريا ٩/ ٦٠٧)

اور سرکاری کاموں کو ٹھیکے پر لینے اور راشن تقسیم کرنے والے ڈیلر کے معاملہ میں کسی قسم کی مطابقت نہیں ہے؛ اس لئے کہ راشن تقسیم کرنے والا ڈیلر سرکار سے جو راشن حاصل کرتا ہے، وہ لوگوں کے راشن کارڈ کی تعداد اور ان کے نام سے حاصل کرتا ہے؛ اس لئے دونوں یکساں نہیں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۸۷۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍ ۳؍ ۱۴۲۶ھ

ڈونیشن

سوال [۹۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۹۹۶ء میں ایک تعلیمی سوسائٹی قائم کی، جس کے تحت اردو اور انگریزی میڈیم کے مدارس قائم کرنے کی مختلف اوقات میں کوشش کی گئی، اس کے لئے کئی مرتبہ ہائی کورٹ میں بھی جانا پڑا۔ زید اب تک اپنی زندگی کے قیمتی ۱۰؍ سال اس ادارہ کو قائم کرنے میں صرف کر چکا ہے، اس کے علاوہ قریب پندرہ لاکھ سے زائد رقم بھی۔ زید کو اس مقصد میں کامیابی ۲۰۰۶ء میں ملی، جب حکومت مہاراشٹر کی جانب سے اردو میڈیم کا پرائمری اسکول شروع کرنے اور چلانے کی اجازت ملی۔ مہاراشٹر میں حکومت کی تعلیمی پالیسی کچھ یوں ہے کہ ایک تو وہ اسکول شروع کرنے کو اجازت نہیں دیتے ہیں اور سرکاری کارندے اگر پیسے لے کر اجازت دے بھی دیتے ہیں تو ایک پالیسی یہ ہے کہ شروع میں (تقریباً ۱۰ تا ۱۵ سال) حکومت کی طرف سے کسی بھی طرح کی امداد کسی بھی شکل میں اسکول کو نہیں ملتی ہے، یعنی جس سوسائٹی کو اسکول چلانے کی اجازت دی گئی ہے، اب اس کی ذمہ داری ہے کہ جگہ، کلاس روم، فرنیچر، پانی، کھیل کا میدان، معلم اور ہر طرح کی ضرورتیں خود مہیا کرے اور اسکول چلائے۔

اردو میڈیم کے مدرسوں میں خاص کر چھوٹے شہروں میں اردو سے پڑھنے کا رواج اب قریب الختم ہے، ایسے حالات میں فیس دے کر بچوں کو اردو سے پڑھانے والے بہت مشکل سے ملتے ہیں اور اردو میڈیم کے جتنے بھی اسکول مہاراشٹر میں چل رہے ہیں، تقریباً سبھی کا یہ حال ہے کہ وہ اساتذہ سے ڈونیشن لے کر اسکول چلاتے ہیں اور یہ رقم آج کل پانچ سے دس لاکھ فی معلم ہوتی ہے، اس میں سے ادارہ کے ذمہ دار کچھ پیسہ اسکول کی ضروریات کے لئے استعمال کرتے ہیں اور کچھ اپنی ضروریات کے لئے۔

اسکول شروع کرنے کے پیچھے زید کا مقصد کبھی بھی پیسہ کمانا نہیں تھا اور اب بھی نہیں ہے، وہ یہ چاہتا تھا کہ بچوں کی بنیادی تعلیم (کم از کم میٹرک تک) اردو میں ہو، اور ساتھ ہی انہیں علاقائی اور انگریزی زبان پر اتنا عبور ہو کہ وہ آج کے مسابقتی دور میں اپنا وجود ثابت کر سکیں۔

الحمدللہ زید کے اسکول میں شروعات ”سورہ فاتحہ“ سے ہوتی ہے، پھر ”لب پہ آتی ہے دعا“ پڑھائی جاتی ہے، اس کے بعد ”راشٹریہ گیت“ اور ”عہد“ وغیرہ پڑھایا جاتا ہے۔

آج زید کی سوسائٹی کے زیر انتظام ایک اردو پرائمری اسکول چلتا ہے، جہاں ہفتم تک تعلیم دی جارہی ہے، جس میں قریب ۶۰۰ رطلبا سرکاری (عصری) تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ دینی تعلیم بھی حاصل کر رہے ہیں۔

مدرسہ ہذا میں عصری تعلیم کے علاوہ روزانہ ایک گھنٹہ عربی کی بنیادی تعلیم بھی دی جاتی ہے، یہ خدمت سوسائٹی اپنی ذاتی طور پر مہیا کر رہی ہے، اس میں حکومت کی طرف سے دینیات پڑھنے اور نہ پڑھنے پر کوئی پابندی نہیں۔ زید یہ سمجھتا ہے کہ آج جو ۶۰۰ طلبا اس کے اسکول میں اردو سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اگر وہ یہ اسکول نہ شروع کرتا، تو اس میں سے کچھ طلبا سرکاری اردو مدرسہ میں جاتے، کچھ دیگر میڈیم میں، سرکاری مدرسوں میں دینیات کی تعلیم نہیں دی جاتی ہے؛ جبکہ دیگر میڈیم میں اسلامی ماحول ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جب سے زید نے اس سوسائٹی کی بنیاد ڈالی ہے، تب سے آج تک سوسائٹی اور اسکول

کو چلانے میں زید کا حصہ 95% ہے، اور مابقیہ ذمہ داران سوسائیٹی کا 5%۔

حکومت کی جانب سے جو بھی امداد اب تک ملی ہے، اس کو حاصل کرنے کے لئے پھر اس کا استعمال کس طرح سے ہوا ہے، یہ جاننے کے لئے جب بھی سرکاری عہدہ دار معائنہ کے لئے آتے ہیں، تو انہیں باوجود اسکے کہ ہر کام صاف ستھرا، اطمینان بخش اور واقعتاً کیا گیا ہے، اس کے باوجود انہیں کچھ نہ کچھ رقم بطور رشوت دینی پڑتی ہے۔

اب حکومت اساتذہ کو گرانٹ دینے کی سوچ رہی ہے، اور اس کی کارروائی کے لئے بھی کافی رقم بطور رشوت کھلانی پڑے گی۔

گرانٹ منظور ہوتی ہے، تو وہ سیدھے اساتذہ کو ملے گی، اس میں سوسائٹی کو کچھ بھی نہیں ملنے والا ہے۔ آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ حسب ذیل سوالات کے جوابات شریعت کی روشنی میں بتائیں۔

(۱) زید کا صرف کیا ہوا پیسہ کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟

(۲) زید کی جو صلاحیتیں اور وقت صرف ہوا ہے، اس کا معاوضہ اسے کیسے مل سکتا ہے؟

(۳) کیا زید ڈونیشن لے کر اسکول میں تقرری کرسکتا ہے، اور اگر لے سکتا ہے تو کس حد تک؟

(۴) اگر ڈونیشن نہیں لیا جاسکتا ہے، تو زید کے پیسہ، وقت اور صلاحیتوں کا بدل اسے کب اور کیسے ملے گا؟

(۵) زید اگر چاہے تو یہ اسکول کسی اور شخص یا ادارہ کو فروخت کرسکتا ہے؟ خریدار بھی یہ دیکھ کر اسکول کی قیمت طے کرے گا کہ اسے کتنے اساتذہ کو نوکری دینے کا موقع مل سکتا ہے، اور فی معلم اسے کتنی رقم مل سکتی ہے؟ پھر اسی حساب سے اسکول کی قیمت کا تعین ہوگا اور بعد میں خریدار اس کا لگایا ہوا سرمایہ وہ شخص لوگوں سے ڈونیشن کی صورت میں وصول کرے گا، یعنی خریدار کے لئے یہ ایک طرح سے تجارت کا معاملہ ہوگا۔

(۱) کیا ان حالات میں زید کا اسکول کو فروخت کرنے کا فیصلہ مناسب رہے گا؟

(۲) اگر اسکول فروخت کیا جاتا ہے، تو اس کی قیمت کا تعین کیسے کیا جائے گا؟

ایک محتاط اندازے کے مطابق زید اب تک مختلف اوقات میں اسکول کے جائز کاموں کے لئے قریب ایک لاکھ روپیہ بطور رشوت دے چکا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ جانتا ہے کہ رشوت خوری حرام ہے؛ لیکن یہاں ماحول ایسا ہے کہ اگر آپ کی فائل مکمل ہو بھی تو آفیسر بغیر پیسہ لئے دستخط نہیں کرتے، ایسی حالتِ مجبوری میں کیا رشوت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ امید کہ آپ شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد منظور احسن، پربھنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس سلسلہ میں آپ اساتذہ کو اکٹھا کر کے ایک میٹنگ کریں اور اس میٹنگ میں یہ بات طے کرلیں کہ گرانٹ حاصل ہونے کے سلسلے میں جو بھی رقم خرچ ہوگی وہ رقم اساتذہ کو ان کی تنخواہوں کے تناسب کے حساب سے ادا کرنی ہوگی اور اس پر اساتذہ کے دستخط کروالیں، زید کا گرانٹ حاصل کرنے میں جو پیسہ صرف ہوگا، وہ پیسہ اسی طریقے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحاً حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون علی شروطھم إلا شرطاً حرم حلالا، أو أحل حراما. (ترمذي شریف، أبواب الأحکام، باب ماذکر عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم في الصلح بین الناس، النسخۃ الھندیۃ ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲)

(۲) زید کی جو صلاحیت اور وقت خرچ ہوا ہے، اس کا معاوضہ زید کو کیسے ملے گا یا نہیں ملے گا، اس کے بارے میں زید ہی زیادہ جان سکتا ہے۔

(۳) رشوت کو دوسرا خوب صورت نام ڈونیشن دیا گیا ہے، یہ ناجائز اور حرام ہے

اور رشوت لینے والا سخت عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔

عن عبد الرحمن بن عوفؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار. (مجمع الزوائد، دار الكتب العملية، بيروت ٤/١٩٩)

والإسلام يحرم الرشوة في أي صورة كانت وبأي اسم سميت فسميتها باسم الهدية لا يخرجها عن دائرة الحرام إلى الحلال. (الحلال والحرام في الإسلام ٢٧١، بحواله محموديه ڈابهيل ١٨/٤٦٣)

(۴) اس کا جواب نمبر۲ر میں گزر گیا۔

(۵) اسکول کی خرید وفروخت سے متعلق بیچنے والے اور خریدار خود جانیں اور جو بھی ڈونیشن کے نام سے رشوت لے گا، وہ سخت گنہگار ہوگا اور وہ حرام کا پیسہ ہوگا۔

عن عبد الرحمن بن عوفؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار. (مجمع الزوائد، دارالكتب العملية، بيروت ٤/١٩٩)

(٦) دفع مضرت کے لئے رشوت دینا جائز ہے، دینے والا گنہ گار نہ ہوگا لینے والا گنہگار رہوتا ہے۔

الرابع: ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه، أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، زكريا ٨/٣٥، كراچي ٥/٣٦٢)

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له، ليس برشوة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٢٣، زكريا ٩/٦٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ؍ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰ ؍ ۱۱۰۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴؍۴؍۲۴ھ

کالجوں میں لئے جانے والے ڈونیشن کی شرعی حیثیت

سوال [۹۱۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ڈگری کالجوں میں اسی طرح میڈیکل کالجوں میں داخلہ کے لئے لاکھوں روپئے ڈونیشن کے نام سے لیا جاتا ہے، شریعت کے رو سے یہ ڈونیشن کس خانہ میں آتا ہے، ہم اس سلسلے میں تردد میں پڑے ہوئے ہیں؛ اس لئے کہ اس پر رشوت کی تعریف صادق نہیں آتی؛ کیونکہ رشوت اس کو کہا جاتا ہے کہ کوئی بھی ذمہ دار جس کو اپنی ذمہ داری ادا کرنے پر مامور کردیا گیا ہو اور اس ذمہ داری کی تنخواہ اس کو ملتی ہو، پھر وہ اسی ذمہ داری کی ادائے گی میں لوگوں سے الگ سے پیسے لیتا ہو، تو یہ رشوت کے دائرہ میں داخل ہوگا اور ڈگری کالجوں میں یہ بات نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے کہ ڈونیشن لینے والے سرکار یا کسی اور کی طرف سے تنخواہ دار ملازم نہیں ہوتے؛ بلکہ وہ خود مالک ہوتے ہیں؛ اس لئے خوب غور وخوض کر کے جواب تحریر فرمادیں۔

اور اگر اس کو مدارس اور اسکولوں کی داخلہ فیس کی طرح قرار دیا جائے تو قوم کو اشکال ہوسکتا ہے کہ اتنی بڑی رقم داخلہ فیس کے نام سے لینا متعارف نہیں ہے، تو اس پر ہمارے سامنے ہائی کورٹ کے وکلاء کی بات سامنے آئی ہے کہ ایک ایک پیشی میں کئی کئی لاکھ روپئے لیتے ہیں، جب وکلاء کو اتنی بڑی رقم لینا جائز ہے، تو ڈگری کالجوں میں کیوں کرنا جائز ہوسکتا ہے؟ مدلل طور پر واضح فرمادیں۔

المستفتی: محمد شعیب اختر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ڈگری کالجوں میں، اسی طرح میڈیکل کالجوں میں ڈونیشن کے نام سے جو بھاری رقم لی جاتی ہے، وہ اگر پرائیویٹ اور ذاتی کالجوں میں ہے،

تو وہ رشوت کے دائرہ میں داخل نہیں؛ بلکہ داخلہ فیس کے درجے میں ہے؛اس لئے کہ ان کالجوں کے ذمہ داران کو مالکانہ حیثیت حاصل ہے، داخلہ لینے والے طلبہ کو بھی اختیار رہتا ہے کہ اتنی بڑی رقم ڈونیشن فیس جمع کر کے داخلہ لے، یا نہ لے، یہ آپس کی تراضی کا معاملہ ہے اور کوئی بچہ اگر اتنی فیس دے کر داخلہ نہ لے،تو اس پر کسی کی طرف سے زبردستی بھی نہیں؛ البتہ یہ رشوت نہ ہونے کے باوجود اتنی بڑی رقم ایک ایک طالب علم سے لینا انسانی معاشرہ سے ہٹ کر ہے، جو بھی سنتا ہے، اس کی عقل حیران رہ جاتی ہے؛اس لئے یہ کم از کم کراہت کے درجہ میں ہے، اور جس طرح بعض حالات میں حکومت گرانی کے زمانہ میں بازاری اشیاء کی قیمتیں محدود کرسکتی ہے، اسی طرح ڈونیشن کی مقدار کی تحدید کا بھی اختیار اسے ہے اور یہ تحدید اگر نہ ہو، پھر بھی اتنی بڑی مقدار ڈونیشن کی لینا انسانیت اور مروت کے خلاف ہے، اور وکیل جو فیس لیتا ہے، یہ اجارہ کا معاملہ ہے اور آپسی رضامندی سے جو اجرت طے ہو جائے، اس کے لین دین میں شرعاً کوئی حرج نہیں، تاہم انسان اور اخلاقی بنیادوں پر وکلاء کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ ناقابل تحمل فیس مقرر نہ کریں۔

إعطاء إنسان غير موظف عند القاضي، أو الحاكم مالاً؛ ليقوم بتحصيل حقه له، فإنه يحل دفع ذلک وأخذه؛ لأنه وإن كانت معاونة الإنسان للآخر بدون مال واجبة، فأخذ المال مقابل المعاونة لم يكن إلا بمثابة أجرة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/ ۲۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۸۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۵ھ

طلبہ کو رعایۃً پاس کرنے کے عوض روپیہ وصول کرنا

سوال [۹۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں دسٹرکٹ پورہ کے اسکول میں ٹیچر ہوں، سالانہ امتحان کے موقعہ پر طلبہ سے انعام کے نام پر کچھ پیسہ ملتا ہے، یا لیا جاتا ہے، کچھ طلبا کو رعایۃً نمبرات دے کر پاس کیا جاتا ہے، اوران سے روپیہ وصول کیا جاتا ہے، تو ہر دو صورت میں پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں اوراس پیسہ کو اپنے ذاتی اخراجات میں لانا کیسا ہے؟

سال ہائے گذشتہ کی کچھ رقم میرے پاس موجود ہے جو کہ میں نے جمع کر رکھی ہے، اس رقم کا مصرف کیا ہے؟

المستفتی: ماسٹر محمد انیس، سیوہارہ، اسلام نگر بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انعام اس کو کہا جاتا ہے، جو اپنی خوشی سے بلا کسی دباؤ اور مانگ کے کسی کے عمدہ کام پر دیا جاتا ہے، اوراسکولوں میں ماسٹران طلبہ سے جو لیتے ہیں، وہ اس میں داخل نہیں ہے؛ اس لئے کہ ماسٹران طلبہ سے دباؤ یا طلب یا رعایتی نمبرات کی حرص دلا کر لیتے ہیں؛ اس لئے یہ روپیہ جائز نہیں ہے؛ بلکہ انہیں طلبہ کو واپس کر دینا لازم ہے؛ البتہ اگر کوئی اپنے استاذ کو بلا دباؤ اور طلب کے اپنی طرف سے بخوشی کچھ دیتا ہے، تو وہ تحفہ ہے، جو کہ بلا تردد جائز ہے؛ لہٰذا مذکورہ رقم واپس کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲۲/۱۶، جدید ڈابھیل ۴۶۶/۱۸)

عن أبي حميد الساعديؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لايحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٥/٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

(شامي، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال، كراچي ٤/٦١، زكريا ٦/١٠٦، البحرالرائق، كوئٹه ٥/٤١، زكريا ٥/٦٨، هندية، زكريا قديم ٢/١٦٧، جديد ٢/١٨١، قواعد الفقه،

اشرفي ديوبند ۱۱۰، رقم:۲۶۹، الموسوعة الفقهية ۲۱/ ۱۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۳۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۲۸ھ

اسکول کی داخلہ اسکیم کی کچھ شکلوں کا حکم

سوال [۹۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنے بچہ کا داخلہ کرانے ایک اسکول میں گیا، واضح رہے کہ اسکول مسلم ہے اور پوری انتظامیہ بھی الحمدللہ مسلمان ہے، اسکول میں داخلہ کی تین اسکیمیں ہیں۔

اسکیم نمبر ۱: رجسٹریشن فیس -/250 روپئے، ایڈمیشن فیس -/500 روپئے، سیکورٹی فیس -/500 اور ماہانہ اسکول فیس -/360 روپئے ہے، بچہ کو اسکول سے ہٹانے پر -/500 روپئے سیکورٹی کے واپس مل جائیں گے، اگر ہم اس اسکیم کے تحت اپنے بچے کا داخلہ کراتے ہیں، تو فی الوقت ہمیں -/1610 روپئے جمع کرنے ہوں گے اور ہر ماہ -/360 روپئے دینے ہوں گے۔

اسکیم نمبر ۲: رجسٹریشن فیس -/250 روپئے، ایڈمیشن فیس -/500 روپئے اور سیکورٹی فیس -/500 روپئے، یہ سب مل کر -/1250 روپئے ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ایک سال کی فیس جو کہ -/4320 روپئے بنتی ہے، اس 5% فیصد کے حساب سے، 2161 روپئے کی رعایت ملے گی، اگر ہم یہ -/4104 روپیہ اور -/1250 روپیہ یکمشت جمع کریں جو کہ -/5354 روپیہ ہوتے ہیں، تو ہمیں -/261 روپیہ کی رعایت ملے گی۔ کیا یہ رعایت لینا مناسب ہے۔

اسکیم نمبر ۳: یہ ہے کہ رجسٹریشن فیس -/250 ایڈمیشن فیس -/500 روپئے، سیکوریٹی فیس -/500 روپئے جو کہ -/1250 روپئے بنتے ہیں، یہ تو جمع کرنے ہی ہیں

اور جب بھی بچہ اسکول چھوڑ یگا تو سیکورٹی کے -/500 روپیہ واپس مل جائیں گے، فیس کی شکل میں جوایک سال میں -/4320 روپئے جمع کرتے یا دوسری اسکیم کے تحت 5% فیصد رعایت لے کر -/4104 روپئے جمع کرتے ، ان دونوں کو بچانے کے لئے یا ہمیں فائدہ دینے کے لئے اسکول والے کہتے ہیں کہ -/38900 روپئے ایک سال کے لئے ہمارے پاس جمع کردیں، تو اس رقم کو جمع کرنے کی صورت میں آپ کو کوئی ماہانہ فیس ایک سال تک جمع نہیں کرنی پڑے گی۔ اور سال پورا ہونے پر -/38900 روپئے بھی واپس مل جائیں گے۔ وضاحت فرمائیں کہ یہ جائز ہے؟

المستفتی: محمد مرسلین تمبا کو محلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اسکول کے داخلہ اسکیم کی تینوں شکلوں کو بار بار غور کر کے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مزید سائل سے زبانی بھی وضاحت حاصل کی جاچکی ہے۔

سوال نامہ میں درج شدہ تینوں شکلوں میں سے پہلی اور دوسری شکل شرعی طور پر جائز اور درست ہے؛ لیکن تیسری شکلوں میں سے کسی بھی شکل کو اختیار کر کے اسکول میں بچہ کو داخل کرنا جائز اور درست نہ ہوگا؛ کیونکہ تیسری شکل کل قرض جر منفعۃ کے دائرہ میں داخل ہو کر ناجائز ہے۔

-/38900 روپئے ایڈمیشن کے جو اسکول کو سال بھر کے لئے دیے جاتے ہیں، شرعی طور پر اسکول کے اوپر یہ سال بھر کا قرضہ ہے اور اس قرضہ کے ذریعہ سے بچوں کے ورثاء نے ایسے کئی ہزار روپئے کا فائدہ اٹھایا ہے، جو ورثاء کے اوپر اسکول کے لئے واجب الاداء ہے۔ اور شریعت میں قرضہ دے کر اس طرح کا فائدہ اور نفع اٹھانا جائز نہیں۔

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب البيوع،

باب كل قرض جر منفعة، فهو ربا، دارالفكر بيروت ٨/٢٧٦، رقم: ١١٠٩٢، كنز العمال، الدين و السلم، دارالكتب العلمية بيروت٦/٩٩، رقم: ١٥٥١٢، نصب الراية ٤/٦٠، شامي، كراچي٥/١٦٦، زكريا٧/٣٩٥، اعلاء السنن، كراچي ١٤/٤٩٨، دارالكتب العلمية بيروت١٤/٥٦٦، قواعد الفقه، اشرفي ديوبند ١٠٢، رقم: ٢٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رصفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۹۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۶ھ

ملازمت کے حصول کے لئے رشوت دینا

سوال [۹۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان کسی ملازمت کے لئے تگ ودو کرتا ہے؛ لیکن اس محکمہ میں رشوت (جسے آج کے دور میں سہولت فیس سے تعبیر کرتے ہیں) کے بغیر ملازمت کا حصول مشکل ہی نہیں؛ بلکہ ناممکن ہے، اگر وہ یہ فیس نہیں دیتا، تو کسی بھی چیز میں اسے فیل اور ناکام کردیا جاتا ہے، اور صورت یہ ہے کہ رشوت لینے والا مسلمان اور دینے والا بھی مسلمان ہے۔

نیز دوسری صورت یہ ہے کہ رشوت دینے والا مسلمان اور لینے والا غیر مسلم ہے، دونوں صورتوں میں رشوت دے کر ملازمت حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ ہندوستان کے اکثر محکموں میں رشوت ہی کی بنیاد پر ملازمت کے لئے تقرر کیا جاتا ہے بالفاظ دیگر ہندوستان میں اپنے حق کے حصول کے لئے رشوت دینا جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مولانا جلیس احمد، محلّہ نیب ٹانڈہ بادلی، رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: رشوت دے کر ملازمت حاصل کرنے کی دو شکلیں ہیں:

(۱) رشوت دینے سے ایسی ملازمت حاصل ہو رہی ہے، جس کا مستحق رشوت دینے والے سے اچھی صلاحیت کا آدمی ہوتا ہے، اور کمزور آدمی رشوت دے کر اعلیٰ ملازمت حاصل کرتا ہے، تو رشوت دے کر ملازمت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

نیز اسی طرح اگر ملازمت کی ایک جگہ خالی ہے، متعدد افراد اس کے خواہشمند ہیں، اور جو رشوت دے گا، اس کو مل جائے گی، تو اس کو بھی رشوت دے کر حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

(مستفاد: تحذیر الإخوان عن الربوا فی ہندوستان ۲۲)

(۲) امتحان وانٹرویو میں کامیابی ہو چکی ہے اور اب ملازمت ضرور ملنی ہے، مگر درمیان میں افسران رشوت کے بغیر کاغذات جاری کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں، تو ایسی صورت میں اپنا حق حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا جائز اور گنجائش ہے، مگر لینے والے کے لئے حرام اور واجب الاسترداد ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسالک ۱۳۶)

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له، ليس برشوة يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/ ٤٢٣، زكريا ٩/ ٦٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۳۹۹/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۲۸ھ

رشوت دے کر سرکاری مدرسہ میں ملازمت حاصل کرنا

سوال [۹۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو مدرسے سرکاری ہو رہے ہیں، ان میں علماء کرام مفتیان کرام لاکھ دو لاکھ روپیہ دے کر لگ رہے ہیں، ان کا یہ رقم دینا اور مدرسہ کے ذمہ داران کو لینا جائز ہے یا نہیں اور پھر لگنے کے بعد ان کو بیس ہزار روپیہ بطور تنخواہ جو مل رہے ہیں،

وہ ان کے لئے درست ہیں یا نہیں؟

المستفتی: انور حسین، پیشکار، محلّہ نواب کا سگنج، کے آر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رشوت دے کر ملازمت حاصل کرنے والے لوگ، اگر ایسے پرانے اساتذہ ہوں جو سالوں سے اس ادارہ میں کام کررہے ہیں اور رشوت نہ دینے کی صورت میں انہیں سرکاری تنخواہ نہیں ملے گی، تو ایسی صورت میں اپنا حق ملازمت حاصل کرنے کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے اور اگر رشوت دیکر ملازمت حاصل کرنے والے ان اداروں کے پرانے ملازم نہیں ہیں؛ بلکہ اداروں کے پرانے ملازمین جو بڑی رشوت دینے پر قادر نہیں ہیں، ان کو صرف نظر کر کے یہ نئے لوگ رشوت دے کر سرکاری ملازمت حاصل کرتے ہیں، تو اس قسم کی رشوت دینے والے لوگ گناہ گار ہوں گے اور رشوت لینے والے لوگ دونوں صورتوں میں تین قسم کے گناہ عظیم کے مرتکب ہوں گے:

اول: یہ حقدار سے صرف نظر کر کے اس پر ظلم کا گناہ۔

دوم: رشوت لینے کا گناہ۔

سوم: رشوت کا پیسہ اپنے اوپر خرچ کرنے کا گناہ، البتہ بعد میں ملازمین کو سرکار کی طرف سے جو تنخواہ ملے گی، وہ اپنی ملازمت ومحنت کی تنخواہ ہوگی؛ اس لئے یہ تنخواہ اساتذہ کے لئے حلال ہوگی۔

الرشوة على أربعة أقسام: الثالث: أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعاً للضرورة، وهو حرام على الآخذ فقط. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، كراچي ٥/٣٦٢، زكريا ٨/٣٥)

عن ابن عمرؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا ايهاالناس: اتقوا الظلم فإن الظلم ظلمات يوم القيامة. (مسند الإمام أحمد٢/٩٢، رقم: ٥٦٦٢)

ما حرم أخذه حرم إعطاءه إلا في مسائل......أو ليسوي أمره عند

سلطان. وتحته فی الحموي: هذا في جانب الدافع. (الأشباه والنظائر جديد ٤٨٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۳۳۲/۳۹)

نوکری کے لئے رشوت دینا

سوال [۹۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا ٹیچر کے لئے یا نوکری کے لئے رشوت دینا جائز ہے؟ کیونکہ بنا رشوت کے نوکری ملنا مشکل ہے۔

المستفتی: سید شاکر حسین، اجنتا، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رشوت لینا دینا دونوں شریعت میں ناجائز ہے؛ لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ دفع ظلم کے لئے رشوت دینا جائز ہے، لینے والا گنہگار ہوگا، اسی طرح اپنا حق لینے کے لئے رشوت دینا جائز ہے، یہاں بھی صرف لینے والا گنہگار ہوگا اور ہمارے یہاں ہندوستان میں رشوت دیئے بغیر کسی کو سرکاری ملازمت نہیں ملتی ہے، تو مسلمانوں کے سرکاری ملازمت کا حق ہاتھ سے نکل جائے گا؛ اس لئے مسلمانوں کو رشوت دے کر سرکاری ملازمت حاصل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور ایسی صورت میں رشوت لینے والا ہی گنہگار ہوگا۔

ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه، أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهندية، زكريا ٣٥/٨، كراچي ٣٦٢/٥)

عن أبي سلمة بن عبد الرحمن عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار. (مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم، باب لتغليظ في الحيف والرشوة ۳/۲٤۷، رقم:۱۰۳۷، المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ۱/۵۵۰، رقم:۲۰۰۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۴۸۵/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

سودی رقم بینک کے کارندوں کو رشوت میں دینا

سوال [۹۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر ہم بینک سے لون پر قرض لیں، تو اس میں بینک کے کارندے اور ایجنٹ حضرات کو بھی کچھ رقم دینی پڑتی ہے، تو جو رقم ہم ایجنٹ حضرات کو دیں گے، وہ دینی جائز ہوگی یا نہیں؟ کیا وہ رشوت ہوگی؟ اس میں سود کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شرف الدین، ہیبت پور، جویا، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لون پر قرض لینا جائز نہیں ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورة البقره: ۲۷۵]

وأما ربا النسيئة: فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا على شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقيًا. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ، تحت تفسير رقم الآية:۲۷۵، من سورة البقره ۷/۹۱)

اور بینک کے کارندے اور ایجنٹ لوگوں کو جو رقم دی جاتی ہے، وہ شرعاً رشوت ہے،

اگران کورشوت دیئے بغیروہ کوئی کام کر کے نہ دیں، تو ضرورت کی بناء پر رشوت دینے کی گنجائش ہے، مگر لینے والے کے لئے وہ حرام ہے۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له، ليس برشوة يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٢٣، زكريا ٩/٦٠٧)

اور یہ رشوت کی رقم جیب خاص سے دینا لازم ہے، بینک کے سود کی رقم رشوت میں دیناجائزنہیں ہے۔(مستفاد:ایضاح المسائل۱۴۲)

لو أنفق على نفسه، فقد استحكم ماارتكبه من الفعل الحرام. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مصري ١/١٤٨، جديد دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۲؍رجب المرجب۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر:الف۶۸۱۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۳/۷/۱۴۲۱ھ

بیرون ملک مال فروخت کرنے پررشوت دینا

سوال[۹۱۵۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگرکوئی شخص انڈیا سے غلہ خریدکر نیپال میں فروخت کرنا چاہتاہے؛ جبکہ درمیان میں رشوت دینی پڑتی ہے، بوجہ مجبوری تو کیا انڈیا سے خرید کر نیپال میں فروخت کرنے کی اجازت ہے؟

المستفتی: ارشاداحمد،متعلم دورۂ حدیث مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: جب کوئی آدمی کسی بیرون ملک میں اپنامال فروخت کرنا چاہتاہے،تو انڈین قانون کے مطابق اس کاروبارکا رجسٹریشن کرانا منجانب

سرکار ضروری و لازم ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر سائل نے غلہ فروختگی کے لئے منجانب سرکار ہند رجسٹریشن کرایا ہے، اس کے بعد اگر رشوت دینی پڑتی ہے، تو یہ دفع ظلم کے لئے رشوت دینے کے حکم میں ہوگا اور فقہاء کرام نے دفع ظلم کے لئے رشوت دینے کی اجازت دی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۷)

أما إذا أعطیٰ لیتوصل به إلی حق، أو لیدفع به عن نفسه ظلماً، فلابأس به. (مرقاة شرح المشکوة، کتاب الأمارة والقضاء، باب رزق الولاة وهدایاهم، الفصل الثاني، امدادیة ملتان ۷/۲٤۸)

لیکن اگر اس نے سرکار ہند سے اپنی تجارت کے لئے رجسٹریشن نہیں کرایا ہے، تو رشوت لینا ظلم کے دائرہ میں داخل نہیں؛ لہٰذا درمیان میں افسران کو رشوت دینا جواز کے دائرہ میں نہیں آسکتا؛ بلکہ تاجر اس صورت میں حضور ﷺ کی لعنت کا مصداق بن سکتا ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو ؓ قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: الراشي والمرتشي. (سنن أبي داؤد، کتاب القضاء، باب في کراهیة الرشوة، النسخة الهندیة۲/٥۰٤، دارالسلام رقم: ۳٥۸۰، سنن ابن ماجه، کتاب الأحکام، باب التغلیظ في الحیف والرشوة، النسخة الهندیة ۱/۱٦۷، دارالسلام رقم:۲۳۱۳، سنن الترمذي، أبواب الأحکام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي، النسخة الهندیة۱/۲٤۸، دارالسلام رقم:۱۳۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۴/ ۱۴۲۰ھ

کام کو درست کرنے کے لئے حکام کو رشوت دینا

سوال [۹۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ موجودہ حکومت میں حکام کو درست کام کرنے کے لئے بھی رشوت دینا کیسا ہے؟ کیونکہ بغیر رشوت کے کام نہیں ہوتا۔

المستفتی: ڈاکٹر محمد الیاس بن مرزا جی عبد الرحیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حکومت کے کسی بھی حاکم کو کسی بھی طریقہ سے رشوت لینا جائز نہیں؛ البتہ حاکم سے کوئی جائز کام کرانے اور کسی جائز کام کے لئے دستخط کرانے میں رشوت دینے پر مجبور کیا جائے، نیز اس طریقے سے رشوت نہ دینے سے اپنا حق مارا جائے، یا اپنی ذات پر کوئی ظلم ہوسکتا ہے، تو دفع مضرت کے لئے رشوت دینے والے کے لئے جائز اور لینے والے کے لئے حرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۷)

وفي الشامية: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له، ليس برشوة يعني في حق الدافع.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٢٣، زكريا ٩/٦٠٧، البحر الرائق، كتاب القضاء، كوئٹه ٦/٢٦٢، زكريا ٦/٤٤١، هندية، زكريا قديم ٤/٤٠٣، جديد ٤/٤٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۴۳۱)

پردھان کا تحریری اجازت و مہر پر روپیہ لینا

سوال [۹۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ درختوں کے کاٹنے پر حکومت کی طرف سے پابندی ہے؛ لیکن گاؤں کے پردھان صاحب تحریری اجازت مہر لگا کر دیں تو کاٹ سکتے ہیں، تو اب اگر پردھان صاحب

اس تحریری اجازت اورمہر لگانے پر کچھ روپیہ لیں، تو یہ رشوت میں شمار ہوگا؟

المستفتی: محمد عثمان قاسمی، دونک پوری، ٹانڈہ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اپنی ملکیت کے درختوں کے کاٹنے پر پیسہ دینا پڑتا ہے، تو وہ رشوت ہے؛ لیکن دینے والا دفع ظلم کے لئے دے رہا ہے؛ اس لئے گنہگار نہ ہوگا اور لینے والے کے لئے وہ پیسہ حرام ہے، واپس کرنا واجب ہے۔

الرابع: ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه، أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ، لأن دفع الضرر من المسلم واجب. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، زكريا ۸/ ۳۵، كراچي ۵/ ۳٦۲، كوئٹه ۳۳۸)

ويجب على المرتشي ردها. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كوئٹه ۵/ ۳۰۰، كراچي ٦/ ٤۲۳، زكريا ۹/ ٦۰۷)

اور اگر سرکاری درختوں کے متعلق ہے، اور حکومت کی طرف سے پردھان بلاتنخواہ مامور ہے، اور کام پورا ہونے پر بلاظلم وزیادتی لیتا ہے، تو اس کی گنجائش ہے اور اگر پہلے ہی مطالبہ کرکے لیتا ہے، تو حرام ہے۔

ثم قال بعد هذا سعى له عند السلطان وأتم أمره لا بأس بقبول هديته بعد وقبله بطلبه سحت وبدونه مختلف فيه، ومشائخنا على أنه لا بأس به. (شامي، كوئٹه ۵/ ۳۰۰، كراچي ٦/ ٤۲۳، زكريا ۹/ ٦۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۲۱)

رشوت دے کر مشترکہ گرام سماج کی زمین حاصل کرنا

سوال [۹۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آراضی تمام گاؤں والوں کی مشترکہ گرام سماج کی ہے گورنمنٹ نے یہ قانون جاری کیا ہے کہ جو نسبندی کا کیس دے، وہ اس حصہ میں شریک ہے، چنانچہ بہت سو کو کچھ نہ کچھ حصہ ملے گا یا ہندو وغیر مسلم کیس دلا کر وہ روپئے حاصل کرے یا نہیں؟ لیکن تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ فرضی کیس دیئے جارہے ہیں، یعنی کچھ روپئے دید یتے ہیں اور فرضی کیس بنا کر روپئے لے کر زمین اس کے نام میں لکھ دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس زمین میں تمام کا حق ہے، اس حق کو حاصل کرنے کے لئے رشوت پر روپیہ دے کر حصہ حاصل کریں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: حبیب احمد، گنگڈسپوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نسبندی کرانا اوراس کا کیس دینا ہر مسلمان پر حرام ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔

عن سعد بن أبي وقاص يقول: رد رسول الله صلى الله عليه وسلم على عثمان بن مظعون التبتل، ولو أذن له لاختصينا. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب مايكره من التبتل والخصاء ۲/ ۷۵۹، رقم: ۴۸۸۲، ف: ۵۰۷۳)

وأما خصاء الآدمي فحرام. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ۶/ ۳۸۸، زكريا ۹/ ۵۵۷، مطبوعه مصري ۵/ ۳۴۲)

فرضی کیس بنا کر، رشوت لے کر مشترکہ زمین میں سے اپنا حق حاصل کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر اپنا حق ضائع ہونے کا خطرہ ہو، تو رشوت دے کر دفع ظلم کرتے ہوئے اپنا حق حاصل کر لینا جائز ہے؛ لیکن لینے والے کے لئے رشوت کا پیسہ حلال نہ ہوگا؛ بلکہ واپس کرنا واجب ہے۔

الرشوة لاتملک بالقبض . وفي الشامية: ويجب على المرتشي ردها.

(الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٢٣، زكريا ٩/٦٠٧)

ومنها إذا دفع الرشوة خوفا على نفسه، أو ماله، فهو حرام على الآخذ غير حرام على الدافع. (البحر الرائق، كتاب القضاء، کوئٹه ٦/٢٦٢، زكريا ٦/٤٤١، هندية، كتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات، زكريا قديم٤/٤٠٣، جديد٤/٤٣١، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٢٣، زكريا٩/٦٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍۷۹۷)

سرکاری ملازمین کا عوام سے سرکاری کام پر معاوضہ لینا

سوال [۹۱۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلم سرکاری ملازمین جس کام کرنے کی تنخواہ پاتے ہیں، اگر وہ کام کسی آدمی کا کردیا، تو جس آدمی کا کام کیا، اگر سرکاری ملازم کے بغیر مانگے اس نے اپنی خوشی سے کچھ رقم دی کہ یہ آپ کو اپنے کام کے پورا ہونے کی خوشی میں بطور انعام دے رہا ہوں، تو سرکاری ملازم اس رقم کو اپنے خرچ میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ یا کسی غریب کا گھر بنوادے یا غریب لڑکی کی شادی کرادے، تو اس قسم کے کام میں استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ بہت سے مسلمان ملازم یہ مسئلہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے ذریعہ کتنے غریبوں کا بھلا ہونے کی امید ہے۔

المستفتی: عبدالواحد، مہراج گنج (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جوکام کسی کے ذمہ واجب ہو، پھر اس کا معاوضہ

لیا جائے، تو وہ رشوت ہے؛ اس لئے سرکاری ملازمین کا دفتری اوقات میں پبلک کا کام کردینے پر ان کی خوشی سے معاوضہ لینا المعروف کالمشروط قاعدہ کی وجہ سے جائز نہیں ہے؛ لہٰذا اس معاملہ کی حاصل شدہ رقم اصل مالک تک پہونچائی جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْن. [سورة بقره:۱۸۸]

ثم الرشوة أربعة أقسام: الثاني: ارتشاء القاضي ليحكم، وهو كذلك ولو انقضاء بحق لأنه واجب عليه. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، زكريا ۸/۳۴-۳۵، كراچي ۵/۳۶۲، البحرالرائق، كوئته۶/۲۶۲، زكريا ۶/۴۴۱) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۴۰۵/۳۶)

پیشکار کا فریقین سے رقم لینا

سوال [۹۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد زاہد ضلع جج کے پیشکار ہیں، عدالت کے چپراسی آواز لگانے اور حاضری کرانے کے ۱۵/ روپئے لیتے ہیں، ان پیسوں کو جج صاحب کی چائے وغیرہ میں خرچ کرنے کے بعد آدھے پیشکار کو دیتے ہیں اور آدھے خود لیتے ہیں پیشکار زاہد اگر آدھے نہ بھی لے، تو بھی چپراسی لینا بند نہیں کریں گے، تو سوال یہ ہے کہ زاہد پیشکار کے لئے یہ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ سود اور رشوت ہوگا یا نہیں اور لے کر کسی کار خیر میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد انور پیشکار، ضلع جج، محلہ نواب کا سگنج، کانشی رام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چپراسی چونکہ سرکار کی طرف سے تنخواہ دار ملازم ہوتا ہے، اور آواز لگانے وغیرہ انہی کاموں کا ملازم ہوتا ہے؛ اس لئے اس کے لئے اپنے ان واجبی فرائض کی انجام دہی میں پبلک سے کوئی پیسہ لینا جائز نہیں ہے اور جو بھی پیسہ لے گا وہ رشوت کے دائرہ میں ہوکر حرام ہوگا اور یہ پیسہ نہ چپراسی کے لئے حلال ہے نہ جج کے لئے اور نہ ہی پیشکار کے لئے حلال ہے اور نہ ہی کار خیر میں لگانا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۸/۴۶۵)

الرشوة بالكسر: ما يعطيه الشخص الحاكم وغيره؛ ليحكم له أويحمله على ما يريد. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، كراچي ٥/٣٦٢، زكريا ٨/٣٤)

عن عبد الله بن عمروؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي. (ترمذي شريف، أبواب الأحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي، النسخة الهندية ١/٢٤٨، دارالسلام رقم: ١٣٣٧، سنن أبي داؤد، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية ٢/٥٠٤، دارالسلام رقم: ٣٥٨٠)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإسبتراء، فصل في البيع، كراچي ٦/٣٨٥، زكريا ٩/٥٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رجمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۷۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۳۰ھ

دس بیس روپیہ دے کر پولیس سے چھٹکارا پانا

سوال [۹۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہمارے یہاں گاڑی چلاتے وقت ہیلمیٹ لازم ہے، بغیر ہیلمیٹ پکڑے جانے پر قانونی طور پر ۵۰۰/روپئے جرمانہ مقرر ہے؛ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر کہہ سننے کے بعد ۲۰/۱۰/روپئے لینے پر پولیس والا راضی ہوجاتا ہے تو یہ دس بیس روپیہ دیکر جان چھڑانا صحیح ہے یا نہیں؟ کیا یہ رشوت ہے؟

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں جان چھڑانے کے لئے جو کچھ پولیس والوں کو دیا جاتا ہے، اس کی وجہ سے دینے والا گنہگار نہیں ہوگا، صرف لینے والا گنہگار ہوگا؛ اس لئے کہ دفع ظلم کے لئے رشوت دینا جائز ہے۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له، ليس برشوة يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٢٣، زكريا ٩/٦٠٧، البحر الرائق، كتاب القضاء، كوئٹه ٦/٢٦٢، زكريا٦/٤٤١، هندية، زكريا قديم ٤/٤٠٣، جديد ٤/٤٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۶۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۲۹ھ

کچہری یا تحصیل میں پیش ہونے والے لوگوں سے رقم وصول کرنا

سوال [۹۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچہری یا تحصیل میں عمران نامی شخص جو چپراسی تنخواہ دار ہے، یہ آواز لگاتا ہے کہ فلاں آدمی پیش ہو، اس آواز لگانے کے دس یا بیس روپیہ پیش ہونے والے سے وصول کرتا ہے، شام تک جو پیسے جمع ہوجاتے ہیں، اسمیں سے دوپہر میں افسروں کی چائے کا انتظام اور دیگر خرچہ ہوتا ہے، جو خرچہ کرنا چپراسی کو ضروری ہے؛ کیونکہ افسر اس کے عادی ہوچکے ہیں،

جو پیسے بچ جاتے ہیں، وہ اپنی جیب میں چپراسی رکھتا ہے اس کے بدلہ نوکری کے وقت کے علاوہ افسروں کے گھر کے کام بھی کرنے پڑتے ہیں، اس لئے اس کی مجبوری بھی ہے، اگر وہ وصول نہ کرے، تو اسے اپنی جیب سے افسروں کی چائے وغیرہ کا انتظام کرنا پڑے گا، تو سوال یہ ہے کہ عمران کے لئے یہ دس یا بیس روپیہ ہر پیش ہونے والے سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ یہ رشوت میں شامل ہے یا نہیں؟

المستفتی: انور حسین، کاسگنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں سرکار کی طرف سے اگر اس طے شدہ رقم کو لینے کی اجازت ہے، تو یہ آواز لگانے والے کی تنخواہ اور اجرت میں شامل ہے، اور اگر سرکار کی طرف سے اس پیسہ کو لینے کی اجازت نہیں ہے، تو یہ لی جانے والی رقم رشوت شمار ہوگی۔ اب آپ خود فیصلہ کرلیں کہ یہ پیسہ کس خانہ میں داخل ہے۔

وأما شرائط الصحة فمنها رضا العاقدين. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الأولى في الاجارة، زكريا قديم ٤/ ٤١١، جديد ٤/ ٤٤٠)

الرشوة: مايعطي من المال ونحوه لإ بطال حق، أو لإحقاق باطل.

(معجم لغة الفقهاء، كراچي ٢٢٣، قواعد الفقه، اشرفي ديوبند٣٠٧، موسوعة ٢٢/ ٢٢٠)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الراشي والمرتشي في النار.

(تلخيص الجير، رقم: ٢٠٩٣، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم، بيروت ٣/ ٢٤٧، رقم:١٠٣٧، المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ١/ ٥٥٠، رقم:٢٠٠٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۳۳۲)

مقدمہ جیتنے والے کا بخوشی بابو چپراسی کورقم دینا

سوال [۹۱۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) میں کچہری میں پیشکار ضلع جج ہوں، لوگوں کے جس دن مقدمہ چھوٹتے ہیں، وہ قتل زناکاری بدکاری کے معاملوں سے بری ہوجاتے ہیں، تو ان کے گھر والے سبھی کو کورٹ میں پیسے بانٹتے ہیں، خوشی میں چپراسی بابو اور مجھے بھی دیتے ہیں، کبھی کبھی چپراسی خود مانگ لیتے ہیں، یہ روپئے میرے لئے جائز ہیں یا نہیں؟

(۲) جب دو فریقوں کے کورٹ میں چل رہے، قتل وخون زناکاری وغیرہ کے مقدمات میں فیصلہ ہوجاتا ہے یا سمجھوتا ہوجاتا ہے، تو خلاف فریق دوسرے کے موافق بیانات دیتا ہے، تو وہ فیصلہ ہوجانے کی وجہ سے بیانات لکھنے کے بعد سرکاری وکیل کے ساتھ خوشی میں پیشکار کو بھی کچھ روپیہ دیتا ہے، اور اب تو فیصلہ ہونے پر لکھے گئے بیانات کے بعد وہ فریق جس کے حق میں فیصلہ ہوجاتا ہے، وہ ضرور پیشکار کو کچھ نہ کچھ دیتا ہے، یہ عادت بن گئی ہے، کبھی کبھی سرکاری وکیل یا چپراسی بھی کہہ دیتے ہیں کہ بھائی تم لوگوں کا فیصلہ ہوگیا ہے، کچھ تو خرچ کرو۔

المستفتی: انور حسین پیشکار، ضلع کاسگنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) کچہری میں مقدمات جیتنے کے بعد جس کے حق میں فیصلہ ہو چکا ہو، وہ کسی کے دباؤ کے بغیر اپنی خوشی سے بابو چپراسی اور پیشکار وغیرہ کو کچھ پیسہ دے کر آجائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، وہ پیسہ ان لوگوں کے لئے حلال ہے اور اگر کوئی نہیں لیتا ہے، تو وہ اس کا اپنا تقویٰ ہے؛ اس لئے کہ وہ رشوت نہیں ہے، اور رشوت وہ ہے جو فیصلہ سے پہلے دی جاتی ہے تاکہ اس کے حق میں فیصلہ ہوجائے۔

ولو قضیٰ حاجته بلا شرط ولا طمع فأهدىٰ إليه بعد ذلك، فهو

حلال لا بأس له، وما نقل عن ابن مسعودؓ عن كراهته فورع. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، كراچي ٥/٣٦٢، زكريا ٨/٣٥)

وفي المصباح: الرشوة بالكسر: ما يعطيه الشخص الحاكم وغيره؛ ليحكم له أويحمله على ما يريد. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، زكريا ٨/٣٤، كراچي ٥/٣٦٢)

(۲) فیصلہ ہوجانے کے بعد بابو یا چپراسی وغیرہ کو جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے، وہ کچھ پیسہ اپنی خوشی سے دیدے، تو وہ رشوت نہیں ہوتی ہے، اور اس پیسہ کو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اگر جن کے حق میں فیصلہ ہوگیا ہو، ان کے اوپر دباؤ ڈالا جائے اور مطالبہ کیا جائے اور وہ دباؤ میں آکر کے کچھ دیدے، تو اس کا لینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ بطیّب خاطر خوشی سے یہ پیسہ نہیں دیا جارہا ہے؛ بلکہ دباؤ میں دیا جارہا ہے۔

وإن طلب منه أن يسوي أمره ولم يذكر له الرشوة، وأعطاه بعد ما يسوي اختلفوا فيه، قال بعضهم: لا يحل له أن يأخذ، وقال بعضهم: يحل وهو الصحيح. (البحرالرائق، كاب القضاء، زكريا ٦/٤٤١، كوئٹه ٦/٢٦٢، تاتارخانية ١١/٧٨، رقم: ١٥٥١١)

ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه الحديث رواه البيهقي وغيره. (مشكاة المصابيح ٢٥٥، شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ٣/٢٢، رقم: ٢٨٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۹۰۳/۴۰)

ڈاکیہ کا مدارس کے طلبہ سے رشوت لینا

سوال [۹۱۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ڈاکیہ مدرسہ کے بچوں سے ایک سو روپیہ میں پانچ روپئے اور پانچ سو روپئے میں پانچ روپیہ لیتا ہے اوراسی طرح چھ سو روپئے میں دس روپئے اور ہزار روپئے میں دس روپئے لیتا ہے؛ جبکہ اس ڈاکیہ کی ملازمت سرکار سے ہی پوری ہوجاتی ہے، تو آپ کیا فرماتے ہیں؟

المستفتی: عمرفاروق، روم نمبر۱۵، صدیق منزل ہتھورا، باندھا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ پیسے لگانے کے وقت ہی سرکار ان پیسوں کا پورا ڈاک خرچ وصول کرلیتی ہے۔ اب مزید ان روپیوں پر کچھ روپیہ متعین کر کے وصول کرنا رشوت کے دائرہ میں آکر حرام ہوجاتا ہے؛ البتہ دفع ظلم اوراپنا حق وصول کرنے کے لئے بحالت مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے اوراس صورت میں فقط رشوت لینے والا ہی گنہگار ہوگا۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له، ليس برشوة يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/۶۰۷، كراچي ۶/۴۲۳)

أما إذا أعطىٰ ليتوصل به إلى حق، أو ليدفع به عن نفسه ظلماً، فلابأس به. (مرقاة شرح مشكوة، كتاب الأمارة والقضاء، باب رزق الولاة وهداياهم، الفصل الثاني، امدادية ملتان ۷/۲۴۸، محموديه قديم ۵/۱۱۷، جديد ڈابھيل ۱۸/۴۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍۸۳۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۵؍۱۴۲۵ھ

سودی رقم سرکاری افسران کورشوت میں دینا

سوال [۹۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے بڑے بھائی وصی احمد خاں، جن کا انتقال ۱۲/۷/۱۹۹۳ء کو ہوا، جو پی ڈبلو ڈی ویژن میں سرکاری ملازم تھے، جن کا بیمہ انشورنس فنڈ وغیرہ کی کاغذی کارروائی میں ہمیں ۳/سال کا عرصہ لگ گیا، کچہری کے کام میں ۳/سال رقم دفتر میں رکی رہی، جس کا بیاج ۹/ ہزار روپیہ دے رہے ہیں اور ہمارے پاس سے اب تک تقریباً ساڑھے تین ہزار روپئے خرچ ہو چکے ہیں اور اب ۸/ ہزار روپیہ پھر ۱۰/ فیصد کے حساب سے اور مانگ رہے ہیں، جو رشوت کے ہوتے ہیں، تو ایسی صورت میں ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ۹/ ہزار مل رہے ہیں اور ۱۱/ ہزار دینے پڑ رہے ہیں، تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ کیا ہم اس سود کی رقم کو لے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شبیر احمد خاں، بھٹی محلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سود کی رقم سرکاری افسران کو رشوت میں نہیں دی جاسکتی ہے، اس رقم کو لے کر فقراء پر بلانیت ثواب تقسیم کرنا ضروری ہے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٣٨٥، زكريا ٩/٥٥٣، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحر الرائق، كوئٹه ٨/٢٠١، زكريا ٩/٣٦٩، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۸۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۶/۱۴۱۷ھ

مال حرام کو رشوت میں دینا

سوال [۹۱۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گورنمنٹ سے مدارس کو امداد ملتی ہے، اس کے حصول کے سلسلہ میں بعض مدرسہ والوں نے تعداد طلبا زائد ظاہر کی ہے، اس طرح زائد بتائی گئی تعداد سے جو رقم حاصل ہوئی اس کو رشوت میں دیا گیا۔ اب تنبہ ہو رہا ہے، تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ کیا وہ رقم حکومت کو واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر واپس کرنا ضروری ہے، تو پھر کس طرح واپس کی جاسکتی ہے؟ یہ رقم طلبا کے لئے آئی ہے کہ ان کو تقسیم کردی جائے؛ چنانچہ تقسیم کردی گئی، جو رقم اس میں سے بطور رشوت دی گئی ہے، اس کو بھی اس مد میں داخل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ مدرسہ والوں کو بتایا گیا کہ بغیر رشوت دیئے رقم نہیں ملے گی، رشوت کے بعد پہلی بار ہی یہ رقم حاصل ہوئی ہے۔

المستفتی: حامد علی مدرسہ ارشاد العلوم، ٹانڈہ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھوٹ کے ذریعہ سے حکومت سے جو رقم حاصل کی وہ حرام ہے، اس کو واپس کردینا واجب ہے، اس کو رشوت میں دینا بھی جائز نہیں ہے، اور جب تک حکومت کو واپس کردینا ممکن ہو، اس وقت تک طلبہ پر خرچ کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس میں مبتلا ہونے والے سب لوگ گنہگار رہوں گے۔

أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مصري ١/١٤٨، هندي ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/٣٥٩)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإسبتراء، فصل في البيع، كراچي ۶/ ۳۸۵، زكريا ۹/ ۵۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم الحرام ۱۴۱۸
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۱۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍۱؍۱۴۱۸ھ

سودی رقم رشوت میں دینا

سوال [۹۱۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل کسی بھی قسم کا کوئی بھی کام ہو بغیر رشوت کے نہ ہم کو ہمارا واجبی حق حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی ہمارا کوئی کام بغیر رشوت کے ہوتا ہے اور نہ وہ کام آگے بڑھتا ہے باوجودیکہ ان کی واجبی رقم ادا کر کے پھر بھی وہ دفتر والے ہم سے زیادتی کا مطالبہ کرتے ہیں باقاعدہ رشوت مانگ کر لیتے ہیں، بعض دفعہ ہزاروں روپیہ رشوت مانگتے ہیں، جیسے زمین کی خرید وفروخت کے وقت زمین پر اپنا نام لگوانے کے وقت، ڈاکٹری کے کورس میں، داخلہ لینے کے وقت اور بھی بہت سے کاموں میں رشوت کے بغیر اپنا حق حاصل نہیں کرسکتے ،تو کیا ایسی صورت میں سودی رقم ہو یا کوئی بھی حرام کمائی کی رقم بطور رشوت دے کر ہم اپنا کام کراسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، ادگاؤں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں جو دشواریاں لکھی گئی ہیں، وہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہیں، حالات ایسے ہی ہیں جیسے سوال نامہ میں درج ہیں؛ اس لئے ایسے مشکل حالات میں اپنے جائز اور حلال پیسہ رشوت میں دے کر اپنا کام کرالینے کی اجازت ہے،

اور رشوت دینے کا گناہ نہ ہوگا اور صرف لینے والا ہی گنہگار ہوگا اور فقہاء نے ضرورت میں جیب خاص کا پیسہ رشوت میں دے کر اپنا حق حاصل کرنے کی اجازت دی ہے۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له، ليس برشوة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٢٣، زكريا ٩/٦٠٧، البحرالرائق، كتاب القضاء، كوئٹه ٦/٢٦٢، زكريا٦/٤٤١، هندية، زكريا قديم ٤/٤٠٣، جديد ٤/٤٣١)

رشوت میں سود کی رقم دینا اس لئے جائز نہیں ہے کہ سود اور حرام مال میں شریعت کا اصل حکم یہ ہے کہ کسی بھی عنوان سے اصل مالک کو واپس کر دیا جائے؛ اس لئے انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس جو ظلم اور جبری ٹیکس ہیں، اس کے عنوان سے بھی دینا جائز ہے اور رشوت میں دینے میں اصل مالک کو واپس نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ مالک کے علاوہ غیر کے ہاتھ میں پہونچ جاتا ہے؛ اس لئے رشوت میں دینا جائز نہیں ہے۔

ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مصري ١/١٤٧، هندي ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/٣٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ / شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۵۰/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۱۶ھ

رشوت میں سودی رقم دینا

سوال [۹۱۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل کے دور میں کوئی بھی کام رشوت کے بغیر نہیں ہو رہا ہے، تو کیا ہم رشوت دے سکتے ہیں؟

(۲) اگر رشوت دے سکتے ہیں، تو کیا ہم رشوت میں سود کی رقم استعمال کر سکتے ہیں؟

المستفتی: اسم قاسم شیخ، کوٹھگیمتھ نگر، چکاڑی، بیلگام (کے اے)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب اپنا حق بغیر رشوت کے حاصل نہیں ہوتا ہے، تو حق کو حاصل کرنے کے لئے اور ظالم سے ظلم کو دور کرنے کے لئے رشوت دینے سے دینے والا گنہگار نہیں ہوگا، لینے والا مستحق لعنت اور گنہگار ہوگا۔

الثالث: أخذ المال ليسوّي أمره عند السلطان دفعاً للضرر، أو جلبا لنفع وهو حرام على الآخذ فقط. الرابع: ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه، أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية، زكريا ۸/۳۵، كراچي ۵/۳۶۲)

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له، ليس برشوة يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/۶۰۷، كراچي ۶/۴۲۳-۴۲۴، البحرالرائق، كتاب القضاء، كوئٹه ۶/۲۶۲، زكريا۶/۴۴۱، هندية، زكريا قديم ۴/۴۰۳، جديد ۴/۴۳۱)

(۲) رشوت میں سود کی رقم دینا جائز نہیں؛ اس لئے کہ حرام مال کے بارے میں حکم شرعی یہی ہے کہ جہاں سے آیا ہے کسی بھی عنوان سے وہیں واپس ہو جائے؛ اس لئے سرکاری بینک کی سودی رقم انکم ٹیکس، سیل ٹیکس اور رجسٹری فیس کے عنوان سے دینا جائز ہے؛ اس لئے کہ ان عنوانات سے سرکاری خزانہ میں پیسہ واپس ہو جاتا ہے؛ لیکن سرکاری آفیسر کو رشوت دینے سے وہ سرکاری خزانہ میں نہیں پہونچتی ہے؛ اس لئے رشوت میں دینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ مجبوری میں جیب خاص کے پیسے کو رشوت میں دینے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص:۱۴۲)

ویردونها علی أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الکسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، کراچي ٦/٣٨٥، زکريا ٩/٥٥٣، الموسوعة الفقهية الکويتية ٣٤/٢٤٦، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٦/٢٧، زکريا٧/٦٠، البحرالرائق، کوئٹه ٨/٢٠١، زکريا٩/٣٦٩، هندية، زکريا قديم٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۰۸)

سودی رقم رشوت میں دینے کا حکم

سوال [۹۱٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک تجارتی شخص اپنا مال فروخت کرنے کے لئے دوسرے شہر لے جاتا ہے، سرکاری کارروائی مکمل ہے؛ لیکن کچھ سرکاری افسران کچھ پولیس والے، مال والے سے کچھ نقدی وصول کرتے ہیں، اگر ان کو نہ دی جائے، تو بلا وجہ کا نقص نکال دیتے ہیں اور اس کا خمیازہ بھگتنا مشکل ہوجاتا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر تحریر کریں مذکورہ نقدی سود کی رقم سے دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبد اللہ، ٹانڈہ بادلی، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ نقدی بطور رشوت اپنے حق کی حفاظت اور دفع ظلم کے لئے اپنی ذاتی رقم سے دینا شرعاً جائز ہے اور دینے والے کے حق میں رشوت نہیں؛ بلکہ لینے والے کے حق میں رشوت ہے۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله،

ولاستخراج حق له، ليس برشوة يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٢٣، زكريا ٩/٦٠٧)

البتہ یہ نقدی سود کی رقم سے دینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ حق کی حفاظت اور دفع ظلم بھی اپنی حوائج وضروریات میں داخل ہے، اور سود کی رقم کو اپنی حوائج میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

لما أفتى به بعض أكابرنا أن للمسلم أن يأخذ الربوا، من أصحاب البنك أهل الحرب في دراهم، ثم يتصدق بها إلى الفقراء، ولا يصرفه إلى حوائج نفسه. (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب الربا، دليل فتوى بعض الأكابر بأخذ الربا من البنك، كراچي ١٤/ ٣٥٩، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/٤١٣-٤١٤)

واما إذا كان عند رجل مال خبيث (إلي قوله) ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مصري ١/١٤٨، هندي ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧؍ربیع الاول ١٤٢٠ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٥؍١٧٣٠)

سودی رقم رشوت میں دینے کی ممانعت

سوال [٩١٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری بینک سے ملا ہوا سود رشوت میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سودی رقم رشوت میں دینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ سودی رقم سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں اور رشوت میں دینا در پردہ ذاتی

فائدہ اٹھانا ہے، اگر مجبوری میں رشوت دینی پڑے، تو اپنی جیب خاص سے رشوت دیں گے اوراس صورت میں دینے والا گنہگار نہیں ہوگا؛ بلکہ لینے والا گنہگار رہوگا۔اورسودی رقم جہاں سے آئی ہے، کسی عنوان سے وہاں واپس کردینالازم ہوتا ہے، ورنہ نادار فقیروں کوبلانیت ثواب دیدینالازم ہے۔(مستفاد: ایضاح المسائل ۱۴۲، کفایۃ المفتی قدیم ۸/ ۷٦، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۲۰۸، آپ کے مسائل اوران کاحل ۷/ ۳۴۷)

فأخذ الرشوة ممنوع كإعطائها، ومثل ذلك الربا-غير أنه إذا خاف أن يستولي ظالم على مال اليتيم كان له أداء شئ ليخلصه.

(شرح المجله ۱/ ۳۳-۳٤، اتحاد دیوبند)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، هندي قديم ۱/ ۳۷، جديد ۱/ ۳٥۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ صفرالمظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۲۲۳)

سودی رقم کورشوت میں دینا

سوال [۹۱٦۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) بینک سے سودی بیاج ملتا ہے، کیااس پیسے کومقدمہ بازی میں رشوت کے طورپرخرچ کیاجاسکتا ہے؟

(۲) چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے کوئی چھوٹا ساوظیفہ قرآن مجید کی آیات جسے میں اورمیری بیوی، بچے وقتاً فوقتاً پڑھ سکیں تاکہ اس جھوٹے مقدمہ سے جلدازجلد چھٹکارامل سکے۔

(۳) خاص طور سے تاریخ پیشی والے دن اہتمام سے کوئی وظیفہ پڑھنے کے لئے بتادیں جسے عدالت میں پڑھ لیا جائے اور گھر پر بھی اس کا اہتمام کرلیا جائے۔

(۴) مخالف پارٹی والے مقدمہ ختم کرنے کی صورت میں ایک بڑی رقم کا مطالبہ کررہے ہیں، یعنی ایک لاکھ روپیہ کا مطالبہ کررہے ہیں کیا یہ رقم زکوۃ کی مد میں سے دی جاسکتی ہے، بظاہران کی حالت کمزورنظر آتی ہے، ویسے وہ شرابی کبابی ہیں، محلّہ کے لوگوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔

دوسرے پڑوسیوں سے بھی مقدمہ بازی کررہے ہیں، میرا ایک اور پڑوسی پریشان حال ہے۔ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: اختر شمسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) بینک سے حاصل شدہ رقم کو مقدمہ بازی کی رشوت میں دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ سود اور حرام مال میں اول تو اصل مالک کو واپس کرنا لازم اور واجب ہے، اور اصل مالک تک رسائی نہ ہونے کی صورت میں اس مال کو فقراء پر بلا نیت ثواب صرف کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۰۱)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق (إلى قوله) ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مصري ١/٤٨، هندي ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩)

(۲/۳) حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے مقدمہ میں آسانی اور کامیابی کے لئے **یا حفیظ یا داؤد یا ودود یاحلیم یاعلیم یا علی یا عظیم یاسبوح یا قدوس یا غفور** ہروقت بلاتعداد پڑھتے رہنے کا ذکر فرمایا ہے۔ انشاءاللہ کامیابی ہوگی۔ (مستفاد: عملیات وتعویذات ۲۳۴)

(۴) سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالف پارٹی مستحق زکوۃ نہیں ہے؛ لہٰذا زکوۃ کی رقم ان کو مقدمہ ختم کرانے کے لئے دینا قطعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ اصل مستحق تک پہونچانا لازم ہے، بصورت دیگر زکوۃ ادا نہ ہوگی اور ایسے لوگوں کو زکوۃ دینے والا سخت گنہگار ہوگا۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحةً كمامر. (در مختار، كتاب الزكاة، باب الصرف، كراچي ۲/ ۳٤٤، زكريا ۳/ ۲۹۱)

ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانة على المحرم. (در مختار كراچي ۲/ ۳٥٥، زكريا ۳/ ۳۰٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹/ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ٦۸۴۲)	۱۹/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

سودی رقم شادی، رشوت اور مقدمات میں خرچ کرنا

سوال [۹۱٦۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کوئی شخص اپنے نابالغ بچے کے لئے مثلاً پانچ سال کے لئے بینک میں ہر ماہ کچھ فکس کر دیتا ہے، اس کی شادی وغیرہ میں جو نفع اس رقم سے حاصل ہوگا استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کا مصرف کیا ہوگا؟

(۲) ایک شخص بالکل شرعی طریقہ سے تجارت کرنا چاہتا ہے؛ لیکن رشوت خور اس سے رشوت طلب کرتے ہیں۔ کیا یہ سودکی رقم رشوت خوروں یا ناجائز مقدمہ پر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اصلی رقم میں سے جو رشوت دی گئی اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد حنیف، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بینک سے حاصل شدہ سودی رقم کو شادی میں

خرچ کرنا جائز نہیں ہے، سب کا اگر انکم ٹیکس میں دینا ممکن ہو، تو اس میں دے سکتے ہیں، اگر اس طرح کوئی جبری ٹیکس نہیں ہے، تو نادار فقیر کو بلانیت ثواب دیدینا واجب ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث (إلى قوله) ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مصري ١٤٨/١، هندي ٣٧/١، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ٣٥٩/١)

(۲) اگر رشوت نہ دی جائے، تو اپنا حق ضائع ہونے کا خطرہ ہے، تو اپنی اصل رقم میں سے رشوت دے کر حق وصول کرنے کی گنجائش ہے، مگر سود کی رقم رشوت میں اور مقدمہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ بھی سودی رقم سے در پردہ منفی فائدہ حاصل کرنا ہے اور شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

لأنه لو أنفق على نفسه، فقد استحكم ما ارتكبه من الفعل الحرام.

(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، مصري ١٤٨/١، هندي ٣٧/١، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ٣٥٩/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍ ۳۳۷۳)

(۹) باب سودی رقم کا مصرف

بینک سے سودی رقم نکال کر کہاں صرف کریں؟

سوال [۹۱۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک میں جو ہماری تنخواہ آتی ہے، اس پر بینک ہمیں سود دیتا ہے، اور سود الگ کالم میں لکھا ہوتا ہے، اگر ہم سود کی رقم نکالیں تو وہ ہمارے بیلنس میں سے کم کردیتا ہے، اگر ہم سودی رقم نکالنا چاہیں، تو کس طرح سے نکالیں اور اس کو کہاں پر خرچ کریں؟

المستفتی: شبلی حبیب پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک میں سرکاری ملازم کی جو تنخواہ آتی ہے، اگر ملازم کے کھاتے میں جمع ہونے سے پہلے اس میں اضافہ ہوتا ہے، تو وہ سود میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ اصل مشاہرہ کا ہی حصہ ہے، اور اگر ملازم کے کھاتے میں جمع ہونے کے بعد اس پر اضافہ ملتا ہے، تو وہ سود ہے، اس کو انکم ٹیکس، سیل ٹیکس وغیرہ میں دینا جائز ہے، ورنہ نادار فقراء کو بلا نیت ثواب دیدینا لازم ہے، اگر آپ سود کا پیسہ بینک سے نکالنا چاہیں تو سود والے کالم سے پیسہ نکال سکتے ہیں، اور بیلنس میں جو بھی لکھا ہوا اصل رقم اور سود کے پیسے کا حساب آپ کو خود رکھنا ہے۔

الأجرة تستحق بأحد معان ثلٰثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني متى تجب الأجرة، زكريا قديم ٤/ ٤١٣، جديد ٤/ ٤٤٣، البحرالرائق، كوئٹه ٧/ ٣٠٠، زكريا ٧/ ٥١١، هداية، اشرفي ٣/ ٢٩٤)

قال الله تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرة:۲۷۵]

ينبغي لمصدق الحرام أن يزعم بتصدق المال تخليص رقبته، ولا يرجو الثواب منه. (العرف الشذي على هامش الترمذي ۱/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۲۶۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱/۲۹ھ

بینک میں جمع شدہ رقم پر ملنے والے سود کو بینک سے نکال لیں

سوال [۹۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک میں جمع شدہ رقم پر صاحب رقم کو جو زائد رقم ملتی ہے، اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حافظ عبد القدوس، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کو بینک سے نکال لینا چاہئے؛ البتہ اس کو اپنے مصرف میں لانا ناجائز وحرام ہے؛ بلکہ فقراء کو بلانیت ثواب دیدینا واجب ہے۔

من اكتسب مالا بغير حق (إلى قوله) ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالک، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلک الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور قديم ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديده ۵/۴۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رجمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۵۹/۲۴)

بینک سے ملے سود کو بلانیت ثواب فقرائمیں تقسیم کرنا

سوال [۹۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ نے ایضاح المسائل ۱۵۹/ پر سود کی رقم کے سلسلہ میں جو فرمایا ہے وہ سمجھ میں نہیں آیا، بات یہ ہے کہ بینک سود کی رقم کھاتے میں درج کردیتا ہے، کھاتہ کی نقل پاس بک میں ہوتی ہے، اور پاس بک کھاتہ دار کے پاس ہوتی ہے، کھاتہ دار پاس بک دیکھ کر سود کی جمع شدہ رقم کا پتہ لگالیتا ہے کہ حسب موقع سود کی نیت سے بلانیت ثواب وہ رقم تقسیم کردیتا ہے، کھاتہ دار کا بینک سے لین دین جاری رہتا ہے؛ لیکن وہ بطور خاص سود کی رقم بینک سے نہیں نکالتا۔ ان حالات میں کیا سود کی رقم تقسیم ہوجاتی ہے؟ آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ پہلے بینک کے کاغذات سے سودی رقم کا اندراج ختم کرنا ضروری ہوگا، اس کی عملاً کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: افتخار احمد علوی، کامرس ٹیچر فتحپور، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عملاً اس کی صورت یوں ہوگی کہ پاس بک میں سود کا خانہ ہوتا ہے، بینک میں جا کر سود کے خانہ میں جو رقم درج ہے، وہ رقم لے کر اس خانہ میں سے اس رقم کو کٹوادے، پھر اس کے بعد اس رقم کو بلانیت ثواب فقراء کو یا انکم ٹیکس میں دیدے، ایسا ہرگز نہ کرے کہ بینک سے اندراج ختم کرنے سے پہلے فقراء کو دیدے۔

و إذا مات الرجل و كسبه خبيث، فالأولىٰ لورثته أن يردوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، جديد ٥/٤٠٤، زكريا قديم ٥/٣٤٩)

فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لا يريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود،

کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۲۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍ ۴؍ ۱۴۱۸ھ

سودی رقم کا مصرف

سوال [۹۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ حکومت اپنے ملازمین کی تنخواہ سے کچھ حصہ پرائیویڈنٹ فنڈ کے نام سے کاٹتی ہے، پھر ڈبل کر کے اپنے کھاتہ میں جمع کر لیتی ہے اور جتنی رقم کل جمع ہو جاتی ہے، اس پر سود کے نام سے ایک رقم دیتی ہے، اس کا کیا حکم ہے، کیا یہ بینکوں کے سود کی طرح ہے یا اس سے الگ ہے؟

(۲) اگر وہ رقم واقعۃً سود کی ہے، تو کیا اس کو وہیں چھوڑ دیں یا اس کو نکال کر کسی جگہ صرف کر دیں؟

(۳) نیز سود کے مصارف مدلل تحریر فرمائیں۔

(۴) بیس آدمیوں نے مل کر یہ طے کیا کہ بیس ماہ تک ایک ہزار روپیہ جمع کریں گے، اسی طرح ہر ماہ بیس ہزار روپیہ جمع ہو جاتے ہیں، پھر اس مجموعہ کو نیلام کیا جاتا ہے، نیلام اس آدمی کے نام چھوڑ دیا جاتا ہے، جس کو دینے کی صورت میں اس بیس کے مجموعہ میں زیادہ رقم بچے، مثلاً ایک آدمی نے انیس کا دام لگایا اور دوسرے نے اٹھارہ کا تو اٹھارہ والے کو دے دیتے ہیں اور دو ہزار روپیہ جو باقی بچے وہ دیگر حضرات آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، اس طرح اگلے ماہ میں ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ جو ایک مرتبہ اس مجموعہ کو لیتا ہے، اسے بچی ہوئی رقم سے حصہ نہیں دیا جاتا ہے،

اوراس طرح کرنے سے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اول لینے والے کو متصلاً بیس ہزار روپیہ جمع کرنے ہوں گے اوراس کوکل اٹھارہ ہزار ملیں گے، اورسب سے آخر میں لینے والے کوبیس ہزار جمع کرنے پڑیں گے، مگرتقریباًبائیس تیئیس ہزارمل جائیں گے، اس کا کیاحکم ہے؟ اگرکوئی آدمی اس اسکیم میں پھنس گیا ہو، اس کے پاس جوزائدرقم آئے گی یااس کے پاس سے جائے گی، اس کا کیاحکم ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: (مولانا) عبدالناصر (صاحب) استاذ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) پرائیویڈنٹ فنڈ میں جواضافہ ہوتا ہے، وہ بینک کے سود کی طرح سود کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا؛ بلکہ اصل اوراضافہ دونوں جائز اورحلال ہیں؛ اس لئے کہ سود کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنی ملکیت کی چیز دیدے، پھروہی چیز یااس کے مثل اضافہ کے ساتھ واپس آجائے اور پرائیویڈنٹ فنڈ پر ملازم کامالکانہ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے ملک تام حاصل نہیں ہوتی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۴۸، ایضاح المسائل ۱۰۷، محمودیہ قدیم ۴/۲۲۰، ڈابھیل ۱۶/۳۹۳، رحیمیہ قدیم ۵/۱۴۷، جدید زکریا ۷/۱۵۲)

الأجرة تستحق بأحد معان ثلٰثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه. (هندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني، زكريا قديم ٤/٤١٣، جديد ٤/٤٤٣، هداية، اشرفي ٣/٢٩٤، البحر الرائق، كوئٹه ٧/٣٠٠، زكريا ٧/٥١١)

(۲) سود کا اصل حکم یہ ہے کہ کسی بھی عنوان سے مالک کو واپس کردیا جائے: لہٰذا سرکاری بینک کے سود کوانکم ٹیکس، سیل ٹیکس، بیع نامہ رجسٹری وغیرہ کے عنوان سے سرکارکو واپس کردینا جائز ہے اوراگر مالک تک رسائی کی شکل نہ ہو، تونہایت نادارفقراء کو بلانیت ثواب دیدینا جائز ہے؛ بلکہ بعض علماء نے واجب کہا ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد،

أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء (إلى قوله) ولكن لايريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، معارف السنن اشرفية ۱/ ۳۳-۳۴، حاشية ترمذي ۱/ ۳)

(۳) مذکورہ اسکیم میں پہلا شخص بیس ہزار کی شرط پر اٹھارہ ہزار لے رہا ہے؛ لہٰذا اس نے دو ہزار سود پر قرض لیا ہے اور آخری شخص بیس ہزار پر دو تین ہزار سود لے رہا ہے، اسی طرح درمیان کے افراد کا بھی سود دینا یا لینا کسی نہ کسی طرح لازم آتا ہے؛ اس لئے یہ اسکیم سودی معاملہ میں داخل ہو کر ناجائز اور حرام ہوگی۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸)

اور اس طرح کی اسکیم میں جن لوگوں کو زائد رقم حاصل ہوتی ہے، ان پر لازم ہے کہ جواب نمبر ۲/ کے اصول سے تناسب دیکھ کر انہیں شرکاء کو واپس کر دیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۴ھ

سودی رقم کے مصارف کیا کیا ہیں؟

سوال [۹۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ممکنہ مصارف سود بینک منجملہ درج ذیل استفتاء کی مثبت ومکمل شرعی حیثیت

واضح فرما کر عنداللہ ماجور رہوں بینک کے سود کو وصول کر کے مدارس عربیہ کے مفلس و نادار طلباء کے مصارف میں صرف کرنا جائز ہے؟

(۲) جواز میں صرف غریب و نادار طلباء ہی نہیں تمام غریب و نادار لوگ شامل ہیں؟

(۳) سود کے مصارف میں اولین مصرف فقہاء کرام نے یہ بیان کیا ہے کہ مال حرام (سود) جہاں سے آیا ہے، وہیں لوٹا دیا جائے اور اگر لوٹانا دشوار ہو یا مصلحت شرعی کے خلاف ہو، تو پھر اس حرام رقم کے وبال سے بچنے کی نیت سے غرباء و مساکین پر تصدق کر دیا جائے۔ (فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶/۳۵)

(۴) اگر اپنے اوپر حکومت کی طرف سے سیل ٹیکس، انکم ٹیکس وغیرہ کا کوئی غیر شرعی مطالبہ ہو، تو اس میں وہ سودی رقم ادا کر دی جائے، اس طرح کا مطالبہ اپنے اوپر نہ ہو، تو بلانیت ثواب اس کے وبال سے بچنے کے لئے غریب ومحتاج لوگوں پر صدقہ کر دیا جائے۔ (مستفاد: شامی ۲۴۷/۵)

رفاہی امور میں خرچ کرنا درست نہیں، اس میں تصدق نہیں پایا جاتا، صدقہ کرنے کی نظیر مال لقطہ کو اس کا مالک نہ ملنے کی صورت میں صدقہ کرنے کا حکم ہے۔

(۵) شارع نے جانی خطرات کے وقت مردار جیسی گھناؤنی چیز کو جان بچانے کے لئے جائز و مباح قرار دیا؛ لیکن اس نازک موڑ پہ بھی سودی رقم کا اشارہ تک نہیں۔ (البقرہ ۳۷)

نصوص شرعیہ کی رو سے سودی رقم کے مصارف کا تعین اور اس پر شرعی جواز کا حکم بدون دلیل دعویٰ کے مرادف ہے؛ بلکہ علماء کے فتاوی کو ان کی تجویز اور رائے قرار دے کر اس سے بہتر تجویز ورائے پیش کر کے ان کی مخالفت کو شریعت کی خلاف ورزی سے تعبیر کرنا درست نہ ہوگا، اس لئے پل، پائخانہ، نالی، سڑک وغیرہ پر صرف بلانیت ثواب کی تجویزیں مبنی بر مصالح ہیں، ان میں شرعی جواز نہیں کہنا چاہئے اور ممکن حد تک اس طرح کی رقم سے اجتناب، احتراز رکھنا ضروری سمجھنا چاہئے؛ البتہ حالات وظروف کے تحت اگر کسی کو ایسی رقم ہاتھ آجائے، تو خود نہ

کھا کر ان مذکورہ جگہوں میں صرف کردے اور اس پر عند اللہ ثواب کی نیت نہ رکھے۔

(۶) سود مال حرام ہونے کے باوجود جہاں جان و مال کو ہر وقت خطرہ رہتا ہے وہاں علماء کرام نے بصورت مجبوری بغرض حفاظت مال کو سودی بینک میں جمع کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اور یہ بھی واضح کردیا ہے کہ جو سود آپ کو ملے اس کو آپ بینک میں نہ چھوڑیں؛ بلکہ اسے لے کر ایسے غیر مسلم غرباء و مساکین پر خرچ کریں، جو صرف کھانے پینے کے لئے ہی استعمال کریں، مسلمانوں کے خلاف کاموں میں ان رقوم کو صرف نہ کریں یا مسلمانوں پر فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعہ اجتماعی طور پر تباہ کن کوئی ناگہانی آفت آجائے اور وہ مفلوک الحال ہوجائیں، تو ان کے مقدمات وغیرہ کی پیروی اور ان کی گلوخلاصی کے لئے سود کے علاوہ کوئی دوسری رقم موجود نہ ہو، تو سر برآوردہ لوگوں کی صواب دید کے مطابق اجتماعی طور پر خرچ کیا جاسکتا ہے، اسی طرح نادار والدین کی لڑکیوں کی شادی اسی صورت میں ان رقوم سے کرنا جائز ہوگا جب ان کے والدین کے پاس کوئی ایسی صورت نہ ہو جس سے وہ اپنی لڑکیوں کی شادی کرسکیں اور لڑکیاں بالغ بھی ہوں اور دنیاوی شر و رفتن کا خطرہ بھی لاحق ہو اور کسی طرف سے جائز رقوم کی امداد کی امید بھی نہ ہو یعنی نہایت مجبوری میں ان رقوم سے ان کی شادی کی جاسکتی ہے؛ لیکن اس سب کے باوجود رفاہی کام کنویں، پل، سرائے وغیرہ میں سود کی رقم خرچ نہیں کرسکتے اور نہ ہی مسجد کے لئے وضو خانہ، بیت الخلاء اور غسل خانہ وغیرہ بنواسکتے ہیں، ان کے علاوہ جو مصارف استفتاء میں مذکورہ ہیں، ان میں بصورت مجبوری صرف کیا جاسکتا ہے؛ لیکن سب سے بہتر مصارف وہ ہیں، جن کو میں نے جواب میں ذکر کیا، مدارس کے نادار طلباء پر بھی صرف کرنا جائز نہیں۔

الجھن مسائل: مذکورہ استفتاء میں ا تا ۴ کا زور تصدق پر ہے، تو ۵/۶ اس سے منکر۔ ۳/ میں رفاہی امور کی گنجائش نکلتی ہے، تو ۴/۶/ میں اس سے انکار۔ ۳/ مال حرام کی اسی مقام پر مشروط واپسی پر بھی قدغن۔ ۴/ اکثر عوام بینکوں کی زد سے باہر۔ ۶/ غیر مسلم غرباء و مساکین،

غریب نادار لڑکیوں کی شادی اور فرقہ وارانہ فسادات میں اخراجات کا اس قدر محتاط انداز کہ عملاً امکانات سے باہر اور وہ بھی انتہائی مجبوری میں آسمانی بلائیں، زلزلہ، وطوفان وغیرہ انفرادی مظلومین، فلاحی امور علم وحرفت وغیرہ پر سکوت ایک فطری تقاضہ مثبت کلام تعین کی حد تک قابل قبول اور بلا دلیل حق بات بھی غیر معتبر۔

محترم مذکورہ حالات میں مسائل کا حل کیا ہو؟ عدم یکسوئی میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں، خدارا میرے الفاظ کے بجائے روحِ استفتاء پر توجہ فرما کر راہ نجات کے ممکنہ ذرائع مصارف بینک سود کی مثبت شرعی وضاحت فرمائیں تاکہ گلوخلاصی کی راہ ہموار ہو، افسوس میری مجبوری ہی میری ہلاکت کا سبب بنی ہوئی ہے۔ والسلام

المستفتی: ضیاءالدین،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: محترم ومکرم مزاج گرامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدہ عرض یہ ہے کہ آنجناب کا والا نامہ جس میں خود آں جناب نے چھ شقیں نکال کر مسئلہ کا جواب لکھا ہے، کئی مہینے پہلے یہ والا نامہ موصول ہو چکا تھا، اس کے بعد یاد دہانی کے خط کا احقر کو علم نہیں، اس کے بعد آنجناب کا اگست کا لکھا ہوا کارڈ حضرت مہتمم صاحب کے واسطہ سے موصول ہوا، جس میں آنجناب کا غم وغصہ اور مفتی پر للکار نمایاں تھی اور جناب والا کا غم وغصہ اور کچھ کہنا سننا اپنی جگہ بالکل درست اور صحیح ہے اور آنجناب کو اس سے زیادہ کہنے سننے کا حق ہے اور اس بندۂ تو دہ جہول اور ظلوم کی طرف سے اتنے لمبے زمانہ تک جواب نہ دینا اس سے زیادہ شکوہ کا موجب ہے، جو آنجناب نے اگست کے والا نامہ میں تحریر فرمایا۔

اب جواب نہ لکھنے کی وجہ خدمت عالیہ میں صاف طور پر پیش کی جاتی ہے کہ آنجناب نے چھ شقیں اپنی تحریر میں نقل فرمائی ہیں، ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہے، اور نمبر ۵ اور نمبر ۶ رمیں جو چیزیں نقل فرمائی ہیں، ان سے ہم اتفاق کریں یا نہ کریں لیکن بات واضح ہے،

پھراس کے بعدآنجناب نےالجھن مسائل کا جوعنوان قائم فرمایا ہے، اوراس کے ذیل میں جوکچھ لکھاہے، وہ آنجناب کےمقابلہ میں اس سیاہ کار کے لئے کہیں زیادہ الجھن کا باعث بن گیا ہے۔

آنجناب کا والا نامہ جون کے شروع میں دستیاب ہوا، اس وقت سے جواب لکھنے کے لئے دسیوں مرتبہ اٹھا کر پڑھا، اور پڑھ کرر کھ دیا، کیا جواب لکھیں اس سلسلہ میں واقعی اورسچائی کی بات یہی ہے کہ احقر کے دماغ میں کوئی مضمون مرتب نہ ہوسکا بار بار کوشش کی گئی اور دماغ پر بار بار زور دیا گیا، مگر ایسا کوئی مضمون مرتب نہ کرسکا جوسائل کو مطمئن کرنے کے لئے مفید ثابت ہو؛ اس لئے آخر کاراس استفتاء کو رکھ دیا گیا، اور سوچ لیا تھا کہ اس کے جواب لکھنے کی صلاحیت خاکسار کے اندرنہیں ہے،آنجناب کے والا نامہ کے جواب لکھنے میں کسی قسم کی غفلت یالا پرواہی نہیں برتی گئی؛ بلکہ اپنی صلاحیت کی کمزوری کی وجہ سے دسیوں مرتبہ جواب لکھنے کےارادے کے بعد پھر چھوڑ کرر کھنا پڑااور جارحانہ انداز سے جواب لکھنا مناسب نہیں سمجھا گیا، جس سے سائل کو کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا، اس وجہ سے بالقصد استفتاء کا جواب نہ لکھنے کا ارادہ ہو چکا تھا؛ لیکن آنجناب کا وہ شکوہ جواگست کے والا نامہ میں ہے، اس نے مجبور کردیا کہ کچھ نہ کچھ لکھا جائے؛ اس لئے جو کچھ سمجھ میں آیا ہے، وہ پیش خدمت ہے۔

(۱) سود کا پیسہ مدارس عربیہ کے طلباء پرعمومی طور پرخرچ کرنا درست نہیں؛ اس لئے کہ یہ طلباءعلوم دین کے حصول میں مصروف ہیں جو درحقیقت ایک عبادت بھی ہے اور اللہ تعالی طیب کوقبول کرتا ہے،خبیث کوقبول نہیں کرتا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله طيب لا يقبل إلا طيباً. (مسلم شريف، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب و تربيتها، النسخة الهندية ١/٣٢٦، بيت الأفكار رقم: ١٠١٥، ترمذي شريف، باب التفسير من سورة البقرة، النسخة الهندية ٢/١٢٨، دار السلام رقم: ٢٩٨٩)

أما لو أنفق في ذلک مالاً خبيثًا سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله لا يقبل إلا الطيب. (شامي، قبيل مطلب في أفضل المساجد زكريا ۲/ ۴۳۱، كراچي ۱/ ۶۵۸)

ہاں البتہ کوئی خاص طالب علم ایسا مفلس و نادار اور ضرورت مند ہے کہ اس کی ضرورت کہیں سے پوری نہیں ہو پا رہی ہے تو مخصوص طور پر اس طالب علم کو دیا جا سکتا ہے، اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ سردیوں کے زمانہ میں بچھانے کے لئے بستر یا گدا یا جوتا، چپل یا برسات کے زمانہ میں چھتری وغیرہ جیسی چیز پر خرچ کرے، کھانے اور پہننے کی چیز میں خرچ نہ کرے تاکہ یہ خبیث چیز اس کی غذا اور لباس میں نہ پہونچے؛ بلکہ خارجی ضروریات میں خرچ ہو جائے۔

(۲) یہ بات درست ہے کہ صرف مخصوص غریب و نادار طلباء اس کا مصرف نہیں ہیں؛ بلکہ طلباء کے علاوہ غریب و نادار فقراء بھی اس میں شامل ہیں؛ لیکن اس میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سود اور حرام مال کا اصل مصرف فقراء نہیں ہیں؛ بلکہ اصل حکم اس میں یہی ہے کہ یہ مال خبیث جہاں سے آیا ہے، کسی بھی عنوان سے وہیں واپس ہو جائے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، البحر الرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱)

ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالک، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلک الأموال على الفقراء.

(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

(۳) تیسرے نمبر پر جورائے ذکر کی گئی ہے، وہ مکمل صحیح ہے، جیسا کہ اوپر کی عبارات فقہیہ سے واضح ہے۔

(۴) نمبر۴ر میں بھی جورائے ذکر کی گئی ہے، وہ مکمل درست ہے۔

(۵) نمبر۵ر میں جورائے ذکر کی گئی ہے، اس کی بعض چیزوں سے ہمیں اتفاق نہیں ہے۔

(۱) اولاً یہ کہنا درست نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مردار جیسی گھناؤنی چیز کو جان بچانے کے لئے جائز اور مباح قرار دیا گیا ہے اور اس معاملہ میں سود کا اشارہ تک نہیں ہے، آنجناب کے اس جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس اضطراری حالت میں مردار کھانے کی اجازت ہے، اس اضطراری حالت میں سود کا پیسہ جائز نہیں ہونا چاہئے، اگر آنجناب کی یہی مراد ہے، تو اس سے ہم کو اتفاق نہیں ہے؛ اس لئے کہ جس درجہ کے اضطرار کی وجہ سے مردار کھانے کی اجازت ہے، اس درجہ کے اضطرار کی وجہ سے سود اور مال حرام کے میسر ہونے کی صورت میں کھا کر کے جان بچانا اسی درجہ میں جائز ہوگا، جس درجہ میں مردار کھا کر جان بچانے کی اجازت ہے۔

(۲) علماء فتاوی کو ان کی تجویز اور رائے قرار دے کر اس سے بہتر تجویز پیش کرنے کی آنجناب نے اپنے جواب میں خواہش ظاہر فرمائی ہے کہ یہ سیاہ کار یہاں آ کر کافی الجھ گیا کہ علماء کے فتوی اور رائے سے بالاتر ہو کر اس سے بہتر تجویز کون سی ہے؟ اس کی تعیین بھی آنجناب کو کرنی چاہئے تھی، اس سیاہ کار نے دلائل شرعیہ کی روشنی میں اس سے کوئی بہتر تجویز ہوسکتی ہے اس پر کافی غور وخوض کیا؛ لیکن سمجھ میں نہیں آئی، اگر آنجناب کے ذہن میں دلائل شرعیہ کی روشنی میں کوئی متعین تجویز ہو تو اس کو پیش کر دیا ہوتا تو ہم لوگوں کے لئے بہتر ہوتا۔

(۳) آنجناب نے پل، بیت الخلاء، نالی، سڑک وغیرہ پر خرچ کرنا مبنی بر مصالح قرار دیا ہے، ان میں شرعی جواز نہیں کہنا چاہئے۔ آنجناب کی اس تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب کی رائے میں سود کا پیسہ پل، بیت الخلاء، نالی، سڑک وغیرہ پر مصالح کی بناء پر خرچ کرنا جائز ہے، ہم لوگ اس کو کسی حال میں جائز نہیں سمجھتے کہ سودی رقم رفاہ عام پل، بیت الخلاء،

اور نالی وغیرہ پر خرچ کیا جائے، جن علماء نے اس کی گنجائش قرار دی ہے، ان کی باتیں ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترتی ہیں؛ اس لئے کہ کسی قسم کی دلائل شرعیہ اور فقہی جزئیات دور دور تک بھی ان کا ساتھ نہیں دیتے ہیں۔

(۶) جواب نمبر ۶ر میں چار باتیں قابل غور ہیں:

(۱) آنجناب کی تحریر میں بینک کی سودی رقم کو غیر مسلم غرباء و مساکین پر خرچ کرنے کی قید ہے، اس قید کا کیا مقصد ہے؟ سمجھ میں نہیں آیا، اگر غیر مسلم کی قید سے آنجناب کا مقصد یہی ہے کہ صرف غیر مسلم فقراء کو کھانے پینے کے لئے دینا چاہئے اور مسلم فقراء کو نہیں، تو ہمیں اس سے اتفاق نہیں ہے اور اگر آنجناب کی مراد اس سے یہی ہے کہ مسلم وغیر مسلم دونوں قسم کے فقراء کو دے سکتے ہیں، مگر غیر مسلم فقراء کو دینا زیادہ بہتر ہے، تو اس سے بھی ہمیں اتفاق نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اکابر اہل فتاوی نے غیر مسلم فقیروں کو دینے کے بجائے مسلم فقراء کو دینا زیادہ بہتر قرار دیا ہے، ہاں البتہ غیر مسلم فقیر کو بھی دینے کی مذکورہ قیودات کے ساتھ گنجائش ہے، مگر ان کو دینا نہ بہتر ہے اور نہ ہی ان کو مسلم فقراء پر ترجیح دی جائے گی۔

(۲) فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر جو لوگ مفلوک الحال ہو جائیں، وہ خود بخود فقراء ومساکین میں شامل ہو جائیں گے، ان کو فقیر اور مساکین سمجھ کر کے دینے کی گنجائش ہے، پھر اس پیسہ سے جو بھی ان کی ضرورتیں ہیں وہ خود پوری کریں گے؛ اس لئے ان کے واسطے نئی شق نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) غریب نادار لڑکیوں کی شادی میں سودی رقم کو خرچ کرنا آنجناب نے جائز لکھا ہے، اس شق سے بھی ہم کو اتفاق نہیں؛ اس لئے کہ اسلام میں شادی کا خرچہ ایسا اہم نہیں ہے، جس کے لئے سود جیسے مال حرام کو اختیار کرنے کی اجازت دی جائے، اس لئے شادی کے لئے سود کا پیسہ دینا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ جن کی شادی کی جائے، وہ اگر اس قدر نادار اور غریب ہیں کہ جس سے وہ سودی رقم کا مصرف بن سکیں، تو اس مصرف کے نقطۂ نظر سے سودی رقم ان

نادار غریبوں کو دی جاسکتی ہے، مگر شادی کی غرض سے دینا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔

(۴) رفاہی کاموں میں سودی رقم صرف کرنا جائز نہیں اس کا ہم نے پہلے ہی ذکر کردیا، اس کے بعد آنجناب نے آخری جو الجھن مسائل کا نوٹ قائم کیا ہے، اس کے سمجھنے میں ہمیں کافی دشواری ہوئی اور تاہنوز اس کا مقصد ہمیں سمجھ میں نہ آپایا، اگر ہماری لکھی ہوئی اوپر کی تحریر سے جناب والا کی الجھن ختم ہوتی ہے، تو فبہا اور اللہ کا شکر ہے اور اگر ختم نہیں ہوتی ہے، تو الجھن مسائل کا نوٹ سمجھنے سے ہم قاصر ہیں اور اسی کی بنیاد پر لکھنے کا ارادہ بھی بار بار ملتوی ہوتا رہا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۴۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۲۵ھ

بینک کی سودی رقم کا مصرف

سوال [۹۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک سے جو سود ملتا ہے، وہ کہاں خرچ کرنا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے ملنے والا سود حکومت کی ملک ہے؛ اس لئے اولاً تو یہ کوشش کی جائے کہ یہ پیسہ کسی بھی عنوان سے حکومت تک پہنچ جائے، مثلاً غیر شرعی جبری ٹیکسوں: جیسا کہ انکم ٹیکس، سیل ٹیکس، جائیداد کی رجسٹری اسٹامپ فیس وغیرہ میں یہ پیسہ دیا جاسکتا ہے اور اگر یہ نہ ہوسکے تو بلانیت ثواب غرباء اور فقراء کو تقسیم کردینا چاہئے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۶/۳۸۱، فتاوی عثمانی ۳/۲۷۵، کتاب الفتاوی ۵/۳۰۶، ایضاح النوادر ۹۹)

ففي جميع الأحوال: المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه، ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك

وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا۷/۶۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، البحرالرائق، زكريا۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۲۱۹)

بینک اور جیون بیمہ کے سود کا مصرف

سوال [۹۱۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) بینک سے ملے ہوئے انٹرسٹ کا استعمال اپنی ذات پر کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کا استعمال کہا ہوسکتا ہے؟

(۲) بینک میں فکس رقم جو وقت مقرر پر دوگنی ہوجاتی ہے، اس کا استعمال اپنی ذات پر کریں یا نہیں؟

(۳) جیون بیمہ کے فنڈ سے ملی رقم استعمال کریں یا نہیں؟

(۴) جیون بیمہ یا فکس ڈپوزٹ یا بینک انٹرسٹ ہم اب لیں یا نہیں؟

(۵) مندرجہ بالا حالات میں میری رقم کے مصارف کیا ہیں، اس صورت میں حج کے لئے جانا چاہتا ہوں میرا جانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اختر خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲/۳) بینک سے ملا ہوا انٹرسٹ اور فکس ڈپوزٹ کی رقم صریح سود ہونے کی بنا پر ناجائز اور حرام ہے، اس کا استعمال اپنی ذات پر ہرگز جائز نہیں، حکومت کے واجبی جبری ٹیکس مثلاً انکم ٹیکس، کسٹم ٹیکس اور سیل ٹیکس میں اس کو دیا جاسکتا ہے، یا پھر بلانیت ثواب محتاجوں کو دے دیا جائے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لا يريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

(۴) جیون بیمہ اور فکس ڈپوزٹ کرانا سود، قمار اور رشوت کے لازم آنے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے اور اگر ان چیزوں کو پہلے سے کرا رکھا ہے، تو اس کی نیز انٹرسٹ کی رقم کو بینک سے نکال لیا جائے، اور انٹرسٹ کی رقم کو حکومت کے واجبی ٹیکس انکم ٹیکس، کسٹم ٹیکس، سیل ٹیکس، میں دیا جاسکتا ہے یا پھر محتاجوں پر بلانیت ثواب صدقہ کردیا جائے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۹۹-۵-۱۷، محمودیہ ۱۷/۱۳۸، جدید ڈابھیل ۱۶/۳۸۳)

(۵) ایسی رقم سے حج کرنا جس کی زکوۃ ادا نہ کی گئی ہو، اس سے حج تو ہو جائے گا؛ لیکن زکوۃ کی ادائے گی میں تاخیر کا گناہ ہوگا اور زکوۃ ادا کرنا لازم بھی ہوگا؛ اس لئے فوری طور پر اس کی زکوۃ نکال کر الگ کرلینا چاہئے۔ (مستفاد: امداد الأحکام ۳/۱۶۱)

ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام كما ورد في الحديث: مع أنه يسقط الفرض عنه معها ولا تنافي بين سقوطه، وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارك الحج. (شامي، كتاب الحج،

مطلب فيمن حج بمال حرام، كراچي ٢/ ٤٦٥، زكريا ٢/ ٤٦٥، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/ ٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۴۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۱۵ھ

سودی رقم کہاں خرچ کریں؟

سوال [۹۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مدرسہ فرقانیہ ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے، چیریٹی کمشنر کی ہدایت کے مطابق مدرسہ کی رقوم کو بینک میں جمع کرنا ضروری ہوتا ہے، جو رقمیں بینک میں جمع رہتی ہیں، ان پر بینک سے سود ملتا ہے، بیس، پچیس ہزار روپیہ سود کی رقم بینک میں جمع پڑی ہے، اس کے استعمال نہیں کیا گیا، مدرسہ میں تعمیری سلسلہ چل رہا ہے، مدرسہ کی اصل رقم قریب الختم ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ بیت الخلاء اور غسل خانہ بننے والا ہے، اس میں سود کی رقم کا استعمال ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ سود کی رقم کا کوئی اور مصرف ہے یا نہیں؟

(۲) مدارس دینیہ میں زیادہ تر آمدنی خیرات، زکوۃ اور چرم قربانی وغیرہ سے ہوتی ہے، مہاراشٹر میں پبلک اداروں کا رجسٹریشن لازمی ہے، ان رجسٹرڈ اداروں میں سالانہ جتنی آمدنی ہوتی ہے، چیریٹی کمشنر کل آمدنی پر سالانہ دو فیصدی ٹیکس عائد کرتا ہے، جس کا ادا کرنا لازمی ہوتا ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ یہ ٹیکس سود کی رقم سے ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحمید انصاری، مدرسہ فرقانیہ، محمد علی روڈ، مؤمن پورہ، ناگپور-۱۸

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱)مذکورہ سود کی رقم کو مدرسہ کی ضروریات (تنخواہ تعمیر وغیرہ) میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا؛ البتہ غریب طلبہ کی ضروریات میں خرچ کیا جاسکتا ہے (مثلاً لحاف، بستر، جوتا، کرایہ) یا ان کے ہاتھ میں دیدی جائے، وہ جہاں چاہیں خرچ کریں۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث (إلى قوله) فلا حيلة له إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹)

(۲)حکومت کے ٹیکس میں بینک کی سودی رقم کا دینا بلا کراہت جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مال حرام میں اصل حکم یہ ہے کہ مالک کو کسی بھی عنوان سے واپس کردیا جائے، اور ٹیکس بھی حکومت کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے، تو ٹیکس کے عنوان سے حکومت کا پیسہ حکومت کو واپس کرنا ثابت ہوتا ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق (إلى قوله) لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۳۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۵ھ

سودی رقم کہاں کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟

سوال [۹۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) سودی رقم کے مصارف کیا کیا ہیں؟

(۲) رفاہ عام مثلاً عام راستہ یا عوامی بیت الخلاء کی تعمیر میں حیلۂ تملیک کے ذریعہ سودی رقم کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

(۳) کوئی صاحب استطاعت آدمی سودی رقم سے خریدی ہوئی ''اینٹ'' بطور قرض یا ادھار لے سکتا ہے؟

(۴) اگر کسی مستطیع آدمی نے ''سودی رقم سے خریدی ہوئی اینٹ'' بطور قرض یا ادھار لے کر اپنی ضررت میں استعمال کرلیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: خورشید عالم قاسمی، خادم تدریس مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سودی رقم کے بارے میں اصل حکم یہ ہے کہ اصل مالک کو کسی بھی عنوان سے واپس کردی جائے اور اصل مالک تک رسائی نہ ہونے کی صورت میں اپنے استعمال میں لانا قطعاً جائز نہیں؛ بلکہ فقراء ومساکین پر بلانیت ثواب تقسیم کردینا لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۹۹ تا ۱۰۰)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ لأنه لو أنفق على نفسه فقد استحكم ماارتكبه من الفعل الحرام. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية

ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديو بند ١/٣٣-٣٤)

(۲) سودی رقم میں کسی طرح کا بھی حیلہ صحیح نہیں؛ کیوں کہ یہ حرام مال ہے، جس میں تبدل ملک اور انتقال ملک سے حلت نہیں آسکتی؛ اس لئے کسی بھی طرح کا حیلہ کر کے رفاہ عام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۳/۱۷۱)

(۳ر۴) مسلمان کے لئے سودی لین دین اور اس کے استعمال یا سودی رقم سے خریدی ہوئی شئ کا استعمال کسی بھی طرح جائز نہیں نہ عاریۃً، نہ ملکیۃً، نہ قرض کے طور پر؛ کیوں کہ قرآن وحدیث میں سودی لین دین اور اس کے استعمال کی حرمت مطلقاً بیان کی گئی ہے؛ اس لئے مستطیع شخص کو سودی رقم سے خریدی ہوئی اینٹ وغیرہ قرض لے کر استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اس سے اجتناب لازم ہے، تاہم اگر کسی سے لاعلمی میں ایسا ہو جائے اور اس نے سودی رقم سے خریدی ہوئی اینٹ وغیرہ قرض لے کر استعمال کرلیں تو ناجائز اور امر ممنوع کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے ذمہ میں گناہ لازم آیا، اس سے توبہ واستغفار کر لے اور اس کا معاوضہ دیدے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ اس طرح سے گناہ معاف ہو جائے گا۔

قال الله تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا . [البقرة:٢٧٥]

عن جابرؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، النسخة الهندية، ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم:١٥٩٨)

أن الحرام لا يتعدّى ذمتين...... وهو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب الحرمة تتعدد، زكريا ٧/٣٠١، كراچي ٥/٩٨)

عن أبي عبيدة الله بن عبد الله، عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله

علیہ وسلم: التائب من الذنب کمن لا ذنب له. . (سنن ابن ماجه، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ٢/٣٢٣، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٠/١٥٠، رقم: ١٠٢٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۴۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۲۲ھ

سودی رقم کو کہاں صرف کریں؟

سوال [۹۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک میں رقم جمع کرنے کے بعد کبھی بھی اس کو نکالا جاتا ہے، تو اس پر پیسہ زائد ملتا ہے جو کہ سود ہے اور اس سود کا استعمال مسلمان پر حرام ہے، تو کھاتہ دار اس سود کو کیا کرے؟ ہم لوگوں میں مختلف رائے ہے۔

(۱) بعض کہتے ہیں کہ اس سے مسجد اور مدرسہ کے بیت الخلاء بنوائے جائیں۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ یتیم ومسکین کو دے دیا جائے۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ اگر کھاتے دار وغیرہ پر کوئی سرکاری مصیبت آپڑے مثلاً ناحق مقدمہ اور عزت بچانے کا مسئلہ، تو رشوت میں سود کا پیسہ دے کر عزت بچالی جائے یا کسی مسلمان پر کوئی مصیبت آپڑے تو سود کے پیسہ سے اس کا کام نکال دیا جائے اور پھر پیسہ جمع کر دیا جائے، تو کیا یہ جائز ہے؟ یہ تو دنیا والوں کی رائے ہے، آپ حضرات اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟ اور علماء حق کا متفقہ فیصلہ کیا ہے؟

گذارش ہے کہ بالتفصیل جواب تحریر فرمائیں اور اس کو ماہنامہ ندائے شاہی میں بھی مفصل طریقہ سے تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد آفاق، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) کھاتہ دار کے لئے سود کا پیسہ بینک سے نکالنے کی اجازت ہے؛ لیکن اس کو اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں ہے؛ بلکہ فقیر کو بغیر نیت ثواب دے دینا واجب ہے۔

یجب علیه أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامیة بیروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹)

(۲) ان کا کہنا صحیح اور درست ہے۔

(۳) بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم رشوت میں دینا جائز نہیں ہے؛ البتہ سرکاری مصیبت انکم ٹیکس، سیل ٹیکس اور کسٹم ٹیکس وغیرہ میں دے دینا جائز ہے، جو حکومت کے خزانہ میں داخل ہوجاتا ہے؛ اس لئے کہ حرام مال میں اصل حکم یہی ہے کہ اصل مالک کو کسی بھی عنوان سے واپس کردیا جائے، اور مذکورہ ٹیکسوں کی شکل میں حکومت کے خزانہ سے آیا ہوا مال دوبارہ حکومت کے خزانہ میں واپس ہوجاتا ہے۔

إن أخذه من غیر عقد لم یملکه ویجب علیه أن یرده علی مالکه، إن وجد المالک، وإلا ففي جمیع الصور یجب علیه أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامیة، بیروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، وهکذا في الشامي، زکریا ۹/۵۵۳، کراچي ۶/۳۸۵، تبیین الحقائق امدادیة ملتان ۶/۲۷، زکریا ۷/۶۰، البحر الرائق، زکریا ۹/۳٦۹، کوئٹه ۸/۲۰۱، هندیة، زکریا قدیم ۵/۳٤۹، جدید ۵/٤۰٤، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳٤/۲٤٦، حاشیة ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفیة دیوبند ۱/۳۳-۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۳۱۶۵)

سودی رقم کو کہاں کہاں صرف کر سکتے ہیں؟

سوال [۹۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ۵۰۰/ روپیہ کچھ مدت کے لئے بینک میں ڈال دیئے، مدت گذر جانے کے بعد ان کو بینک سے اضعافاً مضاعفہ سات سو روپیہ ملے، تو کیا یہ روپیہ سود میں شمار ہوں گے یا نہیں؟ اس کو مصرف میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

اور اگر مدرسہ کے روپیہ ہوں اور بینک سے زیادہ ملیں تو مدرسہ کے کام میں لانا جائز ہوگا یا نہیں اور مسلم فنڈ میں جو روپیہ جمع کئے جاتے ہیں اس سے جو اصل رقم سے زیادہ روپیہ ملتے ہیں، اس کا لینا کیسا ہے؟ اور سودی روپیہ کا مصرف کیا ہے؟ ان باتوں کے متعلق آپس میں ٹکراؤ ہے، ایک کہتا ہے بینک سے جو اصل رقم سے زیادہ ملتا ہے صحیح ہے۔ دوسرا کہتا ہے نا جائز ہے۔

المستفتی: شمیم اختر، مہوت پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک میں روپیہ جمع کرنے کے بعد جو زائد رقم اصل رقم پر ملتی ہے، وہ سود میں داخل ہو کر ناجائز وحرام ہے۔

الربوا كل زيادة لم يقابلها عوض. (أحكام القرآن تهانوي ۱/ ۴۷۳، وهكذا في المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۱۰۹، هداية، اشرفي ۳/ ۷۸، هندية، زكريا قديم ۳/ ۱۱۷، جديد ۳/ ۱۱۸)

اس کو ذاتی مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ نادار اور غریب لوگوں کو بلا نیت ثواب دے دینا ضروری ہے، اسی طرح بینک سے ملی ہوئی زائد رقم مدرسہ کی عمارت، مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، غریب ونادار طلبہ کو دیدینا ضروری ہے۔

وأما إذا كانت عند رجل مال خبيث...... فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحر الرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳،۳۴)

اور آپ نے جو مسلم فنڈ سے سود ملنے کی بات لکھی ہے، اس کا علم ہم کو نہیں ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۹۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۴ھ

بینک سے ملی سودی رقم کا صحیح مصرف

سوال [۹۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک کمپنی چلا رہا ہے، اب اس کمپنی کی تجارت سے جو بھی منافع آرہے ہیں، ان کو بینک میں جمع کرتا رہتا ہے صرف اور صرف تحفظ کی نیت سے نہ کہ شہرت اور نہ نفع وصول کرنے کی وجہ سے بلکہ صرف تحفظ مقصود ہے، مثلاً دس لاکھ روپیہ بینک میں جمع کیا، اس کا سال بھر کا نفع (انٹرسٹ) بینک نے زید کو دو لاکھ روپیہ دیدیا ہے۔ اب یہ جو زائد رقم آرہی ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور اس کا مصرف کیا ہے؟ اگر اس کو استعمال کرسکتا ہے، تو کہاں کہاں پر کرسکتا ہے؟ اور کن کن پر کرسکتا ہے۔

زید کو جو زائد رقم بینک سے ملی ہے (انٹرسٹ) اس حکومت کی طرف سے جو بھی تجارت میں کاروبار میں ٹیکس لاگو ہوتا ہے، انکم ٹیکس، سیل ٹیکس اور اس کے علاوہ جو بھی ٹیکس ہے،

ان کی ادائے گی میں استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وسیم رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوسودی رقم (انٹرسٹ) بینک وغیرہ سے حاصل ہواس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اولاً حکومت کی طرف سے عائد کردہ غیر شرعی ٹیکسوں میں اسے دیدیا جائے تاکہ اصل مالک تک وہ ٹیکس وغیرہ کے عنوان سے پہونچ جائے اور اگر ٹیکس وغیرہ کے عنوان سے دینے کی شکل نہیں ہے، تو غرباء اور مسکینوں میں ثواب کی نیت کئے بغیر تقسیم کردیا جائے، اپنے ذاتی کام میں لانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۴۲، فتاوی رحیمیہ ۱۹۹/۲، جدید زکریا ۲۷۸/۹، فتاوی نظامیہ اوندریہ ۲۱۸/۱)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ لأنه لو أنفق على نفسه فقد استحكم ما ارتكبه من الفعل الحرام. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۳۷/۱، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۳۵۹/۱، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۵۵۳/۹، كراچي ۳۸۵/۶، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۲۷/۶، زكريا ۶۰/۷، البحرالرائق، زكريا ۳۶۹/۹، كوئٹه ۲۰۱/۸، هندية، زكريا قديم ۳۴۹/۵، جديد ۴۰۴/۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۴۶/۳۴، حاشية ترمذي ۳/۱، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۳۳/۱-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۱۶۰/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۱۷ھ

سودی رقم کا مصرف کیا ہے؟

سوال [۹۱۸۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سودی رقم کا مسجد کی اصل عمارت کے علاوہ اس کی چہاردیواری بیت الخلاء اور غسل خانوں میں خرچ کرنا یا رفاہ عام مسلمانوں کے قبرستان، سڑک اور پل وغیرہ میں لگادینا کیسا ہے؟

(۲) اگر کسی نے سود کی رقم مدرسہ میں چندہ دی تو یہ رقم مدرسہ کے لئے سود ہی کہلائے گی یا تبدل ملک کی وجہ سے بطور صدقہ ہوگی اور اس رقم کو مدرسہ کی تعمیر میں خرچ کرنے کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟

نیز اس رقم کو مدرسہ کے طلباء کی ضروریات مثلاً کھانے پینے اور لباس وکتب میں صرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور مسئلہ کے حکم میں باضابطہ بورڈنگ کے ساتھ چلنے والے مدارس اور صباحی شکل کے دونوں یکساں طور پر شامل رہیں گے یا ان میں کچھ فرق بھی ہوگا؟

المستفتی: ابرارالحق غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سودی رقم مسجد یا مدرسہ کی چہاردیواری، بیت الخلاء، غسل خانہ یا مسلمانوں کے قبرستان اور سڑک اور دیگر رفاہ عام میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اس کا اصل حکم یہی ہے کہ مالک کو واپس کردینا ممکن ہو تو کسی بھی عنوان سے واپس کردی جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو، تو بلانیت ثواب فقراء میں تقسیم کردینا واجب ہے۔

إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء،

سہارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا۷/ ۶۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، البحرالرائق، زكريا۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱)

(۲) تبدل ملک کی وجہ سے مال حرام حلال نہیں ہوتا ہے، وہ بحالہ حرام رہتا ہے اورسودی رقم میں خبث اورحرمت فساد ملک کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ عدم ملک کی وجہ سے ہے؛ لہٰذا تبدل ملک کی وجہ سے اس کی حرمت میں کوئی فرق نہ آئے گا؛ اس لئے تعمیرات وغیرہ میں خرچ کرنا کسی طرح جواز کے دائرہ میں داخل نہیں ہوسکے گا۔

أما الخبث لعدم الملك عند أبي حنيفةؒ و محمد يشمل النوعين. (هداية، كتاب البيوع، فصل في أحكام اشرفي ۳/ ۶۶)

الحرام ينتقل أي تنتقل حرمته وإن تدولته الأيدى وتبدلت الأملاك. (شامي، مطلب في تعيين الدراهم في العقد الفاسد، زكريا۷/ ۳۰۰، كراچي ۵/ ۹۸)

ہاں البتہ سودی رقم نادار طلبہ کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے، مگر بجائے تصرف کر کے اس رقم کے عوض اشیاء دینے کے وہی رقم ہاتھ میں دیدینا زیادہ بہتر ہوگا۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث (إلى قوله) فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹،

وهكذا في الشامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحر الرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/ ٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۳۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۳ھ

سودی رقم کا کیا کریں؟

سوال [۹۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجھے کاروبار کے سلسلے میں حکومت کے قانون کے تحت اپنا روپیہ بینک یا حکومت کے کسی اور کھاتہ میں رکھنا ہوتا ہے، جس کو واپسی کے وقت حکومت سود بھی دیتی ہے اور اگر ہم اس سود کو نہ لیں، تو وہ رقم مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوتی ہے، یا ہوسکتی ہے، جیسا کہ پہلے کے واقعات شاہد ہیں، کیا ہم اس رقم کو لے کر کسی رفاہ عامہ کے کام میں صرف کرسکتے ہیں؟ مثلاً

(۱) کسی اسکول یا مدرسہ میں خرچ کی جاسکتی ہے؟
(۲) کسی غریب لڑکے یا لڑکی کی شادی کے لئے دی جاسکتی ہے؟
(۳) کسی ضرورت مندکو رہائش کے لئے گھر بنوا کر دیا جاسکتا ہے؟
(۴) کسی غریب کو کپڑے دیئے جاسکتے ہیں؟
(۵) بچوں کی تعلیم دری رکھنے کے لئے فنڈ قائم کیا جاسکتا ہے؟
(۶) مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لئے فنڈ قائم کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، پرنس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱)اسکول یا مدرسہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا، ہاں البتہ اسکول یا مدرسہ کے فقیر غریب کو دیدینا درست ہوسکتا ہے؛ کیونکہ یہ مال حرام ہے،اس کا مصرف صرف فقراء ہیں۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹہ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴)

(۲) جی ہاں دی جاسکتی ہے،جیسا کہ مذکورہ دلیل سے واضح ہوتا ہے؛لیکن اس میں ثواب واحسان کی نیت کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ اپنے اوپر سے حرام مال کے وبال کو دور کرنے کی نیت کریں۔

(۳) جی ہاں یہ جائز ہے؛لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اثاثہ اور لیبر اورمزدوری کی اجرت کا فقیر کو مالک بنا کر فقیر کے ہاتھ سے دلوایا جائے۔

(۴) جی ہاں یہ بھی مذکورہ شرائط کے ساتھ درست ہے۔

(۵) یہ جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس میں من وجہ سود سے نفع حاصل کرنا پایا جاتا ہے اور یہ ناجائز اورحرام ہے۔

(۶) یہ ہرگز جائز نہیں ہے، اس میں مسلمانوں کی فلاح کی امید کرنا بھی ناجائز اورحرام ہےاوراعلان خداوندی کا مقابلہ کرنا ہے،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس میں تمہاری

فلاح نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو مٹاتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرۡبِي الصَّدَقَاتِ. [البقرة: ٢٧٦]

قال اللہ تعالیٰ: فَإِنۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا فَأۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهِ. [البقرة: ٢٧٩] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧/ جمادی الثانیہ ١٤١١ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٦/ ٢٢٧٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٨/ ٦/ ١٤١١ھ

بینک سے ملے سود کو کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟

سوال [٩١٨٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک سے حاصل شدہ سود کا مصرف کیا ہے؟ سود کی رقم کو رفاہ عام مثلاً بیت الخلاء بنوانا، نالی یا غسل خانہ بنوانا، بجلی کی لائن کا انتظام کر دینا اور اسی طرح دیگر رفاہی امور میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جو علماء سودی رقم کو رفاہ عام میں خرچ کی اجازت دیتے ہیں، وہ برحق ہیں یا خاطی؟

المستفتی: حافظ نظام الدین، امام جامع مسجد راجہ کا تاج پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم کا مصرف یہ ہے کہ انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس وغیرہ کے عنوان سے سرکاری خزانہ اور سرکاری بینک میں واپس کردی جائے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو بلا نیت ثواب فقراء کو دیدی جائے۔

ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/ ٣٧، دار البشائر الإسلامية، بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥،

تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/ ٣٣-٣٤)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/ ٣٣-٣٤)

لہٰذا رفاہ عام میں خرچ کے جواز کی کوئی دلیل ہمارے سامنے نہیں ہے؛ اس لئے بیت الخلاء، نالی، غسل خانہ، بجلی کی لائن وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہ ہوگا اور جو حضرات رفاہ عام میں خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، وہ دلیل میں اس جزئیہ کو پیش کرتے ہیں، جس میں اس کی صراحت ہے کہ جب حکومت اسلام کا لشکر دار الحرب پہونچ کر ان کے مال پر بغیر قتال کے قبضہ کرلیں، تو اس کو مسلمانوں کے رفاہ عام میں خرچ کر دیں۔

وما أوجف المسلمون عليه من أموال أهل الحرب بغير قتال يصرف في مصالح المسلمين كما يصرف الخراج. (هداية، كتاب السير، باب المستأمن، اشرفي ٢/ ٥٨٧)

دوسرا جزئیہ یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان دار الاسلام سے ویزا لے کر دار الحرب پہونچ جائے اور کسی حربی کا مال غصب کر کے دار الاسلام واپس چلا جائے، تو اس مسلمان کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ مالک کو واپس کردے؛ بلکہ اس کا مالک وہی مسلمان ہوجائے گا۔

وإذا دخل المسلم دار الحرب بأمان فأدانه حربي،أو أدان هو حربيًا، أو غصب أحدهما صاحبه، ثم خرج إلينا واستأمن الحربي لم يقض لواحد منهما على صاحبه بشيئ. (هداية، كتاب السير، باب المستأمن، اشرفي ۲/ ۵۸۴)

اب ان میں سے کوئی بھی جزئیہ ہندوستان میں مسلمانوں کا ہندوستانی بینک کے سودی رقم کو رفاہ عام میں خرچ کے جواز پر منطبق نہیں ہوتا؛ لہٰذا ان کا دعویٰ دلیل کے موافق نہیں ہے؛اس لئے ہم رفاہ عام میں خرچ کو ناجائز کہنے پر مجبور ہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۸۳۱)

بینک سے ملے سود کا حکم

سوال [۹۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر ایک شخص نے بینک میں پیسہ رکھا ہے، تو اس کا سود کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی: عبد الرزاق قریشی، جموں وکشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کا سود زمانہ جاہلیت کی طرح ہے؛ لہٰذا اس کو اپنے استعمال میں لانا کسی بھی مسلمان کے لئے جائز اور حلال نہیں ہے اور اگر حکومت کو کسی طرح واپسی کی کوئی صورت نہ بن سکے، تو بلا نیت ثواب فقراء پر تقسیم کردینا واجب ہے۔

(مستفاد: ایضاح المسائل اضافہ شدہ ۱۵۹)

وأما ربا النسيئة: فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدراً معيناً،

ویکون رأس المال باقیًا. (تفسیر کبیر للإمام الفخر الرازيؒ، تحت تفسیر رقم الآیة:۲۷۵، من سورة البقره۷/۹۱)

صرح الفقهاء بأن من اکتسب مالا بغیر حق، فإما أن یکون کسبه بعقد فاسد کالبیوع الفاسدة والاستئجار علی المعاصي والطاعات، أو بغیر عقد کالسرقة، والغصب، والخیانة، والغلول، ففي جمیع الأحوال المال الحاصل له حرام علیه؛ ولکن إن أخذه من غیر عقد لم یملکه، ویجب علیه أن یرده علی مالکه، إن وجد المالک، وإلا ففي جمیع الصور یجب علیه أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامیة بیروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، البحرالرائق، زکریا ۹/۳۶۹، کوئٹه ۸/۲۰۱، تبیین الحقائق، امدادیة ملتان ۶/۲۷، زکریا ۷/۶۰، شامي، زکریا ۹/۵۵۳، کراچي ۶/۳۸۵، هندیة، زکریا قدیم ۵/۳۴۹، جدید ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۴/۲۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۹۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۸/۹ھ

سودی رقم کو کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟

سوال [۹۱۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کارخانہ دار شخص ہے، کارخانہ ودیگر کاروبار کی وجہ سے حکومت کو انکم ٹیکس، سیل ٹیکس، ودیگر ٹیکس بھی ادا کرنے پڑتے ہیں، کبھی ٹیکس کی ادائے گی میں تاخیر بھی ہو جاتی ہے، تاخیر کی وجہ سے حکومت کی جانب سے اس پر بطور جرمانہ کچھ رقم اور ڈالی جاتی ہے۔

دریافت طلب بات یہ ہے کہ حکومت کو جو ٹیکس ادا کیا جاتا ہے، اس کی ادائے گی

سودی رقم سے کی جاسکتی ہے یانہیں؟ اسی طرح جورقم بطور جرمانہ ڈالی جاتی ہے، اس کی ادائیگی سودی رقم سے کر سکتے ہیں یانہیں

(۲) بعض مجبوریوں کی بناء پر پیسہ بینک میں جمع کرنا پڑتا ہے، جس پر سود بھی ملتا ہے، بینک سے حاصل شدہ سود کا مصرف کیا ہے؟

(۳) سودی رقم سے یا صدقہ کی رقم سے اگر ہم کسی حاجت مند شخص کو دیتے ہیں، تو وہ ہم سے بہت دبتا ہے اور وہ اس کی وجہ سے ہمارا احسان سمجھتا ہے، سودی رقم کسی غریب کو دی جاسکتی ہے یانہیں؟ اسی طرح صدقہ کی نیت سے سودی رقم کسی غریب کو دوسرے کے ہاتھ سے دلوا سکتے ہیں یانہیں؟

المستفتی: محمد شفیع ٹانڈہ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بینک میں روپیہ جمع کرنے کے بعد جورقم سود کے نام سے ملتی ہے، اس کا اصل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے، کسی بھی طرح سے ہو؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں سیل ٹیکس، انکم ٹیکس، اسی طرح ٹیکس کی ادائے گی کی تاخیر کی صورت میں حکومت جورقم بطور جرمانہ لیتی ہے، اس میں سود کی رقم دی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۰۱، فتاوی محمودیہ ۲۰۳/۴، ڈابھیل ۳۸۲/۱۶)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛...... لكن لايريد بذلك الأجر والثواب. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۳۷/۱، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۳۵۹/۱، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۵۵۳/۹، كراچي ۳۸۵/۶، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۲۷/۶، زكريا ۶۰/۷، البحرالرائق، زكريا ۳۶۹/۹، كوئٹه ۲۰۱/۸، هندية، زكريا قديم ۳۴۹/۵،

جدید ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤)

(۲) بینک سے جوسود ملتا ہے، اس کا مصرف یہ ہے کہ اس کو اصل مالک کو واپس کردیا جائے اور اگر اصل مالک تک واپس کرنا ممکن نہ ہو، تو غریبوں اور مسکینوں میں بغیر ثواب کی نیت کے تقسیم کردیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۲۰۳/۴، ڈابھیل ۳۸۲/۱۶)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛...... لكن لايريد بذلك الأجر والثواب. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤)

(۳) سودی اور صدقہ کی رقم غریبوں فقیروں کو دی جاسکتی ہے اور دوسرے کے ذریعہ بھی دلائی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۲۰۳/۴، ڈابھیل ۳۸۲/۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۸۵۹/۳۴)	۱۹/۷/۱۴۱۹ھ

سودی رقم کا مصرف، جبری مطالبہ میں سودی رقم دینا

سوال [۹۱۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید نے کچھ رقم تحفظ کے لئے بینک میں رکھی سال پورا ہونے پر بینک زید کو کچھ رقم انٹرسٹ دے رہا ہے، کیا زید اس رقم (انٹرسٹ) کو ان جگہوں پر استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً زید کی کمپنی میں حکومت والے (سیاسی احباب) بار بار آکر زید سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارا یہ کام ہے اتنی رقم دو، تو کیا اس جگہ ان کے اس ظلم وزبردستی مطالبہ پر وہ انٹرسٹ کی رقم کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) زید کے رشتہ دار میں قریب کے بھی دور کے بھی کچھ لوگ اس طرح ہیں کہ وہ کاروباری لائن سے بینک کے مقروض ہیں مثلاً عمر بینک سے دس لاکھ روپئے کا مقروض ہے اور اس پر مزید بینک کا انٹرسٹ دو لاکھ روپئے لاگو ہوگیا، گویا عمر بینک کا کل بارہ لاکھ روپیہ کا مقروض ہوا۔

اب عمر کی ملکیت میں نہ کوئی جائیداد ہے اور نہ کوئی چیز کہ وہ فروخت کرکے اس قرض سے چھٹکارا حاصل کرسکے، تو کیا زید اس حال میں اپنی اس انٹرسٹ کی رقم کو عمر کے بینک کے قرض اور اس پر جو انٹرسٹ لاگو ہوا ہے، اس کی ادائیگی کے لئے استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) زید کو جو انٹرسٹ کی رقم ملی ہے، کیا اس کو مسجد یا مدارس کے بیت الخلاء یا ان کی دیواروں پر کمپونڈ وال یا سڑک یا گلی کی مرمت کے تعمیری کام کے لئے استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) کیا زید کو جو انٹرسٹ ملا ہے اس رقم کو بلا نیت ثواب غریبوں کی شادی بیاہ یا علاج یا ان کی کسی بھی ضروریات زندگی کے لئے دے سکتا ہے اور دینے میں کوئی شرعی حدود ہیں یا نہیں؟ مثلاً ہزار دو ہزار پانچ ہزار روپئے وغیرہ تک حد ہے یا بڑھا کر بھی دے سکتا ہے؟ مثلاً ایک لاکھ دو لاکھ روپئے مثال کے طور پر شادی ہے یا دل کا آپریشن ہے، اس کے لئے خرچ ایک دو لاکھ آتا ہے دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) زید کو انٹرسٹ کی رقم بینک سے ملی، زید نے ۵۰/لاکھ رکھا تھا تحفظ کے لئے اس پر بینک نے ۵/لاکھ زید کو دیا۔

سوال یہ ہے کہ یہ ۵/ لاکھ انٹرسٹ کا جو بینک سے ملا ہے، اس رقم سے زید کسی بھی ادارے کومثلاً بیت المال یامدارس یا یتیم خانہ یا کوئی ایسے ادارے کو جوصرف مسلمان غریب طبقہ میں خیرخواہی کا کام کرتے ہیں، ایسے اداروں کے لئے کوئی جائیداد خرید کر دیدی جائے یا بلڈنگ، دوکان، لاری، بس یا اس طرح کی کوئی چیز خرید کر دیدی جائے، جس سے ماہانہ کچھ ادارے کونفع مل جائے، بلانیت ثواب کے تو کیا اس طرح کرنا درست ہے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ملک اکبر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حکومت والے سیاسی لوگ جوظلماً مطالبہ کرتے ہیں اس میں بھی رقم کا استعمال جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ سودی رقم کا مصرف نہیں؛ بلکہ یہ مطالبہ رشوت کی مانگ ہے؛ لہٰذا ظلم کو دفع کرنے کے لئے ان لوگوں کو اپنی ذاتی رقم سے دینے کی گنجائش ہے۔

و فيه أيضاً دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له، ليس برشوة . (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ۹/۶۰۷، كراچي ۶/۴۲۳، ايضاح المسائل ۱۴۲)

(۲) بینک کے مقروض کو بھی سود کی رقم دینا درست ہے؛ لہٰذا زید عمر کے قرض کی ادائے گی کے لئے انٹرسٹ کی رقم عمر کو دے سکتا ہے؛ اس لئے کہ یہ رقم سرکاری خزانہ میں لوٹانا درست ہے۔

سوال نامہ میں ذکر کردہ عنوان سے بھی لوٹا دینا جائز ہے، جس سے در پردہ زید کے انٹرسٹ کی رقم کی ادائے گی بھی ہوگئی۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث (إلى قوله) ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه . (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳،

كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/ ٣٣- ٣٤، ايضاح المسائل ١٤٢)

(۳) انٹرسٹ کی رقم مسجد یا مدارس کے بیت الخلاء یا سڑکوں وغیرہ کی تعمیر اور مرمت میں لگانا جائز نہیں ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث (إلى قوله) ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء . (بذل المجهود لكهنؤ، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، زكريا جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/ ٣٣- ٣٤)

(۴) سود انٹرسٹ کی رقم غریب کی شادی بیاہ علاج ومعالجہ یا دیگر ضروریات کے لئے ثواب کی نیت کے بغیر حسب حال خرچ کرنا جائز ہے؛ لیکن شادی بیاہ میں ایک دو لاکھ خرچ کرنا اسراف اور فضول خرچی ہے؛ لہٰذا شادی امیر کی ہو یا غریب کی ہو اتنی بڑی رقم خرچ کرنا درست نہیں ہے۔

فيلزم عليه أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لا يريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود لكهنو، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق

امـدادية مـلتـان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه٨/ ٢٠١، هندية، زكريـا قـديـم ٥/ ٣٤٩، جـديـد ٥/ ٤٠٤، الـمو سوعة الفقهية الكو يتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديو بند ١/ ٣٣-٣٤)

(۵) سود انٹرسٹ کی رقم کو بیت المال میں جمع کرنا اور نہ اس رقم سے ان رفاہی اداروں کے لئے کوئی زمین جائیداد خرید کر دینا درست نہیں ہے؛ کیونکہ مذکورہ رقم کا مصرف یا تو یہ ہے کہ بینک کو کسی بھی عنوان سے دیدیا جائے یا فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم کردیا جائے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود لكهنؤ، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديو بند ١/ ٣٣- ٣٤، ايضاح المسائل٢ ١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۶۱)	۱۴۲۰/۵/۱۸ھ

سودی رقم مالک تک پہونچانے کی ایک شکل

سوال [۹۱۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کمپنی ہے، جو مال منگواتی ہے، اور یہ مال انہیں لاریوں کے ذریعہ آتا ہے، ان لاری والوں کو ان کا کرایہ ایک مہینے کے بعد ملتا ہے مثال کے طور پر دو ہزار روپئے ہیں،

مگر یہ رقم انہیں ایک ماہ کے بعد ملے گی اب چونکہ ان لاری والوں کو پیسوں کی فوراً ضرورت ہوتی ہے؛ اس لئے وہ اپنے کرایہ کی پرچی کچھ کم داموں میں مثال کے طور پر ١٩٥٠ میں اس شخص کو دیدیتے ہیں، جو فوراً پیسے دے، تو اس سودے میں جو ٥٠/ روپیہ کا فائدہ مل رہا ہے، وہ جائز ہے یا نہیں؟ جس شخص نے فوراً رقم دی ہے، اسے پورے ٢٠٠٠/ روپئے ایک مہینہ کے بعد مل جاتے ہیں؛ جبکہ اس نے صرف ١٩٥٠ روپئے ہی دیئے ہیں۔

المستفتی: محمد طیب فرخ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں چونکہ رقم میں کمی بیشی ہو رہی ہے؛ لہٰذا سود میں داخل ہو کر حرام ہوا صحیح صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ٹرک کا مالک یا ڈرائیور کرایہ کی رقم وصول کرنے کے لئے کسی کو اس طرح وکیل بنائے کہ اسے اجرت کے طور پر ٥٠/ روپئے دیدے، پھر اس سے کرایہ کی رقم کے برابر قرض لے کر اس سے کہدے کہ میرا قرض مکمل وصول کر کے مالک تک پہونچائے، اس طرح کا تصرف کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ٧/٥١٧، ایضاح النوادر ١/٦٧)

وجواز التصرف في الأثمان والديون كلها قبل قبضها. (الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلب في تعريف الكر، زكريا ٧/٣٧٧، كراچي ٥/١٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٩/ ذی الحجہ ١٤١٨ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٣/ ٥٥٣٥)

سودی رقم اپنے استعمال میں لانا

سوال [٩١٨٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ (۱) سود کے پیسہ سے اپنے گھر کی نالی، بیت الخلاء، وغیرہ بنوا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) بیمہ کرانے کے بعد جو زائد پیسہ ملتا ہے، اس کو اپنے خرچہ میں لانا کیسا ہے؟

المستفتی: امیر حسن، مدرسہ حبیبیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) بینک یا جیون بیمہ سے جو زائد رقم ملتی ہے، وہ سود ہے، اور سود بنص قرآن حرام ہے، اس کو اپنے استعمال میں لانا ہرگز جائز نہیں ہے، اس پیسہ کے ذریعہ گھر کی نالی اور بیت الخلاء بنانا اپنے استعمال میں لانا ہے؛ اس لئے حرام ہے اور ایسے پیسہ کو فقراء ومساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۹۹)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۸۸۵/۳۲)

سودی رقم سے اسلحہ خریدنا

سوال [۹۱۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ آج کل جو مسلمانوں کے اوپر ظلم وستم ہورہا ہے، آئے دن اخبارات کے ذریعہ سے خبر ہوتی رہتی ہے کہ فلاں ملک میں اتنے مسلمانوں کو قتل کیا گیا، اور اتنے مسلمانوں کو جیل میں قید کردیا گیا، اس طرح کی خبریں تو روزانہ اخبارات وغیرہ میں رہتی ہیں، اسی کے مدنظر کچھ اہم اور ضروری مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ کیا آدمی بینک کی سودی رقم سے اپنے دفاع کے لئے بندوق اور اس قسم کے آلات جس سے اپنی جان ومال کی حفاظت کرسکے، اس سودی رقم سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

آج کل بہت سے مسلمان جن کو مسئلہ کی جان کاری نہیں رہتی ہے، وہ سودی رقم کو بینک میں چھوڑ دیتے ہیں اور اس روپیہ سے غیر مسلم فائدہ اٹھاتے ہیں اور جو شخص مسئلہ جانتا ہے، تو وہ اس رقم کو لے کر کسی فقیر کو دیتا ہے، بغیر ثواب کی نیت کے، یا پیشاب، پاخانہ میں خرچ کردیتا ہے، جیسا کہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے اپنی کتاب میں کئی جگہ پر اس مسئلہ کا تذکرہ کیا ہے کہ سودی رقم کو بینک میں نہیں چھوڑنا چاہئے؛ بلکہ اس کو لے کر کسی فقیر کو بغیر ثواب کی نیت دیدے یا پیشاب پاخانہ میں خرچ کردے یا رفاہ عام میں خرچ کردے، اس مسئلہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب ان سب جگہوں پر سودی رقم کو خرچ کرسکتا ہے، تو کیا ایک ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اپنی جان ومال کی حفاظت کے لئے بندوق یا اس طرح کا کوئی سامان نہیں خرید سکتا، جس سے اپنی حفاظت کرسکے، آج کل پوری دنیا میں مسلمانوں کے اوپر ظلم وستم ہورہا ہے، اور فسادات وغیرہ میں بھی مسلمانوں ہی کو شکار بنایا جاتا ہے، تو کیا ان سب مصلحتوں کے تحت اجازت دی جائے کہ سودی رقم سے بندوق یا اس طرح کے آلات خرید سکتا ہے، جس سے اپنی جان ومال کی حفاظت کرسکے، اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اس وقت مفتیان کرام کا فتوی یہی ہے، جو اوپر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے دور کا فتوی درج کیا گیا ہے؟ یا حالات کے پیش نظر اس میں کچھ تبدیلیاں ہوگئی ہیں؟

المستفتی: شاہد جمال، فیشن بک ہاؤس، مؤناتھ بھنجن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی رقم کے بارے میں سوال نامہ میں جو باتیں پوچھی گئی ہیں، ان کی وضاحت یہ ہے کہ بینک کی سودی رقم کو بینک میں نہیں چھوڑا جائے گا؛ بلکہ وہاں سے نکالنا ضروری ہے، پھر نکالنے کے بعد دیکھا جائے کہ اس شخص کے اوپر انکم ٹیکس، سیل ٹیکس وغیرہ لازم ہے یا نہیں؟ اگر انکم ٹیکس، سیل ٹیکس وغیرہ لازم ہے، تو ان ٹیکسوں کے نام سے حکومت کو یہی سودی رقم دیدینا جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ حرام مال میں اصل حکم شرعی یہ ہے کہ جہاں سے آیا ہے، وہاں کسی بھی عنوان سے واپس کردے، تو جائز ہے اور یہاں آپ نے سیل ٹیکس کے نام سے واپس دیئے ہیں اور دوسری شکل یہ ہے کہ آپ پر کوئی سرکاری ٹیکس لازم نہیں ہے، تو سودی رقم نہایت غریب فقیروں کو بغیر نیت ثواب کے دیدینا لازم ہے اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بیت الخلاء اور رفاہ عام میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے، یہی بات حضرت مدنیؒ نے بھی کہی ہے؛ لیکن وہ فتوی انگریزوں کی حکومت کے زمانے کا ہے، جس زمانہ میں ہندوستان کی دولت انگریز انگلینڈ منتقل کررہے تھے، ہوسکتا ہے ان حضرات کی نگاہ میں یہ خاص مصلحت ہو، مگر دلائل شرعیہ کی نظر میں ہندوستان کے موجودہ حالات میں وہ مسئلہ منطبق نہیں ہوتا ہے اور تیسری بات سوال میں یہ پوچھی گئی ہے کہ سودی رقم سے اسلحہ وغیرہ خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہندوستان کو بالفرض دارالحرب بھی تسلیم کرلیا جائے، تو یہاں رہتے ہوئے یہاں رہنے والوں کو غیر قانونی اسلحہ رکھنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ غیر قانونی اسلحہ کی حفاظت نہ مسلمان کرسکتے ہیں اور نہ ہی اب تک کرپائے ہیں، نتیجۃً وہ تمام اسلحے حکومت کے پاس واپس چلے جاتے ہیں۔ مزید جان و مال کا خطرہ مسلمان اپنے اوپر لادتے ہیں؛ اس لئے شریعت کی طرف سے ہندوستان میں بھی غیر قانونی اسلحے رکھنے کی اجازت نہیں ہے؛ اس لئے کہ حفاظت نہیں ہے۔ اللہ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ. [البقرة:۱۹۵]

تم اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں مت ڈالو۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، مصري، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۸۷۰۹/۳۷)

سودی رقم سے نیشنل سیول سرٹیفکٹ خریدنے کا حکم

سوال [۹۱۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) بینک میں جمع شدہ رقم پر جو فائدہ ملتا ہے، اس کو کس مد میں خرچ کر سکتے ہیں؟

(۲) انکم ٹیکس سے چھٹکارا پانے کے لئے سرکاری ملازم کچھ مخصوص رقم کے نیشنل سیول سرٹیفکٹ خرید لیتے ہیں، جن کی مدت ساڑھے پانچ سال یا چھ سال ہوتی ہے، واپسی پر رقم دوگنی حاصل ہوتی ہے، یہ رقم کس طرح خرچ کی جائے؟

(۳) تجارت پیشہ لوگ جب اپنا انکم ٹیکس رٹرن سرکاری خزانہ میں جمع کرتے ہیں، تو کبھی کبھی تعداد سے زائد رقم جمع ہو جاتی ہے، جس کی واپسی سرکاری دفاتر سے فاضل رقم کے

ساتھ اس پر کچھ فائدہ کے ساتھ ہوتی ہے، اس رقم کو کس طرح خرچ کیا جائے؟

المستفتی: ماسٹر محمد مسعود، محلّہ خلو، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ پہلی دونوں شکلوں میں جو زائد رقم حاصل ہوئی ہے، وہ سود ہونے کی بنا پر حرام ہے، جسے اصل مالک تک کسی بھی عنوان سے پہونچانا ضروری ہے؛ اس لئے اسے جبری ٹیکس، سیل ٹیکس، میں دینا جائز ہے، اگر انکم ٹیکس جبری ٹیکس میں دینے کی شکل نہیں ہے، تو بلا نیت ثواب نادار فقراء ومساکین کو دینا جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۹۹)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه.

(شامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥)

(۳) انکم ٹیکس کی ادائے گی میں زیادہ مقدار جانے کی وجہ سے اس مقدار کی واپسی میں جو زائد رقم ملتی ہے، وہ بینک کے سود کی طرح ہے، اس کو اسی طرح دوبارہ انکم ٹیکس کی ادائے گی میں حکومت کو واپس کردیا جائے۔

ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۹ھ

سودی رقم رجسٹری میں لگانا یا غرباء ومساکین کو دینا

سوال [٩١٩٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انجمن اصلاح قوم پنجابیان رام پور شہر کی ایک قدیم سماجی تنظیم ہے، جس کے زیر اہتمام کئی تعلیمی ادارے چل رہے ہیں، جس میں لڑکوں کے لئے ایک ہائی سکنڈری لڑکیوں کا انٹر کالج، ایک کمپیوٹر ٹریننگ سینٹر، ایک دستکاری سینٹر اور ایک مدرسہ برائے ناظرہ وحفظ قرآن شامل ہیں، ان سبھی اداروں کے کل آٹھ بینک اکاؤنٹ ہیں، بینک اپنے ضابطوں کے مطابق ان کھاتوں میں سال میں دو بار انٹرسٹ جمع کر دیتا ہے، انجمن کے ذمہ داران ان کھاتوں کی انٹرسٹ کی رقم سال تمام ہونے پر اکاؤنٹ سے نکال کر اصل رقم چھوڑ دیتے ہیں، اور انٹرسٹ کی رقم ایک علیحدہ بینک کھاتہ میں داخل کر دیتے ہیں، اس طرح انٹرسٹ کی اچھی خاصی معقول رقم اکٹھا ہوگئی ہے،، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

(١) مدرسہ تعلیم القرآن کی عمارت طلبہ کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے ناکافی ہوگئی تھی؛ لہٰذا انجمن نے کچھ اہل خیر حضرات کے تعاون سے ایک مکان خرید لیا ہے، جس کا قبضہ بھی مل چکا ہے، اور مدرسہ اس عمارت میں چالو کر دیا گیا ہے، مکان کی قیمت کچھ اہل خیر حضرات نے انجمن کی طرف سے ادا کر دی ہے؛ لیکن اس مکان کی باضابطہ رجسٹری نہیں ہوئی ہے، رجسٹری میں اچھی خاصی رقم کا خرچہ ہے، اور انجمن کے پاس اس وقت مطلوبہ رقم مہیا نہیں ہے۔ کیا انٹرسٹ کی رقم سے رجسٹری کے اخراجات ادا کئے جاسکتے ہیں؟ جس میں وثائق نویس کی اجرت، رجسٹری کی فیس اسٹامپ اور مروجہ رشوت جس کا دینا ناگریز ہے شامل ہیں۔

(٢) کیا انٹرسٹ کی رقم غرباء ومساکین کو دی جاسکتی ہے؟

المستفتی: نعمان جلیس شمسی، سکریٹری انجمن قوم پنجابیان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بینکوں سے ملنے والی سودی رقم رجسٹری کے اسٹامپ فیس میں خرچ کرنا جائز ہے؛ البتہ اس کے علاوہ دیگر متعلقہ اخراجات مثلاً وثائق نویس ورجسٹری کی اجرت اورمروجہ رشوت وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔

إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحر الرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤)

(۲) سود کی رقم بلانیت ثواب فقراء ومساکین پر تقسیم کرنا جائز ہے۔

إذا كان عند رجل مال خبيث -إلى قوله- ولا يمكنه أن يرده ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤)

ينبغي لمتصدق الحرام أن يزعم بتصدق المال تخليص رقبته، ولايرجو الثواب منه. (العرف الشذي على هامش الترمذي ١/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۱۶۶)

سود کا بیلنس ٹیکس وغیرہ میں دینا

سوال [۹۱۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) سود کے پیسہ سے زمین کی رجسٹری کرانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) سود کا پیسہ مکان کے ٹیکس میں دینا کیسا ہے؟ جبکہ سود کی رقم کے بارے میں اصل حکم یہ ہے کہ کسی عنوان سے اصل مالک کو لوٹا دی جائے؟ اسی بنیاد پر سود کا پیسہ انکم ٹیکس، سیل ٹیکس، کسٹم ٹیکس میں دینا درست ہے؟ اور یہ تمام غیر شرعی ٹیکس ہیں اور زمین کی رجسٹری میں دو اسٹامپ پیپر خریدا جاتا ہے، وہ رقم سرکاری خزانہ میں جمع کی جاتی ہے؟

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ سود کے پیسہ سے رجسٹری کرانا اور مکان ٹیکس میں دینا درست ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ مکان ٹیکس شرعی ٹیکس ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد منور ادروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سود اور حرام مال میں اصل حکم یہ ہے کہ جہاں سے آیا ہے، کسی بھی عنوان سے وہیں واپسی کر دیا جائے اور ہمارے ہندوستان میں جائیداد کی رجسٹری بیع نامہ کا خرچہ جائیداد کی قیمت کا ایک بڑا حصہ بن جاتا ہے، مثلاً پانچ لاکھ کی جائیداد ہو، تو ایک لاکھ رجسٹری کا خرچہ ہوتا ہے، جو سرکار کے فنڈ میں داخل ہوتا ہے؛ اس لئے یہ ناقابل برداشت خرچہ ہے؛ لہٰذا رجسٹری کا وہ خرچہ جو سرکاری فنڈ میں جمع ہوتا ہے، اس میں دینا جائز ہوگا، اور اس کے علاوہ رجسٹرار، کاتب اور درمیان میں پڑنے والے لوگوں اور آفیسر وغیرہ کو ہدیہ، تحفہ اور رشوت کے طور پر جو دیا جاتا ہے، اس میں دینا جائز نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ وہ سرکاری فنڈ میں جمع نہیں ہوتا۔

(۲) حضرات علماء کرام نے انکم ٹیکس، سیل ٹیکس، کسٹم ٹیکس اور مکان ٹیکس کو ظلماً ٹیکس

قرار دیا ہے؛ اس لئے ان ٹیکسوں کے عنوان سے بھی سرکار کو واپس کرنا جائز اور درست ہے۔

إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، زكريا جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳۰؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۲۳/۳۷)	۱۴۲۵/۸/۵ھ

سودی رقم کو گھر کے غسل خانہ وبیت الخلاء میں استعمال کرنا

سوال [۹۱۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا پیسہ بینک میں موجود ہے، اس کے اوپر بینک والے جو سود کا پیسہ دیتے ہیں، وہ ایف ڈی نہیں ہے، صرف سیونگ اکاؤنٹ ہے، کیا سود کے پیسے کو ہم گھر کی لیٹرین اور باتھروم میں صرف کر سکتے ہے یا کسی اور مقصد میں صرف کر سکتے ہیں؟

(۲) ایک بیمہ (.L.I.C) میں نے بھول سے کرا دیا تھا، مطلب جائز اور ناجائز کے علم کے بغیر جو کہ مکمل ہونے جا رہا ہے، اس پر بھی سود کا پیسہ مل رہا ہے، کیا اس سود کے پیسے کو بھی ہم گھر کے بیت الخلاء اور غسل خانہ میں لگا سکتے ہیں یا کس مقصد میں خرچ کریں؟

المستفتی: محمد عارف نواز، محلّہ قاضیان، کرتپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) بینک سے جو بھی سود ملتا ہے، خواہ وہ ایف

ڈی سے ہو یا سیونگ اکاؤنٹ سے ہو، دونوں کا حکم یکساں ہے،اس سود کا استعمال اپنی کسی ذاتی ضرورت میں کرنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا اس پیسہ سے اپنے گھر کی لیٹرین اور باتھ روم بنانا جائز نہیں ہوگا اورسودی رقم کے واقعی حقدار انتہائی مفلوک الحال،غربت زدہ اور نادار لوگ ہیں،سودی رقم انھیں حصول ثواب کی نیت کے بغیر اس کے وبال کو دور کرنے کی غرض سے دیدی جائے،اسی طرح انکم ٹیکس اورسیل ٹیکس بھی حکومت کی جانب سے جبراً وظلماً عائد کیا ہوا ٹیکس ہے؛اس لئے بینک سے حاصل شدہ سودی رقم سے ان ٹیکسوں کی ادائےگی کی جاسکتی ہے اور یہی حکم بیمہ کے ذریعہ سے ملے ہوئے سود کے پیسہ کا ہے۔(مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۱۳۷/۶، جدید ۲۶۲/۹،۶/۶ ۱۳،جدید زکریا ۲۵۵/۹،ایضاح النوادر ۱۰۰/۱)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۳۷/۱، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۳۵۹/۱، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۵۵۳/۹، كراچي ۳۸۵/۶، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۲۷/۶، زكريا ۶۰/۷، البحرالرائق، زكريا ۳۶۹/۹، كوئٹه۲۰۱/۸، هندية، زكريا قديم ۳۴۹/۵، جديد ۴۰۴/۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۴۶/۳۴، حاشية ترمذي ۳/۱، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۳۳/۱-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۵۸۴۳/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۷/۳ھ

سودی رقم کو بیت الخلاء کی تعمیر میں صرف کرنا

سوال [۹۱۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ بینک کی جمع شدہ رقم پر انٹرسٹ ملے، وہ کس مد میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟

نوٹ: لیٹرین (گٹر) بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طیب مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے حاصل شدہ سودی رقم اپنے ذاتی مصرف میں خرچ کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے چاہے بیت الخلاء ہو یا کسی اور کام میں؛ بلکہ اس کو فقراء میں بلانیت ثواب تقسیم کردینا واجب ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/ ٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۹۰)

سودی رقم رفاہ عام میں لگانا

سوال [۹۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک سے حاصل شدہ سودی رقم سے بیت الخلاء یا رفاہ عام کے لئے کنواں، نل

وغیرہ لگاسکتے ہیں یانہیں؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ بیت الخلاء میں اس لئے لگانا جائز ہے کہ اس میں اس رقم کی اہانت ہے، کیاان کا یہ کہنا صحیح ہے؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد کوثر، معرفت مفتی محمد سلیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی رقم کو بیت الخلاء اور رفاہ عام پر خرچ کرنے کی بعض علماء نے اجازت دی ہے، اور وہ حضرات جو دلیل پیش کرتے ہیں، اس سے ہم کو اتفاق نہیں ہے؛ اس لئے کہ دعوی اور دلیل میں مناسبت نہیں ہے؛ لہٰذا اس رقم کو انکم ٹیکس وغیرہ کے عنوان سے حکومت کو واپس کردیا جائے یا فقراء کو بلانیت ثواب دیدیا جائے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا مصرف صحیح نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۲۴)

ویجب علیہ أن یردہ علی مالکہ، إن وجد المالک، وإلا ففي جمیع الصور یجب علیہ أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بیروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، وهکذا في الشامي، زکریا ۹/ ۵۵۳، کراچي ۶/ ۳۸۵، تبیین الحقائق امدادیة ملتان ۶/ ۲۷، زکریا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زکریا ۹/ ۳۶۹، کوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندیة، زکریا قدیم ۵/ ۳۴۹، جدید ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۴/ ۲۴۶، حاشیة ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفیة دیوبند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۳۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱/ ۱۴۱۶ھ

سودی رقم رفاہ عام میں اسی طرح ٹی وی کی خریداری میں لگانا

سوال [۹۱۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ بینک سے موصول ہوئی سودی رقم کو عام لیٹرین بنوانے یا سڑک درست کرانے یا ٹی وی خریدنے میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ سڑک گھر کے سامنے کی درست کرانی ہے۔

المستفتی: محمد دین مانپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے حاصل ہوئے سود سے عام لیٹرین یا سڑک وغیرہ بنوانا جائز نہیں؛ بلکہ اس رقم کو بلانیت ثواب فقراء پر خرچ کرنا لازم ہے۔ نیز ٹی وی کی خریداری بھی سود کے پیسہ سے جائز نہیں ہے، مسلمانوں کو اس سے احتراز لازم ہے۔

ویجب علیه أن یرده علی مالکه، إن وجد المالک، وإلا ففي جمیع الصور یجب علیه أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامیة، بیروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، وهکذا في الشامي، زکریا ۹/ ۵۵۳، کراچي ۶/ ۳۸۵، تبیین الحقائق امدادیة ملتان ۶/ ۲۷، زکریا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زکریا ۹/ ۳۶۹، کوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندیة، زکریا قدیم ۵/ ۳۴۹، جدید ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۴/ ۲۴۶، حاشیة ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفیة دیوبند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رصفر المظفر ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۰۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۲/۲۳ھ

سودی رقم سے رفاہی تعمیری کام کرنا

سوال [۹۱۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک اللہ کا بندہ محض اللہ کی رضا کے لئے لاوارث لاشیں لے کر اس کے غسل وکفن کا مکمل انتظام کرتا ہے، شخص مذکور کوئی جگہ ایسی چاہتا تھا جہاں تجہیز وتکفین کا پورا سامان

موجود ہواور محفوظ بھی ہو، اتفاق سے عیدگاہ سے قریب ایک جگہ اس کام کے لئے مل گئی ہے، اوروہ جگہ اب زیر تعمیر بھی ہے؛ لیکن دشواری یہ پیش آرہی ہے کہ اس عمارت کی تعمیر کے لئے عطیہ یا ایصال ثواب کی رقم کوئی دینے کو تیار نہیں ہے، جس سے وہ تعمیری کام رکا ہوا ہے، تو کیا اس تعمیری کام کے لئے بینک کے سود کو استعمال کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحیم، بھنگا، بس اسٹاف، بہرائچ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نیک کام کی تکمیل کے لئے حرام کام اورحرام مال کا استعمال جائز نہیں، جائز طریقہ سے جتنا ہو سکے اتنا کیا جائے اور جواز کے دائرہ سے باہر عمل کا اللہ نے مکلّف نہیں بنایا؛ لہٰذا اگر جائز اورحلال مال مل جائے، تو تکمیل کی جائے، ورنہ کام موقوف کردینا چاہئے اور سود کا پیسہ اس میں نہ لگائے اور سود کا مال واجب الاسترداد یا واجب التصدق ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۸۹۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱۱/۳۰ھ

سودی پیسہ سے نالی بنانا

سوال [۹۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چار بھائی کے آمنے سامنے کمرے ہیں، یعنی دو بھائیوں کے ایک طرف اور دو بھائیوں کے ایک طرف، بیچ میں گندے پانی کی نالی چلتی ہے، یہ نالی کچی ہے اس میں کیچڑ رہتی ہے اور چلنے پھرنے میں پریشانی رہتی ہے، ایک بھائی کا کچھ روپیہ بینک میں جمع رہتا ہے، ان روپیہ پر جو سود ملتا ہے، اس کو غریبوں میں تقسیم کردیتے ہیں، اگر وہ بینک کے سود کو غریبوں میں تقسیم نہ کرکے اس نالی کے پکی کرانے میں جو چاروں بھائیوں کے مکانوں کے بیچ میں چلتی ہے خرچ کردیا جائے تو کیسا ہے؟

المستفتی: صفدر علی خاں، اسسٹینٹ ایم کیو آئی سی سیوارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے جو سودی رقم ملے گی اس کو بلانیت ثواب فقراء کو دینا واجب ہوگا، نالی وغیرہ بنانے میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا بعض حضرات نے نالی، بیت الخلاء اور شارع عام میں خرچ کرنے کو جائز کہا ہے؛ لیکن ان کی دلیل کوئی نہیں ہے، ہمیں اس پر اطمینان نہیں ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۳۷/۱، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۳۵۹/۱، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۵۵۳/۹، كراچي ۳۸۵/۶، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۲۷/۶، زكريا ۶۰/۷، البحرالرائق، زكريا ۳۶۹/۹، كوئٹه ۲۰۱/۸، هندية، زكريا قديم ۳۴۹/۵، جديد ۴۰۴/۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۴۶/۳۴، حاشية

ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديو بند ۱/ ۳۳-۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ رجمادی الثانیہ ۰۹
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۲۷۳)

بینک سے حاصل شدہ سودی رقم رفاہ عام وغیرہ میں لگانا

سوال [۹۲۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک سے حاصل شدہ سودی رقم کا مصرف کیا ہے؟ رفاہ عام میں نیز تعمیر بیت الخلاء، مساجد ومدارس میں اس رقم کو صرف کیا جاسکتا ہے؟ اگر بینک سے حاصل شدہ سود مسجد کی رقم کا ہو، تو کیا اس کو مسجد کے بیت الخلاء وپیشاب خانہ میں صرف کرنا جائز ہوگا؟

المستفتی: محمد محسن بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے حاصل شدہ سود بغیر نیت ثواب فقیروں غریبوں کو دیدینا لازم ہے، رفاہ عام اور مسجد کے بیت الخلاء وغیرہ کی تعمیرات میں خرچ کرنے کو بعض علماء نے جائز لکھا ہے، مگر ان کی دلیل ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لايريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية

ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديو بند ١/ ٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۰۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۸ھ

سودی رقم سے مسافر خانہ تعمیر کرنا

سوال [۹۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک سے حاصل ہوئی سود کی رقم کسی مسلم مسافر خانہ کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد خالد حسین، بروا لان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے حاصل ہوئی سودی رقم کو مسلم مسافر خانہ کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں؛ بلکہ اس کو بلا نیت ثواب فقراء کو دیدینا لازم ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث (إلى قوله) فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لايريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحر الرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديو بند ١/٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۲۶۹/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۷/۱۷ھ

سودی رقم سے مسافر خانہ تعمیر کرنے کا حکم

سوال [۹۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک جو سود دیتی ہے، اس سود والی رقم سے مسافر خانہ تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعظیم، بساتیاں مسجد (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بینک کی سودی رقم سے مسافر خانہ کی تعمیر جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر جبری ٹیکس کے عنوان سے حکومت کے خزانہ میں واپس کرنا ممکن نہ ہو، تو فقراء کو بغیر نیت ثواب دیدینا واجب ہوجاتا ہے اور جو لوگ رفاہ عام میں خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، ان کے دلائل سے ہم مطمئن نہیں ہیں۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحر الرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۳۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۷/۱۴۱۳ھ

سودی رقم کو لون میں مجری کرنا

سوال [۹۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا بینک میں روپیہ جمع ہے، اس پر فضلہ (سود) بھی ملے گا۔ اب زید کو بینک سے قرضہ کی ضرورت پیش آئی، اس میں سود دینا پڑے گا، تو اپنی رقم کا فضلہ اپنے قرض کے سود میں جو زید پر واجب ہے، مجریٰ کردے تو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسلام پریس والے، شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود اور حرام مال میں اصل حکم یہ ہے کہ اصل مالک کو کسی بھی عنوان سے واپس کردیا جائے؛ اس لئے حکومت سے لیا ہوا، سود بنام سود حکومت کو واپس کرنا جائز اور درست ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں درج صورت میں بینک سے حاصل شدہ سود حکومت کو بنام لون واپس کرنا جائز ہوگا۔

ویجب علیه أن یرده علی مالکه، إن وجد المالک. (بذل المجهود مصري، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامیة، بیروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، وهکذا في الشامي، زکریا ۹/ ۵۵۳، کراچي ۶/ ۳۸۵، تبیین الحقائق امدادیة ملتان ۶/ ۲۷، زکریا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زکریا ۹/ ۳۶۹، کوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندیة، زکریا قدیم ۵/ ۳۴۹، جدید ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۴/ ۲۴۶، حاشیة ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفیة دیوبند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍ ۲۹۹۲)

بینک کے قرضہ کو سودی رقم سے ادا کرنا

سوال [۹۲۰۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حوادثات زمانہ سے تنگ آ کر مجبوراً قرضہ کی طرف قدم اٹھانا پڑا، سوچا تھا کہ قرض لے کر کچھ دھندھا کر کے بچوں کی روزی روٹی کا انتظام کرلیں گے، مگر مرضیٔ مولیٰ کچھ اور ہی تھی، وہ رقم سب گھاٹے میں چلی گئی اور بینک کا سود بیاج بڑھنے لگا اور ہمارے پاس ادائے گی کے لئے کسی قسم کا کوئی انتظام نہ ہوسکا، نوبت یہاں تک پہونچی کہ قرض بڑھتے بڑھتے ۹۰۰۰۰/ ہزار کے قریب پہونچ گیا۔

اب معاشی انتظام تو کیا عزت وآبرو کی حفاظت ناممکن نظر آرہی ہے، ایسی صورت میں اب ہم کو کیا کرنا چاہئے؟ ہمارے پاس ادائے گی کا سامان وذریعہ نہیں ہے، اپنے ہم مذہب اسلامی بھائی کی عزت وآبرو بچانے کے لئے اپنی زکوۃ، خیرات اور صدقات نافلہ حتی کہ بینک کی سود کہ جس کا آپ حضرات کے پاس کوئی مصرف نہیں، اس سے مدد کریں تاکہ ہمارا قرضہ ادا ہوجائے جس سے نئی زندگی مل جائے، اس کارخیر کا بدلہ باری تعالیٰ دے گا۔

اب ہم گھر پر نہیں رہ سکتے تحصیل میں کاغذات پہنچ چکے ہیں، تحصیل کی گاڑیاں آتی ہیں، کیا اس صورت میں زکوۃ، صدقات وبینک کا سود لے کر ادائیگی قرض ہوسکتی ہے؟ مفتیان حضرات سے درخواست ہے کہ اس کی رہبری فرمائیں کہ اب ہم کیا کریں؟

المستفتی: نظام الدین، ساریپور، پوسٹ: کائی موٗ، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کا قرضہ سرکاری بینک کا قرضہ ہے اور سرکاری بینک کے قرضہ پر سود بھی بڑھتا ہے، آپ نے قرضہ کی ادائے گی کی مجبوری میں زکوۃ، صدقات اور بینکی سود میں سے کسی ایک کے ذریعہ سے ادائے گی کی سہولت حاصل

کرنے کی پیشکش کے طور پر سوال فرمایا ہے، تو اس کے لئے بہتر شکل یہی ہے کہ آپ دوسرے سرمایہ داروں سے رابطہ قائم کر کے ان کو جو بینک سے ملنے والا سود ہے، وہ سود کا پیسہ لے کر بینک کا قرضہ ادا کر سکتے ہیں اور اس میں یہ بات بھی آئے گی کہ سرکار کی طرف سے آپ کو تعاون مل گیا اور سرکار ہی کے پیسہ سے آپ نے سرکار کا حق ادا کر دیا۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديو بند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۴۰۵)

سرکاری بینک کی سودی رقم اسی کے لازم کردہ سود میں منہا کرانا

سوال [۹۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے سرکاری یا نیم سرکاری بینک سے قرض لیا، جس پر بینک والوں نے مقروض کے ذمہ انٹرسٹ کی رقم عائد کی اور مقروض کی کچھ رقم بھی بینک میں جمع ہے، جس پر بینک سے اسے انٹرسٹ ملے گا، تو کیا وہ اپنی رقم پر ملنے والے انٹرسٹ کو اپنے قرضہ کی رقم پر عائد ہونے والے انٹرسٹ میں منہا کرا سکتا ہے یا نہیں؟ اس شکل میں کیا کرے؟

المستفتی: عبدالرب، قصبہ بچھرائیوں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری بینک سے جوسودی رقم ملتی ہے، اس کو سرکاری بینک کے لازم شدہ سود میں منہا کرانا درست ہے؛ اس لئے کہ سودی رقم میں اصل حکم مالک کوواپس کرنا ہے اور جب مقروض بینک سے حاصل شدہ سود کوقرض پر لازم شدہ سود کے عنوان میں بینک کودیدیتا ہے، تو گویا کہ اصل مالک کوواپس کردیتا ہے۔

من اكتسب مالا بغير حق (إلى قوله) يجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۷۰۶)

بینک میں دیئے ہوئے سودی قرض کوحلال رقم سے مجری کرنا

سوال [۹۲۰۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے شدید مجبوری میں یکم جنوری ۲۰۰۶ء کودس ہزارروپئے بینک سے قرض لئے اوردسمبر ۲۰۰۶ء میں مع سود کے گیارہ ہزارروپئے جمع کردیئے، پھر چندروز کے بعد ایک شدید ضرورت پیش آگئی اور زید نے پھراسی بینک سے دس ہزار روپئے قرض لے لئے

اورایک سال گذر گیا ،اوراب زید پر بینک کے گیارہ ہزار روپئے واجب ہو گئے ، زید کے ایک عزیز کے پاس سود کی رقم موجود ہے، کیا اس رقم کو زید اپنے دونوں مرتبہ کے سود کے عوض بینک کوادا کرسکتا ہے؟ اس طرح کہ ایک ہزار روپیہ ان کے بدلہ جو پچھلی بار بینک کوادا کر چکا ہے اور ایک ہزار وہ جو اسے دس ہزار کے ساتھ بطور سود اب ادا کرنے ہیں تاکہ سود کی ادائے گی میں دو ہزار روپئے ادا کرنے سے اسے جو خسارہ ہورہا ہے،اس کی تلافی ہوسکے؟

المستفتی: ارشادعالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک ہزار روپیہ سود میں ادا کرنے کے بعد پھر دوسرے پیسے کے بارے میں یہ نیت کر لینا کہ اس سود کے بدلہ میں اس کو قرار دیا جائے، تو اس طرح نیت کر لینے سے یہ پیسہ سود میں دیا ہوا پیسہ کا بدل نہیں بن سکتا، ہاں بعد میں جو دس ہزار روپیہ کے عوض گیارہ ہزار دینا پڑ رہا ہے، تو صرف وہی ایک ہزار بینک سے ملے ہوئے سود میں سے دیا جاسکتا ہے، اور جو پہلے ایک ہزار روپیہ سود میں جا چکا ہے، اس خسارہ کی کوئی تلافی نہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۰۰)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، يجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، شامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۸۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۶ھ

سودی رقم سے بجلی کا بل ادا کرنا

سوال [۹۲۰۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مقروض آدمی سودی رقم سے محکمۂ بجلی کا قرض ادا کرسکتا ہے؟ جبکہ اس کے پاس اپنے کاروبار کے ایسے اوزار اور ایسی مشینیں موجود ہیں جن کی قیمت سے قرض کی ادائے گی ممکن ہے۔ بینواتوجروا۔

المستفتی: خورشیدانور قاسمی، خادم تدریس مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: سودی رقم سے محکمۂ بجلی کا قرض اور بجلی کا اصل کرایہ ادا کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ بل جمع کرنے میں تاخیر کی وجہ سے جو جبریہ ٹیکس لازم ہوتا ہے اور تاخیر کے ساتھ اس میں ضافہ ہوتا رہتا ہے، اس میں سودی رقم دینے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں بھی سودی رقم بلاکسی معاوضہ کے حصول کے اصل مالک تک پہونچ جاتی ہے۔

ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود مصري، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۴۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

سرکاری قرض کو ادا کرنے میں سودی رقم دینا

سوال [۹۲۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اب سے تیس سال پہلے ہم نے حکومت سے بطور قرض کے پانچ ہزار روپئے لئے تھے، اس وقت پانچ ہزار کا سود چھ ہزار روپیہ بن گیا ہے، حکومت ان روپیوں (گیارہ ہزار) کا مطالبہ کر رہی ہے، اور سرکاری بینک میں ہمارے پچیس ہزار روپیہ جمع ہیں، پچیس ہزار روپیہ کا سود مثلاً گیارہ ہزار روپیہ بنتے ہیں، تو کیا اس رقم (بینک سے ملی ہوئی سود کی رقم) سے حکومت کا قرض ادا ہوسکتا ہے؟ وضاحت فرمائیں کہ سودی رقم حکومت کے قرض کی ادائے گی میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر سودی رقم کو حکومت کے قرض کی ادائے گی میں استعمال کرنا جائز ہے، تو کیا یہ حکم صرف حکومت کے قرض کے ساتھ ہے یا ہر اس شخص کے قرض کے ساتھ ہے، جو روپیہ بطور قرض سود پر دیتا ہو؟

المستفتی: محمد زاہد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منجانب حکومت جتنی رقم سود میں مل رہی ہے، اس کو آپ اس سود کے نام سے حکومت کو واپس کرسکتے ہیں، جو آپ پر حکومت کا لازم آرہا ہے، جو حقیقی قرض آپ نے حکومت سے لے رکھا ہے، وہ اصل رقم سے ادا ہونا چاہئے۔

ویجب علیه أن یرده علی مالکه، إن وجد المالک، وإلا ففي جمیع الصور یجب علیه أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامیة، بیروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، وهکذا في

الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/ ٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رشوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۴۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۰/ ۱۴۱۸ھ

بینک کے جرمانہ میں سودی رقم دینا

سوال [۹۲۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک میں کھاتہ دار کا اگر بیلنس زیرو یا ایک ہزار سے کم رہ جائے، تو بینک زیرو بیلنس کے جرمانہ میں اس کے اکاؤنٹ سے کچھ رقم کاٹ لیتی ہے، تو کیا کھاتہ دار اس جرمانہ کے بدلے میں بینک سے ملنے والی سودی رقم دے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فراست علی، سرائے ترین، عائشہ مسجد سنبھل (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بینک نے کھاتہ دار کے کھاتے سے جو روپیہ جبراً لیا ہے، بینک سے ملنے والی سودی رقم سے اتنا ہی پیسہ اس کے لئے وصول کر لینا جائز ہے اور یہ سمجھ کر کے وصول کرے کہ جو پیسہ ہمارا جبراً وصول کر لیا ہے، ہم وہی پیسہ بینک سے اسی راستہ سے وصول کر رہے ہیں؛ لہٰذا حاصل یہ نکلے گا کہ نہ آپ نے بینک سے لیا اور نہ ہی بینک نے آپ سے لیا؛ بلکہ برابر سرابر ہو گیا۔

قال في الخانية: رجل له على رجل دراهم، وفظفر بدراهم مديونه كان له أن يأخذ الدراهم إن لم يكن دراهمه أجود ولم يكن مؤجلا. (شرح الحموي

علی الأشباه، تحت القاعده الخامسة ۱٤٥، قاضیخان، زکریا جدید ۳/۱۷۷، وعلی هامش الهندیة ۳۷/۸/۲۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۱۷۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱۱/۱۴۳۵ھ

غریب غیر مسلم کو سودی روپیہ دینا

سوال [۹۲۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا سودی روپیہ غیر مسلم غریب کو دے سکتے ہیں؟

المستفتی: (قاری) محمد تحسین، مدرس اردو سیکشن، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سود کا روپیہ بلا نیت ثواب غیر مسلم فقیر کو دینا جائز ہے؛ کیونکہ اس کا مصرف جہاں فقراء کو بتلایا گیا ہے، وہاں مسلم کی قید نہیں ہے۔

أما إذا كان عند رجل مال خبيث (إلى قوله) فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٤/۲٤٦، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۶۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۳/۱۴۱۲ھ

رجسٹری اسٹامپ فیس میں سودی رقم دینا

سوال [۹۲۱۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے ایک مکان اپنے حلال روپئے سے خریدا، اب ہرگز کے اعتبار سے حکومت کو کچھ متعینہ روپیہ دینا پڑتا ہے، کیا حکومت کو سود کا روپیہ دے سکتے ہیں؟

المستفتی: کلیم اللہ قاسمی، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ ظلم اور جبری ٹیکس ہے، اور سود اگر بینک سے حاصل ہوا ہے، تو دیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ سودی پیسہ کی اصل مالک حکومت ہے اور مذکورہ طریقے سے حکومت کو دینا اس لئے جائز ہے کہ حرام مال اصل مالک تک پہونچ جاتا ہے، اور یہی حرام مال کا اصل حکم ہے۔

ویجب علیه أن یرده علی مالکه، إن وجد المالک. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بیروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، وهکذا في الشامي، زکریا ۹/۵۵۳، کراچي ۶/۳۸۵، تبیین الحقائق امدادیة ملتان ۶/۲۷، زکریا ۷/۶۰، البحرالرائق، زکریا ۹/۳۶۹، کوئٹه ۸/۲۰۱، هندیة، زکریا قدیم ۵/۳۴۹، جدید ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۴/۲۴۶، حاشیة ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفیة دیوبند ۱/۳۳-۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۰۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۱۱ھ

حاجی مقروض کے لئے سودی رقم سے قرض ادا کرنا

سوال [۹۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص قرض لے کر حج کو گیا، اس کے بعد قرض کی ادائیگی کا نمبر آیا، تو ایک دوسرے شخص نے اس کو سودی رقم دیدی کہ اپنا قرض ادا کرلینا، تو اب اس سودی رقم سے اس شخص کا قرض ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ہلال مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح قرض لے کر حج کرنے کا شریعت نے مکلّف نہیں بنایا ہے، پھر ایک عبادت کی ادائے گی کے لئے اخذ حرام کا ارتکاب کرنا انتہائی غلط اور خراب بات ہے۔ تاہم شخص مذکور اگر اتنا نادار اور مجبور ہے کہ صدقات واجبہ کا مستحق ہے، تو سودی رقم بطور صدقہ لے کر اپنا قرض ادا کردے؛ تو ممکن ہے کہ گنہگار نہ ہو؛ لیکن اگر مستحق نہیں ہے، تو سودی رقم لے کر قرض ادا کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ حرام مال میں قبضہ کے بدلنے سے اس کی حرمت ختم نہیں ہوتی ہے۔

إن الصدقة تمليك بلا عوض. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/٣٣٠)

كلٌ يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/٦٥٤، رقم: ١١٩٢)

الواجب في الكسب الخبيث تفريغ الذمة والتخلص منه برده إلى أربابه إن علموا وإلا إلى الفقراء. (الموسوعة الفقهية الكوتية ٣٤/٢٤٥)

الحرام ينتقل اي تنتقل حرمته وإن تداولته الأيدي وتبدلت الأملاك. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعيين الدراهم في القصد الفاسد، كراچي ٥/٩٨، زكريا ٧/٣٠٠)

ما حرم أخذه حرم إعطاه. (شرح المجلة رستم مكتبه اتحاد ١/ ٣٣، رقم: ٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۴۵/۴۰)

سودی رقم سے قرض ادا کرنا

سوال [۹۲۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص انتہائی مجبور ہے، دوسروں سے قرض لے کر اپنی ضرورت پوری کرتا ہے، اب اس کے پاس قرض کی ادائے گی کی کوئی سبیل نہیں ہے، ایک شخص کہتا ہے کہ میرے پاس سودی رقم موجود ہے چاہے تو اس کو لے کر اپنا قرض ادا کرے، تو یہ شخص اس کے پاس رکھی ہوئی سودی رقم کو لے کر اپنا قرض ادا کردے، تو ایسا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: محمد عفان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا مجبور شخص جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، اس کو سودی رقم بطور صدقہ دیدی جائے، تو صدقہ کرنے کی وجہ سے یہ مجبور شخص اس کا مالک ہوجائے گا اور اس کا ہر تصرف اس رقم میں جائز اور درست ہوگا، پھر اس رقم سے اپنا قرض ادا کرنا اس کے لئے جائز ہوجائے گا۔

إن الصدقة تمليك بلا عوض لثواب الآخرة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/ ٣٣٠)

كلٌ يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ٦٥٤، رقم: ١١٩٢)

من ملك ملكا خبيثاً ولم يملك الرد إلى المالك فسبيله التصدق على الفقراء. (معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳٤)

الواجب في الكسب الخبيث تفريغ الذمة والتخلص منه برده إلى أربابه إن علموا وإلا إلى الفقراء. (الموسوعة الفقهية الكوتية ٣٤/ ٢٤٥)

المال الحاصل له حرام عليه، إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، شامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديده/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۴۶)

سود کی رقم سے مسلمان قرضدار کا قرض ادا کرنا

سوال [۹۲۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر ایک مسلمان بے روزگار ہو اور بہت زیادہ قرض میں مبتلا ہو اور قرض ادا کرنے کے لئے تنگی بے روزگاری میں اس کے پاس بالکل بھی اسباب موجود نہ ہوں اور لوگ اپنا قرض حاصل کرنے کے لئے اس کو بہت زیادہ پریشان کررہے ہوں اور ایک دوسرا مسلمان جس کے پاس سود کا روپیہ ہو اور شریعت میں سود کا پیسہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، تو کیا یہ سود کا پیسہ اس مسلمان سے لے کر قرض دار مسلمان

اس روپئے سے قرض ادا کرسکتا ہے؟

المستفتی: افسر علی، بارہ دری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرمایہ دار کے بینک کے سود کا پیسہ انکم ٹیکس، سیل ٹیکس اور جائیدا کی رجسٹری اسٹامپ فیس وغیرہ کے عنوان سے دینا جائز ہے اور اگر یہ چیزیں نہیں ہیں، تو نادار فقراء کو بغیر نیت ثواب دیدیا جائے۔

سوال نامہ میں جس قرضدار کا ذکر ہے، وہ قرض کی ادائے گی میں اپنی جائیداد اور سرمایہ وغیرہ سب ختم کر کے فقیر اور محتاج بن گیا ہے، تو اس کو قرض کی ادائے گی کے لئے سود کا پیسہ دینا جائز ہے؛ اس لئے کہ وہ فقیر اور محتاج بن چکا ہے، اور اگر اس کے پاس گذارہ کے بقدر روپئے موجود ہوں، تو اس کے لئے سود لینا جائز نہ ہوگا۔

فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه(إلى قوله) يجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. وقوله وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية

الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ٣/١، معارف السنن، اشرفية ديوبند ٣٣/١-٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۸۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۸/۱۹ھ

سودی رقم سے متعلق چند سوالات

سوال [۹۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کسی شخص کے پاس سود کی رقم ہے، وہ اس رقم کو غریبوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے، کون لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں، مسلم یا غیر مسلم، رشتہ دار یا غیر رشتہ دار، اگر سود کی رقم کسی مسلمان کو دینا درست ہے، تو اس حدیث کا کیا جواب ہوگا؟ جو چیز اپنے لئے پسند کرو وہی چیز اپنے بھائیوں کے لئے بھی پسند کرو؟

(۲) کسی شخص کے پاس سود کی رقم تھی ضرورت پڑنے پر اس کو خرچ کرلیا بعد میں اس رقم کو جمع کردیا، اس طرح خرچ کرلینا کیسا ہے؟ اور کیا وہ سود کی مقدار رقم جو غیر سودی ہے، اپنے پاس سے غریبوں کو دیدے، تو عند اللہ مؤاخذہ ہوگا یا نہیں؟

(۳) کسی شخص کے پاس سود کی رقم تھی، وہ ایک محفوظ جگہ پر رکھی ہوئی تھی، اس رقم کو غریبوں کو دینے کے بجائے اپنے پاس کی رقم تقسیم کردی، تو کیا وہ سود کی رکھی ہوئی رقم اس کے لئے درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم، لال مسجد، بارہ دری شاہ صفا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسلمان کی سود کی رقم کے بارے میں اصل حکم شرعی یہ ہے کہ جہاں سے آئی ہے، وہاں واپس کردی جائے؛ لہٰذا بینک سے حاصل

شدہ سودی رقم کو سیل ٹیکس، انکم ٹیکس کے عنوان سے حکومت کو واپس کر دینا چاہئے اور اگر یہ نہ ہو سکے، تو ثانوی درجہ میں بغیر نیت ثواب نہایت نادار فقراء کو دینے کی اجازت ہے، رشتہ دار، غیر رشتہ دار میں کوئی امتیاز نہیں، ہاں البتہ غیر مسلم فقراء کے مقابلہ میں مسلم فقراء کو دینا اکابر نے بہتر کہا ہے۔

ویجب علیه أن یرده علی مالکه، إن وجد المالک، وإلا ففي جمیع الصور یجب علیه أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامیة بیروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، البحرالرائق، زکریا ۳۶۹/۹، کوئٹه ۸/۲۰۱، تبیین الحقائق، امدادیة ملتان ۶/۲۷، زکریا ۷/۶۰، شامي، زکریا ۹/۵۵۳، کراچي ۶/۳۸۵، هندیة، زکریا قدیم ۵/۳۴۹، جدید۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۴/۲۴۶، فتاوی رحیمیة ۵/۱۵۹ و ۹/۲۷۵، جدید زکریا ۱۰/۱۸۱)

(۲) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بہت سے لوگوں کی نیتوں پر فیصلہ فرمائیں گے، اس لئے وہاں کا معاملہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے؛ لیکن ظاہری طور پر آپ کا معاملہ ایسا ہوا ہے کہ ایک مردہ بکرا ہے، اور ایک ذبح شدہ بکرا ہے، آپ نے اپنا ذبح شدہ بکرا، تو فقراء کو دیدیا ہے، اور اس کے بدلہ میں آپ نے مردہ بکرا کھالیا ہے؛ اس لئے آئندہ ایسا ہرگز نہ کیا جائے اور اللہ سے توبہ کر لی جائے۔

ویجب رده لو قائمًا، ورد مثله أو قیمته لو مستهلکاً. (شامي، کتاب البیوع، باب الرباء، زکریا۷/۳۹۹، کراچي ۵/۱۶۹، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۲/۶۰)

(۳) اس کی مثال بھی نمبر۲ر کی طرح ہے، آپ نے پاک دے کر ناپاک رکھ لیا؛ لہٰذا اس کا استعمال درست نہیں۔

فیجب رد عین الربا، لو قائماً لارد ضمانه. (درمختار مع الشامي،

كتاب البيوع، باب الربا، زكريا ۳۹۹/۷، كراچي ۱٦۹/٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/٦۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۵۳۷)

سودی رقم بیوہ کی شادی میں لگانے کا حکم

سوال [۹۲۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرض ہے کہ آج کل ہر شخص کو خصوصاً سرکاری ونیم سرکاری ملازمین کو بینک میں کھاتہ رکھنا ضروری ہے، وہاں سے سود کی رقم بھی ملتی ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ کیا اس سود کی رقم کو غریب مسلم بیوہ لڑکی کی شادی یا کسی مسلم غریب بچے کی تعلیم کے لئے خرچ کیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں تو یہ رقم کہاں خرچ کی جائے؟

المستفتی: اعزاز الحسن، زیدی، محلّہ واحد نگر، نجیب آباد، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کی سود کی رقم حرام پیسہ ہے، اور اس کا حکم شرعی یہی ہے کہ حرام مال جہاں سے آیا ہے، کسی بھی عنوان سے وہیں واپس ہوجائے، اس سے انکم ٹیکس، سیل ٹیکس اور رجسٹری اسٹامپ فیس وغیرہ کے عنوان سے حکومت کے خزانہ میں واپس کردینا چاہئے اور اگر یہ ٹیکس وغیرہ واجب نہیں ہے، تو انتہائی نادار فقیر اور مساکین کو بغیر نیت ثواب کے دیدیا جائے، وہ اپنی کسی بھی ضرورت میں خرچ کریں، دینے والا ان کی شادی یا غریب بچے کی تعلیم وغیرہ کی نیت ہرگز نہ کرے؛ بلکہ صرف یہ نیت کرے کہ ناپاک چیز کو اپنے پاس سے نکال کر کے اپنے کو پاک کررہا ہوں۔

صرح الفقهاء بأن من...... اكتسب مالا بغير حق..........ففي جميع

الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء...... وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لايريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨؍شوال المکرّم ١٤٣٤ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٤٠/١١٢٥٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٨/١٠/١٤٣٤ھ

سودی رقم غریب لڑکی کی شادی میں صرف کرنا

سوال [٩٢١٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیاج کا روپیہ کسی غریب لڑکی کی شادی میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد منظر الاسلام، کرولہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیاج اور سود کی رقم کسی بھی عنوان سے جہاں

سے آئی ہو، وہیں واپس کرنا واجب ہے، مثلاً سرکاری بینک سے حاصل ہوا ہے، تو انکم ٹیکس، سیل ٹیکس اور بیع نامہ میں رجسٹری اسٹامپ فیس کے عنوان سے واپس کی جاسکتی ہے اور اگر اس طرح کی واپسی کی صورت نہ ہو، تو بلانیت ثواب نہایت غریب نہتے فقیروں کو اس طرح دینا لازم ہوجاتا ہے، جیسا کہ کپڑے پر ناپاکی لگنے کی صورت میں اس کو دھوکر صاف کرنا لازم ہوجاتا ہے اور شادیوں میں زائد خرچ ہوتا ہے۔

نیز اس میں کھانا بھی کھلایا جاتا ہے، جس میں ہر طرح کے لوگ کھانا کھاتے ہیں؛ اس لئے اس میں دینا درست نہیں ہے، ہاں البتہ بالکل غریب اور فقیر ہے، تو اس کو بلانیت ثواب دیا جاسکتا ہے اور مالک بنا دیا جائے شادی کی نیت سے نہ دیا جائے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۳۷، کفایت المفتی ۸/۶۸، جدید زکریا مطول ۱۱/۲۲۴-۲۲۵، ایضاح المسائل ۱۴۲)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۳۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲۴ھ

سود کی رقم کو اپنی لڑکی کی شادی میں صرف کرنا

سوال [۹۲۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں کچھ آمدنی ایک سو روپئے کے حساب سے بینک میں جمع کر رہے ہیں، اس لالچ میں کہ تین سال سے جمع کی ہوئی رقم سے زائد تین ہزار روپئے ملیں گے؛ لہٰذا یہ تین ہزار روپیہ اپنے تصرف میں لانا یا اپنی لڑکی کی شادی میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شاہد حسین ولد حاجی عبدالغفور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود حاصل کرنے کے لئے بینک میں رقم جمع کرنا جائز نہیں ہے، اگر جمع کر کے سود کا پیسہ حاصل ہو جائے، تو وہ لڑکی کی شادی یا دیگر اپنی ضروریات میں خرچ کرنا ناجائز اور حرام ہوگا؛ بلکہ اس کو حاصل کر کے بلا نیت ثواب فقراء میں تقسیم کر دینا واجب ہوگا۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة (إلى قوله) أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه (إلى قوله) ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم

۳۴۹/۵، جدید ۵/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/ ٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍۱۰۹۸)

سودی رقم شادی وغیرہ میں دینا

سوال [۹۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سود کی رقم کو غریبوں کی شادی میں یا حکومت کے سرکاری ٹیکس جیسے میونسپل کی گھر پٹی وغیرہ یا اور کون کون سی مد میں اس رقم کو خرچ کر سکتے ہیں؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: بشیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے حاصل شدہ سودی رقم کو بینک سے نکال لینے کا حکم ہے، اس کے بعد سرکار کو واپس کرنے کے لئے کوئی شکل ہو، تو وہ شکل اختیار کی جائے؛ لہٰذا انکم ٹیکس، سیل ٹیکس کے عنوان سے بھی سرکار کو واپس کرنا درست ہے، آفیسروں کو رشوت میں دینا یا میونسپل کی گھر پٹی وغیرہ میں دینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر ٹیکس وغیرہ کے عنوان سے حکومت کو واپس کرنے کی صورت نہیں ہے یا پھر بھی بچی ہوئی ہے، تو اس کو بغیر نیت ثواب فقراء ہی میں تقسیم کرنا واجب ہے اور شادی بیاہ میں بھی دینا جائز نہیں ہے۔

ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه، أن يتصدق بمثل تلك الأموال على

الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۲۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۳/۱۴۲۵ھ

سودی رقم جہیز میں دینا

سوال [۹۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد غریب آدمی ہے، اس کے پاس چند لڑکیاں ہیں، دورحاضر میں بغیر مانگ یعنی نقدی رقم دیئے بغیر شادی غیر ممکن ہے، تو ایسی صورت میں لڑکی کے نام سے نقدی رقم بینک میں مقررہ وقت کے لئے فکس کرکے سود والی رقم کو مانگ (جہیز) میں دے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد، مدرسہ اسلامیہ بشیریہ، سکرہتہ کلاں، ضلع بھوجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فکس میں رقم رکھنا حرام ہے، شان وشوکت اوردکھاوے کے لئے لڑکیوں کو جہیز دینا ایک الگ گناہ ہے اوراس کے لئے فکس میں رقم رکھ کر سود جیسی حرام چیز کا ارتکاب مزید گناہ ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرہ: ٢٧٥]

لہٰذا جہیز وغیرہ کی غرض سے فکس میں پیسہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ نیز فکس پر جو رقم زائد ملے اس کو جہیز میں دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۷۵، فتاوی رحیمیہ ۲۷۹/۹، جدید ۲۷۰/۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۲۰۴/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۱۶ھ

کیا جہیز میں سودی رقم دینے کی گنجائش ہے؟

سوال [۹۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی کے پاس سود کا روپیہ ہے اور وہ اپنی بیٹی کی شادی کر رہا ہے، اورلڑکے والے نقد جہیز مانگ رہے ہیں اور بیٹی کے پاس سودی روپیہ کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، تو کیا وہ یہ کہہ کر کہ میرے پاس سودی روپیہ ہے، اس کو دے رہا ہوں، تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

المستفتی: محمد افتخار، بہرائچی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی رقم بلانیت ثواب فقراء پر صدقہ کر دینا چاہئے، اس رقم کو جہیز وغیرہ میں دینا کسی حال میں بھی درست نہیں ہے اور سوال نامہ میں جو یہ کہا گیا ہے، کہ لڑکے والے نقد جہیز مانگ رہے ہیں، تو یہ شرعاً رشوت ہے اور سخت مجبوری کی حالت میں اپنا حلال پیسہ رشوت میں دے کر مجبوری دور کرنے کی گنجائش ہے اور ایسی صورت میں رشوت دینے والا گنہگار نہ ہوگا؛ بلکہ رشوت لینے والا گناہ کبیرہ اور حرام کا مرتکب ہوگا اور وہ رقم بھی لینے والے کے لئے حرام ہوگی۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه، وماله،

ولاستخراج حق له، ليس برشوة يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ٩/٦٠٧، كراچي ٦/٤٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۳۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۶/۱۴۲۸ھ

سودی رقم سے ولیمہ کرنے اور جہیز کا سامان خریدنے کا حکم

سوال [۹۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جس کے پاس سودی رقم ہے، جس رقم سے وہ دعوت ولیمہ کرتا ہے، اس کا ولیمہ کرنا کیسا ہے؟ اور اس میں شرکت کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) اس سودی رقم سے جہیز کا سامان بھی خریدتا ہے، آیا یہ شخص اس خریدے ہوئے مال کا مالک ہوگا یا نہیں؟

(۳) اگر یہ شخص سودی رقم کے ذریعہ زیورات خریدے تو اس خریدے ہوئے زیورات پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: احمد جنید، سنسار پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) سودی رقم کو اپنے ذاتی استعمال میں لانا حرام ہے؛ لہٰذا اس رقم سے دعوت ولیمہ کرنا اور اس دعوت میں شرکت کرنا حرام اور ناجائز ہے؛ بلکہ سود لینے والے پر ضروری ہے کہ اس سودی رقم کو اس کے اصل مالک کو واپس کردے اور اگر واپس کرنا ناممکن ہو، تو فقراء کو بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

سئل الفقيه أبو جعفر عمن اكتسب ماله من امراء السلطان، وجمع المال من أخذ الغرامات المحرمات وغير ذلك؛ هل يحل

لمن عرف ذلک أن یأکل من طعامه، قال: أحب إليّ أن لا یأکل منه، ویسعه حکمًا أن یأکله إلی ما قال أي إن لم یکن عین الغصب أوالرشوة؛ لأنه لم یملکه فهو نفس الحرام فلا یحل له لا لغیره. (شامي، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام، زکریا۳/۲۱۹، کراچي ۲/۲۹۲)

(۲) سودی رقم سود لینے والے کی ملکیت نہیں ہے؛ اس لئے اس سودی رقم سے خریدے گئے سامان جہیز کا وہ شخص مالک نہیں ہوگا، اس سودی رقم کا اصل مالک اگر معلوم ہو، تو اس کو لوٹانا واجب اور ضروری ہے، ورنہ بلانیت ثواب فقراء کو صدقہ کردینا واجب ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اکتسب مالا بغیر حق، فإما أن یکون کسبه بعقد فاسد کالبیوع الفاسدة والاستئجار علی المعاصي والطاعات، أوبغیر عقد کالسرقة، والغصب، والخیانة، والغلول، ففي جمیع الأحوال المال الحاصل له حرام علیه. (بذل المجهود، هندي، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامیة ، بیروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث:۵۹، وهکذا في الشامي، زکریا ۹/۵۵۳، کراچي ۶/۳۸۵، تبیین الحقائق امدادیة ملتان ۶/۲۷، زکریا ۷/۶۰، البحرالرائق، زکریا ۹/۳۶۹، کوئٹه۸/۲۰۱، هندیة، زکریا قدیم ۵/۳۴۹، جدید ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۴/۲۴۶، حاشیة ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفیة دیوبند ۱/۳۳-۳۴)

(۳) سودی رقم یا اس سے خریدے ہوئے زیورات اس کے لئے حلال نہیں ہیں، رقم ہو یا زیورات کل کا کل اصل مالک کو واپس کرنا واجب ہے، مالک نہ ملے تو کل کا کل فقراء کو بلانیت ثواب دیدینا واجب ہے، جب کل دینے کا حکم ہے تو زکوۃ کا سوال ہی نہیں۔

وفي القهستاني: ولا زکوة في المغصوب، والمملوک شراء فاسداً، والمراد بالمغصوب مالم یخلطه بغیره لعدم الملک.

(شامي، کتاب الزکاة، مطلب الفرق بین السبب و الشرط و العلة، زکریا ۳/ ۱۷۵، کراچي ۲/ ۳٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۵۱)

شادی کی رسومات میں سودی رقم صرف کرنا

سوال [۹۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل بیاہ شادیوں میں بے حد فضول خرچی اور غیر شرعی رسم عورتیں کرتی ہیں، دولہا کی ایک آنکھ میں سرمہ لگا کر دوسری آنکھ میں سرمہ لگانے کے لئے کچھ نذرانہ مانگتی ہیں۔

(۲) دولہا کے سر پر سہرہ باندھتے وقت کچھ نذرانہ مانگتی ہیں، دولہا کی سالیاں جوتا چھپا کر نذرانہ مانگتی ہیں۔

(۳) ان تمام حالات کو سامنے رکھتے ہوئے بینک میں جو رقم جمع ہے، اس کا نفع ان عورتوں کو دیدیا جائے، تو کیا حرج ہے؟ اس طرح سے صاحب خانہ مالی پریشانی سے بچ جاتا ہے، اور اس کی اصل رقم بچ جاتی ہے۔

المستفتی: محمد شفیع، تاجر عطر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اول تو سرمہ لگانے والی عورتیں غیر محرم ہوتی ہیں، جن کی اس طرح بے تکلفی ہرگز جائز نہیں ہے۔

دوسری اس دھوکہ اور فریب سے نذرانہ کا مطالبہ بھی شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے، ایسی حرکتوں پر روک ڈالنا لازم ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۱۶/ ۳٦)

(۲) نہ دولہا کی سالیوں کے لئے دولہا کو سہرا باندھنا جائز ہے اور نہ جوتا چوری کر کے

نذرانہ حاصل کرنا جائز ہے۔ نیز دولہا کی سالیوں کے لئے سہرا باندھ کر نذرانہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۶/ ۲۵و ۶/ ۳۶)

(۳) اس میں نہ جیب خاص سے پیسہ دینا ضروری ہے اور نہ ہی بینک کی سودی رقم دینا جائز ہے؛ بلکہ سودی رقم کسی بھی عنوان سے حکومت کو واپس کر دینا چاہئے، مثلاً انکم ٹیکس، سیل ٹیکس وغیرہ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۱۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۳۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۲۶ھ

مسجد کی جمع شدہ رقم پر ملے سود کو مسجد کی تعمیر میں لگانا

سوال [۹۲۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی رقم بینک میں جمع تھی، آج اس رقم کا سود دو لاکھ روپئے ہو چکا ہے، آیا اس رقم کو مسجد کی تعمیر یا بیت الخلاء اور غسل خانہ وغیرہ میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر اس رقم کو کس مصرف میں خرچ کریں؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد ناصر الدین قاسمی غفرلہ، بجور بازار، بھاگل پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شرعاً مسجد میں ایسا حرام اور خبیث مال خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اس کو نکال کر فقراء کو مسجد کی کمیٹی کے مشورہ سے دیدینا چاہئے، بعض حضرات نے بیت الخلاء میں خرچ کرنے کی اجازت دی؛ لیکن ان کی دلیل ہماری سمجھ میں نہیں آئی، ان کی دلیل سے ہم کو اطمینان نہیں ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع

مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لايريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/ ٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍۳۲۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۷؍۱۴۱۳ھ

بینک میں جمع شدہ اوقاف کی رقم پر ملے سود کو مسجد کے تعاون میں لینا

سوال [۹۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اوقاف کا پیسہ جب بینک میں جمع رہتا ہے، اوراس پر سود ملتا ہے، اور رقم بڑھتی رہتی ہے، تو ایسی صورت میں اس قسم کے وقف سے مسجد وغیرہ میں تعاون لے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد بشار، مقرب پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن اوقاف کی رقم بینک میں جمع رہتی ہے اوراس پر سود ملتا ہے، تو اس کی اصل رقم سے مسجد یا مدرسہ کے لئے تعاون لینا جائز ہے اوراس کے سود سے جائز نہیں ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع

مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لايريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه.
(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۲۰۳)

سودخور کا مسجد کی تعمیر میں روپئے دینا

سوال [۹۲۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سودخور ہے، اور یہ اپنے سود کی رقم مسجد کی تعمیر میں دینا چاہتا ہے اور اسکے سودخور ہونے کا علم لوگوں کو بھی ہے، تو کیا اس کے سود کی رقم مسجد میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔ اور اگر سود کی رقم کے علاوہ دیتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ سود کی یہ رقم نہیں ہے، تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں سود کا پیسہ لگانا جائز نہیں ہے؛ البتہ جب وہ سود کے علاوہ دوسرے مال میں سے دے رہا ہے، تو اس کو مسجد کے لئے لینا اور مسجد میں لگانا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۱۲۱)

أما لو أنفق في ذلک مالاً خبيثًا سببه الخبيث و الطيب فيکره؛ لأن الله لا يقبل إلا الطيب، فيکره تلويث بيته بما لا يقبله. (شامي، کتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايکره فيها، قبيل مطلب أفضل المساجد، زکريا ۲/۴۳۱، کراچي ۱/۶۵۸)

آکل الربا و کاسب الحرام أهدي إليه أو أضافه و غالب ماله حرام لا يقبل......ما لم يخبره أن ذلک المال أصله حلال. (هندية، کتاب الکراهية، والاستحسان، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زکريا جديد ۵/۳۹۷، قديم ۵/۳۴۳، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ۴/۱۸۶-۱۸۷، مصری قديم ۲/۵۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شعبان ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۴۱۶۲)

سودی رقم مسجد کے گڑھے کی تعمیر میں لگانا

سوال [۹۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گڑھا جس میں مسجد اور مدرسہ کا پانی جمع ہوتا ہے، اس کی تعمیر میں سود کا روپیہ لگایا جاسکتا ہے؟ اور یہ سود مسجد کی رقم کا نہیں ہے۔

المستفتی: ثناء اللہ خادم مدرسہ سلطانیہ ضیاء العلوم سری نگر، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سود حرام ہے، اس کا روپیہ ایسے گڑھے کی تعمیر میں لگانا ناجائز ہے، جس میں مسجد ومدرسہ کا پانی جمع ہوتا ہے، بعض علماء نے اس کی گنجائش لکھی ہے، مگر ان کے دلائل ہمارے نزدیک کمزور ہیں، کسی عنوان سے سود کا پیسہ مالک کو واپس ہوجانا چاہئے، اگر واپسی کی کوئی شکل نہ ہو، تو بلانیت ثواب فقراء کو صدقہ کردے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۵/ ۱۴۲۰ھ

سودی رقم سے مسجد کے بیت الخلاء کی تعمیر

سوال [۹۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مسلم عوامی سوسائٹی قائم ہے، جہاں بغیر سود کے قرض کا لین دین ہوتا ہے، اس سوسائٹی نے سود کی رقم سے مساجد میں بیت الخلاء بنوانے کا پروگرام بنایا ہے اور بعض مساجد میں بیت الخلاء کی تعمیر کے لئے رقم مختص کر کے ذمہ دار کے حوالہ بھی کر دیا ہے، ایک مسجد ایسی ہے کہ جس میں بیت الخلاء کی تعمیر کے لئے فی الحال جگہ مختص نہیں ہے، اس مسجد کا ایک مکان ہے، جس میں امام صاحب رہتے ہیں، جس میں بیت الخلاء بنا ہوا تو ہے؛ لیکن پرانے طرز کا ہے فلیش نہیں ہے، امام صاحب بیوی بچوں والے ہیں، جس کی بنا پر کافی پریشانی ہوتی ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ

(۱) مسلم عوامی سوسائٹی کی سود کی رقم سے مسجد کے مکان میں جس میں امام

صاحب رہتے ہیں، کیا بیت الخلاء تعمیر کر سکتے ہیں اور شرعاً امام صاحب کے لئے اس کا استعمال کیسا رہے گا؟

(۲) مسجد میں جماعتیں بھی آتی ہیں، اگر یہ شکل کردی جائے اور اس طرح بیت الخلاء بنوادیا جائے کہ اس کو جماعت کے احباب بھی استعمال کریں، امام صاحب اور امام صاحب کے گھر والے بھی استعمال کریں، تو کیا ایسی شکل میں سود کی رقم سے مسجد کے مکان میں بیت الخلاء کے تعمیر کی اجازت ہو سکتی ہے؟

المستفتی: نعمت اللہ قاسمی، چوک گونڈہ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں کچھ متضاد باتیں نظر آتی ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ اس سوسائٹی میں سودی لین دین نہیں ہوتا ہے، پھر یہ سوال کیا جارہا ہے کہ سوسائٹی کی سودی رقم سے بیت الخلاء بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ جس سے الجھن پیدا ہوگئی۔

بہرحال مسلم عوام سے سود لے کر سوسائٹی کے لئے اس پیسے کو کسی بھی چیز میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، انہیں عام مسلمانوں کو جن سے سود لیا گیا ہے، واپس کرنا واجب ہے، مسجد کا بیت الخلاء بنانا قطعاً جائز نہیں ہے؛ ہاں البتہ اگر بینک کا سود ہوتا اور واپسی کی صورت نہ بنتی، تو بلا نیت ثواب فقراء کو دینے کی گنجائش ہوتی۔

إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دار البشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحر الرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية

ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديو بند ۱/ ۳۳-۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۸۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۷/۳ھ

سودی رقم سے مسجد کی بیت الخلاء یا قبرستان کی چہار دیواری تعمیر کرانے کا حکم

سوال [۹۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ مسجد ڈیڑ والی محلّہ اصالت پورہ میں ایک شکستہ اور تنگ تاریک بیت الخلاء ہے، امام اور مؤذن اور دور دراز سے آنے والی جماعتوں کو قضاء حاجت کے لئے بہت دشواری اور پریشانی ہوتی ہے، اکثر بار ایسا ہوا ہے کہ جماعت والے بیت الخلاء کے درست نہ ہونے کے سبب بغیر کام کئے واپس چلے گئے؛ اس لئے موجود بیت الخلاء کو توڑ کر نئی بیت الخلاء اور اس سے متصل پیشاب خانہ تعمیر کرنے کا ارادہ ہے، کیا اس کی تعمیر و مرمت میں بینک سے ملی ہوئی سودی رقم لگانے کی شرعاً کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

(۲) کیا سودی رقم قبرستان کی چہار دیواری کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں اور اس رقم سے دینی کتب خرید کر مدارس میں پڑھنے والے غریب طلبا کو دینا درست ہے یا نہیں؟ اور اصلاحی ودینی کتابچہ یا پمفلٹ شائع کرنے میں اس رقم کو صرف کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: حاجی عبد الرحمٰن وحاجی عبد الخالق، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سودی رقم سے مسجد کی بیت الخلاء اور پیشاب خانہ بنانا جائز نہیں ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع

مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳- ۳۴)

(۲) سودی رقم سے قبرستان کی چہار دیواری بنانا اور دینی کتابیں خرید کر دینا اور پمفلٹ اور لٹریچر اور دینی رسائل شائع کرنا بھی جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ مال حرام اور مال خبیث ہے دینی امور میں لگائے جانے کا جواز نہیں ہے؛ بلکہ انکم ٹیکس وغیرہ کے عنوان سے سرکاری بینک میں واپس کرنے کی صورت نہ بن سکے، تو اس کو نادار فقراء کو بلانیت ثواب دیدینا واجب ہوتا ہے۔

فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳- ۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۸ھ

سودی رقم سے مدرسہ کے مدرسین وملازمین کی تنخواہ دینا

سوال [۹۲۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس سود کا ملا ہوا اپنا پیسہ ہے، جو مجھے میرے بینک کھاتے کی وجہ سے سے مجھے بینک نے دیا ہے اور پھر مجھے معلوم ہے کہ یہ پیسہ میرے لئے از روئے شرع حرام مال ہے، مگر یہ پیسہ میں اپنی خوشی سے بغیر ثواب کی نیت کئے کسی مدرسہ کے دیانتدار مہتمم صاحب کوکسی اہم مدرسہ کے لئے دیدوں؟ اور وہ مہتمم مدرسہ کے اساتذہ کی تنخواہ اس پیسہ سے دیدے، تو مدرس کے لئے وہ تنخواہ جائز ہے یا نہیں؟ اس کی شرعی تدبیر اورشرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نذر حسین، عرف بابو، جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کا روپیہ مدرسین اور اساتذہ وملازمین کی تنخواہ میں دینا ہرگز جائز نہیں ہے چاہے مہتمم کے توسط سے ہو یا کسی اور طریقہ سے بہرصورت ناجائز ہے، ہاں البتہ آپ انکم ٹیکس، سیل ٹیکس، جو جبری ٹیکس ہیں ان میں دے سکتے ہیں؛ اس لئے کہ حرام مال کا حکم یہ ہے کہ کسی بھی عنوان سے اصل مالک کو واپس کردینا واجب ہے اور اگر یہ نہ ہوسکے، تو صرف فقیر نادار کو دے سکتے ہیں۔ نیز غریب طلبہ کو بھی دے سکتے ہیں۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق

امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، کوئٹہ٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديو بند ١/ ٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۷/ ۱۴۱۳ھ

سودی رقم کو مسجد و مدرسہ یا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا

سوال [۹۲۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲۱/ ستمبر کو ایک عالم صاحب ہمارے یہاں تشریف لائے تھے، انہوں نے اثنائے تقریر مجمع عام کے سامنے بیان فرمایا کہ بینک میں رکھی ہوئی رقم کا جو سود ملتا ہے، وہ مسجد و مدرسہ میں اپنے اور اپنے اہل وعیال کے خرچہ میں لایا جاسکتا ہے اور یہ بالکل جائز ہے اور یہی حکم فکس کا ہے اور یہی حکم جیون بیمہ کا ہے، زمین رہن رکھنا بھی جائز ہے بشرطیکہ ان تمام معاملات کا تعلق ہندو بینک یا ہندوؤں سے ہوں۔

المستفتی: امام مسجد ملپورہ، فیض الحسن، پوسٹ ٹھا کردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بینک اور فکس ڈپازٹ اور جیون بیمہ سے ملنے والی سودی رقم حرام اور مال خبیث ہے اور حرام مال کو مسجد و مدرسہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے چاہے یہ سارے معاملات مسلمانوں سے ہوں یا ہندو بینک یا ہندوؤں سے ہر حال میں جائز نہیں ہے اور جن لوگوں کے نزدیک دارالحرب میں حربی سے سود لینے کی جو اجازت ہے وہ بھی ایسے مسلمان کے لئے ہے جو پاسپورٹ لے کر دوسرے ممالک سے عارضی طور پر آیا ہوا ہو۔

ولا بين حربي ومسلم مستأمن. (در مختار، كتاب البيوع، باب الربا، زكريا۷/ ۴۲۲، كراچي ۵/ ۱۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۶/۷ھ

سودی رقم مدرسہ کی تعمیر یا مدرسین کی تنخواہوں میں دینا

سوال [۹۲۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر رقم جمع کردی گئی تھی اور ڈبل رقم ملی، تو آیا اس سودی رقم کو مدرسہ کی تعمیر یا بیت الخلاء یا طلباء وغیرہ پر خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، تو کفایت المفتی ۷/ ۶۳، جواب ۵۴/ ۸/ ۶۲، جواب ۶۱۸/۵۲، جواب ۴۸ کا کیا مطلب ہوگا؟ مفصل اور مدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد ناصر الدین قاسمی، بھاگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سودی رقم کو مدرسہ کی تعمیر یا بیت الخلاء یا مدرسین کی تنخواہوں میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ حرام اور خبیث مال ہے، اس کا حکم یہی ہے کہ اگر مالک تک کسی بھی عنوان سے رسائی ممکن ہو، تو مالک ہی کو واپس کر دینا واجب ہے، اگر یہ ممکن نہ ہو، تو غریب ونادار کو بلانیت ثواب دینا لازم ہے اور مدرسہ کے غریب طلبا کو بھی دیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

أما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم

الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديو بند ١/٣٣-٣٤)

کفایت المفتی کے جوابات میں خود تعارض ہے۔ نیز انہوں نے جو مدرسین کی تنخواہ میں صرف کرنے کا جواز تحریر فرمایا ہے، اس کی کوئی شرعی دلیل کتب فقہ میں موجود نہیں ہے؛ اس لئے اس کو حضرت مفتی کفایت اللہؒ کا تفرد ہی کہا جا سکتا ہے، جو دوسروں کے لئے اور ہمارے لئے قابل استدلال نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۲۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۱۳ھ

سودی رقم مسجد کی نالی یا مدرسہ میں صرف کرنا

سوال [۹۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد کا ۳۲ ہزار روپیہ بینک میں جمع تھا۔ اب اسمیں تقریباً ساڑھے پانچ ہزار روپیہ سود ملا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ سود کا روپیہ کہاں خرچ کریں؟ مسجد کی نالی بیت الخلاء یا مدرسہ میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حسین چوگی پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بینک سے حاصل شدہ رقم مال حرام ہے اور مال حرام کو مسجد کے کسی بھی ملحقات میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، مسجد کی نالی مسجد کے ملحقات میں سے ہے، اس میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ مدرسہ کے نادار طلبہ کو بلانیت ثواب دے سکتے ہیں یا فقراء کو تقسیم کردیں۔

أما إذا كان عند رجل مال خبيث (إلى قوله) فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/ ٣٣-٣٤)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كراچي ٦/ ٣٨٥، زكريا ٩/ ٥٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵؍ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍ ۳۳۷۷)	۲۵؍ ۳؍ ۱۴۱۴ھ

سودی رقم سے ذاتی یا مدارس اسلامیہ کے بیت الخلاء تعمیر کرنا

سوال [۹۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سودی رقم سے مدارس اسلامیہ کے بیت الخلاء بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) نیز سود کی رقم سے اپنے ذاتی بیت الخلاء بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: علی شیر، موضع جاجوپارہ، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱/۲) سود کی رقم سے نہ مدارس کے بیت الخلاء بنائے جا سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے گھر کے بیت الخلاء بنانے کی اجازت ہے؛ بلکہ اس کا مصرف صرف فقراء اور مساکین ہیں؛ لہٰذا ان پر بلا نیت ثواب صدقہ کردینا واجب ولازم ہے۔

أما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد،

أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه-إلى قوله-فلزم عليه، أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لايريد بذلك الأجر والثواب. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/ ٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨/ جمادی الاول ١٤١٤ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٩/ ٣٤٦٦)

سودی رقم مدرسہ کی بیت الخلاء میں لگانا

سوال [٩٢٣٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سود کی رقم سے مسجد یا مدرسہ کے بیت الخلاء یا پیشاب گھر یا غسل خانہ وغیرہ بنائے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ یا کسی غریب کی ہی مدد کی جاوے؟ جواب مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: محمد یوسف احمد گڑھ (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سود کی رقم مسجد یا مدرسہ یا گھر کے بیت الخلاء، غسل خانہ میں خرچ کرنے کی گنجائش بعض علماء نے لکھی ہے، مگر ان کے دلائل ہمارے نزدیک مخدوش ہیں؛ لہٰذا نادار فقراء ہی کو بلانیت ثواب دیدینا لازم ہوگا۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته

عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديو بند ۱/۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۹۶۴)

سودی رقم غریب کو یا دینی مدارس میں دینا

سوال [۹۲۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا بینک کے سود کا روپیہ غریب جو صاحب زکوۃ نہ ہو، بغیر ثواب کی نیت کے اشیاء کی صورت میں دے سکتے ہیں؟

(۲) کسی دینی مدارس کے مہتمم یا ناظم صاحب کو یہ بتا کر اشیاء دی جا سکتی ہیں کہ غریب طلبا پر یا اس مد کے مدرسہ کی کسی ضرورت میں صرف کر لینا، یہ بھی بغیر ثواب کی نیت سے تو کیا یہ جائز ہے؟

المستفتی: محمد عابد خاں، بانس بلی اسٹور، چاہ شیریں، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) سود کا پیسہ فقراء کو دینا ہو، تو بلا نیت ثواب فقراء کو دے سکتے ہیں؛ لیکن فقراء کو پیسہ ہی دے سکتے ہیں، اشیاء خرید کر نہ دے؛ کیونکہ سامان خرید کر دینے میں ایک حرام چیز کے ذریعہ خریدنے کا تصرف آجاتا ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد،

أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤)

(۲) سود کا پیسہ حرام ہوتا ہے، اس میں روحانیت نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے سود کا پیسہ مدرسہ کے ناظم کو طلبہ کے کھانے کے لئے نہیں دینا چاہئے۔ نیز سود کا پیسہ حرام ہوتا ہے، مدرسہ میں حلال رقم خرچ کرنی چاہئے، نہ کہ حرام اس لئے مدرسہ میں سود کا پیسہ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱؍شعبان ۱۴۲۴ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍۸۱۴۴)

حرام مال مسجد یا مدرسہ میں لگانا

سوال [۹۲۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید ایک بہت بڑا کلب چلاتا ہے، اس کلب میں مختلف قسم کے جوے چلتے ہیں، اس سے اس کو اچھی خاصی آمدنی ہوتی ہے، ہم لوگوں نے اس کو بہت سمجھایا اور آخرت کا احساس دلایا کہ تو اس کام کو بند کردے، مگر زید کا کہنا یہ ہے کہ میں اس کام میں اتنا آگے بڑھ چکا ہوں کہ اس کو بند کرنا میرے لئے بہت دشوار ہے اور میری جان کو یقینی خطرہ ہے، یعنی کلب میں آنے والے لوگ اپنے راز کے فاش ہونے کے ڈر سے مجھے ہی ختم کر ڈالیں گے۔

زید کا کہنا ہے کہ اگر میری آمدنی میں سے مدرسہ وغیرہ کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے، تو میں بڑی رقم لگا سکتا ہوں یا پھر وہ غریب جن کے پاس رہنے کو گھر نہیں ہے، میں ان لوگوں کو گھر مکان کے لئے خرچ کرنے کو تیار ہوں یا پھر وہ لوگ جو اپنی غربت کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کر پاتے ہیں، میں ان کے لئے بھی دینے کو تیار ہوں۔

اب مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ ان تینوں کاموں میں سے کسی پر زید کی رقم کو لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: نسیم احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مال حرام اور ناجائز طریقہ سے کمایا گیا ہے، اس کو مسجد اور مدرسہ میں لگانا قطعاً ناجائز ہے؛ بلکہ اس مال کو اصل مالک تک واپس کرنا ضروری ہے، اگر اصل مالک نہ مل سکے، تو اس کی جانب سے محتاجوں اور غریبوں میں صدقہ کردینا لازم ہے؛ لہٰذا اس شخص کو مسجد و مدارس میں اپنا ناپاک اور خبیث مال دینا جائز نہیں اور نہ ہی مسجد ومدارس میں اس مال کا لینا درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ۴۴۶/۱۸، ایضاح المسائل ۱۴۳)

أما لو أنفق في ذلک مالاً خبيثًا سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (در مختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، و مايكره فيها، زكريا ۲/ ۴۳۱، كراچي ۱/ ۶۵۸)

إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه، أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ٣٧/١، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ٣٥٩/١، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٥٥٣/٩، كراچي ٣٨٥/٦، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٢٧/٦، زكريا ٦٠/٧، البحرالرائق، زكريا ٣٦٩/٩، كوئٹه ٢٠١/٨، هندية، زكريا قديم ٣٤٩/٥، جديد ٤٠٤/٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤٦/٣٤، حاشية ترمذي ٣/١، معارف السنن، اشرفية ديوبند ٣٣/١-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۶۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۲ھ

سودی رقم اسکول، کالج، یا رفاہ عام میں لگانا

سوال [۹۲۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں براس کا کاروبار کرتا ہوں، ۳۵ر سال سے برابر انکم ٹیکس دیتا ہوں، کبھی کبھی انکم ٹیکس والوں کی طرف سے یا اگر بندوق کا لائسنس بنوانا ہے، یا کسی جائیداد کی رجسٹری کرانی ہے، تو ان کی مقرر کردہ رقم کی ایف ڈی وکاس پتر، اندرا وکاس پتر خرید کران کو دکھانے پڑتے ہیں، انکم ٹیکس کی شرح اس طرح رکھی گئی ہے کہ پبلک میں دولت کا توازن برابر رہے، زیادہ انکم والوں کی شرح بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ آمدنی کا ۷۰ر فیصدی انکم ٹیکس بن جاتا ہے، گورنمنٹ نے زیادہ انکم والوں کو کچھ رعایتیں بھی دی ہیں، اگر زیادہ انکم والا اپنا اور اپنے خاندان کے ممبروں کا بیمہ کرالیتا ہے، تو بیمہ کی قسطوں کا روپیہ اس کی انکم میں سے کم کردیا جائے گا، جس سے اس کو انکم ٹیکس بہت کم دینا پڑے گا، یہی وجہ ہے کہ زیادہ انکم والے تمام ہی لوگ اپنا اور اپنے خاندان والوں کا بیمہ کراتے ہیں، میرے خاندان میں بھی

سبھی کے بیمے تھے، جس سے میں اب قطعی پرہیز کر رہا ہوں، مجھے جب بھی بیمہ یا ایف ڈی کی رقمیں ملیں، ان میں جتنا بھی زائد روپیہ ملتا تھا، میں اس کو ضرورت مندوں کو یا کالج کو دے دیا کرتا ہوں، اس نیت کے ساتھ کہ اس کا ثواب نہیں ملے گا، میں نے اپنے بیوی بچوں پر ایسا روپیہ کبھی خرچ نہیں کیا، ہندوستان میں مسلمانوں کو تعلیمی اور تجارتی میدان میں اپنے اہل وطن بھائیوں کے ساتھ ساتھ چلنا ہوگا، جیسا کہ ہمارے رہبر کہتے ہیں، مسلمانوں کے تعلیمی ادارے بہت کم ہیں مراد آباد میں اہل وطن بھائیوں کے پانچ ڈگری کالج ہیں اور مسلمانوں کا صرف ایک، انٹر کالج تیس ہیں اور مسلمانوں کے صرف چھ، ایسی حالت میں ان مسلم اداروں کو لائف انشورنش سے ملنے والی زیادہ رقم (جتنی جمع کی تھی اس سے زائد) دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جہاں غریب بچوں کو مفت تعلیم گورنمنٹ نصاب سے دی جاتی ہے اور ان اداروں کی ڈگریاں اور سرٹیفکٹ گورنمنٹ مانتی ہے۔

المستفتی: جمیل احمد، پیرزادہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لائف انشورنس میں جمع کی ہوئی رقم سے زائد جو رقم بطور سود کے ملتی ہے، اس کو کسی بھی اسکول، کالج یا رفاہ عام کے اداروں میں صرف کرنا جائز نہیں؛ بلکہ اگر سرکاری ٹیکس وغیرہ ہے، اور انشورنس کمپنی کا تعلق سرکار سے ہے، تو اس سودی رقم کو ٹیکس میں دینے کی گنجائش ہے، ورنہ نادار فقیروں کو بلانیت ثواب دے دینا واجب ہے۔

كذا في البذل: وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء.

(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰،

البحر الرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، زكريا جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۵۹۴۸)

سودی رقم سے مساجد، مدارس، دینی اجتماعات کی اعانت

سوال [۹۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ٹانڈہ بادلی ضلع رامپور میں تقریباً سترہ میل ہیں اور اس میں کھلے طور پر سودی روپیہ سے کاروبار ہوتا ہے، تو اس صورت میں مساجد و مدارس اور تبلیغی اجتماع کی مکمل یا نصف یا چوتھائی کفالت از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ میلوں کے تعاون سے لے کر دوسرا تعاون ان لوگوں کا موجود ہے، جو سودی کاروبار نہیں کرتے، اس صورت میں شریعت کی روشنی میں وجہ ترجیح کس کو حاصل ہے؟

المستفتی: محمد قمر ٹانڈہ، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کل یا اکثر رقم سود یا حرام کی ہو، تو اس کا مدارس مساجد اور دینی اجتماعات وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفا: فتاوی محمودیہ ۵/۸۸، جدید ڈابھیل ۱۵/۸۸، امداد الفتاوی ۳/۱۶۶، فتاوی رحیمیہ ۲/۱۹۷-۹/۲۸۰)

لہٰذا ان لوگوں کی رقم کو ترجیح ہوگی، جو سودی کاروبار نہیں کرتے؛ البتہ اگر میلوں میں اکثر رقم حلال ہے، تو اس کی رقم بھی جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۱۶۶)

أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثًا وما لا سببه الخبيث والطيب

فيكره؛ لأن الله لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، قبيل مطلب في أفضل المساجد، زكريا ٢/ ٤٣١، كراچي ١/ ٦٥٨)

آكل الربا و كاسب الحرام أهدي إليه، أو أضافه، وغالب ماله حرام لايقبل، ولا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال......وإن كان غالب ماله حلالا لابأس بقبول هديته والأكل منها. (هندية، كتاب الكراهية، والإستحسان، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا جديد ٥/ ٣٩٧، قديم ٥/ ٣٤٣، البناية، اشرفية ١٢/ ١٠٩، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/ ٧٣، رقم: ٩٦١٧، الفتاوى تاتارخانية، زكريا ١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍ ۶۲۴)

سودی رقم سے خرید شدہ جنریٹر کی آمدنی مدرسہ یا رفاہ عام میں لگانا

سوال [۹۲۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے سود کی رقم سے جنریٹر خرید کر، اس کی (جنریٹر) کی آمدنی مدرسہ یا مکتب میں لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد کی سودی رقم سے خریدا ہوا جنریٹر رفاہ عام کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (شادی یا اجتماعی کام میں)

المستفتی: مولانا خورشید انور، استاذ مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱/۲) سود اور رشوت کا پیسہ تبدل ملک اور تبدل صفت کے بعد بھی بحالہ حرام اور خبیث رہتا ہے؛ اس لئے اس رقم سے نہ جنریٹر خریدنا جائز ہے

اورنہ ہی جنریٹر خرید کراس کی آمدنی مسجد یا مدرسہ کے کسی مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے اورنہ ہی مسجد کی سودی رقم سے خریدے ہوئے جنریٹر کو رفاہ عام میں استعمال کرنا جائز ہے؛ بلکہ نادار فقراء کو بلانیت ثواب دیدینا واجب ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۲۴،۴/۴۴۵)

الحرام ينتقل أي تنتقل حرمته وإن تداولته الأيدي وتبدلت الأملاك. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعيين الدراهم في القصد الفاسد، كراچي ٥/٩٨، زكريا ٧/ ٣٠٠)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۸/ربیع الثانیہ ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۴۳۶)	۱۴۱۶/۴/۲۸ھ

سودی رقم سے مدرسہ کا فرش یا مسجد کا غسل خانہ وغیرہ تعمیر کرنا

سوال [۹۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک کے سود سے مدرسہ کی ٹاٹ پٹی (فرش) یا مسجد مدرسہ کے غسل خانہ، پائیخانے تعمیر کرنا بلاتملیک جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: حافظ علاء الدین، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی رقم سے مدرسہ کی ٹاٹ پٹی وغیرہ خریدنا اور غسل خانہ بیت الخلاء وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے؛ بلکہ مسجد و مدرسہ کی عمارت میں حلال پیسہ لگانا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۴/۴۰۴، جدید ڈابھیل ۱۵/۶۰۸)

أما لو أنفق في ذلک مالاً خبیثًا وما لاسببه الخبیث والطیب فیکره؛ لأن اللّٰه لا یقبل إلا الطیب. (شامي، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة، ومایکره فیها، زکریا ۲/۴۳۱، کراچي ۱/۶۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۵۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۴ھ

سودی رقم سے مدرسے کا بجلی یا فون بل ادا کرنا

سوال [۹۳۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کی رقم زکوۃ، فطرہ والی بینک میں جمع ہے، اس رقم پر بینک سود دیتا ہے، اس سود کی رقم کو ذمہ دار مدرسہ ان طلبہ پر جو غریب ونادار ہیں، بیماری اور دیگر ضرورتوں میں خرچ کرتے ہیں، اس کے باوجود سود کی کچھ رقم رہ جاتی ہے، تو کیا اس رقم کو مدرسہ کی بجلی بل اور ٹیلی فون بل پر خرچ کیا جاسکتا ہے؟

اس سود کی رقم سے مدرسہ کے سامان لانے اور دیگر امور کی ضرورت کے تحت سائیکل خریدی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد قاسمی، سکرہٹہ کلاں، ضلع: بھوج پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم غریب نادار

طلبہ کو بلانیت ثواب دی جاسکتی ہے؛ لیکن بجلی اور ٹیلی فون کا بل ادا کرنا یا دیگر سامان، سائیکل وغیرہ مدرسہ کے لئے خریدنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه.

(شامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥)

فيلزم عليه أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لايريد بذلك الأجر والثواب. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحر الرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
١٢/ربیع الاول ١٤١٧ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٢/٤٧٢٣)	١٤١٧/٣/١٢ھ

بینک کے سود سے طلباء کی مدد کرنا

سوال [٩٢٤٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک کے سود سے طلبہ دین کے کھانے پکانے کو لکڑی خریدی جاسکتی ہے؟

المستفتی: سید نورا لعابدین، نول گڈھ، جھنجھنوں (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بینک کے سود کے بارے میں حکم یہ ہے کہ کسی بھی عنوان سے حکومت کے خزانہ میں واپس کردیا جائے؛ لہٰذا انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس کے عنوان سے

حکومت کے خزانہ میں واپس کرنا جائز ہے، اگر ایسا کوئی ٹیکس نہیں ہے، تو بغیر نیت ثواب فقراء میں تقسیم کر دینا واجب ہوتا ہے اور سود کے پیسے کو طلبہ کے کھانے میں ہرگز خرچ نہ کیا جائے؛ اس لئے کہ اس سے طلبہ کی دینی روح ختم ہو جائے گی۔

نیز طلبہ میں ایسے طلبہ بہت ہوتے ہیں، جن کے لئے سودی رقم لینا ہرگز جائز نہیں۔ نیز اس لئے سب طلبہ کے مصرف میں خرچ کرنا درست نہیں ہے کہ طلبہ کے مصارف سب کے سب مصارف جبر ہیں، جس سے ثواب کی نیت کی جاتی ہے۔ اور سودی رقم سے ثواب کی نیت کرنا ناجائز وحرام ہے؛ اس لئے ایسی رقم کو طلبہ کے مصرف میں ہرگز نہ خرچ کیا جائے؛ بلکہ نہایت غریب نادار متعین فقیر کو بغیر نیت ثواب دیدیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سود کا مال اپنی جگہ حرام ہی رہتا ہے۔ اور ایسا غریب آدمی جو کئی وقت کا بھوکا ہے، اس کے لئے وقتی ضرورت پوری کرنے کے لئے ایسا حرام مال وقتی طور پر جائز ہوتا ہے، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ سود کا مال حلال ہو جاتا ہے، کسی بھی غریب کو دے سکتے ہیں؛ بلکہ یہ حرام ہی رہتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳۰ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۰۶)	۱۴۲۰/۱/۳۰ھ

سودی رقم تملیک کے بعد طلبہ پر خرچ کرنا

سوال [۹۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) بعض مدارس میں بینک کی حاصل شدہ سود کی رقم بیت الخلاء میں بعد تملیک استعمال کی جاتی ہے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جس ٹائم مدارس کا فنڈ ختم ہو جائے بعض مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ بینک کی

حاصل شدہ رقم سود کو بعد تملیک طلبہ بیرونی پر خرچ کرنے کی اجازت ہے، کیا وہ مفتی صاحب صحیح فرماتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبدالواجد، خادم مدرسہ اسلامیہ فیض العلوم، شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بینک سے حاصل شدہ سودی رقم ناپاک اور حرام ہے، مدارس میں تملیک کرنے سے پاکی اور حلت نہیں آتی ہے؛ اس لئے حیلہ تملیک کے بعد بھی اس کو مدارس کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲۴/۳۷)

الحرام ينتقل أي تنتقل حرمته وإن تداولته الأيدي وتبدلت الأملاك. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعيين الدراهم في القصد الفاسد، كراچي ۵/۹۸، زكريا ۷/۳۰۰)

(۲) اس میں حیلہ تملیک کا کوئی اثر نہیں پڑتا؛ البتہ جو طلبہ بہت غریب نادار ہیں، ان کو دیدینا جائز ہے۔

و يجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه، أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۴۲۶۹/۳۲)

سودی رقم نادار طلباء پر صرف کرنا

سوال [۹۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کی رقم بینک میں جمع ہے، اس رقم پر بینک نے انٹرسٹ دیا۔ اب وہ رقم کن کن امور پر خرچ ہوسکتی ہے؟

المستفتی: بشیر احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کی سودی رقم فقیر نادار کو بلانیت ثواب دیدینا چاہئے، اگر طلباء میں کوئی ایسا نادار ہو، تو اس کو بھی دے سکتے ہیں۔

و یجب علیه، أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء.

(بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳- ۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۲۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۲/۳ھ

سودی رقم بعد تملیک بیرونی طلباء پر صرف کرنا

سوال [۹۲۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس ٹائم مدرسہ کا فنڈ ختم ہوجائے، بعض مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ بینک کی

حاصل شدہ سود کو بعد تملیک طلبہ بیرونی پر خرچ کرنے کی اجازت ہے، کیا وہ مفتی صاحب صحیح فرماتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبدالواحد بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس میں حیلہ تملیک کا کوئی اثر نہیں پڑتا؛ البتہ طلبہ بہت غریب نادار ہیں، ان کو دیدینا جائز ہے۔

ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه، أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء.

(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۲۵۷)

سودی رقم مانگ کر کمرہ بنانا

سوال [۹۲۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب کے دو لڑکے ہیں اور دونوں شادی شدہ ہیں، ایک لڑکے کے تین بچے ہیں۔ دوسرے لڑکے کے ایک بچہ ہے، دونوں والد اور والدہ بھی ان کے ساتھ رہتے ہیں، والد کو کچھ کاروبار بھی نہیں، والد کے لڑکے دونوں مزدوری کرتے ہیں،

ایک مکان ہے بڑا کمرہ ہے اور تھوڑی جگہ ہے کمرہ کے علاوہ اور باپ کے پاس کوئی جائیداد یا اور کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں صرف لڑکوں کی مزدوری پر ہی گھر کا خرچہ پورا ہوتا ہے، اور نہ لڑکوں کی اتنی آمدنی ہے، جو بچ سکے۔ ایک کمرہ ہونے کی وجہ سے دونوں لڑکوں کی بیوی میں تنازع رہتا ہے، کبھی کبھی دونوں کی بول چال میں تیزی بڑھ جاتی ہے، ایسی حالت میں لڑکوں کا باپ کیا کرے؟

وہ کسی رشتہ دار یا کسی مالدار سے جو کہ بینک کا انٹرسٹ یا بینک میں جو روپیہ مالدار کا بڑھتا ہے، وہ روپیہ لے کر کسی مالدار سے یا رشتہ دار سے وہ غریب اپنا کمرہ بنوا سکتا ہے؟ اس کے لئے وہ روپیہ لینا جائز ہے؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسروں سے سود کا پیسہ مانگ کر اپنے گھر کا کمرہ بنانا جائز نہیں ہے، سود قطعی حرام چیز ہے، دو بہوؤں کی لڑائی سے بچنے کے لئے کمرہ بنانے کی ضرورت ہے اور کوئی مالدار اس سلسلہ میں تعاون کرنا چاہ رہا ہے، تو وہ اپنی جیب خاص سے تعاون کرے یا آپ اس سے قرضہ لے لیں اور آہستہ آہستہ اس کا قرضہ ادا کردیں، مگر سود کا پیسہ لینا قطعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۲۶۸/۹، ۲۷۹/۹)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرة:۲۷۵]

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آکل الربوا، ومؤکله، وکاتبه، وشاهدیه، وقال: وهم سواء. (صحیح مسلم، باب لعن آکل الربا، ومؤکله، النسخة الهندیة، ۲/ ۲۷، بیت الأفکار رقم:۱۵۹۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۷۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۶/ ۱۴۲۳ھ

سود کی رقم ذاتی کاموں میں لانا

سوال [۹۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کئی لوگ کسی بھی سرکاری بینک میں پچاس ہزار یا دس ہزار روپیہ پانچ یا چھ سال کے لئے ڈالتے ہیں، اس رقم کو بینک واپس دیتا ہے، تو دوگنا دیتا ہے، تو کیا وہ رقم اپنے گھر کے کام میں لے سکتا ہے یا اپنے بھائی یا رشتہ دار یا اپنی بہن یا بیٹی کو بھات یا بطور مدد کے دے سکتا ہے؟ اگر خود اپنی حالت کمزور ہو یا ہمارے لڑکے نے بینک سے ادھار لیا ہو، جس کا بیاج کسی موٹر یا کارخانہ کے چلانے پر قرض لے لیا ہو، تو ایسی صورت میں چڑھا ہوا بیاج چکانا ہو، تو کیا ایسے لڑکے یا بھائی کا بیاج بیاج کے بدلے چکا سکتے ہیں؟ ایک مولوی صاحب نے کہا تھا کہ فکس ڈپوزٹ کا پیسہ ملتا ہے، تو اپنے کام میں لے سکتے ہیں کمزوری میں مولوی صاحب نے یہ بھی کہا کہ یہاں کوئی مسلم حکومت نہیں ہے، نہ ہی کوئی مسلم بینک ہے، ایسی صورت میں ہماری حکومت میں سودی لین دین ہوتا ہے۔ قرض لیتے ہیں تو بھی بینک ہو یا مہاجن سب ہی ہمارے پاس سود لیتے ہیں، اگر ہماری رقم بینک میں فکس ڈپوزٹ ہے اور ہم کو بیاج ملتا ہے، تو ہم لے کر اپنے کام میں یا کسی کی مدد یا بیاج کے بدلے بیاج میں دیدیں یا بہن، بیٹی کی مدد کریں تو کیسا ہے؟

المستفتی: حاجی ماسٹر علی محمد (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے ملی ہوئی زائد رقم سود ہے، جو شرعاً حرام آمدنی ہے، کسی بھی ذاتی کام میں اسکا استعمال کرنا شرعاً ناجائز ہے، بلانیت ثواب؛ بلکہ بہ نیت رفع وبال غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں کو دے دینا چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۸/۲۶-۵۹-۵۶، جدید مطول ۱۱/۲۰۶-۲۰۹-۲۱۰، ایضاح النوادر ا/۹۹)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴)

(۲) فکس ڈپوزٹ میں رکھنے کا مطلب ہی سود حاصل کرنا ہوتا ہے، سیونگ بینک میں روپیہ رکھنے سے حفاظت کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے؛ اس لئے فکس ڈپوزٹ میں جمع کرنا ناجائز ہے، بھائی، بہن یا دیگر رشتہ دار اگر واقعی غریب ومسکین اور حاجت مند ہوں، تو ان کو بھی یہ رقم دی جاسکتی ہے؛ لیکن بیٹی کو دینا جائز نہیں ہے۔

ولا إلى من بينهما ولاد ولو مملوكا لفقير. (الدر المختار، كراچي ۲/۳۴۶، زكريا ۳/۲۹۴، ايضاح المسائل ۱۱۰)

اور رہا مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ یہاں کوئی مسلم حکومت نہیں، اور نہ ہی مسلم بینک ہے؛ اس لئے یہاں کی حکومت میں سودی لین دین جائز ہے، درست نہیں۔ اور سود کے بدلے چڑھے ہوئے سود اور بیاج کو ادا کرنا جائز ہے؛ کیونکہ ایسی صورت میں سود کا روپیہ اصل مالک یعنی بینک کو پہونچ جاتا ہے اور یہی واجب بھی ہے سودی رقم کو اس کے اصل مالک تک کسی بھی طرح پہونچادیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۶/۱۳۶، جدید زکریا ۹/۲۶۲)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي (إلى قوله) ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن أخذه من غير عقد لم يملكه،

فیجب علیه أن یرده علی مالکه، إن وجد المالک. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامیة بیروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، البحرالرائق، زکریا ۹/۳۶۹، کوئٹه ۸/۲۰۱، تبیین الحقائق، امدادیة ملتان ۶/۲۷، زکریا ۷/۶۰، شامي، زکریا ۹/۵۵۳، کراچي ۶/۳۸۵، هندیة، زکریا قدیم ۵/۹۴۹، جدید ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۴/۲۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۳۳۱)

سودی رقم سے مزدوری ادا کرنا اور مزدور کا وصول کرنا

سوال [۹۲۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مزدوری کرتا ہے اور زید کو یہ معلوم ہے کہ اس کو جو مزدوری ادا کی جائے گی، وہ سود کے مال سے ادا کی جائے گی، تو کیا زید کے لئے سود کے مال سے مزدوری وصول کرنا درست ہے اور یہ واضح رہے کہ زید کے لئے کہیں اور کام نہیں ہے جس سے وہ اپنا پیٹ پال سکے؟

المستفتی: محمد عمران

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں یہ کوئی صراحت نہیں ہے کہ مسلمان کے یہاں مزدوری کر رہا ہے یا غیر مسلم کے یہاں؛ اس لئے دونوں کا حکم لکھا جا رہا ہے، اگر غیر مسلم کے یہاں مزدوری کی جا رہی ہے، تو غیر مسلم کی طرف سے مزدوری کا پیسہ ہر حال میں وصول کرنا جائز اور حلال ہے، چاہے اس کے سودی کاروبار کا پیسہ ہو یا خنزیر بیچ کر دیا ہو، یا شراب بیچ کر دے رہا ہو ہر طرح سے جائز ہے؛ اس لئے کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کے بارے میں مکلّف نہیں بنایا گیا ہے کہ غیر مسلم اسلامی شریعت کے مطابق حلال کما رہا ہے

یا حرام؛ بلکہ ہم کو یہ حکم ہے کہ ان کو ان کے مذہب پر چھوڑ دیا جائے اور ان کے پیسوں کے بارے میں ہم کھود کرید نہیں کریں گے اور جو مسلمان کا حق ہے، وہ بہرحال غیر مسلم سے وصول کرے گا اور وصول شدہ پیسہ مسلمان کے لئے حلال ہے۔

عن سويد بن غفلة أن بلالا قال لعمر بن الخطاب: إن عمالك يأخذون الخمر، والخنازير في الخراج، فقال: لا تأخذوها منهم؛ ولكن ولوهم ببيعها وخذوا أنتم من الثمن، وقال أبو عبيد: ثم يقول المسلون ببيعها، فهذا الذي أنكره بلال، ونهى عنه عمر، ثم رخص لهم أن يأخذوا ذلك من أثمانها، إذا كان أهل الذمة المتولين لبيعها؛ لأن الخمر، والخنزير مال من أموال أهل الذمة ولاتكون مالا للمسلمين، فهذا عمر قد أجاز لأهل الذمة بيع الخمر، والخنازير، وأجاز للمسلمين أخذ أثمانها في الجزية، والخراج، وذلك بمحضر من الصحابة، ولم ينكر عليه منكر. (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/ ١٣٤، كراچي ١٤/ ١١٢)

(وجاز أخذ دين على كافر من ثمن خمر لصحة بيعه) أي بيع الكافر الخمر؛ لأنها مال متقوم في حقه فملك الثمن فيحل الأخذ منه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥)

اور اگر مسلمان کے یہاں مزدوری کی جارہی ہے، تو یہ کیسے معلوم ہے کہ سود کے پیسے سے مزدوری ادا کرے گا، مسلمان کے بارے میں بدگمانی جائز نہیں ہے۔ بہرحال پھر بھی اگر معاملہ مشکوک ہے، تو شرعی حکم یہ ہے کہ اگر اس کے پاس ساری کمائی سود کی ہے اور اسی کے پیسے سے مزدوری دے گا، تو ایسے شخص کے یہاں مزدوری کرنا جائز نہیں ہے اور سود کے پیسے سے مزدوری وصول کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ اور اگر حلال وحرام دونوں طرح کی آمدنی ہے اور حلال غالب ہے، تو یہ سمجھنا چاہئے کہ ہماری حلال مزدوری کی اجرت حلال ہی پیسہ سے

ادا کرے گا اور وہ پیسہ آپ کے لئے حلال ہے اور اگر حرام غالب ہے، تو اس کے یہاں مزدوری نہیں کرنی چاہئے۔

وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لايتعدى إلى ذمتين أما من رأي المكاس يأخذ من أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذه من ذلک آخر فهو حرام. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵)

غالب مال المهدي إن حلالا لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ۴/۱۸۶، مصري قديم۲/۵۲۹، الموسوعة الفقهية الكويتية۴۵/۲۴۴، هندية، زكريا قديم۵/۳۴۳، جديد۵/۳۹۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۸/۷۳، رقم:۹۶۱۷، البناية اشرفية ۱۲/۲۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۹۷۱)

نکالے جانے والے مزدور کے ناجائز مطالبہ میں سودی رقم دینا

سوال [۹۲۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی کمپنی سے کئی مزدوروں کو نکالا، یا وہ مزدور خود نکلے وہ مزدور مسلمان بھی ہوسکتے ہیں اور کافر بھی ۔ اب سوال یہ ہے کہ کوئی مزدور کمپنی میں یہ مطالبہ رکھتا ہے کہ میرے حق میں جو بھی رقم قانونی اعتبار سے ہے، اس سے زائد رقم اتنا دیں گے، میں اسی وقت آپ کی کمپنی سے نکلوں گا، مثلاً اس مزدور کی سروس کے مطابق قانونی اعتبار سے تیس ہزار روپئے دینا ہے، مگر وہ مزید اس پر بیس ہزار کا ظلماً مطالبہ کرتا ہے، یہ چیز زید پر زیادتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس موقعہ پر وہ انٹرسٹ کی رقم (جومنافع بینک سے زید کوملا ہے) اس کواس کی مزدوری قانونی اعتبار سے جوملتی ہے اس پراور جو جبراً زائد مطالبہ کرر ہا ہے، اس پر دونوں جگہ یاان دوجگہوں میں سے ایک پر خاص کر جوزائد مطالبہ کرتا ہے اس پر یہ انٹرسٹ میں سے دے سکتا ہے یانہیں؟ کیااس کی گنجائش ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مزدورکونکالا گیا ہے،اس کے قانونی اورغیر قانونی دونوں طرح کے مطالبات میں سودی رقم دینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ جو اس کا قانونی حق ہے، وہ کمپنی کے ذمہ لازم ہے اورسود کی رقم اپنے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے،اسی طرح مزدورکا غیرقانونی مطالبہ رشوت کی مانگ ہے؛ لہٰذا غیرقانونی مطالبہ میں بھی سود کی رقم دینا جائز نہیں ہے،اس کے مطالبات اپنی ذاتی رقم سے پورے کئے جائیں سودی رقم دینے کی اجازت نہیں ہے۔(مستفاد:ایضاح المسائل ص:١٤٢)

لأنه لو أنفق على نفسه فقد استحكم ماارتكبه من الفعل الحرام.

(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث:٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ	الجواب صحیح:
١٧/ جمادی الاولیٰ ١٤٢٠ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٤/ ٦١٦٠)	١٤٢٠/٥/١٧ھ

اپنی جیب سے فقیر کو پیسہ دینا اوراس کی جگہ سود کی رقم رکھنا

سوال [٩٢٥١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس اے ٹی ایم کا کھاتہ ہے، جس میں ہر مہینے کچھ نہ کچھ سود کا

پیسہ آتا ہے، مثلاً کسی مہینہ میں سات روپیہ، کسی مہینہ میں دس روپیہ اور یہ پیسے جب تک سو روپیہ نہ ہو جائیں، اے ٹی ایم سے نہیں نکال سکتے اور کس مہینہ میں کتنا سود آیا یاد رکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، تو میں نے یہ تدبیر اختیار کی کہ جب جتنا سود آئے گا، میں اپنی جیب سے اتنا پیسہ سود کے مصرف یعنی فقیر کو بلانیت ثواب دیدوں گا اور وہ جو سود کا پیسہ آیا ہے، میں اس کو لے لوں گا؛ اس لئے کہ پیسوں میں تعیین نہیں ہوتی، تو کیا میرے لئے اس طرح کرنا صحیح ہے، اگر صحیح نہیں تو سود کے پیسے سے بچنے کی بہترین صورت بتلا کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالستار شیخ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اے ٹی ایم سے سود کی رقم نکالے بغیر اس کے عوض اپنی جیب سے حلال رقم سود کی نیت سے فقیر کو دیدیں اور پھر اس کے بدلہ میں اے ٹی ایم سے ملنے والے سود کو اپنے پاس رکھ لیں تو یہ درست نہیں اور اس طرح آپ سود سے بری نہیں ہوں گے، اس کی مثال یوں سمجھو کہ اپنا ذبح شدہ حلال بکرا دوسرے کو دے کر اس کے بدلہ میں مردار ناپاک بکرا اپنے لئے لیا جائے؛ اس لئے پہلے اے ٹی ایم سے سود کی رقم نکال لی جائے، اس کے بعد بلانیت ثواب اسے فقراء کو دیدیا جائے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱/۱۵۹، فتاوی محمودیہ جدید ۱۶/۴۰۱)

إذ لو اختلط بحيث لا يتميز يملكه ملكاً خبيثًا؛ لكن لا يحل له التصرف فيه مالم يؤد بدله. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراماً، زكريا ۷/ ۳۰۲، كراچي ۵/ ۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۵۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۲۹ھ

اپنے پاس سے رقم غریبوں کو دے کر بینک کے سود سے منہا کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۹۲۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے بینک اکاؤنٹ میں کچھ انٹرسٹ کی رقم ہے، اس نے اپنی زکوۃ نکالی ہوئی رقم اس اکاؤنٹ میں جمع کردی۔ اب جتنا مجموعہ اس انٹرسٹ کی رقم اور زکوۃ کا بنا اس کے برابر اپنے پاس سے دوسری رقم مصارف صدقات میں خرچ کردی یہ سوچ کر بینک میں پڑی ہوئی انٹرسٹ اور زکوۃ کی رقم میں سے اپنے پاس رکھ لوں گا، اس کو ذرا وضاحت سے لکھیں کہ نقود (روپیہ) میں عین تو متعین ہوتی ہے؟

المستفتی: عطاء اللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوۃ کی جو رقم بینک میں جمع کردی ہے، اس کے عوض میں دوسری رقم زکوۃ میں دے کر دی ہوئی رقم کے عوض میں بینک سے زکوۃ والی رقم کو منہا کرلینا جائز ہے، مگر انٹرسٹ والی رقم میں جائز نہیں ہے۔

الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم الموكل ودفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم الموكل صح. (شامي، كتاب الزكاة، زكريا ۳/۱۸۹، كراچي ۲/۲۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۳۵۹۷)

اپنی جیب سے فقراء کو رقم دے کر سودی رقم اپنے مصرف میں استعمال کرنا

سوال [۹۲۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ ایک بینک میں ہمارا سیونگ کھاتہ ہے، اس میں کبھی کبھی سود کی رقم بھی بینک والے درج کردیتے ہیں، ہم سودی رقم کو غریبوں یا مستحقین پر صرف کرنا چاہتے ہیں، کیا اتنی مقدار رقم کو نکال کر ہی صرف کرنا ضروری ہے؟ یا اپنی جیب سے اتنی مقدار رقم صرف کردیں اور نیت یہی کریں کہ سود والی رقم کے عوض صرف کررہے ہیں، تو کیا ہمارے کھاتہ میں غیر سودی رقم باقی رہے گی یا سودی اور غیر سودی دونوں؟ اسی طرح فرض کیجئے ہمارے کھاتہ میں سودی رقم ۴۵/روپئے ۲۵/ پیسے ہے، ہم کھاتہ سے دوسو روپیہ نکال لیں اور اس میں سے چھیالیس روپئے سود کے مصرف میں لگادیں تو کیا سود ہمارے ذمہ سے ساقط ہوجائے گا؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالناصر، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک سود کا پیسہ سودی کھاتہ سے نکال کر الگ نہ کیا جائے، وہ سود ہی رہے گا؛ لہٰذا اس کے عوض میں اس کی نیت سے پاک پیسہ غریبوں کو دینے سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ غریبوں کو سود کا پیسہ مل گیا ہے؛ بلکہ یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک ذبح شدہ پاک بکری غریبوں کو دیدی ہے، اور اس کے عوض میں اپنے لئے مردہ بکری رکھ لی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۵۹)

الحرام ينتقل اي تنتقل حرمته وإن تداولته الأيدي وتبدلت الأملاك. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعيين الدراهم في العقد الفاسد، زكريا ۷/ ۳۰۰، كراچي ۵/ ۹۸)

اسی طرح نکالتے وقت سودی رقم کا ارادہ نہیں کیا تھا؛ اس لئے بری الذمہ نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۲۹ھ

بینک کے کمیشن میں کاٹی گئی رقم کو سود کی رقم سے پورا کرنا

سوال [۹۲۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا کھاتہ سیونگ بینک میں ہے، جس میں غیر ممالک سے چیک آتے ہیں، چیک جمع کرتے وقت بینک اپنا کمیشن کاٹ کر باقی رقم ہمارے کھاتہ میں جمع کر دیتا ہے، مثلاً چیک دس ہزار روپیہ کا ہے تو بینک ہمارے کھاتہ میں ۹۹۰۰/ روپیہ جمع کرتا ہے، یعنی اصل رقم سے سو روپئے کم، دوسری طرف سیونگ اکاؤنٹ پر ہماری جمع رقم پر بینک سود دیتا ہے، جو ہمارے کھاتہ میں ہی جمع ہوتی رہتی ہے، وہ سود کی رقم ہم اپنے استعمال میں نہیں لاتے ہیں، کیا مذکورہ چیک پر کاٹی گئی رقم کو ہم اپنے سود کی رقم سے پورا کر سکتے ہیں، جو چیک 10000/- روپیہ کا ہم نے جمع کیا ہے، کیا یہ پوری رقم (جسکو ہم نے اپنے سود کی رقم سے پورا کیا ہے) بینک سے نکال کر اپنے صرفہ میں کر سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد اخلاق، امروہہ میڈیکل بازار، بگلہ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک میں سیونگ اکاؤنٹ یا کسی بھی کھاتہ سے حاصل شدہ سود حرام اور ناجائز ہے؛ اس لئے سیونگ بینک میں چیک جمع کرتے وقت بینک جو کمیشن چیک سے کاٹتا ہے، اس رقم کو آپ سود کی رقم سے پورا نہیں کر سکتے؛ کیونکہ کاٹی گئی رقم بینک کی اجرت الخدمت ہے، جو آپ پر لازم ہے؛ لہٰذا کل رقم پر بعد میں جتنا بھی سود ملے، وہ سب بینک سے نکال کر فقراء ومحتاجوں پر صدقہ کر دیا جائے؛ کیونکہ کاٹی گئی رقم کے عوض میں سود دینا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر آپ پر انکم ٹیکس یا سیل ٹیکس ہے، تو اس میں دے سکتے ہیں۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لايريد بذلك

الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۷۶۴)

بینک کی سودی رقم کو سرکاری سود میں دینا؟

سوال [۹۲۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا بینک میں کھاتہ کھلا ہوا ہے اور اس میں سودی پیسہ بھی بن چکا ہے، اس کو ایک مکان یا گاڑی خریدنی ہے، حکومت کو دکھلانے کے لئے حکومت سے لون لینا ہوتا ہے، ورنہ سرکار گرفت کرے گی کہ یہ پیسہ کہاں سے آیا تو خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہے؛ اس لئے اس نے سرکار سے لون (سودی قرض) لیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ سودی قرض کی ادائے گی میں جو سود دینا ہوگا، تو ہمارے بینک کے کھاتے میں جو سرکاری سودی پیسہ ہے، اس پیسے کو اس قرض کے سود میں ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ایسی صورت میں معاملہ برابر سرابر ہو جاتا ہے کہ ہم نے نہ سود لیا نہ دیا؛ بلکہ سرکاری کھاتے سے سرکاری میں منتقل کر دیا، تو ایسی صورت میں سود کی سودی رقم سے ادائے گی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید نے جو سرکار سے سودی قرض لیا ہے، اس

کے سود کی ادائے گی اپنے پاس بینک میں موجود سودی رقم سے کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ حرام پیسہ جہاں سے آرہا ہے، وہاں واپس چلا گیا ہے، نہ سود لیا گیا اور نہ ہی دیا گیا، اس میں کوئی قباحت نہیں۔

صرح الحنفيةؒ: بأنه إذامات الرجل و كسبه خبيث كان من بيع الباذق، أو الظلم، أوأخذ الرشوة، فالأولىٰ لورثته أن يردوا المال إلي أربابه. (الموسوعة الفقهية ٣٤/٢٤٦)

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستيجار على المعاصي والطاعات، أوبغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، شامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديده ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: خاص ۴۰/۱۱۴۲۴)

بینک سے حاصل شدہ سودی رقم کے لئے الگ اکاؤنٹ کھول کر اس سے سرکاری سود ادا کرنا

سوال [۹۲۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک کاروباری شخص ہوں، میرے پاس کئی قسم کی رقم موجود ہے، خالص

پیسہ اور سودی پیسہ میں نے اس کی شکل یہ اختیار کی ہے کہ بینک میں الگ الگ کئیا کاؤنٹ کھول رکھے ہیں ایک اکاؤنٹ خالص پاک رقم کا ہے، جس میں بھاری رقم ڈپازٹ ہے، جس پر بینک بھاری سود دیتا ہے، پھر جب سود کی اچھی خاصی رقم جمع ہوگئ، تو میں نے ایک مستقل اکاؤنٹ کھولا اور بڑھتی ہوئی سودی رقم کو الگ اکاؤنٹ میں منتقل کر دیا۔

اب مجھے سود پر سود مل رہا ہے، تو سوال یہ ہے کہ اس نیت سے سود کی رقم لگانا کہ مزید سود حاصل ہو، اور اس سے ٹیکس ادا کیا جائے نیا کھاتہ کھولنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد توفیق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم سے نیا اکاؤنٹ؛ اس لئے کھلوایا ہے تاکہ حلال رقم سے حرام رقم الگ ہوجائے، تو اس غرض سے الگ اکاؤنٹ کھلوانا بلاشبہ جائز ہے اور پھر غیر اختیار طوری پر اس پر سود مل رہا ہے، تو اس صورت میں آپ گنہگار نہ ہوں۔

نیز حلال مال کو جبری ٹیکس میں دینے سے بچانے کی نیت سے سودی رقم کے لئے الگ سے اکاؤنٹ کھولنا جائز ہے، پھر اس سودی رقم سے جو سود ملتا ہے، اس سے ٹیکس ادا کرنا جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفع إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/٣٧، بذل المجهو جديد ١/٣٥٩، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية

۲٤٦/۳٤، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديو بند ۱/۳۳-۳٤)

درء المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة، ومصلحة قدم دفع المفسدة غالباً. (الأشباه والنظائر قديم۱٤۷، جديد زكريا ۲٦٤)

العبرة في العقود للمقاصد والمعاني لا للألفاظ والمباني.

(شرح المجلة، رستم اتحاد ۱/۱۹، رقم المادة:۳)

و إذا مات الرجل وكسبه خبيث، فالأولىٰ لورثته أن يردوا المال إلى أربابه، فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. (هندية، كتاب الكراهية، والإستحسان، الباب الخامس عشر في الكسب، جديد ۵/٤۰٤، زكريا قديم ۵/۳٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: خاص ۴۰/۱۱۴۲۲)

جس ہسپتال میں امیر وغریب کا علاج ہوتا ہو، اس میں سودی رقم بھیجنا

سوال [۹۲۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چترکوٹ میں غیر مسلموں کا ایک ہسپتال ہے، جس میں امیر وغریب سب کا علاج ہوتا ہے، مگر غریبوں کا علاج زیادہ تر ہوتا ہے، اور ان کے لئے رعایت بھی ہوتی ہے، ان کو کھانا بھی ملتا ہے، کیا ایسی جگہ بینک سے ملا ہوا سود کا پیسہ وروپیہ بھیجا جاسکتا ہے؟ اور اگر وہاں روپیہ بھیجنا جائز ہو، تو کیا رجسٹری خرچہ بھی سود کے روپیہ سے کیا جاسکتا ہے، اور اگر نا جائز ہے، تو میں تو بھیج چکا ہوں، اس کی تلافی کی کیا صورت ہے؟ تفصیلی جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی رقم کے مستحق صرف فقراء ہیں، اور سود کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے فقراء کو رقم کا مالک بنانا ضروری ہے اور مذکورہ اسپتال

میں چونکہ مالداروں کا علاج بھی ہوتا ہے، اور بظاہر بلا امتیاز سود کی رقم ان کے علاج میں بھی صرف ہوگی ، جوسودی رقم کے مصرف نہیں بریں بنا سود کی رقم ایسے اسپتال میں بھیجنا درست نہیں، جو رقم پہلے بھیج چکا ہے،اس کے متعلق توبہ واستغفار کرے،اس کی بھرپائی کے لئے مزید اتنی رقم فقراء میں تقسیم کرنا لازم نہیں ؛ ہاں البتہ اگر کسی متعین نادار فقیر کا علاج کرانا ہے اور اس کو اس اسپتال میں علاج کے لئے بھیج دیا جائے ،اورسود کی رقم سے اس کا علاج کرایا جائے ،تو اس کی گنجائش ہے، اور سب سے بہتر شکل یہ ہے کہ سودی رقم علاج کے لئے نادار فقیروں کے ہاتھوں میں براہ راست دیدی جائے۔

والسبيل في المعاصي ردها، وذلک ههنا برد المأخوذ إن تمكن رده، بأن عرف صاحبه وبالتصدق به إن لم يعرفه. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤)

قال شيخنا : ويستفاد من كتب فقهائنا كالهداية وغيرها، أن من ملك بملک خبيث ولم يمكنه الرد إلى المالک، فسبيله التصدق على الفقراء. (معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣)

وأما إذا ظهر أنه لم يكن محلاً بأن ظهر أنه غني -إلى قوله- يجوز. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/١٦٣، كراچي ٢/٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۹۳/۳۸)	۱۴۳۱/۲/۱۴ھ

کسی وارث کا حصہ سودی رقم سے دینا

سوال [۹۲۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مکان میں ہماری پھوپھی کا حصہ ہے، پھوپھی صاحب اپنا حصہ مانگ رہی ہیں،

حصہ کی رقم دینے کے لئے ہمارے پاس حلال رقم نہیں ہے؛ بلکہ بینک کے بیاج کی رقم ہے، کیا بیاج کی رقم مکان کے حصہ کے بدلہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور بیاج کی رقم کہاں اور کن کن جگہوں پر خرچ کر سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد منظر الاسلام، کرولہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پھوپھی کا جو شرعی حق مکان میں موجود ہے، وہ پھوپھی کا لازمی حق ہے اور اس کے عوض میں سود کا روپیہ دینا قطعاً جائز نہیں، اگر آپ لوگوں کے پاس روپیہ نہیں ہے، تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ مکان فروخت کر کے اس کی قیمت میں سے پھوپھی کا حصہ نکال کر دیا جائے، اور جو حصہ آپ کا بنتا ہے، وہ آپ لے لیں گے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۷۳۷)

وإذا كان أرض وبناء فعن أبي يوسف أنه يقسم كل ذلك على اعتبار القيمة؛ لأنه لا يمكن اعتبار المعادلة إلا بالتقويم. وعن أبي حنيفة أنه يقسم الأرض بالمساحة؛ لأنه هو الأصل في الممسوحات، ثم يرد من وقع البناء في نصيبه، أو من كان نصيبه أجود دراهم على الآخر حتى يساويه، فتدخل الدراهم في القسمة ضرورة. (هداية، كتاب القسمة، فصل في كيفته القمسة، اشرفي ديوبند ٤/٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۴۱/۳۸)	۱۴۲۸/۶/۲۴ھ

سودی رقم سے اشیاء خرید کر غرباء کو دینا

سوال [۹۲۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس سود کی رقم ہے وہ اصل رقم نہ دے کر اس پیسہ سے اشیاء خرید کر غرباء کو دینا چاہتا ہے، تو کیا اس رقم سے ہر طرح کی اشیاء خرید کر دی جاسکتی ہیں؟ یا اصل رقم ہی دے شرعی حکم اس سلسلہ میں کیا ہے؟ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: معراج الحق، قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی رقم قطعی حرام ہے، اس کا اولاً حکم یہی ہے کہ کسی بھی عنوان سے اصل مالک کو واپس کردی جائے اور اگر اصل تک رسائی کی شکل نہ ہو، تو بغیر نیت ثواب نادار فقیروں کو دیدی جائے اور ایسی رقم سے نادار فقیروں کو ضرورت کی اشیاء خرید کر دی جائیں مثلاً سردیوں میں لحاف وغیرہ تب بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ اصل مقصود سودی رقم کو فقیروں کو دے دینا ہے اور وہ اشیاء سے بھی حاصل ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ خریدی ہوئی اشیاء سودی رقم کی مثل کے درجہ میں ہیں۔

ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ٦/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ۲۷، زكريا ۷/ ٦۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳٦۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴٦، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۴۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۵ھ

مریض کو سودی رقم دینے کا شرعی حکم

سوال [۹۲۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں کے اموال کے تحفظ کے لئے ادارے قائم ہیں، مثلاً مسلم فنڈ وغیرہ، ان کی کارکردگی اطمینان بخش نہیں ہے، کروڑوں کا گھاٹا مسلمانوں نے اٹھایا؛ چنانچہ مجبور ہوکر وہ بینک کا سہارا لیتا ہے، بینک کا کام ایسا ہے کہ سودی رقم اصل سرمایہ کے ساتھ ملحق ہوتی رہتی ہے، اگر مسلمان نہ لیں تو ممکن ہے کہ یہ رقم مسلمانوں ہی کے خلاف مستعمل ہو اور اگر مسلمان لیں تو اس کے لئے سود کا استعمال حرام ہے۔

مفتیان کرام نے لکھا ہے کہ بغیر ثواب کی نیت دیدی جائے، تو سوال یہ ہے کہ یہ سودی رقم کیسے غریب کو دی جائے؟ مثلاً ہسپتال میں ایک مریض ہے، وہ دولت مند تھا، ساری دولت دوا دارو میں ختم ہوگئی تاہم تین چار لاکھ روپئے کی مزید ضرورت ہے، جو سود کے ہیں اور دو لاکھ نقد حلال ہیں، لیکن وہ کاروبار میں لگانے ہیں، ورنہ در در کی بھیک مانگنی پڑے گی۔

نیز اس کی کسمپرسی کی یہ حالت دیکھ کر کوئی قرض دینے کو تیار نہیں، تو کیا ایسا شخص سودی رقم ہسپتال میں علاج کے لئے دے سکتا ہے، ایسی ناگفتہ بہ صورت حال پیش آتی رہتی ہے، تو سودی رقم کا ذخیرہ مسلم وغیر مسلم ہسپتال میں کرسکتے ہیں تا کہ مسلمانوں کی جان بچ سکے، سودی رقم کا صحیح مصرف کون کون ہیں؟

المستفتی: محمد رضوان قاسمی، سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی رقم کا اصل مصرف مالک کو واپس کرنا ہے؛ لیکن اگر مالک کو لوٹانا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں انتہائی نادار فقیر جو کسمپرسی کی حالت میں ہوا سے بلا نیت ثواب دے کر سود کے وبال اور لعنت سے خلاصی حاصل کرنا لازم ہے، اور سوال نامہ میں جس مریض شخص کے متعلق سوال کیا گیا ہے، تو چونکہ ابھی اس کے پاس دو لاکھ روپئے

موجود ہیں، جس بنا پر وہ فقیر نہیں ہے؛ اس لئے اس کے لئے اس رقم کا استعمال درست نہیں ہے؛ البتہ جو مریض اپنی دوائیوں کی رقم ادا کرنے پر بھی قدرت نہیں رکھتے ہوں، تو ان کو سودی رقم فقیر ہونے کی وجہ سے دی جاسکتی ہے، تاکہ وہ اپنے علاج کے خرچہ میں وہ پیسے دے سکیں۔

والواجب في الكسب الخبيث تفريغ الذمة والتخلص منه برده إلى أربابه إن علموا وإلا إلى الفقراء. (الموسوعة الفقهية الكوتية ۳۴/ ۲۴۵)

المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴)

من ملك ملكا خبيثاً ولم يمكنه الرد إلى المالك فسبيله التصدق على الفقراء. (معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ / ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۴/ ۱۴۳۵ھ

حد درجہ فقیر کو سودی روپیہ دینا

سوال [۹۲۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اتنا غریب ہے کہ رہنے کے لئے اپنی زمین وجگہ نہیں، جنگل کے

کنارے ایک چھپر ڈال کر کے رہتے ہیں اور اس کے گھر میں چھ آدمی کھانے کو بہت مشکل سے چھ سات روپیہ روزانہ کماتے ہیں جس سے گھر چلانا مشکل ہے اور اس وقت جو کپڑے پہنر ہے ہیں، وہ بھی خیرات کے کپڑے ہیں اور جو چھ سات روپیہ کماتے ہیں، وہ بھی ہر دن ملے گا یا نہیں؟ اس کی بھی کوئی گارنٹی نہیں، اس شخص کو مرگی کی بیماری ہے اور ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ آپریشن کرنا ہوگا، اس کے پاس روپیہ نہیں، ایک آدمی بینک یا ڈاکخانہ میں روپیہ رکھتا ہے اور روپیہ نکالنے کے وقت کچھ روپیہ زیادہ دیتے ہیں، تو اس روپیہ کو ایسے شخص کے کام میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جواب دیجئے۔

المستفتی: اشرف علی، موضع: رام چندر پور، پوسٹ: قسمت نگر، مدنا پور (بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ان کے پاس نصاب کے بقدر مال نہیں ہے، تو ان کو سود کا پیسہ دینا جائز ہے، اس پیسہ سے وہ اپنا علاج وغیرہ کر سکتا ہے؛ کیونکہ وہ فقیر کے حکم میں ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث (إلى قوله) ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء.

(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه ٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۵۲/۲۳)

غریب نابالغ یتیم بچوں اور بیوہ کی خاطر بینک میں روپیہ جمع کر کے سود کو ان پر خرچ کرنا

سوال [۹۲۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا انتقال ہوگیا، مرحوم نے آٹھ چھوٹے چھوٹے نابالغ بچے اور ایک بیوہ چھوڑی ہے، ویسے تو اللہ رب العزت رزاق مطلق ہے، مگر دنیاوی اعتبار سے بظاہر ان بچوں کا ذریعہ معاش یا کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، رہنے کا مکان بھی کرایہ کا ہے، ایسی صورت میں مرحوم کے چند مخلص ہمدردوں نے یہ طے کیا ہے کہ آپس میں کچھ روپیہ جمع کر کے اس کو بینک میں جمع کر دیا جائے، جس سے ان کا گذر بسر بآسانی ہو سکے، کیا ان مخلص ہمدردوں کا یہ طریقہ کار از روئے شرع مناسب یا جائز ہے؟ نیز جو لوگ اس سلسلے میں روپیہ دے رہے ہیں وہ کسی اجر کے مستحق ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب سے مستفید فرمائیں۔

المستفتی: عزیز الرحمٰن خان، محلّہ قانون گوئیاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ غرض سے بینک میں رقم جمع کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ. [البقرة:۲۷۶]

وقوله تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرة:۲۷۵]

نیز مال حرام وربوا سے صدقہ خیرات مقبول نہیں ہوتے اور نہ ثواب ملتا ہے؛ بلکہ بعض فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ سود اور حرام مال کے صدقہ سے ثواب کی نیت کرنے میں کفر کا خطرہ ہے۔

فالحاصل أن التصدق من مال حرام غير مقبول حتى قال بعض علمائنا من تصدق بمال حرام يرجو الثواب كفر. (هندية، كتاب الكراهية والإستحسان، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا جديد ۵/۳۹۷، قديم

۳۴۳/۵، البناية، اشرفية ۱۲/۱۰۹، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۸/۷۳، رقم:۹۶۱۷، الفتاوى تاتارخانية، زكريا ۱۸/۱۷۵، رقم:۲۸۴۰۵، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۴/۱۸۶-۱۸۷، مصرى قديم ۲/۵۲۹)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لايريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴)

جولوگ مذکورہ طریقے سے سود کا پیسہ دینے کا ارادہ کررہے ہیں وہ شرعاً مخلص ہمدرد نہیں ہیں، ان کو یہ خیال فوراً دل سے نکال دینا لازم ہے، مخلص ہمدرد وہ ہے، جو اپنے حلال مال سے صدقہ کیا کرتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/۶۵۹)

بینک کا سود ریل کے کرایہ میں دینا

سوال [۹۲۶۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک سے ہم قرض لیتے ہیں، تو وہ ہم سے بیاج لیتے ہیں اور ہم بینک میں روپیہ جمع کرتے ہیں، تو وہ بینک بھی بیاج دیتی ہے، تو بیاج والے روپیہ سے ریل کا کرایہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور بیاج والا روپیہ بینک میں چھوڑ دیں یا کسی غریب کو دینا کیسا ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد صلاح الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کا جو سود ہے، وہ زمانہ جاہلیت کا سود ہے، اس کو اپنے مصرف میں لانا ریل وغیرہ کے کرایہ میں دینا ناجائز اور حرام ہے؛ بلکہ بینک سے نکال کر فقراء کو بلانیت ثواب دیدینا واجب ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۵۸/۸-۵۹، جدید مطول زکریا ۲۱۱/۱۱، فتاوی محمودیہ ۲۰۲/۴، جدید ڈابھیل ۳۸۱/۱۶)

أما ربا النسيئة: فهو الأمر الذي كان مشهوراً متعارفاً في الجاهلية، وذٰلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا على شهر قدراً معيناً، ويكون رأس المال باقياً، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير للإمام الفخر الرازيؒ، تحت تفسير رقم الآية: ۲۷۵، من سورة البقرة۷/۹۱، روح البيان ۲/۹۳، غرائب القرآن للنيسابوري ۲/۶۰)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث (إلى قوله) ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا

أن یدفعه إلی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، کوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۴۶/۳۴، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۷۳۴)

سودی رقم غیر مسلم فقیروں کو بھی دے سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال [۹۲۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سودی رقم جب مالک کو واپس کرنے کی کوئی شکل نہ ہو، تو ایسی صورت میں بلانیت ثواب فقیروں میں تقسیم کردی جائے، تو سوال یہ ہے کہ مسلم فقیروں کے علاوہ غیر مسلم فقیروں کو بھی دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد نسیم بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی رقم جب مالک کو واپس کرنا ممکن نہ ہو، تو جس طرح مسلم فقیر کو دینا جائز ہے، اسی طرح غیر مسلم فقیر کو بھی دینا جائز ہے؛ البتہ مسلم فقیر کو دینا زیادہ بہتر ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۸/ ۱۰۷، قدیم ۸/ ۶۱، امداد الفتاوی ۳/ ۱۶۲)

أبو معاوية عن حجاج عن سالم المكي عن ابن الحنفيةؒ، قال: كره الناس أن يتصدقوا على المشركين، فأنزل الله: ليس عليك هداهم الخ، قال فتصدق الناس عليهم. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن جديد ۶/ ۵۱۴، رقم: ۱۰۵۰۰)

ابن فضيل عن الزرقاني السراج عن أبي رزين قال: كنت مع شقيق بن سلمة فمر عليه أسارى من المشركين، فأمرني أن أتصدق عليهم، ثم تلا هذه الآية: ويطعمون الطعام على حبه. (مصنف لإبن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٤ ١ ٥، رقم: ١٠٥٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۲۳/۴۰)

سرکاری سود براہ راست فقیر کو صدقہ دینا کیسا ہے؟

سوال [۹۲۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سود میں اصل حکم یہ ہے کہ اس کو مالک کو واپس کردے اور اکابر نے لکھا ہے کہ سرکاری سود کے پیسہ کو بغیر نیت ثواب فقراء پر تقسیم کردینا جائز ہے، تو مفتی صاحب سے سوال ہے کہ جب سرکاری سود کو انکم ٹیکس وغیرہ کے ذریعہ سے واپس کردینے کی گنجائش ہے، تو وہاں نہ دیکر فقیر کو بلا نیت ثواب صدقہ کرنے سے بریٔ الذمہ ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: سمیع الدین، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود میں اصل حکم یہی ہے کہ کسی بھی عنوان سے اصل مالک کو واپس کردے؛ لہٰذا سرکاری سود کو انکم ٹیکس، سیل ٹیکس، رجسٹری اسٹامپ فیس وغیرہ کے عنوان سے واپس کردینا چاہئے؛ لیکن اگر اس طرح ٹیکس وغیرہ لازم نہیں ہے، تو فقراء کو بلانیت ثواب دیدینا لازم ہوتا ہے، اصل تو یہی لکھا گیا ہے؛ لیکن اگر کسی بھی عنوان سے سرکار کو واپس کرنے کی گنجائش کے باوجود ضرورت مند فقیر کو دیدے، تو اس کی بھی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ غریبوں اور فقیروں کی مدد

کرے مگر حکومت کی طرف سے فقیر کو تعاون نہیں ملتا ہے؛ اس لئے حکومت کو واپس نہ کر کے فقیروں کو دینے کی گنجائش ہے۔

فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والإستيجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال، المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه، ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، زكريا جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴)

أنه حصل بسبب خبيث وهو التصرف في ملك الغير وماهذا حاله فسبيله التصدق. (هداية، كتاب الغصب اشرفي ۳/ ۳۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ؍ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۵۹/۴۰)

لون والے سود کی ادائیگی بینک کی سودی رقم سے

سوال [۹۲٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس سرکاری بینک کا سود کا پیسہ رکھا ہوا ہے، اور اس کو ایک کروڑ کی عمارت خریدنے کے لئے ضرورت پیش آئی، اگر زید بینک سے لون لئے بغیر عمارت بناتا ہے، تو سرکار کی طرف سے سوال ہوگا کہ اتنا پیسہ کہاں سے آیا؛ لہٰذا اب سوال یہ ہے کہ کیا زید عمارت بنانے کے لئے بینک سے سودی قرض لے سکتا ہے یا نہیں؟

نیز اگر اس نے سودی قرض لے لیا، تو اس میں جو سود ادا کرنا پڑیگا وہ اپنے پاس رکھے ہوئے سود کے پیسے سے ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد معظم علی چتور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمارت بنانے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا جائز نہیں؛ کیونکہ یہ کل قرض جر نفعاً فہو حرام کے تحت آئے گا، تاہم اگر سرکار کے ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لئے لون پر قرض لیتا ہے، تو اس کی گنجائش ہے اور لون میں جو سود دینا ہے، اس کی ادائیگی اپنے پاس رکھے ہوئے سرکاری سود کے پیسے سے کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: انوارِ رحمت ۲۱۲)

ففي جميع الأحوال، المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه، ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد

المالک. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۳۷/۱، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۳۵۹/۱، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۵۵۳/۹، كراچي ۳۸۵/٦، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۲۷/٦، زكريا ٦٠/۷، البحرالرائق، زكريا ۳٦۹/۹، كوئٹه۲۰۱/۸، هندية، زكريا قديم ۳٤۹/۵، جديد ٤٠٤/۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲٤٦/۳٤، حاشية ترمذي ۳/۱، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۳۳/۱-۳٤)

ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرّدّ على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، فصل في البيع، زكريا ۵۵۳/۹، كراچي ۳۸۵/٦، هندية، زكريا قديم ۳٤۹/۵، جديد ٤٠٤/۵، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۲۷/٦، زكريا٦٠/۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲٤٦/۳٤، البحرالرائق، زكريا۳٦۹/۹، كوئٹه ۲۰۱/۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۶۱/۴۰)

غریب کو سود کا روپیہ قرض کہہ کر دینا

سوال [۹۲٦۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی کچھ رقم بینک میں جمع ہے، اس جمع شدہ رقم پر بینک زید کو سود دیتا ہے، بینک کی طرف سے اصل رقم پر جو مزید روپیہ ملا ہے، کیا زید یہ روپیہ کسی غریب کو قرض کا نام دے کر دے سکتا ہے یا نہیں؟ دے کر واپس لینے کا قطعاً خیال نہیں صرف نام قرض کا دیا جائے گا، نام اگر قرض نہ رکھیں، تو وہ باوجود مستحق ہونے کے لے نہیں سکتا، تو کیا اس طرح لینا اور اس طرح کرنا جائز اور درست ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، کھتولی مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبادات میں تلفظ کا اعتبار نہیں ہوتا؛ بلکہ نیت کا اعتبار ہوتا ہے۔

لو اختلف اللسان والقلب، فالمعتبر ما في القلب. (الأشباه والنظائر قدیم ۸۵)

لا یشترط مع نیة القلب التلفظ في جمیع العبادات. (الأشباه والنظائر قدیم ۸۸)

اور مستحق کو سود کا پیسہ دینا نہ عبادات میں سے ہے اور نہ ہی از قبیل معاملات؛ بلکہ مال خبیث کے وبال کو اپنے اوپر سے دور کرنا اور مال خبیث سے اپنے مال کو پاک کرنا مقصود ہوتا ہے؛ لیکن صورۃً اور ظاہراً عبادات مالیہ کے مشابہ ہے اور عبادات مالیہ میں جب نیت وتلفظ میں تعارض ہوجائے، تو نیت کو ترجیح ہوتی ہے؛ اس لئے مذکورہ طریقہ سے مستحق کو سود کا پیسہ دینا جائز اور درست ہوگا۔

سئل والدي عن رجل دفع إلی آخر مالا بنیة الزکوة إلا أن المدفوع إلیه کان ذا حرمة، فقال له الدافع، دفعته لک قرضًا، فقال: یجوز عن الزکاة. (الفتاوی التاتارخانیة، کوئٹه ۲/ ۲٦٦، زکریا۳/ ۱۹۷، رقم: ٤۱۱٤)

من أعطی مسکیناً دراهم وسماها هبة، أو قرضًا، فقال: یجوز عن الزکوة. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، قبیل با صدقة السوائم، زکریا ۲/ ۳۷۰، کوئٹه ۲/ ۲۱۲، هندیة، زکریا قدیم ۱/ ۱۷۰، جدید ۱/ ۳۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۲۶۹)

بینک کے سود سے اپنے گھر کا خرچ چلانا کیسا ہے؟

سوال [۹۲۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں عام طور سے مسلمان اب اپنی اپنی رقم بینک میں جمع کر لیتے ہیں اوراس کے سود سے اپنا خرچ چلاتے ہیں۔

المستفتی: نصیر احمد قاسمی، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کے سود سے اپنا خرچ چلانا جائز نہیں ہے، وہ حرام ہے، واجب التصدق ہے۔ نیز اس ارادہ سے بینک میں رقم جمع کرنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق ،فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة (إلى قوله) أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال، المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه، أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنبور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۴/۲۴)

فقیر امام کا سودی رقم سے اپنا قرض ادا کرنا

سوال [۹۲۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص گھر کا ذمہ دار ہے، اس کا بچہ بیمار رہوا، اس کے علاج معالجہ میں کافی مقروض ہوگیا یا کوئی سرکاری دین اس پر واجب ہے، جس کا ادا کرنا ضروری ہے، ادا نہیں کرے گا تو اور زیادہ پریشانی کا سبب ہوگا، اس شخص نے اس قرض کو ادا کرنے کے لئے کسی بینک سے سود کو لے کر ادا کردیا، اس شخص کی اپنی اتنی آمدنی نہیں ہے کہ قرض ادا کرسکے، تو کیا اس کے لئے ازروئے شرع ایسا کرنا یعنی قرض ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اسی طرح ان تمام مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر امام مسجد مقروض ہوجائے اور وہ کسی شخص سے ملا ہوا سود لے کر قرض ادا کردے، تو کیا اس کے لئے ایسا کرنا ازروئے شرع درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: سراج انور، قصبہ منڈاور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایسے افلاس کی صورت میں دوسرے شخص کا بینک کی سودی رقم ایسے شخص کو قرضہ ادا کرنے کے لئے دینا جائز اور درست ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، فليزم عليه أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴)

(۲) افلاس کی حالت میں فتویٰ کی رو سے عام آدمی اور امام میں کوئی فرق نہیں ہے؛ لیکن تقویٰ کی رو سے امام کے لئے مناسب نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۶۴/۷، جدید مطول ۱۰/ ۲۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ / ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۹ھ

سودی رقم سے قرض کی ادائے گی کرنا

سوال [۹۲۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مدرسہ کا ذمہ دار ہے، اور وہ یہ چاہتا ہے کہ ہم کسی غیر مسلم سے قرض لے کر تعمیرات مدرسہ کا کام شروع کروادیں اور پھر سودی رقم سے اس غیر مسلم کا قرض ادا کردیں، کیا تملیکاً کسی غیر مسلم سے قرض لے کر بینک سے آمدہ شدہ سودی رقم اس غیر مسلم کو دی جاسکتی ہے؟ ازروئے شرع اس طرح تملیک کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد خبیب غفرلہ، خادم مدرسہ اشرفیہ کاسگنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر مسلم سے قرض لے کر تعمیرات مدرسہ میں خرچ کرنا تو درست ہے؛ لیکن اس قرض کی ادائے گی کے لئے بینک سے حاصل شدہ سود غیر مسلم کو دینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ سود کا پیسہ صرف دو جگہ دیا جاسکتا ہے۔

(۱) کسی بھی عنوان سے اصل مالک کو واپس کردیا جائے اور جس غیر مسلم سے قرض لیا ہے، وہ اصل مالک نہیں ہے۔

(۲) اصل مالک تک رسائی حاصل نہ ہوسکنے کی صورت میں بلانیت ثواب فقیروں اور مسکینوں کو دیدینا لازم اور ضروری ہے۔ اور غیر مسلم قرض خواہ فقیر اور مسکین بھی نہیں ہے؛

لہٰذا سودی رقم غیر مسلم قرض خواہ کو قرض کی ادائیگی میں دینا جائز نہیں ہے۔

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة. ففي جميع الأحوال، المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه، أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹ رشعبان المعظم ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۰۱)	۱۴۲۳/۸/۱۲ھ

فقیر شخص کو سودی رقم دینا

سوال [۹۲۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صاحب حیثیت شخص بینک اکاؤنٹ پہ بنے ہوئے سود کو اگر اپنے کم مال حیثیت والے رشتہ دار کو دیدے، تو اس کا بوجھ دینے والے پر تو نہیں؟

(۲) اسی طرح اگر غیر غرباء کو یہ سود دیا جائے، تو صاحب حیثیت شخص جو دے رہا ہے، وہ گنہگار تو نہیں؟

مندرجہ بالا دو نقطوں میں کم مالی حیثیت اور غریبی کا تعین کیسے کیا جائے؟

المستفتی: محمد حنیف محلّہ طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جس کودیا جائے، وہ اگر بالکل نادار اور مستحق زکوۃ نہیں ہے، تو اس کو دینا جائز نہیں ہے، دینے والا سخت گنہگار ہوگا، اور اگر لینے والے کو معلوم ہو، تو وہ بھی سخت گنہگار ہوگا اور اگر لینے والا بالکل نادار مستحق زکوۃ ہے، تو کوئی بھی گنہگار نہ ہوگا اور لینے والے کے لئے اس کو اپنے اوپر صرف کرنا جائز ہے۔

نهى عن إضافة المال فيلزم عليه أن يدفعه إلى الفقراء؛ ولكن لايريد بذلك الأجر والثواب؛ ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذافي الشامي، زكريا ٩/٥٥٣، كراچي ٦/٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/٢٧، زكريا ٧/٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/٣٦٩، كوئٹه٨/٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديد ٥/٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديو بند ١/٣٣-٣٤)

ان دونوں کے درمیان تعین یوں کیا جاتا ہے کہ کم مالی حیثیت اور غریبی کی علامت یہ ہے کہ وہ صاحب نصاب نہ ہوا اور اس پر صدقۂ فطر بھی واجب نہ ہو، ورنہ شرعاً مالدار شمار ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶ر ۲۳۵۰)

پگڑی میں سود کی رقم دینے کا حکم

سوال [۹۲۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کرائے کے مکان میں رہتا ہے، تو مالک مکان اپنا مکان اس سے

خالی کروانا چاہتا ہے، مگر کرایہ دار خالی کرنے کے لئے مالک مکان سے پچاس ہزار روپیہ کا مطالبہ کرتا ہے، تو مالک مکان اس کو مکان خالی کرنے کے لئے اتنی سودی رقم دے سکتا ہے؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اظہر گونڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالک کو کرائے دار سے مکان خالی کرانے کے لئے جیب خاص سے پیسے دینے کی گنجائش ہے، سودی رقم دینے کی گنجائش نہیں ہے؛ اس لئے کہ مالک مکان نادار فقیر نہیں ہے اور نہ ہی اس معاملہ میں سودی رقم مالک کو واپس ہو رہی ہے؛ اس لئے یہ جائز نہیں ہے۔

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أوبغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه، أن يتصدق بمثل تلك الأموال. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۰۴۶)

غریب کو بجلی کے کنکشن لگوانے کے لئے سودی رقم دینے کا حکم

سوال [۹۲۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو اپنے گھر میں بجلی کا نیا کنکشن لگوانا ہے؛ لیکن اس کے پاس اتنا پیسہ

نہیں ہے کہ جس سے وہ اپنے گھر میں کنکشن لگوا سکے، تو کیا ایسی صورت میں کوئی دوسرا شخص اس شخص کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے سودی رقم دے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عفان، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر یہی ہے کہ اگر وہ شخص مستحق زکوۃ ہے، تو سودی رقم کے بجائے زکوۃ کی رقم سے تعاون کرنا چاہئے، ہاں البتہ زکوۃ کی رقم موجود نہیں ہے اور سودی رقم رکھی ہوئی ہے اور یہ شخص انتہائی نادار ہے، تو سودی رقم کے پیسے کے ذریعہ سے اس کے گھر میں بجلی کا کنکشن لگوانے کی اجازت ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ١/ ٣٧، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، وهكذا في الشامي، زكريا ٩/ ٥٥٣، كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحرالرائق، زكريا ٩/ ٣٦٩، كوئٹه ٨/ ٢٠١، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/ ٣٣-٣٤)

قال ويستفاد من كتب فقهائنا كالهداية وغيرها: أن من ملك بملك الخبيث ولم يمكنه الردّ إلى المالک، فسبيله التصدق على الفقراء. (معارف السنن، أبواب الطهارة، باب ماجاء لا تقبل صلاة بغير طهور، مكتبه اشرفيه ١/ ٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۰۴۳)

۱۰/ سرکاری ٹیکس

سودی قرض لینے اور ٹیکس چوری کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۹۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بینک سے مثلاً ایک ہزار روپیہ ۱۵/ پرسینٹ کی شرط کے ساتھ قرض لئے، تو یہ قرض لینا کیسا ہے؟

(۲) زید کاروبار میں انکم ٹیکس، سیل ٹیکس اور منڈی سمیٹی ٹیکس کی چوری کرتا ہے، تو یہ چوری کرنا کیسا ہے؟

(۳) زید پندرہ پرسینٹ جو قرض لیتا ہے اس کی ادائے گی انکم ٹیکس، سیل ٹیکس اور منڈی سمیتی ٹیکس کی چوری کر کے بینک کا قرض ادا کرتا ہے، تو سرکار کا قرضہ سرکار کی چوری سے کرنا کیسا ہے؟

(۴) زید نے بینک میں پیسہ جمع کیا اور بینک سے اس کو سود حاصل ہو رہا ہے، ادھر بکر نے بینک سے قرضہ لیا ہے اور بینک کو سود دینا پڑتا ہے، تو دریافت یہ ہے کہ زید کو بینک سے جو پیسہ بطور سود حاصل ہو رہا ہے، اس پیسہ سے بکر کا سود ادا کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اکرم ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بینک سے سودی قرض لینا ناجائز اور حرام ہے۔ حدیث شریف میں سود لینے والے دینے والے ہر ایک پر لعنت آئی ہے۔

عن جابرؓ، قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوا،

ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸)

(۲) انکم ٹیکس، سیل ٹیکس وغیرہ شرعی طور پر نا قابل برداشت ظالمانہ ٹیکس ہیں؛ اس لئے مالک کوکسی بھی حیلہ سے اپنے پیسہ کو ایسے بھاری ٹیکس سے بچانے کا راستہ اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/ ۲۱، امداد الفتاوی ۴/ ۱۵۲، ایضاح النوادر ۱/ ۱۰۰)

فإذا ظفر بمال مديونه له الأخذ ديانة؛ بل له الأخذ من خلاف الجنس. (شامي، كتاب السرقة، مطلب في أخذ الدائن من مال مديونه من خلاف جنسه، زكريا ٦/ ١٥٧، كراچي ٤/ ٩٥)

(۳) کسی بھی حیلہ سے اگر آپ نے انکم ٹیکس سے اپنے پیسہ کو بچالیا ہے، تو وہ پیسہ آپ کی ملکیت ہے، بینک کے سود میں دینے کے ارادہ سے روکنے کی ضرورت نہیں؛ البتہ ۱۵/ پرسینٹ سود پر بینک سے قرض لینا یہ ایک الگ امر ہے اور یہ ناجائز اور حرام ہے۔ اس عمل کی وجہ سے سود کی لعنت میں آپ ملوث رہیں گے، چاہے انکم ٹیکس سے روکا ہوا پیسہ ادا کردیں، یا ان کے علاوہ دوسرے پیسہ سے ادا کردیں بات ایک ہی ہے، سود کی لعنت سے اپنے آپ کی حفاظت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

فإذا ظفر بمال مديونه له الأخذ ديانة. (شامي، كتاب السرقة، مطلب في أخذ الدائن من مال مديونه من خلاف جنسه، زكريا ٦/ ١٥٧، كراچي ٤/ ٩٥)

عن علي رضـ، قال: كل قرض جر منفعة فهو ربا. (كنز العمال، الدين والسلم، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٩٩، رقم: ١٥٥١٢)

(۴) جو حکومت کے بینک سے سود کے نام سے ملتا ہے، وہ کسی بھی عنوان سے حکومت کو واپس کردینا جائز اور درست ہے؛ بلکہ واجب ہے؛ لہٰذا انکم ٹیکس کے عنوان سے یا سیل ٹیکس کے عنوان سے یا بینک کے قرضۂ سودی کے عنوان سے حکومت کو واپس کردینا جائز اور درست ہے نیز زید کو جو سرکاری بینک سے سود کا پیسہ حاصل ہوا ہے، وہ سرکار کو واپس کردینے کی نیت سے

بکر کے قرضۂ سودی میں بینک کو دینا بھی جائز ہے، اور اس کو بکر کے قرضۂ سودی میں دینے کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ زید بینک کے سود کے پیسہ کا حساب لگا کر اپنے کھاتے سے بکر کے قرضۂ سودی کے کھاتے میں منتقل کر کے حکومت کو بکر کی طرف سے دیدے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۲۰۳/۴، جدید ڈابھیل ۳۸۱/۱۶، ایضاح النوادر ۱۰۰/۴)

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي -إلى قوله- ففي جميع الأحوال: المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۳۷/۱، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۳۵۹/۱، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۵۵۳/۹، كراچي ۳۸۵/۶، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۲۷/۶، زكريا ۶۰/۷، البحرالرائق، زكريا ۳۶۹/۹، كوئٹه ۲۰۱/۸، هندية، زكريا قديم ۳۴۹/۵، جديد ۴۰۴/۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۴۶/۳۴، حاشية ترمذي ۳/۱، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۳۳/۱-۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۶۹۷/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۶ھ

سیل ٹیکس وانکم ٹیکس میں خیانت کرنا

سوال [۹۲۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو حکومت کا سیل ٹیکس وانکم ٹیکس وغیرہ ہوتا ہے، اس میں خیانت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد زبیر ولد نور اللہ، موہن داس، پالن پور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائز تو ہے؛ لیکن خطرہ میں پڑنا بھی شرعاً پسند نہیں ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۱۴۴/۴، فتاوی احیاء العلوم ۲۷۱/۱)

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ. [البقرۃ:۱۹۵] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان المعظم ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۳۶۶/۲۵)

انکم ٹیکس کے لئے چھوڑی گئی رقم پر اضافی رقم کا حکم

سوال [۹۲۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری ملازمین کی تنخواہ میں سے سرکار کچھ حصہ کاٹ لیتی ہے، اور بعد میں اس میں کچھ اضافہ کر کے دیتی ہے۔ نیز کاٹی گئی رقم میں انکم ٹیکس کی چھوٹ بھی ملتی ہے، تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے اپنی طرف سے کچھ رقم اگر کٹوا دی جائے، تو اس پر جو بعد میں اضافہ ہو کر ملے گی، وہ اضافہ شدہ رقم ہمارے لئے جائز ہوگی یا نہیں؟

نیز اپنی طرف سے کٹوائی گئی رقم پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد احسان، سہاگ پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو رقم ملازمین از خود انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے کٹاتے ہیں، اس رقم کے وہ خود مالک ہیں اور سرکار کے کھاتہ میں وہ رقم بطور امانت رہتی ہے؛ لہٰذا اس رقم پر جو اضافہ ہو کر ملے گی، وہ شرعاً سود ہوگی۔ نیز اسی اصل رقم پر زکوۃ بھی لازم ہے اور سود کے حصہ پر زکوۃ نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۸۶/۶-۴۸/۶، رحیمیہ قدیم ۱۰/۲-۱۴/۲، جدید زکریا ۱۷۶/۷)

والمسئلة مستفاد من هذه العبارة: إلا الذهب، والفضة، والسائمة كمافي الخانية: لو ورث سائمة لزمه زكاتها بعد حول نواه أولا. (در مختار علی الشامي، کتاب الزکاة ۱۹۳/۳، کراچي ۲۷۳/۲، قاضیخان، زکریا جدید ۱۵۲/۱، وعلی هامش الهندیة ۲٤٦/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۱۰۶/۳۵)

انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لئے سودی قرض لینا

سوال [۹۲۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ مال برداری کا ایک ٹرک خریدنا چاہتا ہے، اب اگر ڈیلر کو نقد رقم دے کر خریدتا ہے، تو اس کو انکم ٹیکس اور دیگر پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑے گا، اور اگر بینک سے سودی قرض لے کر خریدتا ہے، تو ایسی صورت میں انکم ٹیکس اور دوسری قانونی پیچیدگیوں سے محفوظ رہے گا، تو کیا بندہ بینک سے سودی قرض لے کر گاڑی خریدنے کے ذریعہ سے انکم ٹیکس سے بچنے کا حیلہ اختیار کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشد، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اضطراری ضرورت یعنی بال بچوں کے بھوکے مرنے کا خطرہ ہونے کی صورت میں سودی قرض لے کر ان کا پیٹ بھرنے کی گنجائش ہے اور تجارت کو فروغ دینے کے لئے سودی قرض لینا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں سود دینے والے لینے والے، اور اس کا حساب لکھنے والے سب پر لعنت کی گئی ہے اور آپ کی ضرورت جو سوال نامہ میں درج ہے، ایسی نہیں ہے کہ جس سے سود کی لعنت سے بچ سکیں۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضؓ، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن آكل الربا، ومؤكله، النسخة الهندية، ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸)

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة، فهو ربا، دارالفكر بيروت ۸/۲۷٦، رقم:۱۱۰۹۲)

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (الأشباه والنظائر قديم ۱۳۹، البحر الرائق كوئٹه ٦/۱۲٦، زكريا ٦/۲۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۳۴۲)

بینک کے سود میں سے حلال کمائی سے اداشدہ ٹیکس کا بدل وصول کرنا

سوال [۹۲۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو سرکاری ٹیکس ادا کرنا ہے اور زید کی کچھ رقم بینک میں بھی جمع ہے، جس پر اس کو سود ملتا ہے، اور یہ سود کے پیسے زید ٹیکس میں ادا کردیا کرتا ہے اور یہ اتفاق پہلی مرتبہ ہوا کہ زید پر تین سالوں کا ٹیکس چڑھ گیا ہے، اتفاقاً ایسا ہوا کہ جس دن ٹیکس ادا کرنے کی آخری تاریخ تھی اسی دن بینک بند تھا، اور زید کو ٹیکس مع سود جمع کرنا ہے؛ لہٰذا زید نے اپنی خالص کمائی سے ٹیکس مع سود جمع کردیا اور بعد میں بینک میں سے اپنی سودی رقم نکال کر اپنے استعمال میں لے آیا اور کہتا ہے کہ میں نے ٹیکس ادا کرتے وقت ہی نیت کی تھی کہ بعد میں سودی رقم اپنے استعمال میں لے آؤں گا۔ اب بعض علماء فرماتے ہیں کہ زید کا مذکورہ عمل جائز ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ اثمان متعین کرنے سے متعین نہیں

ہوتے؛ اس لئے زید کا مذکورہ عمل درست نہیں ہے۔

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس مسئلہ کا جواب حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے (امداد المفتیین ۸۵۲) میں اور حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے (احسن الفتاوی ۲۱/۷) میں اس طرح لکھا ہے کہ ٹیکس ادا کرتے وقت اس نیت سے ادا کرے کہ حکومت زبردستی ہم سے پیسہ حاصل کررہی ہے، ہم کسی بھی عنوان سے حکومت سے یہ پیسہ وصول کرلیں گے اور اس بینک میں جمع شدہ رقم پر منجانب حکومت سود کا اضافہ ہو چکا ہے، اور یہ نیت کرتا ہے کہ حکومت کا وہ پیسہ اس کے عوض میں وصول کرلیں گے، تو اس کی گنجائش ہے کہ اپنی جیب سے ٹیکس ادا کرنے کے بعد بینک کے سود میں سے ادا شدہ ٹیکس کا بدل وصول کرلے اور انہوں نے دلیل میں یہ جزئیہ پیش فرمایا ہے۔

فإذا ظفر بمال مديونه له الأخذ ديانة؛ بل له الأخذ من خلاف الجنس. (شامي، كتاب السرقة، مطلب في أخذ الدائن من مال مديونه من خلاف جنسه، زكريا ١٥٧/٦، كراچي ٩٥/٤)

اور فقیہ الامت حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے لکھا ہے کہ طبیعت سلیمہ اس کی اجازت نہیں دیتی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱۶/۱۳، ڈابھیل ۳۸۳/۱۶)

اس لئے ہم بھی اس کی اجازت نہ دینا احوط سمجھتے ہیں؛ لہٰذا اگر کسی نے ایسا کرلیا ہے، تو اس سے کہا جائے کہ اب جو کچھ ہو گیا وہ جائز ہے اور آئندہ احتیاط کی ہدایت دی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۶۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۸ھ

ادا شدہ سودی قرض یا انکم ٹیکس میں سودی رقم مجری کرنے کا حکم

سوال [۹۲۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے شدید مجبوری میں یکم جنوری ۲۰۰۶ء کو دس ہزار روپئے بینک سے قرض لئے اور دسمبر ۲۰۰۶ء میں مع سود کے گیارہ ہزار روپئے جمع کر دیئے، پھر چند روز کے بعد ایک شدید ضرورت پیش آ گئی اور زید نے پھر اسی بینک سے دس ہزار روپئے قرض لے لئے اور ایک سال گذر گیا اور اب زید پر بینک کے گیارہ ہزار روپئے واجب ہو گئے، زید کے ایک عزیز کے پاس سود کی رقم موجود ہے، کیا اس رقم کو زید اپنے دونوں مرتبہ کے سود کے عوض بینک کو ادا کر سکتا ہے؟ اس طرح کہ ایک ہزار روپئے ان کے بدلے جو پچھلی بار وہ بینک کو ادا کر چکا ہے اور ایک ہزار وہ جو اسے دس ہزار کے ساتھ بطور سود اب ادا کرنے ہیں تا کہ سود کی ادائے گی میں دو ہزار روپئے ادا کرنے سے اسے جو خسارہ ہو رہا ہے، اس کی تلافی ہو سکے؟

(۲) اس بارے میں بھی وضاحت فرمائیں کہ سود کی رقم کیا انکم ٹیکس میں ادا کی جا سکتی ہے؟ اور اگر زید سے انکم ٹیکس وصول کر لینے کے بعد بینک نے زید کو اس کے اکاؤنٹ پر سود دیا، تو کیا یہ سود کی رقم زید ادا شدہ انکم ٹیکس میں مجریٰ کر سکتا ہے؟

المستفتی: عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) جو رقم سودی قرض میں ادا کی جا چکی ہے، وہ جا چکی اور بعد میں بینک سے وصول شدہ سودی رقم کو ادا شدہ کے عوض میں نیت کرنے سے بعد والی رقم پاک اور حلال نہ ہوگی اور نہ ہی ایسا کرنا جائز ہوگا، اسی طرح انکم ٹیکس میں ادا شدہ کے عوض میں بینک سے وصول ہونے والی رقم کو مجریٰ کرنا جائز نہ ہوگا؛ ہاں البتہ بینک سے وصول ہونے والی سودی رقم کو آئندہ لازم ہونے والے انکم ٹیکس میں ادا کرنا جائز ہو جائے گا۔

یجب علیه أن یرده علی مالکه، إن وجد المالک، وإلا ففي جمیع الصور یجب علیه، أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء.
(بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامیة، بیروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، وهکذا في الشامي، زکریا ۹/۵۵۳، کراچي ۶/۳۸۵، تبیین الحقائق امدادیة ملتان ۶/۲۷، زکریا ۷/۶۰، البحرالرائق، زکریا ۹/۳۶۹، کوئٹه۸/۲۰۱، هندیة، زکریا قدیم ۵/۳۴۹، جدید ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۴/۲۴۶، حاشیة ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفیة دیوبند ۱/۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۲۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱/۱۴۲۹ھ

انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے جیون بیمہ کرانا

سوال [۹۲۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے سرکار کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ جو شخص انکم ٹیکس کے برابر بیمہ کرالے، اس کا انکم ٹیکس معاف کردیا جاتا ہے، اگر انکم ٹیکس کو معاف کرانے کی نیت سے بیمہ کرایا جائے، تو اس حالت میں کیا ہوا بیمہ جائز ہوگا یا نہیں؟

اس حالت میں جب یہ بیمہ پورا ہوگا تو جتنی اصل رقم جمع کی گئی تھی، ٹیکس سے بچنے کے لئے اس رقم سے بڑھ کر جو رقم ملے گی بیمہ کرانے والے کی یہ نیت تھی کہ وہ اپنی اصل رقم لے کر باقی بڑھی رقم کو اپنے ذاتی خرچ میں استعمال نہیں کرے گا؛ بلکہ کسی غریب ضرورت مند کو دیدے گا، تو کیا ایسا کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر وارث احمد، بازار منگل، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکرکردہ سرکاری قانون اگر درست اور واقعہ کے مطابق ہے، تو انکم ٹیکس کی رقم کی بچت کی نیت سے بیمہ کرالینا اس شرط کے ساتھ جائز ہوسکتا ہے کہ جیون بیمہ سے حاصل شدہ زائد رقم بلا نیت ثواب فقراء پر صدقہ کردی جائے اور نیت صرف یہ رکھی جائے کہ ہم ٹیکس سے اپنے پیسہ کو محفوظ رکھنے کے لئے بیمہ کرا رہے ہیں؛ اس لئے کہ انکم ٹیکس ایک غیر شرعی اور ظالمانہ ٹیکس ہے، اس طرح کے محصول اور ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لئے شرعاً حیلہ جوئی کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۹۹)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۹۷۸)

انکم ٹیکس میں سودی رقم دینا

سوال [۹۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو انکم ٹیکس بچانے کیلئے این ایس سی لینی پڑتی ہے، جس میں ٹائم پورا ہونے

پر اصل رقم کا دوگنا ملتا ہے، جو بیاج ہوتا ہے، اس بیاج پر ہم کو انکم ٹیکس دینا پڑتا ہے، کیا ہم اسی بیاج کی آمدنی سے انکم ٹیکس دے سکتے ہیں؟

نوٹ: یہ مسئلہ ذاتی نہیں عوامی ہے، اس مسئلہ کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں دینے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: ایاز احمد ایوبی، آنکھ ہسپتال روڈ ایوبی کوٹھی، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود اور حرام مال میں اصل حکم یہی ہے کہ کسی بھی عنوان سے مالک کو پہونچا دیا جائے، انکم ٹیکس کے نام سے حکومت جو ٹیکس وصول کرتی ہے، یہ ایک قسم کا ظلم وجبر ہے؛ اس لئے سرکاری بینک سے حاصل شدہ سودی رقم انکم ٹیکس کے عنوان سے حکومت کو دیدینا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۰۱، فتاوی محمودیہ ۴/۲۰۳، جدید ۱۶/۳۸۱)

من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي، ففي جميع الأحوال: المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، شامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۸۹۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۲۶ھ

بینک سے حاصل شدہ سود سے بینک کا ٹیکس ادا کرنا

سوال [۹۲۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس ایک پنجاب نیشنل بینک (P.N.B) کا کھاتہ ہے، جس میں تقریباً سال بھر میں سو، دوسو روپیہ ٹیکس کے آتے ہیں اور سود کے پیسہ بھی تین چار سو آتے ہیں، تو کیا میں سو، دوسو روپئے ٹیکس کا سود کے پیسہ سے ادا کر کے باقی پیسہ مصرف سود میں دے سکتا ہوں؟ اور کیا میرے لئے اس سود کے پیسہ سے ٹیکس ادا کرنا صحیح ہے؟

المستفتی: شمس الدین، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود اور حرام مال کا اصل حکم یہ ہے کہ کسی بھی عنوان سے اسے مالک تک پہونچا دیا جائے؛ لہٰذا آپ کے لئے بینک سے حاصل شدہ سود سے بینک کا ٹیکس ادا کر دینا جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۰۰)

من اكتسب مالا بغير حق، ففي جميع الأحوال: المال الحاصل له حرام عليه، يجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، شامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۶۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۷؍۱۴۲۹ھ

سودی رقم سے ٹیکس ادا کرنا

سوال [۹۲۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ **انکم ٹیکس**: جو آمدنی پر لگتا ہے، جس کی شرح آمدنی بڑھنے پر بڑھتی چلی جاتی ہے۔

سیل ٹیکس: جو خریدی جانے والی چیز پر لگایا جاتا ہے۔

هاؤس ٹیکس: ہر مکان یا دوکان کی کرایہ داری جانچی جائے گی اور کرایہ کا بیس فیصد ٹیکس لگے گا۔

واٹر ٹیکس: ہر مکان اور دوکان پر جتنا ہاؤس ٹیکس ہوگا، اتنا ہی واٹر ٹیکس لگے گا چاہے اس کے وہاں پانی کا کنکشن ہو یا نہ ہو۔

کیا مندرجہ بالا ٹیکس ایک ہی قسم کے ہیں؟ اور کیا ان ٹیکسوں کا بھگتان لائف انشورنس کے زائد ملنے والے روپیہ سے ہوسکتا ہے؟

مندرجہ بالا ٹیکسوں کے علاوہ انسپکٹر حضرات کو خوش کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ دینا پڑتا ہے، تو بیمہ سے زائد ملنے والی رقم میں سے ان لوگوں کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: جمیل احمد، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انکم ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، سیل ٹیکس یہ سب غیر شرعی اور جبری ٹیکس ہیں، واٹر ٹیکس پانی کا کنکشن نہیں ہے تو وہ بھی ناجائز اور جبری ٹیکس ہے، ہاں البتہ اگر پانی کا کنکشن ہے، تو ٹیکس لینے کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ وہ درحقیقت پانی کی فیس ہے۔

مذکورہ جبری ٹیکسوں میں ایسی کمپنی کے لائف انشورنس کے سود کا پیسہ دینے کی گنجائش ہے، جس کمپنی کا تعلق سرکار کی ملکیت سے ہے، حرام پیسے سے کسی طرح رشوت دینا جائز نہیں؛

البتہ اگر ضرورت پڑے تو اپنا حلال پیسہ دینے کی گنجائش ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أوحصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ لأنه لو أنفق على نفسه، فقد استحكم ما ارتكبه من الفعل الحرام. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديو بند ۱/۳۳-۳۴)

دفع المال للسلطان الجائر؛ لدفع الظلم عن نفسه، وماله، ولاستخراج حق له، ليس برشوة: يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره كراچي ۶/۴۲۳، زكريا ۹/۶۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۹۴۹)

انکم ٹیکس میں بینک سے ملی سودی رقم دینا

سوال [۹۲۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی مسلمان پر سرکاری انکم ٹیکس ہو، جو قانوناً دینا ضروری ہے، تو اس کے عوض میں سرکاری بینک میں جمع رقم کے عوض جو بیاج ملتا ہے، تو کیا بیاج کے اس پیسہ کو سرکاری انکم ٹیکس کے طور پر جمع کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر وارث احمد، منگل بازار، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود اور حرام پیسے کا حکم یہ ہے کہ جہاں سے آیا ہے، وہیں واپس کردیا جائے، اور سرکار کی طرف سے انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس وغیرہ ناقابل برداشت ظالمانہ ٹیکس ہیں، شریعت کے نزدیک اپنی گاڑھی کمائی کا اتنا زیادہ حصہ دینا عوام پر لازم نہیں ہے؛ اس لئے سرکاری بینک سے ملی ہوئی سودی رقم کو انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس کے نام سے سرکار کو واپس کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۰۰)

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي-إلى قوله-ففي جميع الأحوال: المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه، ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، جديد ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۹۷۸/۳۸)

مسجد کے سود کا پیسہ ٹیکسوں میں دے کر اپنا خالص پیسہ مسجد میں دینا

سوال [۹۲۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہماری مسجد کا بینک آف انڈیا میں اکاؤنٹ ہے، جس میں مسجد کی رقم جمع رہتی ہے، اور اکاؤنٹ اس طرح کا ہے کہ ہر ماہ اس رقم پر ملنے والا سود خود بخود بینک آف بروڈا میں جمع ہوجاتا ہے۔ اب یہ سود کی رقم تقریباً بیس ہزار روپئے ہو چکی ہے، ایک صاحب کا انکم ٹیکس کا بل آیا ہے، یہ صاحب چاہتے ہیں کہ مسجد کی رقم کا سود بینک سے لے کر اپنا انکم ٹیکس بھر دیں اور اس کے عوض اپنے خالص روپئے مسجد میں دیدیں، تو اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس طرح کرنے سے مسجد کی سودی رقم بغیر سودی رقم میں تبدیل ہوجائے گی؟

المستفتی: محمد علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود اور حرام مال کا اصل حکم یہ ہے کسی بھی عنوان سے اسے مالک تک پہونچادیا جائے؛ لہٰذا اگر آپ مسجد کی سودی رقم سے اپنا انکم ٹیکس ادا کردیں اور اس کے عوض اتنے ہی روپیہ مسجد میں دیدیں تو اس کی گنجائش ہے اور مسجد میں دیتے وقت اسے اپنے مال کا بدل نہ سمجھا جائے۔

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، يجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحر الرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۷۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۶ھ

حکومت کی طرف سے عائد کردہ ظالمانہ ٹیکس میں سودی رقم دینا

سوال [۹۲۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تجارا پنامال زیادہ منافع سے بیچنے کے لئے دوسرے شہر میں لے جاتے ہیں؛ جبکہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں مال کا منتقل کرنا سرکاری سطح پر ممنوع ہے، راستہ میں بہت سارے افسران اور پولیس مین ملتے ہیں، اگران کی جیب میں کچھ روپئے نہ ڈالے جائیں، تو بہت ساری رکاوٹیں کھڑی کردیتے ہیں، حتی کہ گاڑی کا چالان تک کردیتے ہیں، اس پر مقدمہ بازی ہوتی ہے اور حکوت مال کواپنا کرنیلام کردیتی ہے۔

سوال طلب امر یہ ہے کہ ان افسران اور پولس مینوں کو مال کی حفاظت کے لئے سود کی رقم میں سے کچھ دیدیا جائے، تو شرعاً کوئی گناہ تونہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ، ساکن ٹانڈہ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب سرکاری سطح پراس کی ممانعت ہے، اوراس قانون کی پابندی سے مسلمانوں کوکوئی مذہبی نقصان بھی نہیں ہے، تو اس کے خلاف کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاوی احیاء العلوم ۱/۳۵۰، فتاوی رحیمیہ قدیم ۲۷۸/۶، جدید زکریا ۱۸۱/۱۰)

وقوله تعالىٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. [البقرة: ۲۷۵]

یہاں بھی سودی رقم رشوت میں دینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ رشوت سے من وجہ اپنا بھی فائدہ ہوتا ہے اور سودی رقم سے کسی طرح بھی فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا رشوت میں اپنی ذاتی رقم دینی چاہئے نہ کہ سود کی۔

أفتى به بعض أكابرنا أن للمسلم أن يأخذ من أصحاب البينک أهل الحرب في دارهم، ثم يتصدق به على الفقراء، ولا يصرف إلى حوائج

نفسه. (اعلاء السنن، کتاب البیوع، باب الربا، کراچي ۱/۳۵۹، دارالکتب العلمیة بیروت ٤ ۱/۱۳ ٤ ۱ ٤ - ٤ ۱ ٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۶۸۴)

سودی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنا

سوال [۹۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سود کی رقم کیا انکم ٹیکس میں ادا کی جا سکتی ہے؟ اور اگر زید سے انکم ٹیکس وصول کر لینے کے بعد بینک نے زید کو اس کے اکاؤنٹ پر سود دیا، تو کیا یہ سود کی رقم زید ادا شدہ انکم ٹیکس میں مجری کر سکتا ہے؟

المستفتی: ارشاد عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری بینک سے حاصل شدہ سودی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنا جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سود اور مال حرام کا اصل حکم یہ ہے کہ جہاں سے آیا ہے کسی بھی عنوان سے وہاں واپس کر دیا جائے؛ اس لئے انکم ٹیکس کے عنوان سے وہاں واپس کر دینا جائز ہے؛ لیکن پہلے جو صاف پیسہ انکم ٹیکس میں ادا کر دیا گیا ہے، اس کے بدلہ میں سود کے پیسہ میں اپنے لئے نیت کر لینے سے ادا شدہ سود کی طرف سے مجری نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۶/۴۰۱-۱۶/۳۸۳، ایضاح النوادر ۱/۱۰۰)

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، يجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا

فـي الشـامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ٦/ ٣٨٥، تبيين الحقائق امدادية ملتان ٦/ ٢٧، زكريا ٧/ ٦٠، البحر الرائق، زكريا ۹/ ۳٦۹، کوئٹه۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ٢٤٦، حاشية ترمذي ١/ ٣، معارف السنن، اشرفية ديو بند ١/ ٣٣-٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۸۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۶ھ

بینک کی سودی رقم سے سیل ٹیکس اور انکم ٹیکس ادا کرنا

سوال [۹۲۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ کا تعلق صرف سیل ٹیکس اور انکم ٹیکس سے ہے، اس عریضہ کے ساتھ ایک فتوی دیو بند، دوسرا مدرسہ امینیہ دہلی کا ہے، سیل ٹیکس اور انکم ٹیکس ایک غیر شرعی ٹیکس ہے، ہم کو جو بینک سے جمع شدہ رقم پر سود مل جاتا ہے، کیا اس سودی رقم سے ہم اس غیر شرعی ٹیکس کو ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ اس سودی رقم کے ہم مالک ہیں۔ تحقیقات علم کے ساتھ جواب عنایت کریں۔

المستفتی: حافظ محمد لقمان، محمد شفیع، اینڈ آئی ایس پرفیومری ورکس، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بینک سے جو سود ملتا ہے، وہ آپ پر حرام ہے اور مال حرام میں اصول یہ ہے کہ اصل مالک کو واپس کر دیا جائے، اور حکومت جو انکم ٹیکس وغیرہ لیتی ہے، وہ شریعت کی نگاہ میں سخت ترین جبر وظلم ہے، تو اس جبری ٹیکس میں سود کی رقم کو اس نیت سے دیدینا جائز ہے کہ سودی رقم جو ہمارے پاس ناجائز طریقہ سے آتی ہے، وہ اصل مالک (حکومت) کو واپس کرتے ہیں اور جلب منفعت کے لئے رشوت میں دینا جائز نہیں ہے۔

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه، أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۱/ ۳۳- ۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رصفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۶۸۵)

سیل ٹیکس میں سودی رقم دینا

سوال [۹۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنا مال بغیر ٹیکس ادا کئے ہوئے چوری سے لا رہا تھا، سیل ٹیکس والوں نے اس کا مال پکڑ لیا، پکڑنے کے بعد ۲۵/ ہزار روپیہ مال کے اوپر ٹیکس ادا ئے گی و جرمانہ اوراس کے علاوہ پندرہ ہزار روپیہ گھوس ادا کیا، تو کیا ان دونوں رقموں کو سود کے پیسے سے ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ تشفی بخش جواب دیں۔

المستفتی: ڈاکٹر عتیق احمد خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری بینک سے ملی ہوئی سودی رقم سیل ٹیکس اورانکم ٹیکس میں دینا جائز ہے؛ لہٰذا کسٹم کے روک لگانے پرٹیکس میں جورقم دی جائے، اس میں سرکاری بینک کی سودی رقم دینا جائز ہےاور باقی رشوت میں جودی جائے ،اس میں سودی رقم دینا جائزنہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۰۳/۴، جدیدڈابھیل ۳۸۳/۱۶، ایضاح النوادر ۱۰۰/۱، ایضاح المسائل ۱۴۲)

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي –إلى قوله– ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك . (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۳۷/۱، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۳۵۹/۱، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۵۵۳/۹، كراچي ۳۸۵/۶، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۲۷/۶، زكريا ۶۰/۷، البحرالرائق، زكريا ۳۶۹/۹، كوئٹه ۲۰۱/۸، هندية، زكريا قديم ۳۴۹/۵، جديد ۴۰۴/۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۴۶/۳۴، حاشية ترمذي ۳/۱، معارف السنن، اشرفية ديوبند ۳۳/۱-۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۷۶۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۲۳ھ

عوام سے ملی ہوئی سودی رقم کو انکم ٹیکس وغیرہ میں دینا

سوال [۹۲۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ ہمارے ملک کی حکومت ہر کاروباری آدمی سے انکم ٹیکس (آمدنی ٹیکس) وصول کرتی ہے، جو شرعاً ناجائز ہے، اگر کسی شخص پر حکومت نے پچاس ہزار روپیہ انکم ٹیکس لگایا، اگر وہ شخص بینک میں ایف ڈی بنوا کر یا عوام کو سود پر روپیہ قرض دے کر سود کی رقم سے پچاس ہزار روپیہ حاصل کر لیتا ہے اور اس سود کی رقم سے پچاس ہزار روپیہ انکم ٹیکس ادا کر دیتا ہے، تو اس طرح وہ ناجائز ٹیکس کے نقصان سے بچ جاتا ہے، سود کے ذریعہ اس شخص ن جو پچاس ہزار روپیہ حاصل کیے، تو سود لینے کا گناہ اس شخص پر پڑے گا یا نہیں؟ کیا اس طرح سود پر روپیہ چلانا شرعاً جائز ہے؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سائل نے سوال کے دو جز کو مخلوط کر کے پیش کیا ہے، حالانکہ دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔

(۱) بینک میں ایف ڈی بنوانا اس نیت سے کہ اس سے ملنے والی سودی رقم سے غیر شرعی انکم ٹیکس ادا کیا جائے گا یہ جائز نہیں ہے، ورنہ وہ شخص سود لینے کی وجہ سے مستحق لعنت ہوگا اور سخت گنہگار بھی ہوگا؛ البتہ ایف ڈی کرانے کے بعد جو سودی رقم حاصل ہوگی اس کے ذریعہ انکم ٹیکس ادا کرنا درست ہے، اس سے مال حرام حکومت کے خزانے میں پہونچ جائے گا، جو اس کا اصل حکم ہے کہ حکومت کے خزانے سے لیا ہوا مال اپنی جگہ واپس پہونچ گیا۔

إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، و هكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحر الرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد

۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديو بند ۱/ ۳۳-۳۴)

(۲) عوام کو سود پر قرض دے کر ان سے سود حاصل کرنا گناہ عظیم ہے، اس سے ملا ہوا سود بھی قطعی حرام ہے اور عوام سے ملے ہوئے سود کے پیسے کو انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس میں دینا قطعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ ایسے سود کے پیسے کو عوام میں سے جن لوگوں سے حاصل کیا گیا ہے، انہیں کو واپس کر دینا لازم اور واجب ہے۔

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي -إلى قوله- ففي جميع الأحوال: المال الحاصل له حرام. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/ ۵۵۳، كراچي ۶/ ۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/ ۲۷، زكريا ۷/ ۶۰، البحرالرائق، زكريا ۹/ ۳۶۹، كوئٹه ۸/ ۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۲۴۶، حاشية ترمذي ۱/ ۳، معارف السنن، اشرفية ديو بند ۱/ ۳۳-۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۸۰۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۴/ ۱۴۲۴ھ

سودی رقم انکم ٹیکس میں دینا

سوال [۹۲۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت اس قدر ٹیکس لگاتی ہے کہ آدمی کی کمائی اور آمدنی پر کہ آدمی کی تہائی آمدنی ان ٹیکسوں میں چلی جاتی ہے، پھر مرنے کے بعد بھی اس کے ترکہ سے کچھ ہڑپ کر

لیتی ہے، جس کو حکومت ڈیٹ ڈیوٹی بولتی ہے، ایسے ظلم کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص اپنی حلال کمائی اور حقوق ورثاء بچانے کے لئے انشورنس پالیسی نکال کر سود کی رقم سے ٹیکس کی ادائے گی کرے، بیمہ کرانے سے محض اس کی غرض یہ ہو، تو کیا جائز ہوگا کہ نہیں؟

المستفتی: محمد شعیب، ساؤتھ افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لائف انشورنس (جیون بیمہ) ناجائز اور حرام ہے، اور اس غرض سے بھی جائز نہیں ہے کہ اس کو حاصل کر کے ٹیکس میں دینا ہے؛ البتہ اس غرض سے گنجائش ہے کہ جو رقم لائف انشورنس میں جمع ہوگی اس پر سے حکومت ٹیکس نہیں لیتی ہے، تو اس رقم کو ٹیکس سے محفوظ کرنے کی نیت سے انشورنس میں رکھنا مباح ہوگا، پھر جب اضافی رقم ہاتھ میں آجائے گی تو اس کو ٹیکس میں دینا بھی جائز ہوگا؛ اس لئے کہ جو رقم زائد ملتی ہے، اس کو کسی بھی عنوان سے حکومت کو واپس کرنا جائز ہے؛ لہٰذا ٹیکس کے عنوان سے بھی واپس کرنا جائز ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۹۹)

صرح الفقهاء: بأن من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد كالسرقة، والغصب، والخيانة، والغلول، ففي جميع الأحوال: المال الحاصل له حرام عليه، يجب عليه أن يرده على مالكه، إن وجد المالک، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلک الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامية، بيروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، وهكذا في الشامي، زكريا ۹/۵۵۳، كراچي ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق امدادية ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰، البحر الرائق، زكريا ۹/۳۶۹، كوئٹه ۸/۲۰۱، هندية، زكريا قديم ۵/۳۴۹، زكريا جديد ۵/۴۰۴،

الـمـوسـوعة الفقهية الكويتية ٣٤/٢٤٦، حاشية ترمذي ١/٣، معارف السنن، اشرفية ديوبند ١/٣٣-٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رصفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۳۵۱/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۲۴ھ

سودی رقم سیل ٹیکس میں دینا

سوال [۹۲۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بمبئی سے کاروباری مال خرید کر لاتا ہے۔ اب جو خریدار یوپی کے علاوہ دیگر صوبوں مثلاً پنجاب وغیرہ کے ہوتے ہیں، وہ تو ہم کو پکی رسید میں سیل ٹیکس بھی دیتے ہیں؛ لیکن جو خریدار یوپی کے ہوتے ہیں وہ سیل ٹیکس نہیں دیتے؛ البتہ کچا پرچہ لے لیتے ہیں اور جو دیگر صوبوں کے ہم کو ٹیکس دیتے ہیں، وہ ہم سے مال کی خریداری میں اتنی کم قیمت مال کی کرا لیتے ہیں کہ جو انہوں نے ہم کو ٹیکس دیا ہے، وہ نہ دینے کے درجہ میں ہوتا ہے، گویا یوپی اور غیر یوپی کے گاہکوں کی طرف سے سیل ٹیکس میں ہم کو ہی دینا پڑتا ہے۔

اس تفصیل کے پیش نظر سوال یہ ہے کہ ہماری جو رقومات بینک میں جمع رہتی ہیں، اس کے سود کے روپیہ کو ہم سیل ٹیکس یا انکم ٹیکس میں گورنمنٹ کو ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ ہم زکوۃ بھی ادا کرتے ہیں؟

(۲) کیا مسلمانوں کو سیل ٹیکس اور کسی قسم کا ٹیکس دینا جائز ہے؟ جبکہ اسلامی قانون میں صرف زکوۃ ہی ہے۔

(۳) سیل ٹیکس یا اور کسی ٹیکس کی ادائیگی، اگر ہماری رقم کے سود سے ادا کی جا سکتی ہے، تو اگر ہم بینک کے سود کی رقم کے مطابق اپنے پاس سے اصل رقم میں سے وہ ٹیکس ادا کر دیں اور بعد میں وہ سود کی رقم اپنے استعمال میں لے آئیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ

ہم نے اس کا متبادل اپنی جیب سے ادا کر دیا ہے۔

المستفتی: فضل الرحمٰن، لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سیل ٹیکس میں بینک سے حاصل شدہ سود کا پیسہ نا جائز ہے؛ اس لئے کہ سود کا پیسہ کسی بھی عنوان سے اصل مالک کو واپس کر دینا واجب ہوتا ہے، اور سیل ٹیکس شرعاً جبری ٹیکس ہے، جو کہ شرعاً واجب نہیں ہے اور سود کو حکومت کو واپس کرنا ہے، تو سیل ٹیکس کے عنوان سے واپس کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱/۱۰۰، فتاوی محمودیہ قدیم ۴/۲۰۳، جدید ڈابھیل ۱۶/۳۸۳)

یجب علیه أن یرده علی مالکه إن وجد المالک. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور ۱/۳۷، دارالبشائر الإسلامیة، بیروت ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، وهکذا في الشامي، زکریا ۹/۵۵۳، کراچي ۶/۳۸۵، تبیین الحقائق امدادیة ملتان ۶/۲۷، زکریا ۷/۶۰، البحرالرائق، زکریا ۹/۳۶۹، کوئٹه ۸/۲۰۱، هندیة، زکریا قدیم ۵/۳۴۹، جدید ۵/۴۰۴، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۴/۲۴۶، حاشیة ترمذي ۱/۳، معارف السنن، اشرفیة دیوبند ۱/۳۳-۳۴)

(۲) جب آپ اپنے مال کی زکوۃ ادا کرتے ہیں، تو سیل ٹیکس سے بچنے کا راستہ اختیار کرنا جائز ہوگا۔

(۳) ایسا کرنا جائز نہیں یہ گویا ایسا ہے جیسا کہ ذبح شدہ حلال بکرا تو دیدیا اور مردہ بکرا اپنے لئے رکھ لیا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۳۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۱۹ھ